میزان الحق

یعنی

دیوبندی بریلوی اختلاف کا شرعی فیصلہ

مکمل تین حصے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، نور و بشر [illegible]
[illegible]
[illegible] دیوبند [illegible]
[illegible]
[illegible] نقل کی گئی ہیں۔

مرتبہ

[illegible] سید مشتاق علی شاہ

مکتبہ قاسمیہ (۱۷) اردو بازار
ٹیلیفون: [illegible]

میزان الحق

یعنی

دیوبندی، بریلوی اختلاف کا

شرعی فیصلہ

مکمل تین حصے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، نور و لبشر، یارسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا، بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مرتب:

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ——— میزان الحق
مرتب ——— سیّد مشتاق علی شاہ
تاریخ طباعت اوّل ——— نومبر ۱۹۹۳ء
قیمت ——— 150/- روپے
تعداد ——— گیارہ سو ۱۱۰۰
کتابت ——— سیّد جعفر بخاری موضع کھیکے ضلع گوجرانوالہ
سرورق ——— امان اللہ قادری
ناشر ——— مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
مکتبہ حنفیہ اُردو بازار گوجرانوالہ
مکتبہ قاسمیہ اُردو بازار لاہور
مکتبہ سیّد احمد شہید اُردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

عنوان	صفحہ نمبر
مقدمہ	۱۲
حصہ اوّل	۳۴
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر انکار ختم نبوت کا بہتان	″
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر تکذیب رب العزت جل جلالہ کا ناپاک بہتان۔	۶۱
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری پر تنقیص شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بہتان	۷۶
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر توہین شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بہتان نامہ	۱۴۶
حصہ دوم	۱۷۵
بحث علم غیب	۱۷۶
علم غیب علم کل، علم محیط و علم بسیط خاصۂ خدا ہے۔	″
علم غیب	″
علم کل	۱۷۷
علم محیط	″
علم وسیع و بسیط	۱۷۸
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب جانتا ہے۔	″
متقین و ظالمین، مصلحین و مفسدین مہتدین و مضلین اور شاکرین و معتدین اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں	۱۸۰
اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اور اس کی ہر حالت و کیفیت کو جانتا ہے۔	″
اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔	۱۸۱
اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن خفی و جلی اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے۔	″
اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب حالات جانتا ہے۔	۱۸۲
اللہ تعالیٰ سب اعمال کو جانتا ہے	″
پہلی آیت	″
دوسری آیت	″
اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے۔	۱۸۳
اللہ تعالیٰ کو سب اعمال و افعال کا علم ہے۔	″

عنوان	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی خبر ہے۔	۱۸۳
اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں	۱۸۴
اللہ رب العزت کی صفت علم	״
(۱) واسعٌ علیم	
(۲) علیمٌ حکیم	״
(۳) علیم قدیر	״
(۴) سمیعٌ علیم	۱۸۵
اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔	״
پہلی دوسری تیسری چوتھی پانچویں چھٹی آیت	״
قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں۔	״
خلاصہ	۱۸۶
اللہ تعالیٰ کے سوا سب مخلوق سے علم غیب کی نفی۔	״
پہلی آیت قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ	״
دوسری آیت وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ	״
جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب نہیں تھے۔ قرآن سے ثبوت	
پہلی آیت قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ سے استدلال	۱۸۷

عنوان	صفحہ نمبر
دوسری آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ سے استدلال	۱۸۷
حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تشریح۔	״
حضرت عائشہؓ سے اسکی تشریح	۱۸۸
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسکی تشریح	״
صرف پانچ باتوں کا نہیں بلکہ کسی غیب کی بات کا بھی علم کسی کو نہیں بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے	۱۸۹
پہلی آیت یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ	۱۹۰
دوسری آیت سورۃ طٰہٰ کی اطلاع علی الغیب	״
پہلی آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ	״
دوسری آیت عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ	۱۹۱
غیب کیا ہے اور کیا نہیں	״
نبراس شرح عقائد کا حوالہ	״
نواب صدیق حسنؒ غیر مقلد کا حوالہ	۱۹۲
ملا علی قاریؒ وسعد الدین تفتازانیؒ کا حوالہ	״

عنوان	صفحہ
فتاویٰ تاتارخانیہ کا حوالہ	۱۹۳
غزوۂ تبوک کے سفر کا واقعہ	۱۹۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد	״
احادیث سے ثبوت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں	۱۹۵
پہلی حدیث	״
دوسری حدیث	״
تیسری حدیث	۱۹۶
چوتھی حدیث	״
پانچویں حدیث	۱۹۷
چھٹی حدیث	״
ساتویں حدیث	״
آٹھویں حدیث	۱۹۸
نویں حدیث	״
فقہائے اسلام کے اقوال	۱۹۹
فتاویٰ قاضی خان کا حوالہ	״
بحر الرائق کا حوالہ	״
فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ	۲۰۰
صاحب ہدایہ کا حوالہ	״
خلاصۃ الفتاویٰ کا حوالہ	״

عنوان	صفحہ
فصول عماریہ کا حوالہ	۲۰۰
فتاویٰ بزازیہ کا حوالہ	״
عمدۃ القاری کا حوالہ	״
مسائرہ کا حوالہ	״
شامی کا حوالہ	״
مالابد منہ کا حوالہ	״
امام ابن ہمام کا بیان بحوالہ شرح فقہ اکبر	״
فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ	۲۰۱
ملا علی قاری کا حوالہ	״
کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم	״
فتاویٰ قاضی خان سے	״
حضرت ابوہریرہ کی حدیث بحوالہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح	۲۰۲
شرح فقہ اکبر کا حوالہ	۲۰۳
فتاویٰ بزازیہ کا حوالہ	״
تاتارخانیہ کا حوالہ	״
یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا	״
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حوالہ	״

عنوان	نمبر شمار
علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا حوالہ	٢٠٣
بحث حاضر وناظر	٢٠٤
حاضر وناظر کا مفہوم	″
اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے ناموں میں حاضر وناظر نام نہیں ہے لیکن شہید و بصیر ہیں۔	″
شہید وبصیر کا معنیٰ المنجد سے صراح	″
لغات القرآن کے حوالے	″
حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث	″
تسکین الخواطر وجاء الحق کا حوالہ کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر نہیں۔	″
قرآن سے اس بات کا ثبوت کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے	″
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر وموجود ہیں	″
اللہ تعالیٰ ناظر وبصیر ہے۔	٢٠٧
اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے۔	″
اللہ تعالیٰ سمیع وقریب بلکہ اقرب ہے	٢٠٨
اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم ہیں	″
اللہ تعالیٰ سب کی دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں۔	٢٠٩

عنوان	نمبر شمار
احادیث سے ثبوت کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے۔	٢١٠
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث	″
حضرت عبداللہ بن معاویہ عامری کی حدیث	″
حضرت عبادہؓ بن صامت کی حدیث	٢١١
حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث	″
حضرت نواسؓ بن سمعان کی حدیث	٢١٢
ہر جگہ حاضر وناظر، سمیع وبصیر اور عالم کل ہونے کی وجہ وعلت	″
خلاصہ	٢١٥
ایک مسلمہ اصول	٢١٦
کتاب وسنت میں اس اصول کی رعایت	٢١٧
نبی کریمؐ کے لئے علم غیب یا حاضر وناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔	٢١٨
اللہ کی شان اور نبیؐ کا مقام	٢١٩
شانِ خلاقی ورزاقی	٢٢٢
غیر رسولؐ کے متعلق حکم	٢٢٣
فقہائے اسلام کے اقوال	٢٢٤

مضمون	نمبر شمار
علامہ عبدالحیؒ لکھنویؒ کا حوالہ	٢٢٤
فتاویٰ بزازیہ وبحر الرائق کا حوالہ	٢٢٥
بحث مختار کل	٢٢٦
قدرت کاملہ کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے	″
اللہ تعالیٰ ہی مختار کل ہے	″
قرآن سے ثبوت	″
پہلی آیت	″
دوسری تیسری آیت	٢٢٧
چوتھی پانچویں آیت	٢٢٨
چھٹی آیت	٢٢٩
ساتویں آٹھویں نویں دسویں گیارہویں بارہویں آیت	٢٣٠
خلاصہ	″
قدرت کاملہ اور کل اختیارات	٢٣١

مضمون	نمبر شمار
کا مالک۔ صرف اللہ تعالیٰ ہے	٢٣١
قرآن سے ثبوت	″
پہلی اور دوسری آیت	″
تیسری چوتھی آیت	٢٣٢
اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اجمالی بیان	″
معبودان باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے	٢٣٧
غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فیصلہ	″
اللہ کی عبادت کی بنیاد	٢٤٠
غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد	″

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مختار کل نہیں	۲۴۱	ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں	۲۵۰
قرآن سے ثبوت	//	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختار کل نہیں تھے۔	۲۵۳
پہلی آیت	//		
دوسری تیسری چوتھی آیت	۲۴۲	احادیث سے ثبوت	//
پانچویں آیت	۲۴۳	پہلی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے	//
تفسیر روح المعانی کا حوالہ	//	دوسری حدیث حضرت ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ سے	۲۵۴
مختار کل صرف ایک اللہ ہے باقی بے اختیار ہیں۔	۲۴۵	تیسری حدیث حضرت عائشہؓ سے	//
قرآن سے ثبوت	//	چوتھی حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے	۲۵۵
پہلی دوسری آیت	//	پانچویں حدیث مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے	۲۵۶
تیسری چوتھی پانچویں چھٹی آیت	۲۴۶		
ساتویں آٹھویں نویں آیت	۲۴۷	چھٹی حدیث حضرت انسؓ سے	//
دسویں آیت	۲۴۸	ساتویں حدیث حضرت عائشہؓ سے	۲۵۷
امام المرسلین سید الانبیاء بھی مختار کل نہیں تھے۔	//	آٹھویں حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا	۲۵۸
پہلی دوسری آیت	//	نویں حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے	//
علامہ آلوسی کا بیان	۲۴۹	دسویں حدیث حضرت معاویہؓ سے	//
امام نسفی کا حوالہ	//	امام ابن تیمیہؒ کا حوالہ	۲۵۹
تیسری آیت	//	گیارھویں حدیث حضرت جابرؓ سے	۲۶۰
اقلیم بلاغ و ہدایت کے تاجدار کو	۲۵۰	بارھویں حدیث حضرت زرینؓ سے	۲۶۱

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
دعا	۲۶۱	یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا	۲۷۲
شفاعت	۲۶۲	ذاتی نہ، بلکہ عطائی خلاصہ	۲۷۳
نبی کریمؐ کا ہر نماز کے بعد کا وظیفہ	۲۶۳	**بحث نور و بشر**	۲۷۷
صبح وشام کا وظیفہ	//	حضورؐ کو بشر اور بھائی کہنا	//
دن بھر میں سو بار لا الٰہ الا اللہ	۲۶۴		
گھر سے باہر نکلتے وقت کا وظیفہ	۲۶۵	اپنے عقیدہ اور مسلک کی وضاحت	//
ہر وقت کا وظیفہ	۲۶۶	حضور اکرمؐ بشر تھے قرآن سے ثبوت	//
اللہ کے سوا کوئی بھی نفع نقصان کا مالک نہیں	۲۶۷	پہلی آیت	//
		دوسری تیسری چوتھی آیت	۲۷۸
آثار صحابہؓ کرام واقوالِ سلف	۲۶۸	پانچویں چھٹی آیت	۲۷۹
حجرِ اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب	//	سوال	۲۸۶
حضرت محبوب سبحانیؒ کا ارشاد	۲۶۹	ساتویں آٹھویں آیت	//
کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں	۲۷۰	نویں دسویں آیت	۲۸۷
		احادیث سے ثبوت	۲۸۸
مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے۔	//	پہلی دوسری حدیث	//
حضرت زنیرہؓ کا واقعہ	//	تیسری حدیث	۲۸۹
غزوہ اُحد کا واقعہ	۲۷۱	چوتھی حدیث	۲۹۰
حضرت علاء بن الحضرمیؒ کا واقعہ	//	پانچویں چھٹی حدیث	۲۹۱
حضرت عبداللہؓ بن ثواب ابومسلم خولانی کا واقعہ۔	۲۷۲	ساتویں حدیث	۲۹۲
		آٹھویں نویں حدیث	۲۹۳

مضمون	صفحہ نمبر
دسویں حدیث	۲۹۴
لفظ بشر کی لغوی اور معنوی تحقیق	۲۹۶
سوال	〃
جواب	〃
سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کو حقیر سمجھا۔	۳۰۰
کیا کوئی نوری بشری لباس اور بشری صورت میں دنیا میں آیا ہے۔	〃
قرآن حکیم میں آپ کی عبدیت کا اعلان	۳۱۵
پہلی دوسری تیسری آیت	〃
چوتھی پانچویں چھٹی ساتویں آٹھویں آیت	۳۱۶
صحابہ کرامؓ کے ارشادات	〃
حضرت انسؓ بن مالک کی روایت	۳۱۷
سیدنا علیؓ کی شہادت	〃
حضرت براء بن عازبؓ کی شہادت	۳۱۸
علمائے مفسرین و محدثین کے ارشادات	۳۱۹
علامہ آلوسیؒ کا حوالہ	〃
زرقانیؒ کا حوالہ	〃
تفسیر ابن کثیر کا حوالہ	۳۲۰
علماء عقائد کے ارشادات	۳۲۲
علامہ سعد الدین التفتازانی کا ارشاد	۳۲۲
علامہ کمال بن ابی شریفؒ کا ارشاد	〃
علامہ ابن ہمامؒ حوالہ	〃
کتاب الشفاء کا حوالہ	۳۲۳
صوفیاء کرام کے ارشادات	〃
مجدد الف ثانیؒ کا حوالہ	〃
جلال الدین رومیؒ کا حوالہ	۳۲۵
قصیدہ بردہ کا حوالہ	〃
حضور اقدس ﷺ کے سایہ کی تحقیق	۳۲۶
پہلی حدیث	〃
دوسری حدیث	〃
بحث یارسول اللہ کہنا	۳۲۸
یارسول اللہ کہنے کی کئی صورتیں ہیں	〃
اور سب کا حکم ایک نہیں	〃
پہلی صورت	〃
دوسری صورت	〃
تیسری صورت	۳۲۹
پہلی دوسری تیسری حدیث	〃
چوتھی صورت	۳۳۰
عبد اللہ بن مسعودؓ کا ارشاد	〃

مضمون	صفحہ نمبر
پانچویں صورت	۳۳۰
نعرہ حیدری کی تقلید میں نعرہ رسالت نعرہ غوثیہ کا ایجاد کرنا	۳۳۱
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا وظیفہ پڑھنا۔	〃
قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفیؒ کا حوالہ ارشاد الطالبین سے	〃
مولانا مفتی عبد الرحیم راجپوری کا مضمون فتاویٰ رحیمیہ سے	۳۳۲
سوال	〃
جواب	〃
پہلی حدیث	〃
دوسری حدیث	۳۳۳
تفسیر حقانی کا حوالہ	〃
تیسری حدیث	〃
الفتح الربانی کا حوالہ	۳۳۴
فتوح الغیب کا حوالہ	〃
فتاویٰ بزازیہ کا حوالہ	۳۳۶
تفسیر عزیزی کا حوالہ	〃
انوار البہیہ کا حوالہ	〃
غیر اللہ سے مدد مانگنا	۳۳۸
إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی تفسیر نعیم الدین صاحب سے	〃
اس کا رد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے	۳۴۰
علامہ خوقیر سے اس کا رد	〃
حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ	۳۴۲
بدور بازغہ کا حوالہ	〃
حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کا حوالہ	〃
حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کا حوالہ	۳۴۳
بدور بازغہ کا حوالہ	〃
الفوز الکبیر کا حوالہ	۳۴۴
موضح القرآن کا حوالہ	۳۴۶
استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کا مطلب	۳۴۷
نبی اور ولی کو اختیارات حاصل نہیں	۳۴۸
جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کا حوالہ	〃
فریق مخالف کے دلائل کے جواب	۳۴۹

(تمت بالخیر)

مقدمہ

محترم ناظرین ہم یہاں پر بہت مختصر طور پر دیوبندی ۔بریلوی اختلافات کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں کہ یہ اختلاف کیسے واقعہ ہوا اور کن کن باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ کیونکہ دیوبندیوں اور بریلویوں کا دعویٰ ایک ہے۔ دونوں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت حنفی کہلاتے ہیں اور تصوف کے چاروں سلسلوں قادری چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی میں بیعت کرتے کراتے ہیں یہ دونوں فریق امام ابوحنیفہؒ کے مقلد بھی ہیں اور عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کو امام اور مقتدا مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دیوبندیوں اور بریلویوں میں بنیادی طور پر تین اختلاف ہیں۔

(۱) کفر (۲) شرک (۳) بدعت

ان کی تفصیلات کو اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے اس کتاب کے تین حصے ہی بنائے ہیں۔ پہلے حصہ میں کفر کی بحث دوسرے میں شرک اور تیسرے حصہ میں بدعت کی بحث کی ہے۔

اختلاف کہاں سے شروع ہوا

برصغیر پاک و ہند میں شروع ہی سے اہلسنت والجماعت حنفی چلے آرہے تھے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ برصغیر میں شیعہ سنی اختلاف تو کافی عرصہ کا تھا مگر اہلسنت کا آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ المتوفی ۱۰۳۴ھ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۳ھ، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۰ھ، شاہ عبدالغنی المتوفی ۱۲۲۷ھ

شاہ اسماعیل شہیدؒ محدث دہلوی ۱۲۴۶ھ، سید احمد شہیدؒ بریلوی ۔ھ، شاہ اسحاق محدث دہلویؒ ۔ھ، مولوی عبدالقیوم بڈھانوی ۱۲۹۹ھ، مولوی سید نصیرالدین دہلوی م ۱۲۵۶ھ مولوی عبدالخالق دہلوی ۔ھ شیخ محمد محدث تھانوی ۔ھ شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی۔ نواب قطب الدین محدث دہلوی ۔ھ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ۔ھ مفتی عنایت احمد کاکوروی ۔ھ، مولوی نورالحسن کاندھلوی ۔ھ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی ۔ھ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی ۔ھ۔ مولانا مملوک علی نانوتویؒ ۔ھ مفتی صدرالدین آزردہ ۔ھ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی ۔ھ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۔ھ تک دیوبندی۔ بریلوی اختلاف کا بالکل نام و نشان نہیں ملتا۔

بریلوی فرقے کے بانی

مولانا مولوی احمد رضا خان بریلوی

مولانا احمد رضا خان بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل سنت والجماعت میں تفریق اور نفرت کا بیج بویا ان کی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن آئے مسلمانان ہند کا اعتماد ان محدثین دہلی (یعنی شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان) سے اٹھا دیا جائے اور دہلی کے اس علمی خاندان کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے کبھی جمع نہ ہوسکیں۔ انگریز ہندوستان میں تفریق ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی لے کر آئے تھے اور ان کی کامیابی کا راز اسی تفرقہ بازی میں مضمر تھا۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے نہ صرف یہ کام کیا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف رسالے لکھے، دہلی کے اس مرکزِ علمی کو بدنام کیا بلکہ تفریق بین المسلمین کے اس محاذ پر اپنی زندگی کے پچاس سال لگا دیئے۔ ملتِ اسلامی کا کوئی خیرخواہ اس پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اپنی زندگی آخر کس کام پر لگائی۔ آپکے ایک معتقد قاری احمد پیلی بھیتی سوانح اعلیٰحضرت کے مقدمے (کلام اوّل) میں لکھتے:

"۱۲۹۷ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں نے قلم اٹھایا، کثرت سے کتابیں لکھیں، فتوے صادر کئے، حرمین شریفین کے سفر میں مشاہیر علماء حرمین شریفین سے علماء دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حسام الحرمین کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ مولانا احمد رضا خاں پچاس[1] سال مسلسل اسی جدّ و جُہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہو گئے، بریلوی اور دیوبندی۔ دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان تخالف و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص۸)

مولانا احمد رضا نے تفریق بین المسلمین کے سلسلہ میں تقریباً اپنے علاوہ ہر مسلمان کی توہین و تکفیر کی۔

محدثین دہلی کے نقشبندی سلسلے پر عتاب اور مجدّد الف ثانیؒ کی توہین

محدثین دہلی کا بیعت وارشاد کا سلسلہ زیادہ تر نقشبندی تھا۔ مشائخ نقشبندی شرک و بدعت کے سخت خلاف تھے اس لئے مولوی احمد رضا خاں کو نقشبندی سلسلے کے بزرگ حضرت امام ربّانی سیدنا مجدّد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) سے کچھ کد سی تھی، انہوں نے جہاں کہیں آپ کا ذکر کیا ہے کہیں آپ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں لکھا وہ انہیں اپنے بزرگوں میں ہی تسلیم نہیں کرتے، ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"کوئی مجدّدی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ[2] جانے ہم ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو (صحیح ہوش) سے بتایا، خدا کے فرمانے

---

[1] ۱۲۹۷ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ۴۳ سال بنتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ قاری جی حساب نہیں جانتے تھے۔
[2] گویا مجدّد الف ثانیؒ آپ کے کچھ نہیں لگتے وہ جس کے ہیں وہ ان کو جانے۔

سے کہا تمام جہاں کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کیے ہیں[1] ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا سُکر (نشہ) ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں، ناواقفی یا سُکر۔ سُکر تو یہی ہے[2]"

مولانا احمد رضا خان پھر بڑے طنز سے انھیں خاندانِ دہلی کا بڑا لکھتے ہیں:

تمام خاندانِ دہلی کے آقائے نعمت[3]

اس اندازِ کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خان صرف مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہی خلاف نہ تھے۔ پورا خاندانِ دہلی ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا وہ ان کو ہی نہیں ان کے سب پیران و مشائخ کو بھی غیر آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پورے خاندان سے علم و معرفت کے چشمے جاری تھے توحید و سنت کی حمایت میں ان کا نقطۂ نظر ایک سا تھا۔ ان کی فکر و نظر میں سُنت سے محبّت اور بدعت سے نفرت کا بیج مجدّد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندی نے ہی بویا ہوا تھا اور یہی نقشبندی شیوخ تھے جو ہندوستان میں شریعت کے چشمۂ صافی کے گرد پہرہ دے رہے تھے اور ایک ایک بدعت کا انکار کر رہے تھے۔ مولوی احمد رضا خاں کو اس لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت سے کوئی عقیدت نہ تھی اور یہ حق ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان اکابرِ دہلی کی مخالفت سے سنت کی خدمت نہیں کی بدعات کو فروغ دیا ہے۔

فقہ اور حدیث میں کھرے کھوٹے کی پہچان اور کتاب و سنّت کی صحیح تعبیر ان دونوں

---

[1] کیا حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے دعوے صرف زبانی جمع خرچ تھے اور کیا سب بے ہوشی کا نتیجہ تھے (معاذ اللہ) حضرت کی شان میں کس قدر گستاخی ہے۔
[2] ملفوظات مولوی احمد رضا خاں حصہ سوم ص۲۶ مکتبہ عثمانیہ گوجرانوالہ
[3] الکوکبۃ الشہابیہ ص۴۶ مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ

ہندوستان میں ان محدثین دہلی سے وابستہ تھی۔ اس خاندان کی مخالفت شاہراہِ اسلام سے بغاوت اور انتشار کی طرف ایک نیا قدم تھا۔

شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی اور احمد رضا

بریلوی حضرات شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کا بہت ذکر کیا کرتے ہیں اور ان کی مشہور کتاب مدارج النبوت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر انہوں نے لکھی ہے اس کے اکثر حوالہ دیتے ہیں مگر ان کے اعلیٰ حضرت مدارج النبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں وہ ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔

بریلوی حضرات ایک حدیث رسولؐ پیش کیا کرتے ہیں جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔
اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا
بریلوی حضرات اس حدیث سے حضور اکرمؐ کا نور ہونا ثابت کرتے ہیں۔ علمائے دیوبند اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں بریلویوں کو چاہیئے کہ اس کی سند بیان کریں یہ حدیث کس صحابیؓ نے حضور اکرمؐ سے سنی ہے اور کس محدث نے اس کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جب تک اس کی سند کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے استدلال درست نہیں۔ بریلویوں پر لازم ہے کہ اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ یہ روایت حدیث کی فلاں کتاب میں فلاں محدث نے اپنی سند سے نقل کی ہے۔ تاکہ اس کی سند چیک کی جائے۔ مگر آج تک کوئی مائی کا لال بریلوی علماء میں سے اس بات کو پورا نہ کرسکا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ شیخ عبدالحقؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔

علماء دیوبند یہ جواب دیتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ جب تک اس کی سند معلوم نہ ہو تو کسی طرح بھی شیخ عبدالحق کی بات درست نہیں ہوسکتی، شیخ عبدالحق کا ادب و احترام اپنی جگہ پر مگر ایک بے سند روایت کے متعلق بلاتحقیق یہ حکم لگانا بالکل غلط

ہے۔ بریلوی کہتے ہیں کہ دیکھو علمائے دیوبند شیخ کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں ہم بھی صرف ایک حوالہ ذکر کرتے ہیں جس میں اعلیٰحضرت نے اس کا رد کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ حدیث اور مدارج النبوت کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مولانا احمد رضا نقل کرتے ہیں

تنبیہہ:۔ بعض حنفی بننے والے یہاں یہ عذر بے معنی پیش کرتے ہیں کہ مدارج النبوت میں ہے۔ وا لان درحرمین شریفین متعارف ست کہ چوں خبر می رسد کہ فلاں مرد صالح در بلدے از بلاد اسلام فوت کردہ است شافعیہ نماز بروئے میکنند و بعضے حنفیہ با ایشاں شریک مے شوند از قاضی علی بن جاراللہ کہ شیخ حدیث این فقیر بود پرسیدہ شد کہ حنفیہ چوں شریک می شوند در گزاردن ایں نماز گفت دعائے است کہ میکنند فلا باس بہ۔

(نوٹ اس فارسی عبارت کا ترجمہ عوام کے فائدہ کے لئے ہم مدارج النبوت اردو مترجم الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی بریلوی سے نقل کرتے ہیں۔

آج بھی حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیما و تشریف میں متعارف ہے کہ جب خبر پہنچے کہ فلاں مرد صالح کسی اسلامی شہروں میں فوت ہوگیا ہے تو شوافع اس پر نماز پڑھتے ہیں اور بعض احناف بھی ان کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں قاضی علی بن جاراللہ جو اس فقیر کے یعنی صاحب مدارج النبوت کے شیخ حدیث ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ احناف ایسی نماز غائبانہ پڑھنے میں کیوں شریک ہوتے ہیں تو فرمایا یہ دعا ہے جو کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مدارج النبوت اردو ص ۶۳۸/۲ مطبوعہ کراچی) اس عبارت کا رد کرتے ہوئے احمد رضا صاحب لکھتے ہیں۔

تمام نصوص صریحہ کتب معتمدہ و اجماع جمیع ائمہ مذہب کے مقابل گیارھویں صدی کے ایک فاضل قاضی کی حکایت پیش کرتے ہوئے شرم چاہیئے تھی۔ کچھ آگے چل کر نقل کرتے ہیں پھر جسے ادنیٰ لیاقت اجتہاد بھی نہیں جمیع ائمہ مذاہب کے خلاف اس کی بات کیا قابلِ التفات ص ۳۷

پر نقل کرتے ہیں اجماع آئمہ مذاہب کے خلاف ایسی بے معنی استناد کیسی سخت جہالت شدیدہ ہے شک نہیں کہ قاضی ممدوح گیارھویں صدی کے ایک عالم تھے مگر عالم سے لغزش بھی ہوتی ہے۔ پھر اس کی لغزش سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ اتباع کا۔

ص ۳۵ پر لکھتے ہیں خدا را انصاف فرمایئے فرض کر دیکھئے کہ کتب مذہب میں جوازِ نمازِ غائب تکرار جنازہ کی عام تصریحات ہوتیں اور ایک قاضی ممدوح نہیں ان جیسے دو سو قاضی اسے ناجائز بتاتے اور کوئی شخص کتب مذہب کے مقابل ان دو سو سے سند لاتا تو دیکھئے کہ یہ حضرات کس قدر غل مچاتے اُچھل اُچھل پڑتے کہ دیکھو کتب مذہب میں تو جواز کی صاف تصریح ہے اور یہ شخص ان سب کے خلاف گیارھویں کے دو قاضیوں کی سند دیتا ہے ہم ان کی مانیں یا کتب مذہب کو حق جانیں اور اب جو اپنی باری ہے تو تمام آئمہ مذہب کا اجماع تمام کتب مذہب کا اتفاق سب بالائے طاق اور تنہا قاضی ممدوح کو تقلید کا استحقاق اس ظلم صریح وجہل قبیح کی کوئی حد ہے مگر یہ ہے کہ جب کہیں کچھ نہ پایا۔ الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سوار پکڑتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و باللہ العصمة۔ مدارج النبوت نہ کوئی فقہ کی کتاب ہے۔
(الہادی الحاجب ص ۳۳ ص ۳۴ ص ۳۴ مطبوعہ بزم فکر و عمل کراچی)

شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا احمد رضا خان بریلوی

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ المتوفی ۱۲۴۶ھ کے مخالف لوگوں میں علامہ فضل حق خیر آبادی۔ فضل رسول بدایونی۔ عبد القادر بدایونی مولانا نقی علی خان (والد ماجد مولانا احمد رضا) کے بعد مولانا احمد رضا کا نمبر آتا ہے مولانا احمد رضا نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف بہت

لے ہم نے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ احمد رضا نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مخالفت کی ہے اور ہمارے خیال میں جتنی مخالفت شاہ صاحب کی ہے کسی اور کی نہیں کی ہوگی شاہ صاحب کے متعلق احمد رضا کی تحریرات میں تضاد پائے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں عبارات اکابر ص ۱۰۳ تا ۱۰۹)

سے فتوے دیئے اور کئی رسالے بھی لکھے جن میں سے الکوکبة الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ اور سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ معروف بہ کفریات بابائے وہابیہ سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور فتاوٰی رضویہ، ملفوظات، عرفان شریعت، احکام شریعت اور اپنی دیگر تصانیف میں شاہ صاحب کا رد کیا ہے صرف الکوکبة الشہابیہ ہی میں سترّ کفریات نقل کئے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں یہ بطور نمونہ طائفہ حائفہ اور اس کے امام کے کفری اقوال اور ان پر کتب آئمہ دین سے احکام کفر واشد الضلال تھے۔ جن کا شمار بظاہر سترّ کفریات تک پہنچا اور حقیقةً دیکھئے تو بے شمار ہیں کہ سات سے گیارہ تک یا پانچ کفریوں کے کلمات میں ہر کلمہ صد ہزار کفریہ کا خمیرہ ہے یوں ہیں کفریہ ۲۳ و ۲۹ بھی مجمع کفریات کثیرہ یہ سترّ کیا ان میں سے جس ایک کو چاہیئے سترّ کر دیکھایئے تو اب ان کفریات کو سترّ کہیئے خواہ سترّ ہزار کفریات ٹھہرایئے (الکوکبة الشہابیہ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضائے مصطفٰے دار السلام گوجرانوالہ)

ناظرین ہم یہاں پر صرف ایک ہی حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ پر ہم یک روزی کے مقدمہ میں مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ۔ اور کافی کتابیں اس مسئلہ پر پہلے آپ کی ہیں مثلاً (شاہ اسمٰعیل شہید) اور (نماز کا مقام توحید) از علامہ خالد محمود صاحب (شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات) از مولانا محمد منظور نعمانی۔ شاہ اسمٰعیل از عبد اللہ بٹ۔ حیات طیبہ مرزا حیرت دہلوی غیر مقلد سید احمد شہیدؒ۔ جماعت مجاہدین۔ سرگزشت مجاہدین۔ غلام رسول مہر اکمل البیان فی تائید تقویة الایمان عزیز الدین مراد آبادی غیر مقلد۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے ناقدین۔ مولانا اخلاق حسین دہلوی، شاہ اسمٰعیل شہید۔ نسیم فریدیؒ صاحب الجنة لاھل السنة از مولانا عبد الغنی خان۔ عبارات اکابر حصہ اول شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی مرتب سعید الرحمٰن علوی وغیرہ۔

علمائے دیوبند

(مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ مولانا اشرف تھانویؒ) اور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے شوقِ تکفیر کو پورا کرنے کے لئے موصوف الصدر بزرگانِ ملت واساطین امت کو منتخب کیا چنانچہ زندگی بھر وہ خود اور اس کے بعد آج تک ان کی پارٹی مذکورہ بالا بزرگانِ دین کی تکفیر سازی و بدزبانی میں مصروف ہو کر اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی اور ان حضرات کے مراتب و حسنات میں اضافہ کر رہی ہے خانصاحب بریلوی نے مذکورہ بالا بزرگانِ ملت محافظین سنت شریعت کی جانب اپنے دماغ و ذہن کے نکالے ہوئے ایسے ایسے گندے و ناپاک عقیدے منسوب کئے جن کی نقل سے بھی ایمانی روح کانپتی و اسلامی شرافت سرنگوں ہو جاتی ہے اس فرضی و دماغی عقیدوں کی بنا پر احمد رضا نے یہ فتویٰ دیا کہ معاذ اللہ یہ مقدس حضرات سب کے سب ایسے قطعی و یقینی کافر و مرتد ہیں کہ جو ان کے کفر و ارتداد میں شک کرے یا ان کو اچھا جانے تو وہ بھی کافر وجہنمی ہے آگے آپ اصل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں گے۔

اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر

یعنی

(١) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

(٢) شمس الاسلام فقیہہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(٣) امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری

(٤) حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی تکفیر

(١) مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتاب حسام الحرمین کے صـ٢٠ پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہی اور صـ٢٢ پر مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا نام لئے بغیر ان کے متعلق لکھا ہے (گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ) اور صـ٢٨ پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق لکھا ہے۔

(اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں ہے جسے اشرفعلی تھانویؒ کہتے ہیں) ان چاروں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں صـ٣٢ پر لکھا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں۔

(حسام الحرمین مترجم صـ٣٢ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

اسی صـ٣٢ پر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔

(٢) ایسے ہی وہابی دیوبندی نیچری چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنائے خالص ہوگا اور اولاد ولد الزنا (ملفوظات حصہ دوم صـ١٠٥ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ گوجرانوالہ)

(٣) آج کل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے ہیں حکم دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے۔ اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا اس کا نکاح کسی مسلم کافر مرتد اس کے ہم مذہب ہوں یا مخالف مذہب غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہو سکتا جس سے ہوگا۔ محض زنا ہوگا، مرتد مرد ہو یا عورت۔ مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہے۔ یہی ہے وہ کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔

خصوصاً وہابیہ دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہل سنت و جماعت کہتے۔ حنفی بنتے چشتی نقشبندی بنتے نماز روزہ ہمارا سا کرتے ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور اللہ و رسولؐ کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں۔

(احکام شریعت حصہ اوّل ص۱۱۲ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(۴) مولانا احمد رضا خان بریلوی ذبیحہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے دیوبندیوں کو مرتد قرار دیتے ہیں ہم یہاں پر سوال جواب دونوں نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ ۴۴: ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

بعبران دین و مفتیان شرح متین کیا فرماتے ہیں کہ ذبیحہ رافضی و وہابی اور قادیانی کا جائز ہے یا نہیں جب کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے؟ اور کافر اہل کتاب عیسائی۔ یہودی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے جب کہ وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں اور مسلمان عورت بھی ذبح کر سکتی ہے یا نہیں جب کہ کوئی مرد مکان میں نہ ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کا ذبیحہ جائز ہے جب کہ ذبح صحیح طور پر کر سکے۔ یہودی کا ذبیحہ حلال ہے جب کہ نام الٰہی عزجلالہ لے کر ذبح کرے۔ یونہی اگر کوئی واقعی نصرانی ہو نہ نیچری دہریہ جیسے آج کل کے عام نصاریٰ ہیں۔ کہ نیچر کلمہ گو مدعی اسلام کا ذبیحہ تو مراد ہے نہ کہ مدعی نصرانیت کا۔ رافضی تبرائی۔ وہابی دیوبندی۔ وہابی غیر مقلد، قادیانی، چکڑالوی، نیچری ان سب کے ذبیحے محض نجس و مراد حرام قطعی ہیں اگرچہ لاکھ بار نام الٰہی لیں اور کیسے ہی متقی پرہیزگار بنتے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں ولا ذبیحۃ المرتد ہاں غیر تبرائی یعنی تفضیلیہ کا ذبیحہ حلال ہے جبکہ ضروریاتِ دین سے نہ کسی شئے کا خود منکر ہو نہ اس کے منکر رافضی وغیرہ کو مسلمان جانتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(احکام شریعت ص۱۲۲/۱۲۳ حصہ اوّل)

(۵) احکام دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے اور مرتدوں میں سب سے خبیث تر مرتد منافق رافضی وہابی۔ قادیانی، نیچری۔ چکڑالوی کہ کلمہ پڑھتے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہتے نماز وغیرہ افعال اسلام

بظاہر بجالاتے۔ بلکہ وہابی وغیرہ قرآن وحدیث کا درس دیتے۔ اپنے اور دیوبندی کتب فقہ کے ماننے میں بھی شریک ہوتے بلکہ چشتی، نقشبندی وغیرہ بن کر پیری مریدی کرتے۔ اور علماء و مشائخ کی نقل اتارتے اور با این ہمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتے یا ضروریات دین سے کسی شئے کا انکار رکھتے ہیں۔ ان کی اس کلمہ گوئی و ادعائے اسلام اور افعال و اقوال میں مسلمانوں کی نقل اتارنے ہی نے ان کو اخبث و افراد ہر کافر اصلی، یہودی، نصرانی، بت پرست، مجوسی، سب سے بدتر کر دیا کہ یہ آگر پلٹے دیکھ کر اُلٹے، واقف ہو کر اندھے۔

(احکام شریعت حصہ اوّل ص۱۲۴)

(۶) عرض اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہیئے۔

ارشاد۔ میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے اگر کوئی کافر کہے ہم منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں البتہ غلام احمد۔ سید احمد، خلیل احمد، رشید احمد، اشرف علی سے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر مَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ۔

(ملفوظات حصہ اول ص۱۱۴/۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جلیل ٹاؤن گوجرانوالہ)

(۷) احمد رضا خان بریلوی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی کا نام ذکر کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں۔

یہ سب کفار مرتدین ہیں اور یہ کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر نہ کہ ان کو پیشوا اور سرتاج اہل سنت جاننا بلا شبہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی و بدمذہب نہیں قطعاً کافر و مرتد ہے اور ان تمام احادیث کا کہ سوال میں فتاویٰ الحرمین سے مقبول ہوئیں مورد ہے بلا شبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا اس سے بغض کرنا حرام۔ اس کے پاس بیٹھنا حرام۔ اس کے ساتھ کھانا پینا حرام اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام۔ اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا

اس کے جنازہ کی مشایعت حرام۔ اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔ والعیاذ باللہ رب العلمین واللہ تعالےٰ اعلم۔ (عرفان شریعت حصہ دوم ص۵۹ مسئلہ ۲۴ مطبوعہ نذیر سنز پبلشرز لاہور)

احمد رضا نے یہاں پر بارہ دفعہ لفظ حرام کی گردان کی ہے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ کی تکفیر کی وجہ

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند المتوفی ۱۲۹۷ھ نے ایک کتاب ... تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ لکھی تھی اس کی وجہ تالیف کیا بنی تھی وہ ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں۔

تحذیر الناس کی وجہ تالیف

مولانا محمد احسن بریلی میں علوم اسلامی کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے تھے مولانا کے مطبع صدیقی سے اسلامی تبلیغی لٹریچر خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کی خوب نشر و اشاعت ہو رہی تھی۔ مولانا بریلی کالج کے علاوہ طلباء کو گھر پر بھی درس دیتے تھے تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم تھا۔ مدرسہ مصباح التہذیب بریلی کے ذریعہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم جاری تھی مولانا محمد احسن کی یہ علمی و مذہبی خدمات بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کو ناگوار ہوئیں جن میں مولوی نقی علی خاں[1] بریلوی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ صورت یہ ہوئی کہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں شیخو پور ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان و امتناع نظیر پر مولانا عبدالقادر بدایونی (المتوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) اور شمس العلماء امیر احمد سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ منعقد ہوا

---

[1] مولوی نقی علی خان بن مولوی رضا علی خان بھڑیچ ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں بریلی میں پیدا ہوئے ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں شاہ آل رسولؒ مارہروی سے بیعت ہوئے یہ عمر کا آخری زمانہ تھا ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔ مولوی نقی علی خان کی تالیفات میں سرور القلوب فی ذکر المحبوب اور جواہر البیان اسرار الارکان مشہور ہیں (تذکرہ علمائے ہند ص۵۳۰)

مولوی محمد نذیر سہسوانی (المتوفی ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) نے ہر دو فریق کے مفصل حالات و تحریرات پر مشتمل ایک کتاب "مناظرہ احمدیہ" کے نام سے طبع کرا دی تحریرات مناظرہ میں اثر ابن عباسؓ "ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کا آدمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیمکم و موسیٰ کموسٰکم و عیسیٰ کعیسٰکم و نبیٌ کنبیکم" بھی زیر بحث آیا مرتب رسالہ مولوی محمد نذیر سہسوانی نے آخر کتاب میں ایک جملہ یہ بھی لکھ دیا[1]

مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباسؓ) کے معتقد ہیں اور اسی مضمون پر ان کی مہر ثبت ہے اور اسی کے علمائے دین قائل اور معتقد ہیں"۔

صحت اثر ابن عباسؓ کے متعلق مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے ایک فتویٰ مرتب کیا تھا جس پر مفتی سعد اللہ مراد آبادی کی تصدیق تھی مولانا عبدالحیؒ فرنگی محل نے اس فتویٰ پر مولانا محمد احسن سے بھی تصدیق و تصویب کے لئے مہر کرائی تھی اس کا حوالہ محمد نذیر سہسوانی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دیا ہے۔

محمد نذیر سہسوانی کے نقل کردہ اقتباس پر مولانا محمد احسن کی تکفیر کی گئی۔ رجب ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں مدرسہ مصباح التہذیب ختم ہوگیا۔ مخالفت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ نماز عید الفطر (شوال ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) کے موقع پر مولوی نقی علی خان نے عید گاہ میں مولانا محمد احسن کے نماز پڑھانے کو بھی پسند نہیں کیا اگرچہ مولانا محمد احسن ایک مدت سے عیدین کی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا محمد احسن نے اس صورت حال کو دیکھ کر درج ذیل تحریر لکھنی ضروری سمجھی[2]۔

اگر سید احمد شاہ صاحب نماز عید گاہ میں پڑھاویں گے تو کسی طرح کا نزاع اور تکرار پیش نہ ہوگا۔ نہ ہماری طرف سے نہ ہمارے دوستوں کی طرف سے اور درصورت نہ ہوتے

---

[1] مناظرہ احمدیہ مرتبہ محمد نذیر سہسوانی ص۴۷ (مطبع شعلہ طور کان پور ۱۲۸۹ھ)

[2] تنبیہ الجہال ص۱۷

یا انکار کرنے سید صاحب کے قاضی غلام حمزہ صاحب کا امام ہونا مناسب ہے اس پر بھی کچھ تکرار نہ ہوگی اگر انہوں نے بھی قبول نہ کیا تو ہم کو کچھ بحث نہیں کسی کی امامت سے ہماری طرف سے نزاع نہ ہوگی۔" مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو پھر مولانا محمد احسن نے مولوی نقی علی خان کو عیدگاہ سے یہ پیغام بھجوایا کہ [1]

"میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا آپ تشریف لائیے جسے چاہئے امام کیجئے میں اس کا اقتدار کر لوں گا۔"

مگر عیدگاہ میں نماز مولانا محمد احسن ہی نے پڑھائی۔ دوسرے لوگوں نے مولوی نقی علی خان کے اقتدار میں حسین باغ (بریلی) میں نماز عید ادا کی۔ نماز عید کے بعد مولوی نقی علی خان نے اثر ابن عباسؓ کی صحت تسلیم کرنے کی وجہ سے مولانا محمد احسن کی تکفیر کی مولانا محمد احسن نے آخر میں مولوی نقی علی خان کے ایک ساتھی رحمت حسین کو یہ لکھا [2]

"جناب مخدوم و مکرم بندہ دام مجدہم۔ پس از سلام مسنون التماس یہ ہے کہ واقع میں جواب مرسلہ مولوی نقی علی خاں صاحب میری تحریر کے مطابق ہے میں نے یہ جواب اس جواب کا خلاصہ لکھا تھا جو مولوی عبدالحئی فرنگی محلی نے لکھا تھا اور اس پر تصدیق مفتی سعداللہ صاحب کی بھی ہے۔ اور مطبع علوی علی بخش خاں (لکھنو) میں چھپا ہے اور زبانی سامنے شاہ نظام حسین صاحب کے میں نے یہ اقرار کیا کہ مجھ کو اس تحریر پر اصرار نہیں۔ جس وقت علماء کے اقوال باکتب مستندہ سے آئیں۔ غلطی ثابت ہوگی میں فوراً اس کو مان لوں گا مگر مولوی صاحب نے براہ مسافر نوازی کوئی غلطی تو ثابت نہ کی اور نہ مجھ کو اس کی اطلاع دی بلکہ اوّل ہی کفر کا حکم شائع فرمایا اور تمام بریلی میں لوگ اس طرح کہتے پھرے خیر میں نے خدا کے حوالے کیا اگر اس تحریر سے میں عنداللہ کافر ہوں خدا تعالیٰ قبول کرے زیادہ نیاز۔ .... عاصی محمد احسن عفی عنہٗ"

---

[1] تنبیہ الجہال ص۱۵ [2] تنبیہ الجہال ص۱۵

مولوی نقی علی خان اس تحریر سے بھی مطمئن نہ ہوئے ان کی رائے میں اثر ابن عباسؓ کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا محمد احسن منکر خاتم النبیین ٹھہرتے تھے اس نے مولوی نقی علی خاں نے رام پور سے ایک فتویٰ منگوایا جس کی رو سے مولانا محمد احسن کی تکفیر مشتہر کی گئی [1] اس کے بعد مولانا محمد احسن نے اپنی صفائی بہ اشتہار ذیل پیش کی [2]

"عیدالفطر کے روز چرچا ہو رہا تھا کہ مولوی نقی علی خان صاحب نے ایک استفتاء رام پور سے منگوایا ہے، جس کی رو سے میری تکفیر مشتہر کی وہ استفتاء میری نظر سے بالتفصیل نہیں گزرا بعد تشریف آوری مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب کے اس کی نقل میں نے مفصل دیکھی اور اس عقیدہ والے کی تکفیر پر میں بھی علماء کے ساتھ متفق ہوں یعنی جو شخص خاتم النبیین سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کو جانے اور آپ کی نبوت کو مخصوص کسی طبقے کے ساتھ مانے وہ شخص میرے نزدیک بھی خارج از دائرہ اسلام اور کافر ہے لہٰذا برنظر دور کرنے مظنۂ عوام کے یہ اشتہار دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا نہ کوئی نبی خاتم النبیین ہوا نہ ہوگا پس خلاف اس عقیدہ کے غیر صحیح اور غلط تصوّر کیا جائے۔ "المشتہر محمد احسن صدیقی"

مولانا محمد احسن نے مندرجہ ذیل استفتاء اثر ابن عباسؓ کے متعلق مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کو بھیجا [3]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے بہ تتبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی دربارۂ قول ابن عباسؓ جو درمنثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراہیم کابراہیمکم و عیسیٰ کعیسیٰکم و نبی کنبیکم کے یہ عبارت تحریر کی میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور معتبر ہے اور

---

[1] اس فتوے کے لئے دیکھئے تنبیہ الجہال ص۲۵-۲۹

[2] تنبیہ الجہال ص۲۲، ۲۳ [3] مجموعۃ الفتاویٰ از مولانا عبدالحئی فرنگی محلی جلد اول ص۱۴۱-۱۴۵ (مطبع یوسفی لکھنو ۱۳۲۱)

زمین کے طبقات جُدا جُدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیّین کے ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ خاتم مماثل آنحضرتؐ کے ہوں اس لئے کہ اولاد آدم جس کا ذکر لقد کرمنا بنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہو سکتے انتہی اور باوجود اس تحریر کے مزید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اس کے خلاف ثابت ہوگا تو میں اس کو مان لوں گا میرا اصرار اس تحریر پر نہیں پس علمائے شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کے متحمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنت والجماعت سے ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔"

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس کے جواب میں ایک مکمل رسالہ تحذیر الناس تحریر فرمایا۔ تحذیر الناس کے آخر میں مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کا جواب بھی شامل ہے اور اس پر مفتی محمد نعیم کی بھی تصویب ہے۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی (ف ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) نے اس موضوع پر (۱) زجر الناس علیٰ انکار اثر ابن عباس (۲) آلآیات البینات علیٰ وجود الانبیاء فی الطبقات (۳) دافع الوسواس فی اثر ابن عباس تین مستقل رسالے لکھے ہیں[1] آخر الذکر رسالہ ہمارے پیش نظر ہے یہ رسالہ مولانا عبدالحیؒ نے کشف الالتباس فی اثر ابن عباس کے رد میں لکھا ہے[2] اس موضوع پر مولانا عبدالحیؒ فرنگی کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اوّل میں تین فتوے بھی شامل ہیں۔ جن پر مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے علاوہ دوسرے علما مفتی محمد سعد اللہ محمد لطف اللہ، محمد نعیم، محمد ابراہیم بن مولوی علی محمد، مولوی محمد عبداللہ حسینی، ابوالخیر محمد معین الدین، مولوی امیر احمد سہسوانی، مولوی محمد حسین حفیظ اللہ، شریف حسین، محمد عبدالعلی، محمد عبدالعزیز شہاب الدین

---

[1] مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ از مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی ص ۲۹-۳۲ (مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۹۲۲ء)

[2] دافع الوسواس فی اثر ابن عباس از مولانا عبدالحیؒ ص ۲ (مطبع علوی لکھنؤ ۱۹۲۲ء)

غزنوی، عبدالغفور لاہوری اور محمد عبدالغفار ٹونکی کی تصدیق و تصویب موجود ہیں[1] اس مسئلہ کی تائید میں ایک رسالہ نصر المومنین فی رد قول الجاہلین بھی لکھا گیا مگر اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی[2]

تحذیر الناس پہلی بار ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تحذیر الناس کے تیس[30] سال بعد ۱۳۲۰ھ میں مولانا فضل رسول بدایونی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے ۲۳ سال بعد کتاب المعتقد المنتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں تحذیر الناس کے تین مقام سے عبارتیں لے کر اور ان کو آگے پیچھے کر کے۔ کفر کا فتویٰ لگا۔ تفصیل اصل کتاب کے حصہ اوّل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کی تکفیر کی وجہ

احمد رضا نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر الزام لگایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے اس کے ثبوت میں وہ کہتا ہے کہ گنگوہیؒ نے ایک فتویٰ دیا ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ بات صریح جھوٹ ہے۔ حضرت کی کسی کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ملتا اور حضرت کے فتاویٰ کا مجموعہ۔ فتاویٰ رشیدیہ میں کوئی فتاویٰ ایسا نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ کا حضرت نے رد کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اوّل میں آپ پڑھیں گے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تکفیر کی وجہ

مولانا خلیل احمدؒ نے ایک کتاب مولانا عبدالسمیع رامپوری کے جواب میں لکھی تھی جس کا نام (البراھین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ الملقب بالدلائل الواضحۃ علی کراھۃ المروج من المولود والفاتحہ) ہے یہ کتاب کیوں لکھی گئی اس کا مختصر سا ذکر ہم یہاں

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ از مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی جلد اول ص ۱۰۰-۱۱۲ ص ۹۹ ص ۱۴۱-۱۴۵

[2] تنبیہ الجہال ص ۶۱۔

پر کرتے ہیں۔

ابراھین القاطعہ کی وجہ تالیف

مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں۔ تیرھویں صدی میں لوگوں کا کیا عجب حال تھا اب چودھویں شروع ہو دیکھئے کیا قیامت ہو دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو۔ ان ایام میں دہلی کے تین نفر اور چند علماء دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کی جن توجہ سے اور مطبع خاص ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھپ کر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا ہے حاصل نتیجہ اس کا یہ ہے کہ محفلِ مولد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گناہ ہے اور اسی طرح اموات کا فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہیں یہ سب خراب و تباہ ہے کچھ دن اس پر نہ گزرے تھے کہ ایک فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ مطبع ہاشمی میں چھپ کر در بدر پھرنے لگا۔

(انوار الساطعہ مدرج براہین القاطعہ ص ۸-۹)

اس فتویٰ کے جواب میں مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوار ساطعہ تالیف کی جس کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے براھین قاطعہ لکھی۔ مولانا احمد رضا نے براھین قاطعہ کی ایک عبارات کی وجہ سے حضرت سہارنپوری کی تکفیر کی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تکفیر کی وجہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ حفظ الایمان کے نام سے لکھا ہے۔ یہ رسالہ کسی سائل کے تین سوالات پر مشتمل ہے اس میں ایک سوال یہ تھا کہ حضور اکرمؐ کی ذات مبارک پر علم الغیب کا اطلاق درست ہے یا نہیں۔ اس کا جواب جو حضرت تھانویؒ نے دیا۔ اس پر احمد رضا کو اعتراض ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت تھانویؒ کی تکفیر کی ہے۔ پوری بحث اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں۔

ہم نے مختصر طور پر وجہ تکفیر نقل کر دی ہے۔ بریلویوں سے پہلا اختلاف ان ہی عبارات کا ہے۔ وہ ان عبارات کی وجہ سے علماء دیوبند کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ جس کی وجہ

سے کفر اور اسلام کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اہل سنت کے درمیان ایسا اختلاف رونما ہوا جو آج تک ختم نہیں ہوا۔ احمد رضا نے جو الزامات لگائے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ وہ آپ حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ بہر حال احمد رضا کے فتویٰ سے بریلوی اور دیوبندی اختلاف رونما ہوا۔

دوسرا اختلاف شرک کی تعریف میں

علمائے اہلسنت والجماعت (جن کی اس پہچان دیوبندی ہے) قرآن، سنت، صحابہ کرام کے ارشادات اور اقوال سلف صالحین۔ اور آئمہ مجتہدین خصوصاً فقہائے احناف کی روشنی میں جو شرک کی تعریف کرتے ہیں بریلوی حضرات اسے تسلیم نہیں کرتے مثلاً مسئلہ استعانت لغیر اللہ۔ مسئلہ علم غیب۔ مسئلہ حاضر و ناظر مسئلہ نور و بشر مسئلہ مختار کل۔ مسئلہ غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا وغیرہ کو علماء دیوبند شرک کہتے ہیں مگر بریلوی ان مسائل کو دین کا جز قرار دیتے ہیں ہم نے حصہ دوم میں ان ہی مسائل پر بحث کی ہے۔

تیسرا اختلاف بدعت کی تعریف میں

یہ مسئلہ بھی شرک ہی کی طرح ہے۔ بدعت کی تعریف جو علمائے دیوبند شریعت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ بریلوی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً عرس کرنا۔ محفل میلاد کرنا۔ عید میلاد النبیؐ۔ قبروں پر چراغ جلانا وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ بریلویوں سے ہمارے تین اختلاف ہیں۔ وہ ہم نے یہاں پر ذکر دیئے ہیں مگر ان تینوں میں سے بریلوی حضرات پہلے اختلاف کو ہی اصل قرار دیتے ہیں بریلویوں کے ایک عالم مولانا محمد عبدالحکیم اشرف قادری لکھتے ہیں

بریلوی (اہل سنت والجماعت) اور دیوبندی اختلاف کی نوعیت بھی ایسی ہی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ عوام کو مغالطہ دینے کے لئے ایصال ثواب، عرس، گیارھویں شریف

نذر و نیاز، میلاد شریف، استمداد۔ علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر وغیرہ مسائل پر دھواں دار تقریریں کر کے یہ یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اختلاف انہی مسائل میں ہے، حالانکہ اصل اختلاف ان مسائل میں نہیں ہے۔ بلکہ بنائے اختلاف وہ عبارات ہیں۔ جن میں بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں کھلم کھلا گستاخی اور توہین کی گئی ہے (حسام الحرمین کا پیرایۂ آغاز ص۴)

شرف قادری صاحب ہی ص۸ پر لکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے تحذیر الناس کی تصنیف کے تیس سال بعد، براھین قاطعہ کی اشاعت کے قریباً سولہ سال بعد اور حفیظ الایمان کی اشاعت کے قریباً ایک سال بعد ۱۳۲۰ میں المعقد المنتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں مرزائے قادیانی اور مذکورہ بالا قائلین مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں ان کی عبارات کی بناء پر فتاویٰ کفر صادر کیا۔ (حسام الحرمین ص۷)

علمائے دیوبند کے علاوہ احمد رضا نے کس کس کی تکفیر کی اور احمد رضا کے علاوہ دیگر بریلوی علمائے اس بارے میں کیا کیا فتوے صادر کیے۔ سب۔ بریلوی فتویٰ نامی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اس بحث کو یہاں ہی ختم کرتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔

والسلام مشتاق علی ۹۳—۱۰—۲۹

حصّہ اوّل

(۱)

حضرت مولٰنا محمّد قاسم صاحب نانوتویؒ
پر
انکارِ ختمِ نبوّت کا بُہتان

مولوی احمد رضا خان صاحب

حسام الحرمین صفحہ ۱۳،۱۲ پر (جہاں سے اکابر علمائے اہلِ سُنّت کی تکفیر کا سِلسلہ شروع ہوتا ہے) حضرت مولانا محمّد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کے متعلق لکھتے ہیں :-

قاسم النانوتوی صاحب تحذیر الناس وھو القائل فیه لو فرض فی زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بل لو حدث بعدہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم نبی جدید لم یخل ذالك خاتمیته و انما یتخیل العوام انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم خاتم

قاسم نانوتوی جس کی تحذیر الناس ہے اور اس نے اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمّدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں رسُول اللہؐ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ

تحذیر الناس میں رسُول اللہ کے بعد "صلعم" چھپا ہوا ہے۔ ہر شخص آج بھی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن مولوی احمد رضا خان صاحب نے مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لیے اُس کو اڑا دیا، یہ ہے ان کی دیانت۔ ۱۲۔

النبیین بمعنی اٰخر النبیین انه لا فضل فیه اصلا عند اھل الفھم الیٰ اٰخر ما ذکر من الھذیانات وقد قال فی التتمة والاشباہ وغیرھما اذا لم یعرف ان محمّدًا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانّهٗ من الضروریات ۔

(حسام الحرمین ص ۱۲)

آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخرِ زمانہ میں بالذّات کچھ فضیلت نہیں الخ حالانکہ فتاوٰے تتمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں کہ حضُور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریات دین سے ہے۔ (ترجمہ حسام الحرمین ص ۱۲)

یہ بندہ عرض کرتا ہے کہ خاں صاحب بریلوی نے اس عبارت میں حضرت مولانا محمّد قاسم صاحب کے متعلق کُفر کا جو حکم لگایا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وُہ دھوکا اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خاں صاحب موصوف اتنے بے علم اور کم سمجھ بھی نہیں ہتے کہ ان کے اس فتوے کو ان کی کم علمی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھا جا سکے۔ واللّٰہ اعلم!

اس فتوے کے غلط اور محض تلبیس و فریب ہونے کے چند وجوہ یہ ہیں :-

پہلی وجہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں نہایت افسوسناک تحریف سے کام لیا ہے جس کے بعد کسی طرح اس کو تحذیر الناس کی عبارت نہیں کہا جا سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت

"تحذیر الناس" کے تین مختلف صفحات کے متفرق فقروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اس طرح کہ ایک فقرہ ص۳ کا ہے اور ایک صفحہ ۱۴ کا اور ایک صفحہ ۲۸ کا۔ اور صفحات کا نمبر درکنار، فقروں کے درمیان امتیازی خط (ڈیش) تک نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کسی طرح دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مختلف مقامات کے فقرے ہیں بلکہ وہ یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ یہ مسلسل ایک عبارت ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ خالص کفر کا مضمون بنانے کے لیے خاں صاحب موصوف نے فقروں کی ترتیب بھی بدل دی ہے، اس طرح کہ پہلے صفحہ ۱۴ کا فقرہ لکھا ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۸ کا۔ پھر صفحہ ۳ کا۔

خاں صاحب کے اس ترتیب بدل دینے کا یہ اثر ہوا کہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کو اگر علیحدہ علیحدہ اپنی جگہ پر دیکھا جائے تو کسی کو انکارِ ختم نبوت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں انھوں نے جس طرح تحذیر الناس کی عبارت نقل کی ہے اس سے صاف ختم نبوت کا انکار مفہوم ہوتا ہے۔ اور یہ صرف آپ کی قلم کاری کا نتیجہ ہے ورنہ مصنف "تحذیر الناس" کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ ہمارے آئندہ بیان سے مفصل معلوم ہو جائے گا اور تحذیر الناس کی ان عبارات کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا ہے، اس میں تو اور بھی غضب ڈھایا ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ جعلسازی کی انتہا کر دی ہے۔ حرکت یہ کی ہے کہ صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے پہلے دونوں فقروں کو توڑ پھوڑ کے ایک ہی فقرہ بنا ڈالا ہے اس طرح کہ پہلے فقرہ کا مسند الیہ حذف کیا اور دوسرے ہی کے مسند الیہ کو پہلے کا بھی مسند الیہ بنا دیا جس

کے بعد کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف جگہ کی عبارتیں ہیں اور انھیں کارروائیوں کو قرآن کی زبان میں تحریف کہتے ہیں۔

قرآنِ عزیز میں بنی اسرائیل کی تحریف کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" اور خود خاں صاحب موصوف نے بھی ایک جگہ اس قسم کی کارروائی کو "خوفناک تحریف" بتلایا ہے۔ کسی شخص نے جس کا فرضی نام خاں صاحب کے رسالہ "بریق المنار" میں زید لکھا گیا ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْهِمْ مَسْجِدًا کو قرآنِ عظیم کا لفظ لکھ دیا تھا۔ اس کے متعلق موصوف اسی "بریق المنار" کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ

"سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے کہ "تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْهِمْ مَسَاجِدَ" کو قرآن عظیم کا لفظ کریم بنا لیا حالانکہ یہ جملہ قرآن عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر قرآنِ عظیم میں ضرور آئے ہیں۔"

خاں صاحب کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کسی کتاب کے متفرق جگہ کے الفاظ کو جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا کر اس کتاب کی طرف منسوب کر دینا نہایت خوفناک تحریف ہے اور اس قسم کی تحریفات سے اصل مضمون کا بدل جانا اور کسی اسلامی کلام کا خالص کفر ہو جانا بالکل بعید نہیں۔ تحذیر الناس تو بہرحال ایک بشر کی کتاب ہے اگر کوئی بدنصیب کلام اللہ میں اس قسم کی تحریف کر کے کفریہ مضامین بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے بلکہ اس کو شاید اتنی محنت بھی کرنی نہ پڑے جتنی کہ خاں صاحب نے کی کہ ایک فقرہ صفحہ ۱۴ کا لیا اور ایک صفحہ ۲۸ کا، اور ایک صفحہ ۳ کا۔ وہ قرآن حکیم کی ایک ہی سورۃ بلکہ ایک ہی

آیت میں اس قسم کا ردّ و بدل کر کے کفریہ مضامین نکال لے گا۔ مثلاً قرآن عزیز میں ارشاد ہے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ "نیکوکار جنّت میں رہیں گے اور بدکار دوزخ میں"۔ اب اگر خاں صاحب کا کوئی مُرید یا شاگرد خاں صاحب کی سنّت پر عمل کر کے اس آیتِ کریمہ میں صرف اس قدر تحریف کر دے کہ "نعیم کی جگہ "جحیم" پڑھے اور "جحیم" کی جگہ "نعیم" تو مطلب بالکل اُلٹا ہو جائے گا اور کلام صریح کُفر ہو گا۔ حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن ہی کے ہیں صرف دو لفظوں کی جگہ بدل گئی ہے —— یہ صرف ایک مثال عرض کر دی گئی ہے۔ اگر ناظرین غور فرمائیں تو اس قسم کی سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں نکل سکتی ہیں بلکہ یہاں تو الفاظ کی جگہ بدلی ہے بعض صورتوں میں تو صرف حرکات کی جگہ بدل جانے سے بھی کُفر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے: "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی"۔ اگر کوئی بدبخت دیدہ و دانستہ "اٰدم" کی "میم" اور "رَبَّه" کی "با" کی حرکتیں بدل دے اس طرح کہ "میم" پر پیش کی جگہ زبر پڑھے اور "با" پر زبر کی جگہ پیش، تو یہی پاکیزہ کلام جس کی تلاوت باعثِ ثواب ہے صرف اسی قدر ردّ و بدل سے خالص کُفر ہو جائے گا۔

بہرحال یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ بعض اوقات کلام میں معمولی سی تحریف کر دینے سے مضمون بدل جاتا ہے اور اس میں اسلام و کُفر کا فرق ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس قدر زبردست اُلٹ پلٹ کی جائے کہ مختلف صفحات کے فقروں کو توڑ پھوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنائی جائے اور فقروں کی ترتیب بھی بدل دی جائے۔ پس چونکہ خاں صاحب نے

تحذیر الناس کی عبارتوں میں اس قسم کی تحریف کر کے کُفر کا حُکم لگایا ہے اور ان کی اس تحریف اور اُلٹ پلٹ نے تحذیر النّاس کی عبارت کا مطلب بالکل بدل دیا ہے اور اُس میں ختمِ نبوّت زمانی کے انکار کے معنی پیدا کر دیے ہیں۔ اس لیے ہم ان کے اس فتوٰے کو دانستہ فریب اور معاندانہ تلبیس سمجھنے پر مجبور ہیں۔

دُوسری وجہ

دوسری وجہ اور دوسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ خاں صاحب نے عبارتِ تحذیر النّاس کے عربی ترجمہ میں ایک نہایت افسوسناک خیانت یہ کی ہے کہ تحذیر صفحہ ۳ کی عبارت اس طرح تھی:

"مگر اہلِ فہم پر روشن ہو گا کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذّات کچھ فضیلت نہیں"۔

ظاہر ہے کہ اس میں صرف فضیلت بالذّات کی نفی کی گئی ہے جو بطورِ مفہوم مخالف فضیلت بالعرض کے ثبوت کو مستلزم ہے[له]۔ مگر خاں صاحب نے اس کا عربی ترجمہ اس طرح کر دیا:

"مع انه لا فضل فيه اصلا عند اهل الفهم"

جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں اہلِ فہم کے نزدیک بالکل فضیلت نہیں" اور اس میں ہر قسم کے فضیلت کی نفی ہو گئی اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے (کما لا یخفٰی)

له یہ مسئلہ مسلّمہ ہے کہ مفہومِ مخالف مصنفین کے کلام میں معتبر ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار میں ارقام فرماتے ہیں: "فی انفع المسائل مفهوم التصنيف حجة" ردالمحتار ج ۳، صفحہ ۴۴۶ اور اس مسئلہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا جو اختلاف مشہور ہے وہ صرف نصوصِ شرعیّہ تک محدود ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

تیسری وجہ تیسری وجہ اور تیسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ "تحذیر الناس" کے جو فقرے خاں صاحب نے اس موقع پر نقل کیے ہیں۔ ان کا "ماسبق و مالحق" جس سے ان کا صحیح مطلب واضح ہو جاتا اور ناظرین کو غلط فہمی کا موقع نہ رہتا) حذف کر دیا ہے (اس کا ثبوت آگے آتا ہے)

چوتھی وجہ ہمارے خیال کی چوتھی وجہ اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ خاں صاحب کے اس حکم کفر کی تمام تر بنیاد اس پر ہے کہ "تحذیر الناس" میں ختم نبوت کا انکار کیا گیا ہے، حالانکہ اس میں اوّل سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا انکار نکل سکے۔ بلکہ تحذیر الناس کا تو موضوع ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی وغیرہ کی حمایت اور حفاظت ہے اور بالخصوص ختم زمانی کے متعلق تو اس میں نہایت صاف اور واضح تصریحات ہیں۔ چنانچہ "تحذیر الناس" صفحہ ۳ پر اس فقرہ کے بعد جس کو فاضل بریلوی نے سب سے آخر میں نقل کیا ہے۔ مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"بلکہ بناءِ خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخرِ زمانی اور سدّباب مذکور (یعنی سدّباب مدعیان نبوت) خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔"

نیز اسی تحذیر الناس کے صفحہ ۱۰ پر مولانا مرحوم اپنے اصل مدعا کی توضیح سے فارغ ہو کر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوتِ خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزومِ خاتمیت زمانی بدلالتِ التزامی ضرور ثابت ہے ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبي بعدي اوکما قال۔ جو بظاہر بطرزِ مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے[1]۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظِ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدمِ تواترِ الفاظ باوجود تواترِ معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواترِ اعدادِ رکعاتِ فرائض و وتر وغیرہ۔ باوجودیکہ الفاظِ احادیث مشعر تعدادِ رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔"

اس عبارت میں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کو پانچ طریقوں سے ثابت فرمایا ہے۔

---

[1] یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ ختمِ زمانی پر صراحةً دلالت کرنے والی "لا نبی بعدی" جیسی حدیثیں بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے نزدیک قرآن کریم کے لفظ "خاتم النبیین" ہی سے ماخوذ ہیں۔ یعنی مولانا موصوف کا یہ خیال اور دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حدیثوں میں اپنا سب سے آخری نبی ہونا اور اپنے بعد کسی اور نبی کا نہ آنا بیان فرمایا ہے وہ قرآن پاک کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہے اور گویا اسی کی تفسیر اور تشریح ہے اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ختم نبوت زمانی کا منکر قرار دینا یا یہ کہنا کہ وہ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین سے خاتمیت زمانی کا مطلب نکالنے کو "عامیانہ خیال" کہتے ہیں۔ کیسی بے شرمی کی بات ہے۔ مولاناؒ نے تو صرف حصر کو عوام کا خیال بتلایا ہے جس کی تفصیل اور توضیح آگے آتی ہے۔

۱- یہ کہ حضورِ اقدس کے لیے خاتمیت زمانی نصّ "خاتم النّبیین" سے بدلالت مطابقی ثابت ہو، اس طور پر کہ خاتم کو ذاتی اور زمانی سے مطلق مانا جائے۔

۲- یہ کہ بطورِ عمومِ مجاز لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر مطابقی ہو۔

۳- یہ کہ دونوں میں سے ایک پر مطابقی ہو اور دوسرے پر التزامی، اور ان تینوں صُورتوں میں خاتمیت زمانی نصِّ قرآن سے ثابت ہوگی۔

۴- یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی احادیثِ متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔

۵- یہ کہ خاتمیت زمانی پر امت کا اجماع ہے۔

ان پانچ طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی ثابت کرنے کے بعد مولانا مرحوم نے یہ بھی تصریح فرما دی کہ خاتمیت زمانی کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ دوسرے ضروریات وقطعیات دین کا۔

"تحذیر الناس" کی ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اس میں ختمِ نبوت زمانی [کا] انکار کیا گیا ہے، سخت ظلم اور فریب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اس قسم کی تصریحات تحذیر الناس میں ایک ہی دو جگہ نہیں، بلکہ مشکل سے اس [کا ک]وئی صفحہ اس کے ذکر سے خالی ہوگا۔ اس وقت ہم تحذیر النّاس کی صرف ایک عبارت [...] ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس میں مولانا نانوتوی مرحوم نے ایک نہایت ہی عجیب و [غری]ب فلسفیانہ انداز میں ختمِ نبوّت زمانی کو بیان فرمایا ہے۔ تحذیر الناس کے صفحہ ۱۲ پر ہے،

"در صورتیکہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لیے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جائے، سو حرکت سلسلۂ نبوّت کے لیے نقطۂ ذاتِ محمدیؐ منتہیٰ ہے اور یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لیے ایسا ہے جیسے نقطۂ راس زاویہ تاکہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوّت کون ومکان، زمین وزمان کو شامل ہے۔"

پھر اس کے چند سطر بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ

"منجملہ حرکاتِ حرکتِ سلسلۂ نبوت بھی تھی، سو بوجہ حصُولِ مقصُودِ اعظم ذاتِ محمّدی صلعم وہ حرکت مبدل بسکُون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانۂ آخر میں آپ کے ظہُور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۱۲)

پھر تحذیر النّاس ہی پر منحصر نہیں، حضرت مرحوم کی دُوسری تصانیف میں بھی بکثرت اس قسم کی تصریحات موجُود ہیں بحض بطورِ نمونہ مناظرۂ عجیبہ کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ مناظرۂ عجیبہ کا مضمُون جہاں سے شروع ہوتا ہے، اس کی پہلی سطر یہ ہے:

"حضرتِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی تو سب کے نزدیک مسلّم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ آپ اوّل المخلوقات ہیں۔"

پھر اُسی کے صفحہ ۳۹ پر فرماتے ہیں:-

"خاتمیتِ زمانی اپنا دین وایمان ہے، ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔"

پھر اسی کے صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں:

"خاتمیتِ زمانی سے مجھے انکار نہیں، بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجایشِ انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔"

پھر اسی کے صفحہ ۶۹ پر فرماتے ہیں:

"ہاں یہ مسلّم ہے کہ خاتمیتِ زمانی اجماعی عقیدہ ہے"۔

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۳ پر ہے:

"بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔"

یہ پانچ عبارتیں صرف "مناظرۂ عجیبہ" کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت نانوتوی مرحوم کی آخری تصنیف "قبلہ نما" سے ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ "قبلہ نما" کے صفحہ ۱۱ پر ہے:

"آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے اور چونکہ دین حکم نامۂ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا، وہی شخص سردار ہوگا کیونکہ

اسی کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔"

حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کی یہ کُل دس عبارتیں ہوئیں۔ کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ عقل کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص ختمِ نبوتِ زمانی کا منکر ہے، لیکن افترا پردازی کا کوئی علاج نہیں۔ ایسے ہی مفتریوں کے متعلق عارفِ جامیؒ نے کہا ہے:

چنیں کردند و خلقے در تماشا — ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا

کزیں روئے نکو بد کاری آید — وزیں دلدار دل آزاری آید

حضرت نانوتوی مرحوم کی مختلف تصانیف کی مذکورہ بالا تصریحات اور دوسرے علمائے دیوبند کی وہ علمی اور عملی مساعی، جو قادیانی جماعت کے مقابلہ میں اسی مسئلۂ ختمِ نبوت کے متعلق اب تک کتابوں اور مناظروں کی شکل میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور جن سے تمام اسلامی دنیا واقف ہے۔ ختمِ نبوت کے متعلق بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور جماعتِ علمائے دیوبند کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے انصاف والی دنیا کے نزدیک کافی سے زائد ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ تحذیر الناس کے ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب بھی عرض کر دیا جائے جن کو جوڑ توڑ کر مولوی احمد رضا خاں

صاحب نے اس کے مصنف پر ختم نبوت زمانی کے انکار کا بہتان لگایا ہے، لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ اختصار کے ساتھ قرآن مجید کے لفظ "خاتم النبیین" کی تفسیر کے متعلق مولانا نانوتوی مرحوم کا مسلک اور نقطۂ نظر واضح کر دیا جائے۔

حضرت نانوتوی مرحوم اور تفسیر "خاتم النّبیّین"

تمہید اوّلاً بطورِ تمہید گزارش ہے کہ رسولِ خدا (رُوحی وقلبی فداہ صلی اللہ علیہ وسلّم) کے لیے نفس الامر میں دو قسم کی خاتمیت ثابت ہے، ایک زمانی جس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے اور آپ کے بعد اب کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرے خاتمیتِ ذاتی جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات موصوف ہیں، اور دوسرے انبیاء (علیہ وعلیہم السلام) بالعرض، یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست نبوت عطا فرمائی، اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور کے واسطے سے، جس طرح (بلا تشبیہ) خداوند تعالیٰ نے آفتاب کو بغیر کسی واسطے کے روشن فرمایا اور اس کی روشنی عالمِ اسباب میں کسی دوسری روشن چیز سے مستفاد نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات نبوت براہ راست بلا کسی واسطے کے عطا فرمائے، اور آپ کی نبوت کسی دوسرے نبی کی نبوت سے مستفاد نہیں —— اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مہتاب اور دوسرے ستاروں

کو آفتاب کے واسطہ سے منور فرمایا، اور وُہ اپنی نورانیت میں آفتاب کے نور کے محتاج ہیں۔ اِسی طرح انبیاء علیہم السلام کو کمالاتِ نبوت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واسطے سے عطا فرمائے گئے، اور وہ حضرات باآنکہ حقیقۃً نبی ہیں لیکن اپنی نبوّت میں آفتاب آسمانِ نبوّت حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فیض کے دست نگر ہیں (وھذا کُلّہٗ باذنِ اللہ تعالیٰ)، اور جس طرح کہ ہر موصوف بالعرض کا سلسلہ کسی موصوف بالذّات پر ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں چلتا، مثلاً تہ خانوں میں آئینوں کے ذریعہ جو روشنی پہنچائی گئی ہے، اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ آئینہ سے آئی اور آئینہ کی روشنی کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ آفتاب کا عکس ہے لیکن آفتاب پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ آفتاب کی روشنی عالمِ اسباب میں فلاں روشن چیز کا عکس ہے، (کیونکہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے خود روشن بنایا ہے) اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوّت کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت خاتم الانبیاءؐ کی نبوّت سے مستفاد ہے لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور آپ کے متعلق کوئی نہیں کہ سکتا کہ آپ کی نبوت فلاں نبی کی نبوت سے مستفاد ہے، (کیونکہ آپ باذن اللہ تعالیٰ نبی بالذات ہیں) پس اسی کو خاتمِ ذاتی کہا جاتا ہے، اور اسی مرتبہ کا نام خاتمیتِ ذاتیہ ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی مرحوم اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ قرآنِ عزیز میں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النّبیین

فرمایا گیا ہے۔ اس سے آپ کے لیے دونوں قسم کی خاتمیت ثابت ہوتی ہے ذاتی بھی اور زمانی بھی اور عوام اس سے محض ایک قسم کی خاتمیت مراد لیتے ہیں یعنی صرف زمانی

بہرحال حضرت مولانا مرحوم اور عوام کا نزاع نہ ختمِ نبوت زمانی میں ہے نہ اس میں کہ قرآنی لفظ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی مراد لی جائے کیونکہ مولانا کو یہ دونوں چیزیں تسلیم ہیں) بلکہ نزاع صرف اس میں ہے کہ لفظِ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی کے ساتھ خاتمیتِ ذاتی بھی مراد لی جائے یا نہیں۔ حضرت مولانا اس کے قائل اور مثبت ہیں اور انھوں نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں:

ایک یہ کہ لفظ خاتم کو خاتمیتِ زمانی اور ذاتی کے لیے مشترکِ معنوی مانا جائے اور جس طرح مشترکِ معنوی سے اس کے متعدد افراد مُراد لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں آیۂ کریمہ میں بھی دونوں قسم کی خاتمیت مُراد لی جائے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ ایک معنی کو حقیقی اور دوسرے کو مجازی کہا جائے اور آیۂ کریمہ میں لفظ خاتم سے لطورِ عموم مجاز ایک ایسے عام معنیٰ مراد لیے جائیں جو دونوں قسم کی خاتمیت کو حاوی ہوں۔

ان دونوں صورتوں میں لفظِ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر ایک ساتھ اور مطابقی ہو گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کے لفظِ خاتم سے صرف خاتمیت ذاتی مراد لی جائے، مگر چونکہ اس کے لیے بدلائل عقلیہ ونقلیہ خاتمیتِ زمانی لازم ہے لہٰذا اس

صورت میں بھی خاتمیت زمانی پر آیۂ کریمہ کی دلالت بطور التزام ہوگی۔

ان تینوں صورتوں کے لکھنے کے بعد "تحذیر الناس" کے صفحہ ۹ پر حضرت مولاناؒ نے جس کو خود اپنا مختار بتلایا ہے، وُہ یہ ہے کہ خاتمیت کو جنس مانا جائے اور ختم زمانی و ختمِ ذاتی کو اس کی دو نوعیں قرار دیا جائے اور قرآنِ عزیز کے لفظ خاتم سے یہ دو نوعیں بیک وقت مراد لے لی جائیں جس طرح کہ آیۂ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں بیک وقت "رِجْسٌ" سے ظاہری و باطنی دونوں قسم کی نجاستیں مراد لی جاتی ہیں بلکہ غور کیا جائے تو یہاں ختم زمانی اور ختمِ ذاتی میں اس قدر بُعد نہیں جس قدر شراب کی نجاست اور جوئے کی نجاست میں۔

لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتمِ زمانی بھی ہیں اور خاتمِ ذاتی بھی، اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت آپ کے لیے قرآن کریم کے اسی لفظ خاتم النبیین سے نکلتی ہے۔

تحذیر الناس کی عبارتوں کا صحیح مطلب

اس کے بعد ہم ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب عرض کرتے ہیں جن کو جوڑ کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کُفر کا مضمون بنالیا ہے:

ان میں سے پہلا فقرہ صفحہ ۱۴ کا ہے اور یہاں حضرت مرحوم اپنی مذکورۂ بالا تحقیق

کے موافق خاتمیتِ ذاتی کا بیان فرما رہے ہیں۔ اِس موقع پر "تحذیر الناس" کی پوری عبارت اس طرح تھی:

"غرض اختتام اگر بایں معنے تجویز کیا جائے جو مَیں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاءِ گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض[1] آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔

خاں صاحب نے اِس عبارت کا خط کشیدہ حصّہ جس سے ہر شخص یہ سمجھ لیتا کہ مولانا کی یہ عبارت خاتمیتِ ذاتی کے متعلق ہے نہ کہ زمانی کے متعلق حذف کر کے ایک ناتمام ٹکڑا نقل کر دیا، اور پھر غضب یہ کیا کہ اس کو صفحہ ۲۸ کے ایک فقرہ کے ساتھ اِس طرح جوڑا کہ صفحہ کے نمبر کا تو ذکر ہی کیا ہے، درمیان میں ختمِ فقرہ کی علامت (ڈیش) بھی نہیں دیا اور پھر اس دوسرے فقرہ کی نقل میں بھی صریح خیانت کی۔ اس موقع پر پوری عبارت اِس طرح تھی:

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصافِ ذاتی بوصفِ نبوّت لیجیے جیسا اس ہیچمداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افرادِ مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کر سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افرادِ خارجی ہی پر آپ کی

[1] یہ بالفرض کا لفظ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ۱۲

فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

اِس عبارت میں بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہ کارروائی کی کہ اس کا ابتدائی حصّہ (جس سے ناظرین کو صاف معلوم ہو سکتا تھا کہ یہاں صرف خاتمیتِ ذاتی کا ذکر ہے نہ کہ زمانی کا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق بھی مصنفِ "تحذیر الناس" کا عقیدہ اس سے معلوم ہو جاتا) اس اہم حصہ کو خاں صاحب نے یک قلم حذف کر کے صرف آخری خط کشیدہ فقرہ نقل کر دیا اور دوسری کارروائی یہ کی کہ اس ناتمام فقرہ کو بھی صفحہ ۳ کے ایک ناتمام فقرہ سے اِس طرح جوڑ دیا کہ وہاں بھی درمیان میں ڈیش تک نہیں دیا۔

بہرحال صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے ان دونوں فقروں میں حضرت مرحوم صرف خاتمیتِ ذاتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اور کوئی نبی ہو، تب بھی آپ کی اِس خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ رہی خاتمیتِ زمانی، اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیتِ زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ایک عام فہم مثال سے مولانا نانوتویؒ کے مطلب کی توضیح

بلاشبہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی ملک میں کوئی وبائی مرض پھیلا۔ بادشاہ کی طرف سے یکے بعد

دیگرے بہت سے طبیب بھیجے گئے اور انھوں نے اپنی قابلیت کے موافق مریضوں کا علاج کیا۔ اخیر میں اس رحیم وکریم بادشاہ نے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ حاذق طبیب جو پہلے تمام طبیبوں کا اُستاد بھی ہے بھیجا، اور اعلان کر دیا کہ اب اس کے بعد کوئی طبیب نہیں آئے گا۔ آیندہ جب کبھی کوئی مریض ہو وہ اسی آخری طبیب کا نسخہ استعمال کرے، اُسی سے شفا ہوگی۔ بلکہ اس کے بعد جو شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وُہ جھوٹا اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ دُنیا کا وُہ آخری طبیب آیا اور اُس نے آکر اپنا شفاخانہ کھولا۔ جوق جوق مریض اس کے دارالشفا میں داخل ہو کر شفایاب ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے اس طبیب کو ایک حکمنامہ میں خاتم الاطباّ کا خطاب بھی دیا۔ اب عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ طبیب زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی اور طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا اور اہلِ فہم کا ایک گروہ (جو بالیقین جانتا ہے کہ یہ طبیب فی الواقع آخری ہی طبیب ہے) کہتا ہے کہ اس عظیم الشان طبیب کو خاتم الاطباّ صرف اسی وجہ سے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ آخری طبیب ہے بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام پہلے طبیبوں کی طب کا سلسلہ اسی جلیل القدر طبیب پر ختم ہے یعنی وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے فنِ طب اسی سے سیکھا ہے۔ لہٰذا اس دوسری وجہ سے بھی وُہ خاتم الاطباّ ہے۔ اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت اُسی خاتم الاطباّ کے لفظ سے نکلتی ہے، بلکہ اگر تم غور کرو گے تو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ بادشاہ نے اس حاذق

طبیب کو جو سب سے آخر میں بھیجا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ فنِ طب میں سب سے فائق، سب سے ماہر اور سارے طبیبوں کا اُستاد ہے اور قاعدہ ہے کہ بڑے سے بڑے طبیب کی طرف اخیر ہی میں رجوع کیا جاتا ہے۔ مقدمات تمام تحتانی مراحل طے کرنے کے بعد ہی بادشاہِ معظم کی عدالتِ عالیہ میں پہونچتے ہیں۔ بہرحال یہ طبیب صرف زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم نہیں ہے، بلکہ اپنے فن کے کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہے اور یہ دوسری خاتمیت ایسی ہے کہ اگر بفرض اس کے زمانہ میں یا اس کے بعد بھی کوئی طبیب آجائے تو اس کی اس خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ اہلِ فہم کے اس گروہ کے متعلق ان کے کسی معاند دشمن کا یہ کہنا کہ یہ لوگ اس خاتم الاطباّ کو آخری طبیب نہیں مانتے اور اس کی اس حیثیت کے منکر ہیں، کتنی بڑی تلبیس اور کس قدر عُریاں بے حیائی ہے۔ جب کہ اہلِ فہم کا یہ گروہ اس شاہی طبیب کو ذاتی اور مرتبی حیثیت سے خاتم الاطباّ ماننے کے ساتھ یہ بھی صاف صاف کہتا ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے بھی یہی آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا، بلکہ جو کوئی اس کے بعد شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وہ واجب القتل ہے۔

یہاں تک تحذیر الناس کے صفحہ ۱۴ : ۲۸ کے فقروں کا صحیح مطلب عرض کیا گیا ہے۔ رہا تیسرا فقرہ جس کو خانصاحب نے سب سے اخیر میں نقل کیا ہے، وُہ تحذیر الناس کے تیسرے صفحہ کا ہے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا تحذیر الناس وہیں سے شروع ہوتی

ہے۔ الفاظ یہ ہیں :

"بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنا چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو، سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخرِ زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔"

اس عبارت میں دو چیزیں قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مولانا مرحوم مسئلہ ختم نبوت پر کلام نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ لفظ خاتم کے معنی پر کلام فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاتم سے ختم زمانی مراد لینے کو مولانا نے عوام کا خیال نہیں تبلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال تبلایا ہے اور عوام کے اسی نظریہ سے مولانا کو اختلاف ہے ورنہ خاتمیت زمانی مع خاتمیت ذاتی مُراد لینا خود مولانا مرحوم کا مسلکِ مختار ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور تحذیر الناس کے صفحہ ۸ و ۹ پر مولانا نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

بہرحال چونکہ خود حضرت مولانا کے نزدیک لفظ خاتم النبیین سے ختم زمانی بھی مُراد[1]

---

[1] اس پر پوری روشنی اوپر ڈالی جا چکی ہے اور مولانا مرحوم کی یہ تصریح چند صفحے پہلے گزر چکی ہے کہ اُن کے نزدیک ختم نبوت زمانی پر صراحۃً دلالت کرنے والی "لا نبي بعدي" جیسی ساری حدیثیں "خاتم النبیین" ہی کے لفظ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ ۱۲

ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں صرف حصر کو مولانا نے عوام کا خیال بتلایا ہے اور مولانا کا مطلب صرف یہ ہے کہ عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کے لیے لفظ "خاتم النبیین" سے صرف خاتمیتِ زمانی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ثابت ہوتا اور اہلِ فہم کے نزدیک اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے اس لفظ سے حضورؐ کے لیے خاتمیت زمانی بھی ثابت ہوتی ہے اور خاتمیتِ ذاتی بھی۔

یہیں سے مولوی احمد رضا خانصاحب کے اُس اعتراض کا بھی جواب ہوگیا جو انھوں نے تحذیر الناس کی اسی عبارت پر "الموت الاحمر" میں کیا ہے کہ "اس میں خاتم النبیین سے خاتم زمانی مُراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا گیا ہے حالانکہ خاتم کے یہ معنی خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام سے بھی مروی ہیں۔ پس مصنف تحذیر الناس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تمام صحابۂ کرامؓ عوام میں داخل ہوئے (معاذ اللہ)

جواب کی تقریر و تفصیل یہ ہے کہ صاحبِ تحذیر الناس نے خاتم سے خاتم زمانی مُراد لینے کو عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی صحابی سے حصر ثابت نہیں بلکہ علماء راسخین میں سے بھی کسی نے حصر کی تصریح نہیں فرمائی اور کیونکر کوئی حصر کی جرأت کر سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ قرآنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ ۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیتِ قرآنی کے کم از کم دو مفہوم ضرور ہوتے ہیں اور اگر علمائے سلف میں سے کسی کے کلام میں حصر کا کوئی لفظ پایا بھی جائے تو وُہ حصرِ حقیقی نہیں ہے جس کو مولانا نانوتوی مرحوم عوام کا خیال تبلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد حصرِ اضافی بالنظر الی تاویلات الملاحدہ ہے۔

بہر حال جو شخص صاحب تحذیر الناس پر یہ بہتان رکھتا ہے کہ اونھوں نے معاذ اللہ آنحضرت کی بیان کردہ تفسیر کو خیالِ عوام تبلا دیا، وُہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ایک ہی روایت حصر کی ثابت کر دے۔

پھر یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنے مکتوبات میں اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ بابِ تفسیر میں عوام سے مُراد کون لوگ ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

"وجُز انبیاء علیہم السلام یا راسخین فی العلم ہمہ عوام اند"

باب تفسیر میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور علمائے راسخین کے سب عوام ہیں

(قاسم العلوم نمبر اول، مکتوب دوم ص۶)

ان تصریحات کے ہوتے صاحب تحذیر الناس کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام کو عوام میں داخل کر دیا، سخت ترین بد دیانتی ہے

خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت مولانا نانوتویؒ کے مسلک کی تائید خود مولوی احمد رضا خانصاحب کی تصریحات سے

اس کے بعد ہم یہ بھی تبلا دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ لفظ خاتم النبیّین سے صرف ایک ہی معنی (خاتمِ زمانی) مُراد لیتے ہیں اور معنی خاتم النبیین کو اُسی میں حصر کرتے ہیں وُہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام میں داخل ہیں، اہلِ فہم میں سے نہیں۔ فاضل موصوف "الدولۃ المکیّہ" صفحہ ۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقران وجوھا قلت اخرجہ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن سعد فی الطبقات و ابو نعیم فی الحلیۃ و ابن عساکر فی تاریخہ و اوردہ مقاتل بن سلیمان فی صدر کتابہ فی وجوہ القراٰن مرفوعًا بلفظ لا یکون الرجل فقیھا کل الفقہ حتی یری للقراٰن وجوھا کثیرۃً۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے متعدد وجوہ نہ نکالے (میں کہتا ہوں کہ تخریج کی ہے اس روایت کی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ابنِ سعد نے طبقات میں، اور ابو نُعیم نے حلیہ میں، اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، اور مقاتل بن سلیمان نے اپنی صدر کتاب میں، وجُوہِ قرآن میں اس کو بدیں الفاظ مرفوعًا روایت کیا ہے کہ "آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے وجوہ کثیرہ نہ دیکھے۔

قال فی الاتقان قد فسرہ بعضھم بان المراد ان یری اللفظ الواحد یحتمل

علامہ سیُوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ بعض

معانی متعددہ فیحمله علیها اذا کانت غیر متضادۃ ولا یقتصر به علی معنی واحد

(انتہیٰ صفحہ ۴۳)

لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ لفظِ واحد جو متعدد معانی کے لیے متحمل ہو اس کو ان سب پر محمول کرے جبکہ وہ آپس میں مکرا تے نہ ہوں اور ایک ہی معنی پر منحصر نہ کرے

مولوی احمد رضا خانصاحب کی اس عبارت بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو شخص کسی آیت قرآنی سے صرف ایک ہی معنی مُراد لے اور اسی میں حصر کرے تو وہ عوام میں داخل ہے۔ اہلِ فہم (فقہاء) میں سے نہیں ہے۔ کامل فقیہ جب ہی ہو گا جب کہ ایک آیت کو بہت سے غیر متعارض معانی پر محمول کر سکے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم ؒ نے ایک لفظ خاتم النبیین سے تین قسم کی خاتمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کی یعنی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی۔

الحمدللہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کا صحیح مطلب بیان کر دیا گیا اور ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صفحہ ۳ کے فقرے میں حضرت نانوتوی مرحوم نے جن لوگوں کو عوام بتلایا ہے۔ وُہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام ہی میں داخل ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نبی بالعرض۔ آپ کو کمالاتِ نبوت اللہ تعالیٰ نے براہِ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرتؐ کے واسطے سے، اس میں بھی حضرت نانوتوی مرحوم متفرّد نہیں بلکہ

بہت سے اگلے علماءِ محقّقین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن یہاں ہم ان کی عبارات نقل کر کے بات کو طویل کرنے اور کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی اور کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لیے ہم ان ہی کی ایک عبارت اس سلسلہ میں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فاضل موصُوف اپنے رسالہ "جزاء اللہ عدوّہ" کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں:

"اور نصُوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دُنیوی ظاہری یا باطنی۔ روزِ اوّل سے اب تک اور اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، مَلک یا انسان، جنّ یا حیوان، بلکہ تمام ماسوی اللہ میں جسے جو کچھ ملی، یا ملتی ہے یا ملے گی، اُس کی کلی انھیں کے صبائے کرم سے کھلی، اور کھلتی ہے یا کھلے گی۔ انھیں کے ہاتھوں پہ بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی، یہ سِرّ الوجُود اور اصل الوجُود، خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمتِ عالم ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "انا ابو القاسم اللہ یعطی وانا اقسم" رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ واقرہ الناقدون"

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہُوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت رُوحانی یا جسمانی، دُنیوی یا دینی، ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی رُوحانی نعمت ہے، لہٰذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضورؐ ہی کے واسطہ سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں خاتمیتِ ذاتی اور خاتمیتِ مرتبی ہے۔

اِس وقت ہم اس بحث کو اسی پر ختم کرتے ہیں اور مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ پر تکذیب رب العزت جلّ جلالہٗ کا جو بہتان لگایا ہے، اب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

---

(۲)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز

پر

تکذیبِ ربّ العزت جلّ جلالہٗ کا ناپاک بہتان

اور

اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین کے صفحہ ۱۳ پر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

ثم تمادی به الحال فی الظلم و الضلال حتّٰی صرح فی فتوی له (قد رایتها بخطّه و خاتمه بعینی وقد طبعت مرارًا فی بمبئی وغیرها مع ردّها) انّ من یکذّب الله تعالیٰ بالفعل و

پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں جو اُس کا مُہری دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے بمبئی وغیرہ میں بارہا مع ردّ کے چھپا) صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو بالفعل جھُوٹا مانے اور تصریح کرے

يصرح انه سبحانه وتعالیٰ قد	کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ
كذب وصدرت منه هذه	بڑا عیب اُس سے صادر ہو چکا تو اُسے کفر بالائے
العظيمة فلا تنسبوه الى فسق	طاق، گمراہی درکنار، فاسق بھی نہ کہو، اس لیے
فضلاً عن ضلال فضلاً عن	کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں جیسا اُس
كفر فان كثيرا من الائمة	نے کہا۔ بس نہایت کار یہ ہے کہ اس نے تاویل
قد قالوا بقيله وانما قصارٰی	میں خطا کی .... یہی وہ ہیں جنھیں اللہ
امره انه مخطئ فی تاویله....	تعالیٰ نے بہرا کیا اور ان کی آنکھیں اندھی
...... اولٰئك الذين اصمهم	کر دیں۔
الله تعالیٰ واعمٰی ابصارهم و	ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم!
لاحول ولا قوة الا بالله العلی	
العظيم۔ (حسام الحرمین ص ۱۳)	

یہ ناچیز بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف کسی ایسے فتوے کی نسبت کرنا سراسر افترا اور بہتان ہے۔ پہلی بحث میں تو مولوی احمد رضا خانصاحب نے تحذیر الناس کی متفرق عبارتیں جوڑ کر کفر کی مسل تیار بھی کر لی تھی۔ یہاں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بحمد اللہ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرحوم کے کسی فتوے میں یہ الفاظ موجود نہیں، نہ کسی فتوے کا یہ مضمون ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ صرف خانصاحب یا ان کے کسی دوسرے ہم پیشہ بزرگ کا افترا اور بہتان ہے بفضلہ تعالیٰ ہم اور ہمارے

اکابر اس شخص کو کافر، مُرتد، ملعُون سمجھتے ہیں جو خداوندِ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے اور اس سے بالفعل صدورِ کذب کا قائل ہو بلکہ جو بدنصیب اس کے کُفر میں شک کرے، ہم اس کو بھی خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ (جن پر خانصاحب نے یہ ناپاک بہتان باندھا ہے) خود انھیں کے مطبوعہ فتاوی کی جلد اوّل صفحہ ۱۱۸ پر ہے:

"ذاتِ پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے۔ اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جائے۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب کا نہیں، قال اللہ تعالی ومن اصدق من اللہ قیلاً۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے، وُہ قطعاً کافر و ملعون ہے اور مخالفِ قرآن و حدیث کا اور اجماعِ امّت کا ہے۔ وُہ ہرگز مومن نہیں۔ تعالی اللہ عما یقول الظٰلمون علواً کبیراً۔"

ناظرین بالانصاف فیصلہ فرمائیں کہ اس صریح اور چھپے ہوئے فتوے کے ہوتے حضرت ممدُوح پر یہ افترا کرنا کہ معاذ اللہ وہ خدا کو کاذب بالفعل مانتے ہیں یا ایسا کہنے والے کو مسلمان کہتے ہیں، کس قدر شرمناک کارروائی ہے؟ الحساب یوم الحساب!

رہا مولوی احمد رضا خانصاحب کا یہ لکھنا کہ "میں نے ان کا وہ فتویٰ مع مُہر و دستخط بچشمِ خود دیکھا ہے"۔ اس کے جواب میں ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ جب اس

چودھویں صدی کا ایک عالم اور مُفتی ایک چھپی ہوئی کثیر الاشاعت کتاب (تحذیر الناس) کی عبارتوں میں قطع و برید کرکے اور صفحہ ۳، ۱۴، ۲۸ کی عبارتوں میں تحریف کرکے ایک کُفر کا مضمون گھڑ کے تحذیر الناس کی طرف منسوب کرسکتا ہے تو کسی جعلساز کے لیے کسی کے مُہر و دستخط بنا لینا کیا مُشکل ہے؟ کیا دُنیا میں جعلی سکے اور جعلی دستاویزیں تیار کرنے والے موجود نہیں؟ مشہور ہے کہ بریلی اور اُس کے اطراف میں تو اس فن کے بڑے بڑے کامل رہتے ہیں، جن کا ذریعۂ معاش ہی جعلسازی ہے۔

بہرحال مولوی احمد رضا خانصاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کے جس فتوے کا ذکر کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جو تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہوچکا ہے، وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہے بلکہ اس میں اُس کے صریح خلاف چند فتوے موجود ہیں، جن میں سے ایک، اُوپر نقل بھی کیا جاچکا ہے اور اگر فی الواقع خاں صاحب نے کوئی فتویٰ اس قسم کا دیکھا ہے تو وہ یقیناً ان کے کسی ہم پیشہ بزرگ یا اُن کے کسی پیشرو کی جعلسازی اور دسیسہ کاری کا نتیجہ ہوگا۔

حضرات علماء و مشائخ کی عزّت اور عظمت کو مٹانے کے لیے حاسدوں نے اس سے پہلے بھی اس قسم کی کارروائیاں کی ہیں۔ اس سلسلہ کے چند عبرت آموز واقعات ہم یہاں نقل بھی کرتے ہیں:

اُمّت کے جلیل القدر مجتہد اور محدّث حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس دُنیا سے کوچ فرما رہے ہیں اور کوئی بدنصیب حاسد عین اُسی وقت ان کے تکیہ کے نیچے کچھ

لکھے ہوئے کاغذات رکھ جاتا ہے، جن میں خالص مُلحدانہ عقائد اور زندیقانہ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ لوگ ان تحریرات کو امام احمد بن حنبلؒ ہی کی کاوشِ دماغی کا نتیجہ سمجھیں گے اور جب ان کے مضامین اسلامی تعلیمات کے خلاف پائیں گے تو امام سے بدظن ہوجائیں گے اور لوگوں کے دلوں سے ان کی عزّت و عظمت نکل جائے گی۔ پھر ہماری دوکان جو امام کے فیضِ عام کے مقابلہ میں پھیکی پڑگئی ہے، چمک اُٹھے گی۔

امامِ لغت علّامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ صاحبِ قاموس زندہ تھے۔ مشہورِ امام اور مرجعِ خواص و عوام تھے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ جیسے محدّث نے اُن کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی۔ حاسدین ان کی اس غیر معمولی مقبولیت کو نہ دیکھ سکے اور اُن کی عظمت و شہرت کو بٹّہ لگانے کے لیے ان کے نام سے پوری ایک کتاب حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مطاعن میں تصنیف کر ڈالی جس میں خوب زور شور سے حضرت امامِ اعظمؒ کی تکفیر بھی کی اور یہ جعلی کتاب دُور دراز مقامات تک شائع کر دی گئی۔ حنفی دُنیا میں علامہ فیروز آبادیؒ کے خلاف نہایت زبردست ہیجان برپا ہوگیا۔ لیکن بیچارے علامہ کو اس کی بالکل بھی خبر نہیں یہاں تک کہ جب وہ کتاب ابوبکر الخیاط البغوی الیمانی کے پاس پہنچی تو انھوں نے علّامہ فیروز آبادی کو خط لکھا کہ "آپ نے یہ کیا کیا؟" علّامہ موصوف نے اس کے جواب میں لکھا:

"اگر وہ کتاب جو افتراءً میری طرف منسوب کر دی گئی ہے آپ کے

پاس ہو تو فوراً اس کو نذرِ آتش کر دیجئے۔ خدا کی پناہ! میں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تکفیر؟ و انا اعظم المعتقدین فی الامام ابی حنیفۃ " (حالانکہ مجھ کو امام کی جناب میں بے انتہا عقیدت ہے) میں نے تو ایک ضخیم کتاب بھی امام کے مناقبِ عالیہ میں لکھی ہے۔"

امام مصطفٰے قرمانی حنفی نے نہایت جانکاہی سے "مقدمہ ابو اللیث سمرقندی" کی ایک مبسوط شرح لکھی، جب ختم کر چکے تو مصر آئے کہ وہاں کے علماء کو دکھلانے کے بعد اس کی اشاعت کریں گے۔ تصنیف بحمد اللہ کامیاب تھی۔ بعض حاسدوں کی نظر میں کھٹک گئی اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اس کی اشاعت سے ہماری دکانوں کی رونق پھیکی پڑ جائے گی۔ کچھ اور تو نہ کر سکے البتہ یہ خباثت کی کہ اس کے "باب آداب الخلاء" کے اس مسئلہ میں کہ قضائے حاجت کے وقت آفتاب و ماہتاب کی طرف رُخ نہیں کرنا چاہیے" اپنی دسیسہ کاری سے اتنا اضافہ کر دیا کہ "چونکہ ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔" (معاذ اللہ منہ) علامہ قرمانی کو اس شرارت کی کیا خبر تھی۔ انھوں نے لاعلمی میں وہ کتاب علماءِ مصر کے سامنے پیش کر دی۔ جب ان کی نظر اس دلیل پر پڑی سخت برہم ہوئے اور تمام مصر میں علامہ قرمانی کے خلاف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قاضی وقت نے واجب القتل قرار دیا۔ بیچارے راتوں رات جان بچا کر مصر سے بھاگے، ورنہ سر دیے بغیر پیچھا چھوٹنا مشکل تھا۔

عارفِ ربانی امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں

آپ بیتی لکھتے ہیں کہ

"بعض حاسدوں نے میری کتاب "البحر المورود فی المواثیق والعہود" میں میری زندگی ہی میں عقائدِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ بڑھا دیے اور تین سال تک مصر و مکہ مکرمہ میں خوب اس کی اشاعت کی۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے مشاہیر علماء سے اصل نسخہ پر تصدیقیں لکھوا کر ان ملکوں میں بھیجا۔ وُہ حسد و کینہ کے مریض اس پر بھی باز نہ آئے اور ان کمینوں نے اس کے بعد یہ پروپیگنڈہ کیا کہ جن علماء نے ان پر تصدیقات لکھی تھیں، اب وہ اس سے رجوع کر رہے ہیں اور اکثر کر چکے ہیں (امام شعرانی لکھتے ہیں کہ) جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو میں نے پھر ان حضرات علماء کو تکلیف دی اور خود انھیں کے قلم سے حاسدوں کے اس نئے پروپیگنڈے کی تردید لکھوا کر عرب روانہ کیں، جب کہیں اس فتنہ کا خاتمہ ہُوا۔"

یہ گنتی کے چند واقعات ہیں۔ تاریخ اور تذکرے کی کتابیں اگر دیکھی جائیں تو بدنصیب حاسدوں کی دسیسہ کاریوں کے ان جیسے سیکڑوں شرمناک واقعات ملیں گے پس اگر درحقیقت فاضل بریلوی اپنے اس بیان میں سچے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ بالا مضمون کا کوئی فتوٰی حضرت گنگوہی مرحوم کے مُہر و دستخط کے ساتھ دیکھا، تو یقیناً وُہ اسی قبیلہ سے ہے۔ لیکن پھر بھی مولوی احمد رضا خانصاحب کو اس

کی بنا پر کُفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہ تھا، تاوقتیکہ وہ یہ تحقیق نہ کر لیتے کہ یہ فتویٰ حضرت مولانا کا ہے بھی یا نہیں؟ فقہ کا مسلّم اور مشہور مسئلہ ہے کہ "الخط یشبہ الخط" یعنی ایک انسان کا خط دُوسرے کے خط سے مِل جاتا ہے اور خود خاں صاحب بھی اس سے ناواقف نہیں۔ چنانچہ خط یا تار سے عدمِ ثبوت رویتِ ہلال پر استدلال کرتے ہوئے آپ تصریح فرماتے ہیں کہ:

"تمام کتابوں میں تصریح ہے "الخط یشبہ الخط" الخط لا یعمل بہٖ"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد ۲، ص ۵۲)

بہرحال جبکہ رویتِ ہلال جیسی معمولی باتوں میں خط کا اعتبار نہیں تو پھر تکفیر جیسے اہم معاملہ میں کیونکر اس کا اعتبار ہو سکتا ہے۔

رہے وہ دلائل جو خاں صاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف اس جعلی فتوے کی نسبت صحیح ہونے پر اپنی کتاب "تمہید ایمان" میں پیش کیے ہیں وہ نہایت لچر پوچ اور تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں۔

ناظرین ذرا ان کو خود بھی دیکھ لیں اور جانچ لیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب موصوف اس جعلی فتوے کے متعلق "تمہید ایمان" ص ۳۵، ۹ پر لکھتے ہیں:

"یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتویٰ اٹھارہ برس ہوئے ۱۳۰۸ھ ہجری میں رسالہ "صیانۃ الناس" کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہو چکا،

پھر ۱۳۱۸ھ میں مطبع گلزار حسنی ممبئی میں اس کا مفصل رد چھپا، پھر ۱۳۲۰ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں اس کا اور قاہرہ رد چھپا، اور فتویٰ دینے والا جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا اور مرتے دم تک ساکت رہا نہ یہ کہا کہ وہ فتویٰ میرا نہیں حالانکہ خود چھاپی ہوئی کتابوں سے فتوے کا انکار کر دینا سہل تھا، نہ یہی بتلایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہلِ سُنّت بتلا رہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ نہ کُفرِ صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔

حشو و زوائد حذف کر دینے کے بعد خاں صاحب کی اس دلیل کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ

۱۔ یہ فتویٰ مع رد کے مولانا گنگوہی مرحوم کی حیات میں تین مرتبہ چھپا۔

۲۔ انھوں نے تا زیست اس فتوے کی نسبت سے انکار نہیں کیا، نہ اس کا اور کوئی مطلب بتایا۔

۳۔ اور چونکہ معاملہ سنگین تھا، اس لیے اس خاموشی کو عدمِ التفات پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ فتویٰ انھیں کا ہے اور اس کا مطلب بھی وہی ہے، جس کی بنا پر ہم نے تکفیر کی ہے۔

اگرچہ خاں صاحب کی اس دلیل کا لچر پوچ اور مہمل ہونا ہمارے نقد و تبصرہ کا محتاج نہیں۔ ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی تھوڑے سے غور و فکر سے اس کی لغویت کو سمجھ سکتا ہے

تاہم اسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہر جُز پر تھوڑی سی روشنی ڈال کر ناظرین سے بھی خاں صاحب کے علم و مجددیت کی کچھ داد دلوا دی جائے۔

خاں صاحب کی دلیل کا پہلا بُنیادی مقدمہ یہ ہے کہ :

"یہ فتوٰی مولانا گنگوہی کی حیات میں تین مرتبہ مع رد کے چھپا"۔

اسی مقدمہ سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ جعلی فتوٰی صرف مولانا کے مخالفین نے چھاپا ہے۔ مولانا یا آپ کے متوسّلین کی طرف سے کبھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی (خیر اس راز کو تو اہلِ بصیرت ہی سمجھیں گے) ہم کو تو اس کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر خاں صاحب کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فتوٰی متعدد بار مع رد کے حضرت گنگوہی مرحوم کی حیات میں چھپ کر شائع ہُوا، جب بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت کے پاس بھی پہنچا ہو یا ان کو اس کی اطلاع بھی ہوئی ہو، اور اگر ان کے پاس بھیجا گیا تو سوال یہ ہے کہ ذریعہ قطعی تھا یا غیر قطعی ؟ پھر کیا خاں صاحب کو اس کی وصولیابی کی اطلاع ہُوئی ؟ اگر ہوئی تو وہ ذریعہ قطعی تھا یا ظنّی ! بحث کے اتنے پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے کُفر کا قطعی یقینی فتوٰی دینا کیونکر دُرست ہو سکتا ہے۔ بہر حال جب تک قطعی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فی الواقع حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ایسا فتوٰی لکھا تھا جس کا قطعی اور متعین مطلب وہی تھا جو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے اس وقت تک ان تخمینی بُنیادوں پر تکفیر قطعًا ناروا اور معصیت ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی مرحوم تو ایک گوشہ نشین عارف باللہ تھے جن کا حال بلا مبالغہ یہ تھا ؎

بسودائے جاناں زجاں مشتغل　　بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

یہ خاکسار جس کے اوقات کا خاصہ حصّہ اب تک اہلِ باطل ہی کی تواضُع میں صرف ہوا ہے آج تک اس جعلی فتوے کے ان تینوں ایڈیشنوں کی زیارت سے محروم ہے جن کا ذکر خاں صاحب فرما رہے ہیں، پس ہو سکتا ہے بلکہ قرینِ قیاس ہے کہ حضرت مرحُوم کو اس قصّہ کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

خاں صاحب کی دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ تھا کہ مولانا گنگوہی مرحُوم نے اس فتوٰی سے انکار نہیں کیا، نہ اس کی کوئی تاویل بیان کی۔

اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہی ہے کہ جب اطلاع ہی ثابت نہیں تو انکار کس چیز کا اور تاویل کس بات کی ؟ اور فرض کر لیجیئے ان کو اطلاع ہوئی، لیکن انھوں نے ناخدا ترس مفتریوں کی اس ناپاک حرکت کو ناقابلِ توجہ اور شائستۂ اعتناء ہی نہ سمجھا، یا ان کے معاملہ کو حوالہ بخُدا کر کے سکوت اختیار فرمایا۔

رہا یہ کہ کُفر کی نسبت کوئی معمولی بات نہ تھی جس کی طرف التفات نہ کیا جاتا، سو اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ دُوسرے بھی آپ کے اس نظریہ سے متفق ہوں، ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس لیے انکار کی ضرورت نہ سمجھی ہو کہ ایمان والے خود ہی ایسے ناپاک افترا کی تکذیب کر دیں گے۔ یا انھوں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ گندگی اُچھالنے والے علمی اور مذہبی دُنیا میں کوئی مقام نہیں رکھتے، لہٰذا ان کی بات کا کوئی اعتبار ہی نہ کریگا۔ بہر حال سکوت کے لیے یہ وجوہ بھی ہو سکتے ہیں اور پھر قطع نظر ان تمام باتوں سے، یہ کہنا ہی غلط

ہے کہ "کفر کا معاملہ سنگین تھا" بے شک خاں صاحب کی "مجددیت" کے دور سے پہلے تکفیر ایسی ہی غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔ لیکن خاں صاحب کی رُوح اور ان کی موجودہ ذریت مجھے معاف فرمائے کہ جس دن سے اِفتاء کا قلمدان خاں صاحب کے بے باک ہاتھوں میں گیا ہے، اس روز سے تو کُفر اتنا سستا ہوگیا کہ اللہ کی پناہ!

ندوۃ العلماء والے کافر، جو اُنھیں کافر نہ کہے وُہ کافر۔ علماءِ دیوبند کافر، جو انھیں کافر نہ کہے وہ کافر۔ غیر مقلدین اہلِ حدیث کافر، مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کافر، اور تو اور تحریکِ خلافت میں شرکت کے جُرم میں اپنے برادرانِ طریقت مولوی عبدالمجد صاحب بدایُونی کافر، مولوی عبدالقدیر صاحب بدایونی کافر۔ کُفر کی وُہ بے پناہ مشین گن چلی کہ الٰہی توبہ۔ بریلی کے ڈھائی نفر انسانوں کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔

پس ہوسکتا ہے کہ خاں صاحب اور ان جیسے کُفر باز کسی اللہ والے کو کافر کہیں اور وہ اس شور و غوغا کو نباح الکلاب سمجھتے ہوئے خاموشی اختیار کرے اور اس کا اصول یہ ہو کہ

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِیْ
فَمَضَيْتُ ثُمَّتَ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِیْ

اور ہوسکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو اطلاع ہوئی ہو اور انھوں نے اس جعلی فتوے سے انکار بھی فرمایا ہو لیکن خاں صاحب کو اس انکار کی اطلاع نہ ہوئی ہو پھر عدمِ اطلاع سے عدمِ انکار کیونکر سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا عدمِ علم۔ عدم الشئ کو مستلزم ہے؟ اہلِ علم اور اربابِ انصاف غور فرمائیں کہ کیا اتنے احتمالات کے ہوتے ہُوئے

بھی تکفیر جائز ہوسکتی ہے؟ دعویٰ تو یہ تھا کہ

"ایسی عظیم احتیاط والے (یعنی خود بدولت جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب) نے ہرگز ان دُشنامیوں (حضرت گنگوہی وغیرہ) کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کُفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوگیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش کوئی تاویل نہ نکل سکی۔"

(تمہید ص ۴۴)

اور دلیل اس قدر لچر کہ یقین کیا معنے ظن کی بھی مفید نہیں۔ اور اگر ایسی ہی دلیلوں سے کُفر ثابت ہوتا ہے تو پھر تو اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ کوئی جاہل یا دیوانہ کسی باخُدا کو کافر کہے، وہ اس کو ناقابلِ خطاب سمجھتے ہوئے اعراض کرے اور اس کے سامنے اپنی صفائی پیش نہ کرے، بس خاں صاحب کی دلیل سے کافر ہوگیا۔ چہ خوش!

گر ہمیں مُفتی و ہمیں فتویٰ
کارِ ایماں تمام خواہد شد

اِدھر فقہائے کرام کی وہ تصریحات کہ اگر ۹۹ احتمال کُفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا، تب بھی تکفیر جائز نہیں، اور اُدھر چودھویں صدی کے ان خود ساختہ مجدد صاحب کی یہ تیز دستی کہ صرف خیالی و وہمی مقدمے جوڑ کر نتیجہ نکالا اور تکفیر یقینی قطعی "ہر کہ شک آرد کافر گردد"۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

یہاں تک تو مناظرانہ بحث تھی لیکن اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اخیر زمانۂ حیات میں جب آپ کے بعض متوسلین کو اہلِ بدعت کی اس افتراء پردازی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے عریضہ لکھ کر حضرت مرحوم سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے جواب میں اپنی برارت اور جعلی فتوے کے لعنتی مضمون سے کامل بیزاری ظاہر فرمائی اور خانصاحب کو اس کی اطلاع بھی ہوئی، لیکن کُفر کا فتویٰ پھر بھی جُوں کا تُوں رہا۔ یہیں سے تکفیر کے ان علمبردار اور ان کی ذریت کی نیت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ نے جب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے خاص الخاص عقیدت کیش میاںجی عبدالرحمٰن بکھیڑوی کے ایک رسالہ میں اس جعلی فتوے کا ذکر دیکھا تو اسی وقت حضرت کی خدمت میں گنگوہ عریضہ لکھا کہ حضرت کی طرف اس مضمون کے فتوے کی نسبت کی جا رہی ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو جواب آیا کہ

یہ سراسر افترا اور محض بہتان ہے۔ بھلا میں ایسا کیسے لکھ سکتا ہوں؟

حضرت مرحوم کے اس جواب کا ذکر حضرتِ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ کے متعدد رسائل "السحاب المدرار"، "تزکیۃ الخواطر" وغیرہ میں آچکا ہے اور یہ تمام رسالے خاں صاحب کی حیات میں اُن کے پاس پہنچ بھی چکے ہیں۔

نیز جب پہلے پہل اس بُہتان کا چرچا بریلی میں ہُوا، تو یہاں سے بھی حضرت کے

بعض متوسلین نے گنگوہ عریضہ لکھ کر حقیقتِ حال دریافت کی۔ اس کے جواب میں بھی حضرت مرحوم نے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی اور حضرت مرحوم کی وہ جوابی تحریر بعینہٖ خانصاحب کو دِکھلائی بھی گئی مگر پتھر کے اس دل پر کوئی اثر نہ ہُوا اور خدا کا خوف غلطی کے اقرار پر اس کو آمادہ نہ کر سکا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ[1]

یہی وہ حالات اور واقعات ہیں جن کی وجہ سے ہم یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہیں کہ خاں صاحب کے فتوئے کُفر کی بُنیاد پہلے دن سے کسی غلط فہمی یا علمی لغزش پر نہ تھی بلکہ درحقیقت اس کی تہ میں صرف حسد و جاہ پرستی اور نفس پروری کا بے پناہ جذبہ کارفرما تھا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

---

[1] پھر تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بیشک پتھروں میں سے تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ رہی ہیں، اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کے خوف سے نیچے آگرتے ہیں۔

(۳)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ
پر
تنقیصِ شانِ سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بہتان

مولوی احمد رضا خاں صاحب حُسام الحرمین ص ۱۵ پر لکھتے ہیں:

وهؤلاء اتباع شيطان الآفاق	اور یہ شیطانِ آفاق ابلیسِ لعین کے پیرو ہیں
ابليس اللعين و هم ايضاً اذ ناب	اور یہ بھی اُسی تکذیبِ خدا کرنے والے گنگوہی
ذلك المكذب الكنكوهي فانه	کے دُم چھلے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب "براہین
قد صرح فی کتابه البراهين القاطعة	قاطعہ" میں تصریح کی (اور خدا کی قسم وہ قطع
وماهي والله الا القاطعة لما امر	نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے
الله به ان يوصل بان شيخهم	کا اللہ عزّوجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر
ابليس اوسع علما من رسول الله	ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے

صلى الله تعالى عليه وسلم وهذا	زیادہ ہے اور یہ اُس کا بُرا قول خود اس کے
نصّه الشنيع بلفظه الفظيع (ص ۴۷)	بد الفاظ میں ص ۴۷ پر ہے۔
شيطان وملک الموت کو الخ ای ان	شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص
هذه السعة فی العلم ثبتت للشيطن	سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون
وملك الموت بالنص و ای نص قطعی	سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کرکے
فی سعة علم رسول الله صلى الله تعالى	ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ اور اس سے پہلے
عليه وسلم حتّى تردّ به النصوص	لکھا کہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصّہ ہے۔
جميعا ويثبت شركا وكتب قبله	
ان هذا الشرك ليس فيه حبة	
خردل من ايمان۔	

پھر مؤلفِ براہین کو کچھ "صلواتیں" سُنا کر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

وقد قال فی نسيم الرياض	اور بے شک نسیم الریاض میں فرمایا (جیسا
كما تقدم من قال فلان اعلم منه	کہ اس کا نص اصل کتاب میں گزر چکا ہے)
صلى الله تعالى عليه وسلم فقد	کہ جو کسی کا علم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
عابه ونقصه فهو سابٌ والحكم	کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بے شک
فيه حكم الساب من غير فرق لا	حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور
نستثنى منه صورة وهذا كله	حضور کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس

اجماع من لدن الصحابة رضی
الله تعالیٰ عنهم ثم اقول انظروا
الی اثار ختم الله کیف یصیر البصیر
اعمی، وکیف یختار علی الهدی
العمی، یومن بعلم الارض المحیط
لابلیس واذ جاء ذکر محمد رسول
الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال
هذا شرك وانما الشرك اثبات
الشریك لله تعالیٰ فالشیٔ اذا کان
اثباته لاحد من المخلوقین شرکًا
کان شرکًا قطعًا لکل الخلائق اذ لا
یصح ان یکون احد شریکًا لله تعالیٰ
فانظروا کیف امن بان ابلیس شریك
له سبحانه وانما الشرکة منتفیةٌ
عن محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
ثم انظروا الی غشاوة غضب الله
تعالیٰ علی بصره یطالب فی علم محمد

کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والا ہے، اصلا فرق
نہیں، اس میں سے ہم کسی صورت کا استثنا نہیں
کرتے، اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اجماع چلا آیا
ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مُہر کر دینے کا
اثر دیکھو، کیونکر انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے اور
راہِ حق چھوڑ کر چوپٹ ہونا پسند کرتا ہے۔ ابلیس
کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے
اور جب مُحمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے، حالانکہ شرک
تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزّوجل کے لیے کوئی
شریک ٹھیرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے
کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام
جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک
ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا تو دیکھو ابلیس
لعین کے اللہ عزّوجل کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا
ایمان رکھتا ہے۔ شرکت تو مُحمّد رسُول اللہ صلی اللہ

صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالنّص و
لا یرضی به حتی یکون قطعیًا فاذا
جاء علی سلب علمه صلی الله تعالیٰ
علیه وسلم تمسك فی هذا البیان
نفسه علی صفحه ۴۶ بستة اسطر
قبل هذا الکفر المهین بحدیث
باطل لا اصل له فی الدین و ینسبهٗ
کذبا الی من لم یروه بل ردّه بالرد
المبین حیث یقول روی الشیخ
عبد الحق قدّس سره عن النبی صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم انهٗ قال لا اعلم
ما وراء هذا الجدار اه مع ان الشیخ
قدس الله تعالیٰ سرہ انّما قال فی
مدارج النبوة هکذا یشکل هٰهنا
بان جاء فی بعض الرّوایات انّهٗ قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم انما
انا عبد لا اعلم وراء هذا الجدار

تعالیٰ علیہ وسلم سے منتفی ہے پھر غضبِ الٰہی کا گھٹا ٹوپ
اس کی آنکھوں پر دیکھو۔ علمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو
نص مانگتا ہے اور نص پر بھی راضی نہیں جب تک
قطعی نہ ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
علم کی نفی پر آیا تو خود اسی بحث میں صفحہ ۴۶ پر اس
ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک باطل
روایت کی سند پکڑی ہے جس کی دین میں بالکل اصل
نہیں اور ان کی طرف اس کی نسبت کر رہا ہے جنھوں
نے اُسے روایت نہ کیا بلکہ اُس کا صاف رد کیا کہ
کہتا ہے۔ شیخ عبد الحق رح روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو
دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں حالانکہ شیخ نے "مدارج
النّبوۃ" میں یوں فرمایا ہے کہ یہاں یہ اشکال پیش
کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے یوں فرمایا "میں تو ایک بندہ ہوں اس
دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں"۔ اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے، اس کی روایت
صحیح نہ ہوئی۔ دیکھو کیسی لاتقربوا الصّلوٰۃ سے

وجوابه ان هذا القول لا اصل له
ولم تصح به الرواية اه فانظروا كيف
يحتج بلا تقربوا الصلٰوة و يترك "وَ
اَنْتُمْ سُكَارٰی"۔ (حسام، ص۱۰۱)

دلیل لایا اور "وانتم سکاری" کو چھوڑ گیا۔

اس موقع پر شوقِ تکفیر پورا کرنے کے لیے مولوی احمد رضا خانصاحب نے دین و دیانت پر جو ظلم کیا ہے اُس کی فریاد بس واحدِ قہار سے ہے۔ اُس کی بازپرس انشاء اللہ روزِ جزا ہوگی۔ لیکن دُنیا میں اربابِ انصاف بھی فیصلہ فرمائیں کہ اس مُدّعی مجدّدیت کے بیان اور اُس کے فتوے میں کتنی صداقت ہے؟

اس عبارت میں خاں صاحب نے مصنّف براہینِ قاطعہ پر مندرجہ ذیل چار اعتراض کیے ہیں:

۱۔ (معاذ اللہ) رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطانِ رجیم کے علم سے گھٹایا۔

۲۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین کے علم محیط کے اثبات کو شرک بتلایا اور شیطانِ لعین کے لیے اس کو ثابت مانا حالانکہ کسی ایک مخلوق کے لیے جس چیز کا ثابت کرنا شرک ہے دُوسری مخلوقات کے لیے بھی اس کا ثابت کرنا یقیناً شرک ہے تو گویا مصنّف براہین نے (معاذ اللہ) شیطان کو خدا کا شریک مان لیا۔

۳۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نصِ قطعی کا مُطالبہ کیا، اور جب حضُورِ اقدس کے

علم کی نفی کی، تو ایک باطل الروایۃ حدیث سے استناد کیا۔

۴۔ پھر اس حدیث کی روایت کو ازراہِ دروغ بیانی اس شخص کی طرف منسوب کیا، جس نے روایت نہیں کی بلکہ نقل کرکے ردِّ بلیغ کیا۔

یہ ہے خانصاحب کی اس ساری عبارت کا خلاصہ اور مصنف براہینِ قاطعہ کے خلاف ان کی فردِ قرار دادِ جُرم — ہم تحریرِ جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ

علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ ذاتی وہ ہے جو از خود ہو، کسی کا دیا ہُوا نہ ہو۔ اور عطائی وہ ہے جو کسی کا دیا ہُوا اور بتلایا ہُوا ہو۔ پہلی قسم (علم ذاتی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوقات میں سے جس کو بھی کوئی علم ہے وہ سب اسی کا دیا ہُوا اور بتلایا ہُوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی یا فرشتے کے لیے بھی علمِ ذاتی ثابت کرے گا تو سب کے نزدیک مشرک ہوگا، چونکہ یہ تمام امت کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا ہم اس کے ثبوت میں صرف خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پیش کردینا کافی سمجھتے ہیں۔ ع

مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

موصوف "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہیں:

"علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیرِ خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی"

ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی تقسیم اول ہے یعنی علمِ ذاتی وعلمِ محیط تحقیقی"۔

نیز اسی "خالص الاعتقاد" کے صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں :

"بلاشبہ غیرِ خدا کے لیے ایک ذرّہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریاتِ دین سے ہے اور منکر کافر"۔

اور "الدولۃ المکیۃ" کی نظرِ اوّل صفحہ ۲ پر ہے :

فالاول (العلم الذاتی) مختص بالمولی سبحانه وتعالیٰ لا یمکن لغیرہٖ ومن اثبت شیئًا منه ولو ادنیٰ من ادنیٰ من ذرةٍ لاحدٍ من العالمین فقد کفرو اشرك و باد وهلك۔

علم ذاتی اللہ عزّوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرّہ سے کمتر سے کمتر غیرِ خدا کے لیے مانے وہ یقینًا کافر و مشرک ہوگیا اور ہلاک و برباد ہُوا۔

دُوسرا مقدّمہ کائنات کے ہر ذرّہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور چونکہ کسی مخلوق کا علم معلوماتِ غیر متناہیہ کو محیط نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخلوق کو ایک ذرّہ کا بھی حقیقی معنی میں محیط نہیں ہو سکتا۔

اس کے ثبوت میں بھی ہم خاں صاحب بریلوی کی تصریحات پر قناعت کریں گے موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں :

بل له سبحانه وتعالیٰ فی کل ذرة علوم

بلکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے لیے ہر ذرّہ میں علوم

لا تتناهی لان لکل ذرةٍ مع کل ذرةٍ کانت او تکون او یمکن ان تکون نسبة بالقرب و البعد والجهة مختلفة فی الازمنه باختلاف الامکنة الواقعة و الممکنة من اول یوم الیٰ ما لا اٰخر له و الکل معلوم له سبحانه و تعالیٰ بالفعل فعلمه عزجلاله غیر متناهٍ فی غیر متناهٍ فی غیر متناهٍ ......

غیر متناہیہ ہیں۔ اس لیے کہ ہر ذرّہ کو دوسرے اس ذرّہ کے ساتھ جو موجود ہو چکا یا آئندہ موجود ہوگا یا جس کا وجود ممکن ہے، قرب اور بُعد اور جہت کے اعتبار سے کوئی نسبت ہے جو مختلف ہوتی رہتی ہے۔ زمانوں میں ساتھ مختلف ہونے ان امکنہ کے جو واقع ہوں اور جن کا امکان ہے دُنیا کے پہلے دن سے ابدالآباد تک اور سب اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ کو بالفعل معلوم ہے۔ پس اللہ عزّوجل کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے ......

ومعلوم ان علم المخلوق لا یحیط فی اٰن واحدٍ غیر المتناهی کما بالفعل تفصیلا تاما حیث یمتاز فیه کل فردٍ عن صاحبه امتیازًا کُلّیًا

اور معلوم ہے کہ مخلوق کا علم ایک آن میں غیر متناہی بالفعل کا تفصیلی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح کہ اس میں ہر فرد دوسرے سے کامل طور پر ممتاز ہو

نیز اسی "الدولۃ المکیۃ" کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے :

انّی بیّنت ان له سُبحانه فی کل ذرة ذرة علوم لا تتناهیٰ فکیف ینکشف شی لخلق کانکشافه للخالق عزّو

یہ تحقیق میں بیان کر چکا ہوں کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے ہر ہر ذرہ میں غیر متناہی علوم ہیں۔ پس کوئی چیز کسی مخلوق کے لیے اس طرح کیسے منکشف ہو سکتی ہے جیسے

جل": کر اس کا انکشاف خداوند تعالیٰ کے لیے ہے۔"

تیسرا مقدمہ عقیدہ قائم کرنے کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت ہے اور نفی کے لیے صرف عدمِ دلیلِ ثبوت کافی ہے۔ اسی لیے قرآن عزیز میں جا بجا مشرکین کے خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کی تردید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ان کے ذاتی خیالات اور شیطانی وساوس ہیں۔ خدا کی طرف سے اُن پہ کوئی دلیل و بُرہان نہیں۔

نیز خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی انباء المصطفٰے میں عقائد کے اثبات کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

چوتھا مقدمہ علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین سے تعلق ہے (جیسے تمام علوم دینیہ شرعیہ) اور دوسرے وہ جن کو دین سے تعلق نہیں (جیسے زید، عمرو، گنگا پرشاد، جمنا داس، سر ہیگ اور لارڈ ولنگڈن، مسٹر چرچل وغیرہ کے جزئی حالات کا علم، زمین کے کیڑے مکوڑوں اور سمندر کی مچھلیوں کی تعداد اور ان کے خواص کا علم، ان کی عام نقل و حرکت، اکل و شرب اور بول و براز کا علم) ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے علم کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اِن علوم کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل، اور نہ ان کے نہ ہونے سے انسان میں کوئی نقصان!

اگرچہ یہ مقدمہ بدیہی ہے اور ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اس کو تسلیم کرے گا، مگر اب چند روز سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی رُوحانی ذرّیت نے اس سے انکار شروع کر دیا ہے اور وُہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی علم ایسا نہیں جس کا دین سے تعلق نہ

ہو اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل نہ ہو۔ لہٰذا یہاں بھی ہم صرف خاں صاحب ہی کی ایک عبارت پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف کے ملفوظات حصّۂ دوم صفحہ ۶۲ پر ہے "سیمیا ایک ناپاک علم ہے"۔ خانصاحب کے اس مختصر مگر پُر معنی فقرے سے صرف اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بعض علم ناپاک بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو علم ناپاک ہو، وہ نہ دینی علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کے لیے باعثِ کمال۔

پانچواں مقدمہ شریعت میں جس علم کی مدح کی گئی ہے اور انسانوں کو جس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو رضائے الٰہی کا باعث ہے، وُہ صرف وُہ علم ہے جس کا تعلق دینیات سے ہو اور جس سے کمالِ انسانی وابستہ ہو، مثلاً قرآن عزیز میں ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ — کیا علم والے اور بے علم سب برابر ہو سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں)

اور دُوسری جگہ ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ — اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے درجے بلند کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں علم سے نہ انگلش مُراد ہے نہ سنسکرت یا بھاشا، نہ سائنس نہ جغرافیہ، نہ جادوگری نہ شاعری، بلکہ صرف علمِ دین ہی مُراد ہے، اور وُہی خدا کو محبوب ہے

اور حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى — طلبِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

كُلِّ مُسْلِمٍ"۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے :

اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَ اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ

بہ تحقیق انبیاء علیہم السلام نے دراہم و دنانیر کی میراث نہیں چھوڑی، اُن کی میراث صرف علم ہے، جس نے اس کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصّہ پایا۔

ان احادیث کریمہ میں بھی علم سے علم شریعت اور علم دین ہی مُراد ہے۔ کون بدبخت کہ سکتا ہے کہ دُنیاوی علوم کا حاصل کرنا بھی مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور کون محروم البصیرت خیال کر سکتا ہے کہ جادوگری و شعبدہ بازی جیسے لغو علوم بھی میراث نبوت ہیں۔ بہرحال یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ شریعت میں جس علم کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو کمال انسانی میں دخل ہے وہ صرف علم دین ہے۔ بلکہ بیکار اور غیر متعلق باتوں کی کھود کرید سے تو شریعت نے منع فرمایا ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ

انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وُہ بیکار باتوں میں نہ پڑے۔ (حدیث نبوی)

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کسی شخص نے تعزیہ داری اور امور متعلقہ تعزیہ داری کے متعلق چند سوال کیے تھے۔ منجملہ ان کے بارھواں سوال (شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق) یہ تھا کہ :

"بعد شہادت کس قدر سر مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کس قدر واپس آئے"

اِس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں :

"حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑے"

خاں صاحب کا وہ پورا فتویٰ جس میں یہ سوال وجواب درج ہے۔ کئی جگہ متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس کی اصل بہ مُہر و دستخط بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اگر ان کے یہاں نقل فتاوٰی کا پُورا اہتمام ہو گا (جیسا کہ مَیں نے سُنا ہے) تو غالباً وہاں بھی اس کی نقل محفوظ ہو گی۔

فتوے پر تو کوئی تاریخ درج نہیں اور لفافہ پر ڈاک خانہ کی مُہر بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تاہم بعد غور بسیار ظن غالب یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بریلی کے ڈاکخانہ سے وُہ فتویٰ روانہ ہُوا ہے۔ واللہ اعلم !

خاں صاحب کے اس فتوے سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو بیکار ہیں اور اُن کا حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جس سوال کے جواب میں خاں صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے وُہ سوال زید، عمرو، بکر، حیوانات و بہائم، دریا کی مچھلی، مینڈک یا حشرات الارض کے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہل بیت کرام و شہدائے عظام کے مقدس سروں کے متعلق سوال ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کو چھوڑ دے

چھٹا مقدمہ

جو علوم انسان کے لیے باعث کمال نہیں اور جن کے حصول کے لیے انسان خدا کی طرف سے مامور نہیں (جیسے روزمرہ کے جزئی حوادث

اور مخصوص افراد کے شخصی اور خانگی حالات) اُن میں ایک مفضول کا دائرۂ علم افضل سے اور ایک مردود کا مقبول سے وسیع ہو سکتا ہے بلکہ غیر دینی اور غیر ضروری اُمور میں غیر نبی کا علم بھی کبھی نبی سے بڑھ سکتا ہے۔ لیکن علوم شرعیہ و امور ضروریہ اور اصولِ دینیہ میں ہمیشہ نبی ہی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہوگا کیونکہ ان علوم کے فیضان میں وہ تمام اُمت کے لیے واسطۂ کبریٰ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے یہ علوم افرادِ امت تک پہنچتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ کبیر میں فرماتے ہیں:

يجوز ان يكون غير النّبي فوق النّبي فى علوم لا تتوقف نبوته عليها

جائز ہے کہ غیرِ نبی، نبی سے بڑھ جائے ان علوم میں کہ جن پر نبی کی نبوت موقوف نہ ہو۔

(ج ۵، ص ۴۹۵)

ساتواں مقدمہ دین سے غیر متعلق اور غیر ضروری امور کے نہ جاننے کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبولینِ بارگاہِ احدیت کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آتی اور نہ اُن کے کمالِ علمی کو اس سے کچھ صدمہ پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسا سمجھنا انتہائی سفاہت اور منصبِ رسالت سے اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

علامہ قاضی عیاض جن کو حضرتِ رسالت ص کے ساتھ قابلِ تقلید عشق ہے، "شفا شریف" میں اس نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فاما ما تعلق منها بامر الدّنيا فلا يشترط فى حق الانبياء العصمة من عدم معرفة الانبياء ببعضها او اعتقادها على خلاف ما هي عليه ولا وصم عليهم فيه اذ همّتهم متعلّقةٌ بالاخرة وانبائها وامر الشريعة وقوانينها وامور الدنيا تضادها بخلاف غيرهم من اهل الدنيا الذين يعلمون ظاهرًا من الحيٰوة الدنيا وهم عن الاٰخرة هم الغافلون۔

بہر حال وہ علوم جن کا تعلق دُنیاوی باتوں سے ہو، سو اُن میں سے بعض کے نہ جاننے سے اور ان کے متعلق خلافِ واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں (یعنی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض دُنیاوی باتوں کا علم نہ ہو) اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے اُن پر کوئی دھبہ نہیں کیونکہ ان کی توجہ آخرت اور اس کی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دُنیاوی باتیں اُن کے برعکس ہیں بخلاف اور اہلِ دُنیا کے جو اسی دُنیاوی زندگانی کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

(شفاء - ص ۲۵۴)

پھر اس مضمون کو متعدد احادیثِ شریفہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۳۰۲ پر لکھتے ہیں:

فمثل هذا و اشباهه من امور الدنيا التى لا مدخل فيها لعلم ديانة ولا اعتقادها ولا تعليمها يجوز عليه فيها ما ذكرنا اذ ليس فى هذا كلّه نقيصةٌ ولا محطّةٌ و انّما هى امور اعتيادية يعرفها

پس دُنیاوی اُمور میں سے ایسی باتیں کہ جن کو نہ دین کے علم میں کوئی دخل ہے نہ اُس کی تعلیم میں نہ اس کے اعتقاد میں (سو ایسی باتوں کے بارے میں) جائز ہے۔ نبی علیہ السّلام پر وہ جو ہم نے ذکر کیا (یعنی اُن باتوں کا نہ جاننا) اس لیے کہ ایسی باتوں کے نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو کچھ نقصان

من جَرَّبها وجعلها همّہٗ و شغل نفسہ بہا والنبی مشحون القلب بمعرفة الربوبیة ملآن الجوانح بعلوم الشریعة"۔

انتہی بقدر الحاجہ شفا قاضی عیاض، صفحہ ۳۰۲ -

پیدا ہوتا ہے نہ درجہ اور مرتبہ میں کوئی کمی آتی ہے۔ یہ امور تو عادت پر موقوف ہیں ان کو وُہ شخص خوب جانے گا جس نے ان کا تجربہ کیا ہو اور انھیں کو اپنا مقصد بنا لیا ہو اور جس نے اپنے نفس کو انھیں باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفت الٰہیہ سے اور سینۂ فیض گنجینہ علومِ معرفت سے لبریز ہے

بہرحال جو امُور دین سے غیر متعلق ہوں، اگر ان میں سے بعض کا علم کسی غیر نبی کو ہو جائے، اور نبی کو نہ ہو تو اُس میں اس نبی (علیہ السّلام) کی کوئی تنقیص نہیں، کیونکہ ان امُور سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کوئی خاص تعلق ہی نہیں۔ اسی لیے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم اعلم بامر دُنیاکم۔ (رواہ مسلم)

اپنی دُنیا کی باتوں کے تم زیادہ جاننے والے ہو۔

صحیح مُسلم کی یہ روایت ہمارے مدعا کے لیے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا کان شیءٌ من امر دُنیاکم فانتم اعلم بہٖ واذا کان شیءٌ

جب کہ کوئی چیز تمہارے دُنیاوی امُور میں سے ہو جب تو تم ہی اُس کے زیادہ جاننے والے ہو

من امر دینکم فالیّ رواہ احمد ومُسلم عن انس) و ابن ماجة عن انس وعائشہ معًا) وابن خزیمة عن ابی قتادة)۔

(کنز العمال۔ ج ۶، ص ۱۱۶)

اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس سے اور ابنِ ماجہ نے حضرت انس اور حضرت عائشہ دونوں سے اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو قتادہ سے۔

آٹھواں مقدّمہ

اگر بعض جزئی واقعات کا علم کسی ادنیٰ درجے کے شخص کو ہو اور اعلیٰ کو نہ ہو، یا کسی اُمّتی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو صرف اس کی وجہ سے اُس ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اس اُمّتی کو نبی سے اعلم (زیادہ علم والا) نہیں کہا جا سکتا، مثلاً آج کل کی مادی ایجادات اور صنعتی اختراعات کے متعلق جو معلومات یورپ کے ایک مُلحد کو حاصل ہیں یقیناً وُہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو حاصل نہ تھے۔ گرامو فون بنانے کا علم جو اس کے غیر مسلم مُوجد کو تھا، وہ یقیناً حضرت غوث پاکؒ کو نہ تھا۔ لیکن کون احمق ہے جو ان مادی اور دُنیوی علوم کی وجہ سے یورپ کے ان مُلحدین کو حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے اعلم (زیادہ علم والا) کہنے کی جرأت کرے۔ سینما اور تھیٹر کے متعلق جو معلُومات ایک فاسق و فاجر بلکہ ایک کافر و مشرک تماشہ بین کو ہیں وہ یقیناً ایک بڑے سے بڑے متقی عالم کو نہیں۔ تو کیا کوئی تاریک دماغ ہر تماشہ بین کو اس عالم سے اعلم کہہ سکتا ہے اور اسی پر کیا موقوف، جرائم پیشہ لوگوں کو جو معلومات اپنے جرائم کے متعلق ہوتے ہیں حضرات علمائے دین کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تو کیا سب چور، ڈاکو،

گرہ کٹ، پاکٹ مار، شرابی، کبابی، ہر عالمِ دین کے مقابلہ میں اعلمیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ نجاست کھانے والے کیڑے کو نجاست ذعلاظت کا ذائقہ معلوم ہوتا ہے اور ہر شریف انسان اُس سے ناواقف ہے، تو کیا اب نجاست کا ہر کیڑہ بھی تمام انسانوں سے اعلم کہا جا سکتا ہے۔

بہرحال یہ مقدمہ بالکل بدیہی ہے کہ جو علومِ دین سے غیر متعلق ہوں اور جن علموں کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل نہ ہو۔ وہ اگر کسی شخص کو زیادہ مقدار میں حاصل ہو جائیں، تو صرف اس کی وجہ سے اس کو زیادہ علم داں نہیں کہا جا سکتا۔ اَعْلَم (زیادہ علم والا) جبھی کہا جائے گا جب کہ علوم کمالیہ اور علمِ دینیہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔

نواں مقدّمہ

قرآن و حدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں بہت سے واقعاتِ جزئیہ کی اطلاع دوسرے لوگوں کو ہو گئی (بوجہ اس کے کہ وُہ واقعہ انھیں پر گزرا تھا یا ان سے اس کا کوئی خاص تعلق تھا) اور حضورؐ کو اس وقت اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

ا۔ غزوۂ تبوک میں عبداللہ بن اُبَی منافق نے کسی موقع پر یہ کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔	جو لوگ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اُسی مجلس میں اُس نے یہ بھی کہا:

وَلَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْہَا الْاَذَلَّ	اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزّت والا ہوگا وُہ ذلیلوں کو نکال دیگا (یعنی ہم مہاجرین کو مدینہ سے بھگا دیں گے)

اُس کی یہ بکواس حضرت زید بن ارقم رضؓ نے سُنی اور انھوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے عبداللہ ابن اُبیّ اور اس کے ساتھیوں کو بُلایا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن منافقین نے جھوٹی قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق کر دی اور زید بن ارقمؓ کو جھوٹا قرار دے دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ مدت العمر کبھی ایسا صدمہ نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ مَیں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں جن میں حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ درحقیقت ان منافقین نے ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ تو حضورؐ نے مجھ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

(۲) بعض منافقین کے متعلق سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ	اور بعض ان لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بدوی منافق ہیں اور بعض اہلِ مدینہ میں سے منافقت میں بہت مشّاق ہیں، آپ ان کو نہیں

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ جانتے، ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں ۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں خود مدینۂ طیبہ اور اس کے آس پڑوس کی بستیوں میں کچھ ایسے منافق تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو نہیں جانتے، اور ظاہر ہے کہ خود ان منافقین کو اپنے نفاق کا ضرور علم ہوگا ۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ (سورۂ بقر)	اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کی بات اس دنیاوی زندگی میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر خدا کو شاہد بناتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت جھگڑالو ہیں ۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص دیکھنے میں بہت اچھا اور نہایت شیریں زبان تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں آتا اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا اور بہت زیادہ اظہارِ محبت کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا۔ حضورؐ اس کو اپنے پاس بٹھاتے تھے، اور درحقیقت وہ منافق تھا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فنزل فيه و من الناس من يعجبك قوله" اي يروقك و تستحسنه و يعظم في قلبك ۔	اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جن کی بات آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے ۔ (خازن، جلد اول، ص ۱۶۱)

اس آیتِ کریمہ اور اس کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ خنس بن شریق کے طن کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ بدبخت اپنے حال سے ضرور آگاہ تھا۔

۴۔ نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے:

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۔ (سورۂ منافقون)	اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ ان کی سن لیں گے ۔

تفسیرِ خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں "وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ" کی تفسیر میں ہے :

اي فتحسب انه صدق — یعنی آپ اس کو سچا سمجھیں (ج ، ص ۸۲)

ان تینوں آیتوں سے بطور قدرِ مشترک اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینۂ طیبہ ہی کے اندر کچھ ایسے سیاہ باطن منافق بھی تھے جن کے نفاق (یا مدارجِ نفاق) کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ ظاہر حال دیکھ کر آپ ان کو اچھا جانتے تھے۔ ان کی جھوٹی باتوں کو سچ سمجھتے تھے، اور وہ بدکردار اپنے حال سے خود یقیناً خبردار تھے (اگرچہ بعد میں بذریعہ وحی حضورؐ کو بھی مطلع فرما دیا گیا ہو)۔

اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں صرف ایک آیت اور پیش کرتے ہیں۔ ارشاد

خداوندی ہے :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ۔ (سورۂ یٰس) — اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے لیے مناسب ہے ۔

اس آیتِ کریمہ سے نہایت صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کو علمِ شعر نہیں عطا فرمایا گیا حالانکہ یہ علم کافروں تک کو حاصل ہوتا ہے ۔

بہر حال قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بعض غیر ضروری اور امورِ رسالت سے غیر متعلق علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں عطا فرمائے گئے ، اور دوسروں کو حتّٰی کہ مشرکوں اور کافروں کو وہ حاصل تھے ۔ لیکن اس کی وجہ سے ان دوسروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وسیع العلم کہ دینا انتہائی بلادت اور اعلیٰ درجہ کی حماقت اور ضلالت ہے ۔

اگر اس قسم کے واقعات احادیث میں تلاش کیے جائیں تو سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں نکل آویں گے ۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند چیدہ چیدہ مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم و سُنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو لگایا کرتی تھی ۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو نہ پایا تو حال دریافت فرمایا ۔ عرض کیا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

اَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ — پھر تم نے مجھ کو اطلاع کیوں نہیں کی ۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا :

دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهَا — یعنی مجھے اس کی قبر بتلاؤ ، چنانچہ قبر

فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ۔ — بتلا دی گئی ۔ پس آپ نے اس پہ نماز پڑھی ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس عورت کے انتقال کی اطلاع نہ ہوئی اور صحابہؓ کو اطلاع تھی ۔ نیز اس کی قبر کی اطلاع بھی صحابہؓ ہی نے حضورؐ کو دی ۔

(۲) سُننِ نسائی میں حضرت یزید بن ثابت سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز حضورؐ کے ساتھ باہر نکلے تو حضورؐ کی نظر ایک نئی قبر پہ پڑی ۔ فرمایا :

مَا هٰذَا ؟ — یہ کیا ہے ؟ (یعنی یہ کس کی قبر ہے)

عرض کیا گیا کہ یہ فلاں شخص کی فلانی کنیز کی قبر ہے ۔ دوپہر میں اس کا انتقال ہو گیا اور حضورؐ چونکہ قیلولہ فرما رہے تھے اور حضورؐ روزے سے بھی تھے ۔ اس لیے ہم نے جگانا بہتر نہ سمجھا ۔ پس حضورؐ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے پیچھے صف باندھی اور حضرتؐ نے نماز پڑھی ، پھر ارشاد فرمایا :

لا يموت فيكم ميت ما دمت — جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جب تک میں

بين ظهرانيكم الا آذنتموني — تمہارے درمیان موجود ہوں تو مجھ کو ضرور اس

به فان صلوتي له رحمة ۔ — کی خبر دیا کرو کیونکہ میری نماز اس کے واسطے رحمت ہے ۔

ج ۱ . ص ۲۹۴

اس روایت سے بھی ہمارے مدّعا پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے اور اس سے صرف ایک وقتی واقعہ ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کی ایک عام مستمر حالت معلوم ہوتی ہے ۔

(۳) صحیح بخاری اور سُنن اربعہ میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم غزوہ احد میں شہدائے اُحد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرماتے تھے اور قبر میں اتارتے وقت لوگوں سے دریافت فرماتے تھے۔

ایّھما اکثر اخذا للقرآن	ان دونوں میں سے کون زیادہ قرآن حاصل کرنے
فاذا اشیر الی احدھما قدمہ	والا ہے پس جب ان میں سے کسی ایک کی طرف
فی اللحد۔	اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو لحد میں پہلے اتارتے

(۴) صحیح مُسلم اور سُنن نسائی میں حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے کچھ آواز سُنی، فرمایا :

متی مات ھذا ؟	یہ شخص کب مرا ہے ؟
قالوا مات فی الجاھلیۃ	لوگوں نے عرض کیا، دَورِ جاہلیت میں۔
فسُرّ بذٰلک	تو آپ کو اس سے مسرّت ہوئی

(۵) مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضور کی خدمت میں پنیر حاضر کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ

این صُنِعت ھذہٖ ؟	یہ کہاں کا تیار شدہ ہے ؟
فقالوا بفارس ! الخ	لوگوں نے عرض کیا کہ پارس کا بنا ہُوا ہے

(۶) ابوداؤد و جامع ترمذی میں ابیض بن جمال سے مروی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مقام مارب میں جو نمک ۱؎ ہے۔ وہ مجھ کو عنایت فرما دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے درخواست منظور فرمائی۔

۱؎ مارب میں آبِ شور کے کچھ چشمے تھے جن سے نمک تیار کیا جاتا تھا، ابیض بن جمال نے انھیں کی درخواست کی تھی۔ ۱۲ منہ

اور وہ ان کو دے دیا گیا۔ جب وہ واپس چل دیے تو حاضرینِ مجلس میں سے ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اُن کو کیا دے دیا ؟

اتدری ما قطعت لہ یا رسُول	آپ نے تو ان کو بنا بنایا پانی (جو بلا کد و کاوش
اللہ انّما قطعت لہ الماء العِدّ	کے نمک بن سکتا ہے، دے دیا۔ تو حضورؐ نے ان
فانتزعہ منہ الخ ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶	سے وُہ واپس لے لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو پہلے اس سرزمین کی مخصوص حیثیت معلوم نہیں تھی اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ ابیض بن حمّال کو عطا فرما دی تھی۔ لیکن جب بعد میں اُن صحابی کے عرض کرنے سے اس کی حیثیت معلوم ہوئی (کہ اس سے عام پبلک کے منافع وابستہ ہیں) تو حضورؐ نے اس کو واپس لے لیا۔

(۷) صحیح بخاری اور صحیح مُسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے) بیت الخلا تشریف لے گئے تو میں نے حضورؐ کے وضو کے لیے پانی بھر کر رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ

من وضع ھذا فاُخبر فقال	یہ کس نے رکھا ہے ؟ تو حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ
اللّٰھم فقِّھہُ فی الدّین وعلِّمہُ	مَیں نے رکھا ہے تو حضورؐ نے میرے لیے تفقہ فی الدین
التاویلَ	اور علمِ تاویل قرآن کی دُعا فرمائی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضورؐ کو پانی رکھنے والے کی اطلاع

دوسروں نے دی ۔

(۸) سُنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بُخار میں مُبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پس آپ نے فرمایا :

من احسّ الفتی الدوسی ثلث	کسی نے دوسی جوان (ابوہریرہ) کو دیکھا ہے؟
مرات فقال رجل یا رسول اللہ	یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، تو ایک شخص نے عرض
ھوذا یوعك فی جانب المسجد	کیا حضرت وہ یہ ہیں! بُخار میں مُبتلا ہیں مسجد
فاقبل یمشی حتی وصل الیّ	کے گوشہ میں ہیں۔ پس آپ میری طرف کو چلے اور
فوضع یدہ علیّ الخ	میرے پاس پہنچ کر اپنا دستِ مبارک مجھ پر رکھ دیا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مسجد میں ہونے کی اطلاع حضورؐ کو نہ تھی۔ دُوسرے شخص کے مطلع کرنے سے حضورؐ کو خبر ہُوئی ۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ میں عبد الرحمٰن ابن الازہر سے مروی ہے کہ :

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	مَیں نے فتح مکّہ کے سال (جبکہ میں جوان لڑکا
وسلم عام الفتح وانا غلام شاب	تھا) رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد
یسئل عن منزل خالد بن الولید	ابن الولید کے گھر کا پتہ پوچھتے تھے۔

(۱۰) صحیح بُخاری، صحیح مسلم، سُنن نسائی اور سُنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وُہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن ولید نے بیان کیا کہ مَیں ایک بار اپنی خالہ

حضرت میمونہؓ [له] کے پاس حاضر ہُوا، تو مَیں نے ان کے پاس بھُنی ہُوئی "گوہ" دیکھی جس کو اُن کی بہن "حفیدہ" نجد سے لائی تھیں۔ وہ گوہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی گئی اور حضورؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب تک کھانے کی کیفیت نہ بیان کر دی جاتی اور اس کا نام نہ بتلایا جاتا، آپ اس کی طرف بہت کم ہاتھ بڑھاتے تھے ۔

وکان قلما یقدم یدیہ لطعام	پس آپ نے اپنا دستِ مبارک گوہ کی طرف بڑھایا
حتی یحدث عنه ویسمّی له فاھوی	تو ایک عورت نے کہا کہ حضورؐ کو بتلا دو کہ حضورؐ
بیدہ الی الضبّ فقالت امرأة	کے سامنے کیا رکھا گیا ہے (چنانچہ ازواجِ مطہرات
اخبرن رسول اللہ صلی اللہ علیه	میں سے جو حاضر تھیں) انھوں نے عرض کیا، کہ
وسلم بما قدمتن له قلن ھو الضبّ	حضورؐ یہ گوہ ہے۔ تو آنحضرت نے اپنا ہاتھ
یا رسول اللہ فرفع یدہ الخ	اُٹھا لیا ۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب وُہ گوہ حضورؐ کے سامنے رکھی گئی تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ گوہ ہے حتیّٰ کہ آپ نے کھانے کے لیے ہاتھ بھی بڑھا دیا اور بعد میں جب دوسروں کے بتلانے سے اس کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا ۔

(۱۱) طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت بلالؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس معمولی درجہ کی کھجوریں تھیں۔ میں نے ان کھجوروں کو دے کر ان کے بدلے میں ان سے آدھی عمدہ کھجوریں لے لیں اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ان سے اچھی

[له] حضرت میمونہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور خالدؓ بن ولید اور عبداللہ بن عباسؓ کی حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۲ منہ

کھجوریں آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ تم یہ کہاں سے لاتے ہو۔ (حضرت بلالؓ کہتے ہیں).

من این ھٰذا لك یا بلال ؟ فحدثته بما صنعت فقال انطلق فردّہ علی صاحبہ الخ

مَیں نے وُہ تبادلے کا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا ابھی جاؤ اور ان کو واپس کر کے آؤ (کیونکہ یہ ربٰو ہو گیا)۔

(۱۲) مصنّف عبد الرزاق میں حضرت ابو سعید خُدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بہت عُمدہ کھجُوریں دیکھیں۔ دریافت فرمایا یہ کھجوریں تمھارے پاس کہاں سے آئیں۔ انھوں نے عرض کیا:

من این لکم ھٰذا ؟ قُلن ابدلنا صاعین بصاع فقال (صلی اللہ علیہ وسلم) لاصاعین بصاع و لا درھمین بدرھم الخ

ہم نے دو صاع اپنی معمولی کھجوریں دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں لے لی ہیں۔ حضُورؐ نے فرمایا، ایک صاع کے بدلے میں دو صاع، اور ایک درہم کے بدلے میں دو درہم جائز نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس ناجائز تبادلہ کی اطلاع دوسروں کے عرض کرنے سے ہوئی۔

(۱۳) روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں اور امام احمد نے مُسند میں اور ابو نعیم نے کتاب المعرفت میں حضرت عبد اللہ بن سلام سے، اور عبد الرزاق نے ابو اُمامہ سے اور ابن جریر نے ابن ساعدہ سے کہ

جب اہلِ قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی"،

ما ھذا الطّھور الذی قد خصصتم بہ فی ھذہ الآیۃ وفی بعض الروایات فما طھورکم وفی بعضھا ان اللہ قد اثنیٰ علیکم فی الطھور خیرا الخ

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا کو بُلا کر دریافت فرمایا کہ تمھاری وہ کیا خاص طہارت ہے جس کی تعریف خداوند تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے کے ساتھ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۴) صحیح مُسلم، جامع ترمذی، سُنن ابی داؤد اور سُنن نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے ہجرت پر حضورؐ سے بیعت کی اور حضرت کو یہ علم نہ تھا:

ولم یشعر انہ عبدٌ فجاء سیّدہٗ یریدہ فقال لہ صلّی اللہ وسلّم بعنیہ فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدًا بعدہ حتی یسئل اعبدٌ ھو؟

کہ وُہ غلام ہے۔ بعد میں اس کے لینے کے ارادے سے اس کا آقا آیا تو حضورؐ نے اُس سے فرمایا کہ تم اس غُلام کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چنانچہ آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا اور اس کے بعد آپ کسی کو بعیت نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ دریافت نہ فرمالیں کہ وُہ غلام تو نہیں ہے۔

(۱۵) صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور سُنن ابی داؤد میں حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ (مدینہ میں سُریانی زبان کے جاننے والے صرف یہودی تھے۔ اگر کہیں سے سُریانی میں

کوئی خط آتا تو وہی پڑھتے اور کسی کو سُریانی میں کچھ لکھوانا ہوتا تو وُہ انھیں سے لکھواتا جب حضوؐر کو اس کی ضرورت محسُوس ہوئی تو) آپ نے مجھ کو سُریانی سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا، خدا کی قسم میں اپنی خط و کتابت میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن نہیں (واللہ ما آمن یہود علی کتابی) پس نصف مہینہ پورا نہیں ہُوا تھا کہ میں نے سُریانی سیکھ لی اور مجھے اس میں خاصی مہارت ہوگئی۔ پھر میں ہی آنحضرتؐ کی طرف سے یہودیوں کو خط لکھتا تھا، اور میں ہی اُن کے خطوط پڑھتا تھا۔"

اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے جس خطرے کا ذکر ہے وہ جبھی ممکن ہے کہ حضوؐر کو اس سُریانی زبان کا علم نہ ہو جس کا علم اس زمانہ کے یہودیوں کو تھا۔ اگرچہ اس مدعا کے لیے حضوؐر کا اُمّی ہونا بھی کافی ہے جس کی شہادت قرآن مجید میں دی گئی ہے مگر میں نے یہ روایت اس لیے نقل کر دی کہ یہ اُس اُمیّت کی ایک عملی تفسیر ہے جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ تاویل صرف اقوال و الفاظ میں چل سکتی ہے نہ کہ واقعات و حالات میں۔

یہاں تک پانچ آیتوں اور پندرہ حدیثوں سے صرف یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہد رسالت میں بہت سے جزئی واقعات پیش آتے تھے اور حضوؐر کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اور دُوسرے لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن صرف ان جُزئی معلومات کی وجہ سے (جن کو امورِ دین و دیانت اور فرائضِ نبوّت و رسالت سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں) نہ ان دوسرے

لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم داں کہا جا سکتا ہے اور نہ ان علوم کے عدمِ حصول سے حضوؐر کے کمالِ علمی میں کوئی کمی آتی ہے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی مفتیِ بغداد علیہ الرحمۃ اپنی بے نظیر تفسیر "روحُ المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں:

ولا اعتقد فوات کمال بعدم العلم بحوادث دنیویة جزئیة کعدم العلم بما یصنع زیدٌ مثلاً فی بیته وما یجری علیه فی یومه وغدہٖ (روح المعانی ج ۸، ص ۳۵)	اور میں دُنیوی اور جزئی حوادث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے کمال کے فوت ہو جانے کا قائل نہیں جیسے کہ زید کے روزمرّہ کے خانگی حالات کا علم (سو ایسے علموں کے نہ ہونے سے کمال نہیں جاتا)۔

دسواں مقدمہ اگر زید کو ایک ہزار باتوں کا علم ہو اور عمرو کو لاکھوں کروڑوں باتوں کا، لیکن زید کے اُن ایک ہزار معلومات میں سے دس بیس ایسے ہوں جو عمرو کو حاصل نہ ہوں تو ان دس بیس علوم کی وجہ سے (جو زید کو حاصل ہیں اور عمرو کو حاصل نہیں) زید کو علی الاطلاق "اعلم من عمرو" (عمرو سے زیادہ علم داں) نہیں کہا جا سکتا (دراں حالانکہ عمرو کو لاکھوں اور کروڑوں وہ علومِ عالیہ حاصل ہیں جن کی زید کو ہوا بھی نہیں لگی) البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زید کو فلاں فلاں معلومات ہیں اور عمرو کو نہیں، مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت کے لاکھوں اور کروڑوں علم حاصل تھے اور ابن [illegible] کو بھی علومِ شرعیہ میں خاصی دستگاہ تھی، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عشرِ عشیر

بھی نہیں تھی مگر فلسفۂ یونان کے متعلق جو معلومات ابن رُشد کو حاصل تھے، وہ یقیناً حضرت امام ابو حنیفہؒ کو حاصل نہ تھے کیونکہ ان کے زمانے میں فلسفۂ یونان عربی میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا لیکن اس کی وجہ سے ابنِ رُشد کو حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اعلم نہیں کہا جا سکتا۔

علیٰ ہذا حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، امام بُخاریؒ اور امام مُسلمؒ کو کتاب و سُنّت کے لاکھوں علوم حاصل تھے مگر تاریخ و سِیَر میں جو معلومات ابنِ خلدون اور ابنِ خلکان کے تھے وہ تمام بحیثیتِ مجموعی ان حضرات کو یقیناً حاصل نہ تھے کیونکہ ابنِ خلکان اور ابن خلدون کے علم میں تو بہت سے وہ تاریخی واقعات بھی تھے جو ان حضرات ائمہ کی وفات کے بعد وقوع میں آئے۔ لیکن اس کی وجہ سے ابنِ خلکان و ابنِ خلدون کو یا آج کل کے کسی مؤرّخ کو ان ائمہ دین سے اعلم نہیں کہا جا سکتا۔ علیٰ ہذا ایک موٹر ڈرائیور کو ڈرائیوری کے متعلق اور ایک موچی کو جُفت دوزی کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں وُہ یقیناً خود مولوی احمد رضا خانصاحب کو حاصل نہ تھے۔ لیکن میرے نزدیک کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق بھی اس کی وجہ سے ہر موٹر ڈرائیور اور موچی کو خاں صاحب موصوف سے زیادہ وسیع العلم کہنے کی جرأت نہ کریگا۔

بہرحال جب کسی ایک شخص کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم (زیادہ علم والا) کہا جائیگا۔ تو مجموعۂ علوم کے اعتبار سے اور بالخصوص علومِ دینیہ شرعیہ ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا ـــــ اور اگر کوئی شخص زید کے لیے کسی خاص علم کی وسعت تسلیم کرے اور عمرو کے لیے تسلیم نہ کرے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس نے زید کو عمرو سے اعلم مان لیا۔ بالخصوص جبکہ وہ علم علومِ عالیہ کمالیہ میں سے بھی نہ ہو۔ اور پھر خصوصاً جبکہ شخص مذکور

عمرو کے لیے اعلیٰ درجہ کے لاکھوں اور کروڑوں علوم ایسے مان رہا ہو جن کی زید کو بلکہ دُنیا کے کسی انسان کو ہَوا بھی نہ لگی ہو ـــــ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

یہاں تک دس مقدمے ہوئے۔ ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اصل مبحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس بحث میں بھی جواب دینے سے پہلے ہم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی دیانت کا مرثیہ پڑھنا پڑتا ہے۔ اگر جناب موصوف عباراتِ "براہینِ قاطعہ" کے نقل کرنے اور ان کا مطلب بیان کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتے تو آج اس کے جواب میں ہم کو اس قدر طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

"براہینِ قاطعہ" میں نہ تو مطلق علم کی وسعت میں کلام تھا، نہ علومِ عالیہ کمالیہ کی بحث تھی۔ بلکہ صرف علمِ روئے زمین کی وسعت میں گفتگو تھی۔ مولوی احمد رضا خانصاحب کے ہم مشرب مولوی عبد السمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں شیطان و ملک الموت کے لیے اسی وسعت علمی کو دلائل سے ثابت کر کے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُس پر قیاس کیا اور اسی قیاس کی بنا پر حضورؐ کے لیے علم زمین کی وسعت ثابت کی تھی، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنّف "براہینِ قاطعہ" نے اسی قیاس کو رد کیا ـــــ ("براہینِ قاطعہ"، "انوارِ ساطعہ" ہی کا جواب ہے)۔

بہرحال "براہینِ قاطعہ" کی ساری بحث صرف علم زمین کی وُسعت میں تھی، جس کو دین و دیانت اور فرائض نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں (اور ایسے علوم کے متعلق بذیل مقدمہ ۶ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہم تفسیر کبیر سے نقل کر چکے ہیں کہ

ان میں غیر نبی کا علم نبی سے بڑھ سکتا ہے"۔[1]

لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مجددانہ تلبیس سے لکھ مارا کہ

انہ قد صرح فی کتابہ البراھین القاطعۃ .... بان شیخھم ابلیس اوسع علما من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	اُس نے اپنی کتاب "براہینِ قاطعہ" میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔

غور فرمایا جائے، کہاں صرف علمِ زمین کی وسعت اور کہاں مطلق علم کی وسعت۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

ہم ناظرین کی سہولت کے لیے ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں اور اُسی سے اِنشاء اللہ عبارتِ براہین کی پوری توضیح بھی ہو جائے گی۔

فرض کیجیے کہ مصنّف انوارِ ساطعہ کی ذہنیت رکھنے والا مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی دوسرا بھائی مثلاً "زید" کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو "شعر" کا علم حاصل تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بہت سے فاسقوں اور کافروں کو یہ فن آتا ہے۔ امراء القیس بدترین کافر تھا اور ساتھ ہی اعلٰی درجہ کا شاعر بھی۔ فردوسی فاسد العقیدہ شیعی تھا، اور فارسی کا بہترین شاعر بھی۔ پس جبکہ فاسقوں اور کافروں تک کو یہ فن حاصل ہے تو رسول خدا صلی اللہ

---

[1] یہ مقدمہ نمبر ۵ کے ذیل میں نہایت واضح دلائل سے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر ایسے علوم میں کسی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہو تو اس کو دوسروں کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم نہیں کہا جا سکتا جب کسی گروہ سرے کے اعتبار سے اعلم کہا جائیگا تو علوم کہا لیہ و تبعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جائیگا جیسا کہ آخری مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

علیہ وسلم کو جو افضل المرسلین سید الاولین والآخرین ہیں ضرور حاصل ہوگا۔ اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد صاحب کا کوئی ہم مسلک مسلمان کہے کہ:

" امرأ القیس اور فردوسی کا حال تاریخ کی متواتر شہادتوں سے معلوم ہوا، اب اُس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اوّل تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں قطعیاتِ نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبرِ واحد بھی یہاں مفید نہیں لہذا اس کا اثبات جب قابلِ التفات ہو کہ قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابلِ التفات ہوگا۔

دوسرے قرآن وحدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (سورہ یٰس)	یعنی ہم نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر کا علم نہیں دیا، اور وہ ان کے لیے مناسب بھی نہیں۔

اور کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ حضورؐ نے مدت العمر کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا، اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوٰی قاضی خاں" میں ہے:

قال بعض العلماء من قال ان	جو شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شعر بھی کہا ہے، وُہ کافر ہے۔

قال شعرًا فقد کفر۔

تیسرے اگر افضلیت ہی اس کی موجب ہے تو تمام نیک مسلمان امراءالقیس اور فردوسی سے اچھے شاعر ہونے چاہئیں ...... علیٰ ہذا القیاس غور کرنا چاہیے کہ امراءالقیس اور فردوسی کا حال دیکھ کر علم شعر کا فخرِ عالم کو خلافِ نصُوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا بددینی نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔

امرأ القیس اور فردوسی کو علمِ شعر کی وسعت تاریخ کی متواتر شہادتوں سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم شعر کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک خلافِ شریعت عقیدہ ثابت کرتا ہے۔"[1]

اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی رُوحانی فرزند فتویٰ دے کہ

"اس شخص نے اپنی عبارت میں تصریح کی ہے کہ امراءالقیس اور فردوسی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ..... اور بلاشبہ نسیم الرّیاض میں فرمایا کہ جو کسی کا علم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[1] مذکورہ بالا عبارت بعینہٖ "براہینِ قاطعہ" کی ہے۔ البتہ خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں جن میں تمثیل کی ضرورت سے کچھ ترمیم کر دی گئی ہے، ورنہ خاکہ بالکل براہین قاطعہ ہی کا ہے۔ ۱۲ منہ

وسلم کو عیب لگایا اور حضُورؐ کی شان گھٹائی تو وُہ (حضورؐ کو) گالی دینے والا ہے۔[1] (لہٰذا کافر و مُرتد ہے)

ناظرین باانصاف غور فرمائیں کہ کیا اس مفتی نے خیانت نہیں کی؟ کیا مذکورہ بالا عبارت میں مطلق علم، یا علومِ عالیہ کمالیہ کی بحث تھی؟ اور کیا شخص مذکور نے امرأ القیس اور فردوسی کے لیے مطلق علم کی یا علومِ عالیہ کمالیہ کی وسعت تسلیم کی ہے؟ اور کیا اُس نے حضُورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کی مطلق وسعتِ علمی سے انکار کیا ہے؟ یا علوم متعلقہ نبوت و رسالت و علومِ عالیہ و کمالیہ سے اس کو انکار ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں صرف علمِ شعر کی بحث ہے۔ اُسی کی وسعت کو امرأ القیس جیسے کافر اور فردوسی وغیرہ کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اور حضُورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شخص مذکور نے امرأ القیس جیسے کافر اور فردوسی جیسے فاسد العقیدہ کو حضُور سے زیادہ وسیع العلم مان لیا —— یا تو ایسے عیّار و مکّار کا کام ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے یا ایسے جاہل اور احمق کا کام ہے جو "اعلم اور اوسع علمًا" کے معنی سے بھی ناآشنا ہے۔ ہم دسویں مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم (زیادہ وسیع العلم) علومِ عالیہ کمالیہ اور مجموعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک موچی اور ایک موٹر ڈرائیور بلکہ نجاست

[1] منقولہ بالا عبارت بعینہٖ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ہے، ہم نے صرف تطبیقِ مثال کے لیے ابلیس کے بجائے امرأ القیس اور فردوسی کا نام لکھ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

کے ایک ناپاک کیڑے کو بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مقابلہ میں اعلم کہنا صحیح ہو ا
س کی تفصیل آٹھویں اور دسویں مقدمے کے ذیل میں گُزر چکی ہے۔

اگرچہ اربابِ فہم کے لیے اسی قدر کافی ہے مگر بدقسمتی سے سابقہ ایسی جماعت سے پڑا ہے جس میں جہل کی کثرت ہے اور پھر اللہ کی عنایت سے جو عُلما ہیں وُہ بھی جُہلا سے کمتر نہیں بلکہ بدتر ہیں۔ لہٰذا مزید تفصیل کے لیے ہم ایک مثال اور عرض کرتے ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک اُلّو کی عجیب وغریب کہانی بیان فرمائی ہے:

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی اُلّو

خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"تین صاحب جا رہے تھے۔ دُور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدّی پر بیٹھا ہے۔ جو اُری[1] حاضر ہیں۔ ایک فاحشہ ناچ رہی ہے۔ شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیراندازی کے بڑے مشّاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلسِ فسق و فجور کو درہم برہم کرنا چاہیے۔ کیا تدبیر کی جائے؟
ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کر دو کہ سب کچھ اُسی نے کیا ہے۔ دُوسرے

[1] یعنی پیشہ ور لونڈیاں۔ ۱۲

نے کہا، اس ناچنے والی عورت کو قتل کرو۔ تیسرے نے کہا کہ اسے بھی نہ قتل کرو کہ وُہ خود نہیں آئی، راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اِس شمع کو گُل کرو۔ یہ رائے پسند ہُوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی لَو پر تیر مارا۔ شمع گُل ہوئی، اب نہ وُہ راجہ رہا، نہ فاحشہ، نہ مجمع۔ نہایت تعجب ہُوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری۔ جب صُبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اُلّو مرا پڑا ہے اور اُس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے تو معلوم ہُوا کہ یہ سب کام اُسی اُلّو کی رُوح کر رہی تھی۔"[1]

اب فرض کیجیے کہ خاں صاحب کا ایک مرید (علیم الدین) جو خاں صاحب کو محدِّث مفسِّر، فقیہ، صُوفی، حافظ، قاری سبھی کچھ سمجھتا ہے مگر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم نہیں آتا تھا، اور ایک دوسرا مُرید (حفیظ الدین) کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم آتا تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ملفوظ شریف سے معلوم ہُوا کہ ایک اُلّو مسمریزم کا اتنا ماہر تھا کہ اپنی ایک نگاہ میں اچھا خاصہ بھان متی کا تماشا دکھاتا تھا تو ہمارے اعلیٰ حضرت مجدّدِ ملّت جو خدا کے بڑے مقبول بندے تھے اور اس اُلّو سے یقیناً ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ افضل تھے تو بھلا ان کو کیوں نہیں آتا ہوگا۔ اس پر علیم الدین کہتا ہے کہ اُلّو کی مسمریزم دانی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ملفوظ شریف سے معلوم ہوئی مگر اعلیٰ حضرت کی مسمریزم دانی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کو اُلّو پر قیاس کرنا ——— قیاس نارسِد

[1] جناب خاں صاحب نے یہ قصہ مسمریزم کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو ملفوظات حصہ چہارم مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ ۱۲ منہ

محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔"

اس فقرے میں "علم محیط زمین" کا لفظ موجود ہے جس کے بعد کوئی شبہ ہی نہیں رہتا مگر خاں صاحب کی دیانت ملاحظہ ہو کہ آپ نے "حسام" میں اس فقرے کا آخری خط کشیدہ جز یعنی صرف "خبر" تو نقل کر دی، لیکن پہلا جز یعنی مبتدا جس میں علم محیط زمین کی تصریح تھی صاف ہضم کر گئے، اور اس پر آپ کا لقب ہے مجدد مائۃ حاضرہ، موید ملت طاہرہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جگہ اسی قسم کی ایک اور خیانت ملاحظہ ہو۔ خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت براہین سے ٹھیک دو سطر کے بعد اسی صفحہ پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے:

"پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کے تشریف رکھنے اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔"

اس عبارت میں بھی "ان امور" کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی۔ نہ علوم عالیہ کمالیہ کی جن پر فضل انسانی کا مدار ہے۔ لیکن خاں صاحب نے اس عبارت کو بھی صاف اڑا دیا۔

بہرحال براہین قاطعہ میں یہ تمام تصریحات ہوتے ہوئے بھی (جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی) خاں صاحب نے بے دریغ

(بلکہ نہایت بیہودہ حرکت) ہے۔

تو کیا خاں صاحب کے کسی مرید یا وارث کو حق پہنچتا ہے کہ اس غریب علیم الدین پر اعلیٰ حضرت کے علم کی تنقیص کا دعویٰ دائر کر دے اور یہ کہے کہ اس نے ایک الّو کو حضور پرنور اعلیٰ حضرت علیم البرکت مجدد الملت صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیہ وسلم[1] سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ــــ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سمجھنے والا اور کہنے والا ہی الّو ہے، اور اگر بیچارے علیم الدین کو رضاخانی برادری سے خارج کرنے کے لیے دانستہ طور پر از راہ عیاری اس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا فریبی اور پلّے سرے کا خائن ہے۔

بہرحال خاں صاحب کی پہلی خیانت تو یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ایک خاص علم کی وسعت یعنی علم روئے زمین کی وسعت میں کلام تھا۔ اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے شیطان اور ملک الموت کے لیے دلائل سے ثابت کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنا بر افضلیت قیاس سے ثابت کیا تھا اور مصنف براہین نے اسی قیاس کو رد کیا تھا۔ نیز عبارت میں ایسے الفاظ بھی موجود تھے جنھوں نے بحث کو صرف علم زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ چنانچہ براہین قاطعہ کے صفحہ ۵۱ سے خاں صاحب نے جو فقرہ نقل کیا ہے، اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مریدین و متبعین یوں ہی کہتے ہیں۔

ڈنک مارا کہ :

"اس نے اپنی کتاب براہینِ قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔"

یہاں تک خاں صاحب کی پہلی خیانت کا ذکر تھا اور اس کے ضمن میں موصوف کے پہلے اعتراض کا شافی جواب بھی ہوگیا جس کے بعد کسی مصنّف بلکہ متعنّت اور متعصّب کو بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ فللہ الحمد !

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لیے (اُن دلائل کی بنا پر جو مولوی عبدالسمیع صاحب مصنّف انوارِ ساطعہ نے پیش کیے ہیں) صرف علمِ زمین کی وسعت تسلیم کی گئی ہے اور اسی مخصوص وسعت کو حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنّص کہا گیا ہے اس کو مطلق وسعتِ علمی کے انکار پر محمول کرنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے علمِ شریف کو شیطان کے علم سے کم تبلا دیا صرف اسی جاہل اور احمق کا کام ہے جو حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کے علمِ عالی کو اسی عالمِ سفلی میں محدود سمجھتا ہو لیکن جس کے نزدیک آپ کے علم کی پرواز عرش و کرسی سے بھی بالاتر ہو وہ ایسی حماقت کا ارتکاب کیونکر کرسکتا ہے ؟

اگر آج کوئی شخص کہے کہ تعمیرات کے فن میں فلاں یورپین انجنیئر کے معلومات حضرت امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ وسیع ہیں تو کوئی احمق سے احمق بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس شخص نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم کو اس کافر انجنیئر کے علم سے گھٹا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

پس اگر اس عالمِ سفلی کے کچھ علوم شیطان کو حاصل ہوں اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ ہوں تو کون احمق اور شیطان کا کون سا اُمتی ہوگا جو صرف علومِ سفلیہ کی وجہ سے شیطان کو رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دُوسرے نبی علیہ السلام سے زیادہ وسیع العلم کہہ دے دراں حالیکہ علومِ الٰہیہ اور معارفِ ربّانیہ سے ان کو وہ وافر حصّہ ملا ہے جو کسی مقرب سے مقرب فرشتہ کو بھی نصیب نہیں۔

ہم مقدّمات کے ذیل میں اس موضوع پہ کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب یہاں صرف ایک چیز اور عرض کرتے ہیں اور اسی پر انشاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہے دُشمنانِ صداقت سے تو ہمیں کوئی توقع نہیں، ہاں جن حق پسندوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اُن سے ضرور قبولِ حق کی اُمید ہے مُلاحظہ ہو :

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی صفائی میں

مولوی عبدالسمیع و مولوی احمد رضا خاں صاحبان کی زبردست شہادت

ہُوا ہے مُدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

ہمارے بیانِ سابق سے یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ مُصنّف براہینِ قاطعہ کا جُرم صرف اس قدر ہے کہ اُس نے ایک خاص علم یعنی علمِ زمین کی وسعت (بنا بر اُن دلائل کہ جو آپ کے مولوی عبدالسمیع صاحبؒ نے انوارِ ساطعہ میں پیش کیے ہیں) ملک الموت اور شیطان کے

(۱) مولوی عبدالسمیع صاحب اس عبارت کی وجہ سے کافر ہوئے یا نہیں؟

(۲) اور خود خاں صاحب اُس پر تقریظ لکھنے کی وجہ سے کہاں پہنچے ؟

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دیدۂ بصیرت دے۔ آپ حضرات نے مصنّف براہینِ قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھی؟ اُن خاں صاحب نے جو الزام ان پر رکھا تھا، وہ خود ہی اُس میں گرفتار ہو گئے۔

اس وقت ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ خاتمۂ بحث میں رسالہ "التصدیقات لدفع التلبیسات" سے مصنّف براہینِ قاطعہ (علیہ الرحمۃ) کا وُہ کلام بھی نقل کر دیں جو آں مرحوم نے خاں صاحب کے اسی شیطان والے بُہتان کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

جب مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی محنت اور کمائی کا یہ نتیجہ (فتویٰ کُفر) لے کر حرمینِ شریفین پہنچے اور وہاں سے ان علمائے کرام سے جو حقیقتِ حال سے ناواقف تھے دھوکا دے کر تصدیق کرالی اور حرمین شریفین میں بھی علمائے دیوبند کے متعلق یہ چرچے ہوئے تو وہاں کے بعض اہلِ علم نے حضرات علمائے دیوبند و سہارنپور سے اُن کے عقائد کے متعلق چھبیس[۲۶] سوال کیے ان سوالوں کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنّف براہینِ قاطعہ نے تحریر فرمایا۔ پھر یہ مجموعہ بغرضِ تصدیق و توثیق حرمینِ شریفین، شام، دمشق، حلب، مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی اور پھر وُہ جواب مع ان تصدیقات کے

کہے کہ فلاں شرابی کو شراب کے متعلق بہت کچھ معلومات ہیں اور فلاں غوث و قطب کو وُہ معلومات حاصل نہیں تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اُس شخص نے اُس شرابی کو غوث و قطب سے زیادہ وسیع العلم مان لیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو جن وسائل کی ضرورت تھی (بندوں کی آزمائش کے لیے) حق تعالیٰ نے وہ سب اس کو عنایت فرمائے۔ قیامت تک کی عمر دی۔ وُہ عجیب و غریب قدرت دی کہ انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ سکے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لیے جس علم کی ضرورت تھی، وُہ بھرپور دیا تاکہ وُہ اپنی ابلیسانہ کوششیں ختم کر لے اور دُنیا دیکھ لے کہ "عباد الرحمٰن" کے مقابلے میں اس کے سارے ہتھیار کس طرح بیکار رہتے ہیں۔

اُس کو ضرورت ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے امیال و عواطف (جذبات و خواہشات) سے واقف ہو، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ فلاں جگہ تنہائی میں ایک نوجوان عورت ہے اور فلاں آوارہ نوجوان کو اس تدبیر سے وہاں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ فلاں جگہ مجلسِ رقص ہے اور شوقین مزاج نوجوانوں کا فلاں جگہ مجمع ہے اور اس حیلہ سے ان کو اس مجلسِ فواحش میں بھیجا جا سکتا ہے۔ بہر کیف اس کو ان شیطانی امور کی تکمیل کے لیے اس عالمِ سفلی کے وسیع معلومات کی ضرورت ہے لیکن مقربانِ بارگاہِ خداوندی کو ان لغویات سے کیا غرض؟ ان کا کام تو ارشاد و ہدایت ہے اور اس کے لیے جن پاکیزہ علوم کی ضرورت ہے وُہ حق تعالیٰ نے ان کو بے نہایت عطا فرمائے۔

لیے تسلیم کی ہے اور اسی وسعتِ علمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنص کہا ہے لیکن ——— این گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

ذرا اسی بحث میں انوارِ ساطعہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اور تماشا یہ کہ اصحاب محفلِ میلاد تو زمین کی تمام پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوے کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک، کفر، غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔"

کہیے! اتنی صفائی کے ساتھ تو مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی نہیں لکھا۔ انھوں نے تو صرف علمِ زمین کی اس مخصوص وسعت کو غیر منصوص بتلایا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے یہ مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ "ملک الموت اور شیطان کا حاضر ہونا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہی نہیں بلکہ) زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت انوارِ ساطعہ کے اس پہلے ایڈیشن میں بھی ہے جو براہینِ قاطعہ سے پہلے شائع ہوا ہے، اور اس میں بھی جو بعد میں مولوی عبد السمیع صاحب کی نظرِ ثانی اور ترمیم کے بعد شائع ہوا ہے اور جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تقریباً چار صفحہ کی تقریظ بھی ہے جس میں مولوی عبد السمیع صاحب اور ان کی انوارِ ساطعہ کی تعریف میں خوب زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔ لہٰذا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف و متبعین فرمائیں کہ:

چھپوا دیا گیا اور اسی زمانہ میں "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے اس کا پہلا ایڈیشن مع ترجمہ کے شائع ہو گیا۔ پھر اس کے بعد سے اس وقت تک اس کے بہت سے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس میں انیسواں سوال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے متعلق ہے۔ ذیل میں ہم وہ سوال و جواب بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے وہ درحقیقت اسی اجمالی جواب کی تفصیل ہے جو خود مصنفِ براہین نے اپنی زندگی میں دیا ہے۔

السوال التاسع عشر	انیسواں[19] سوال
اتزون ان ابلیس اللعین اعلم من سید الکائنات علیہ السلام واوسع علما منہ مطلقا وھل کتبتم ذلک فی تصنیف ما وبم تحکمون علی من اعتقد ذلک۔	کیا تمھاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب	**جواب**
قد سبق منا تحریر ھذہ المسئلۃ ان النبی علیہ السلام اعلم الخلق علی الاطلاق بالعلوم والحکم و	اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حِکَم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ

الاسرار وغيرها من ملكوت الآفاق و نتيقن ان من قال ان فلانا اعلم من النبي عليه السلام فقد كفر وقد افتى مشائخنا بتكفير من قال ان ابليس اللعين اعلم من النبي عليه السلام فكيف يمكن ان توجد هذه المسئلة فى تاليف ما من كتبنا غير انه غيبوبة بعض الحوادث الجزئية الحقيرة عن النبي عليه السلام لعدم التفاته اليه لا يورث نقصا ما فى اعلميته عليه السلام بعد ما ثبت انه اعلم الخلق بالعلوم الشريفة اللائقة بمنصبه الاعلى كما لا يورث الاطلاع على اكثر تلك الحوادث الحقيرة لشدة التفات ابليس اليها شرفا وكمالا علميا فيه فانه ليس عليها مدار الفضل والكمال ومن ههنا لا يصح

جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے۔ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیرہ کا حضرت کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہیں کرسکتا جب کہ ثابت ہو چکا کہ آپ اُن شریف علوم میں جو آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان کو بہتیرے حقیر حادثوں کی شدتِ التفات کے سبب اطلاع مل جانے سے اس مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ ان پر فضل و کمال کا مدار نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم سیّدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم

ان يقال ان ابليس اعلم من سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم كما لا يصح ان يقال لصبي علم بعض الجزئيات انه اعلم من اعلم متبحر محقق فى العلوم والفنون الذى غابت عنه تلك الجزئيات ولقد تلونا عليك قصة الهدهد مع سليمان على نبينا وعليه السلام وقوله انى احطت بما لم تحط به و دواوين الحديث و دفاتر التفسير مشحونة بنظائرها المتكاثرة المشتهرة بين الانام وقد اتفق الحكماء على ان افلاطون وجالينوس و امثالهما

سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کسی ایسے بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے یوں کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اُس متبحر محقق سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم ہیں مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہُدہُد کا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ سنا چکے ہیں[ع]۔ اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ "مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو نہیں" اور کتب حدیث و تفسیر اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں نیز حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت و حالات کا بہت زیادہ علم ہے اور یہ بھی

ف یہ واقعہ سورۂ نمل میں مذکور ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان نے ہُدہُد کو تلاش کیا تو نہ پایا [illegible] زیادہ دنوں [illegible] کا اظہار فرمایا جب وہ دیر کے بعد حاضر ہوا تو اس سے باز پرس کی تو اُس نے کہا کہ میں ملک سبا سے ایک نہایت عظیم الشان خبر معلوم کرکے لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں [illegible] معلوم ہوا کہ ہُدہُد جیسے [illegible] معلوم ہو سکتی ہے جو نبی وقت کے علم میں نہ ہو ۱۲

عسہ ہم نے [illegible] مضمون کی پانچ [illegible] اقوال مفسرین اور [illegible] پیش کر چکے ہیں ۱۲

من اعلم الاطباء بكيفيات الادوية واحوالها مع علمهم ان ديدان النجاسة اعرف باحوال النجاسة وذوقها وكيفياتها فلم تضر عدم معرفة افلاطون وجالينوس هذه الاحوال الردية فى اعلميتهما ولم يرض احد من العقلاء والحمقى بان يقول ان الديدان اعلم من افلاطون مع انها اوسع علما من افلاطون باحوال النجاسة ومبتدعة ديارنا يثبتون للذات الشريفة النبوية عليه الف الف تحية وسلام جميع علوم الاسافل والاراذل والافاضل والاكابر قائلين انه عليه السلام لما كان افضل الخلق كافة فلا بد ان يحتوى على علومهم جميعها كل جزئى جزئى وكلى كلى ونحن انكرنا اثبات هذا الامر بهذا القياس الفاسد بغير

معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالت اور مزے اور کیفیت سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون وجالینوس کا ان ردّی حالات سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مُضر نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے حالانکہ اُن کا نجاست کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور ہمارے مُلک کے مبتدعین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام شریف و ادنیٰ و اعلیٰ و اسفل علوم ثابت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض اس فاسد قیاس کی بنا پر اس علم کلی و جزئی کے ثبوت کا انکار کیا۔ ذرا غور تو فرمایئے ہر مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے پس

نص من النصوص المعتدة بها الا ترى ان كل مومن افضل واشرف من ابليس فيلزم على هذا القياس ان يكون كل شخص من آحاد الامة حاويا على علوم ابليس ——— ——— ويلزم على ذلك ان يكون سليمان على نبينا وعليه السلام عالما بما علمه الهدهد وان يكون افلاطون وجالينوس عارفين بجميع معارف الديدان واللوازم باطلة باسرها كما هو المشاهد وهذا خلاصة ما قلناه فى البراهين القاطعة لعروق الاغبياء المارقين القاصمة لاعناق الدجاجلة المفترين فلم يكن بحثنا فيه الا عن بعض الجزئيات المستحدثة ومن اجل ذلك اتينا فيه بلفظ الاشارة حتى تدل ان

اس قیاس کی بنا پر لازم آئے گا کہ ہر اُمتی بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئیگا کہ سُلیمان علیہ السّلام کو خبر ہو اس واقعہ کی جیسے ہُد ہُد نے جانا اور افلاطون و جالینوس واقف ہوں۔ کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا ہے جس نے کُند ذہن بددینوں کی رگیں کاٹ دیں اور دجال و مفتری گروہ کی گردنیں توڑ دیں سو اس میں ہماری بحث صرف بعض حوادث جزئی میں تھی اور اسی لیے اشارہ کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے کہ نفی و اثبات سے مقصود صرف یہ ہی جزئیات ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے ہیں اور شاہنشاہی محاسبہ سے نہیں ڈرتے ہیں اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ

المقصود بالنفي والاثبات هنالك تلك الجزئيات لا غير لكن المفسدين يحرفون الكلام ولا يخافون محاسبة الملك العلام وانا جازمون ان من قال ان فلانا اعلم من النبي عليه السلام فهو كافر كما صرح به غير واحد من علمائنا الكرام ومن افترى علينا بغير ما ذكرناه فعليه بالبرهان خائفا عن مناقشة الملك الديان والله على ما نقول وكيل ۔

ہے وہ کافر ہے چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہتیرے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہِ روزِ جزا سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے ۔

للہ انصاف ! کیا خود مصنفِ براہین کے اس جواب کے بعد بھی اس بہتان کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے ۔ لا واللہ الحساب یوم الحساب ۔

براہینِ قاطعہ پر مولوی احمد رضا خانصاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب | مؤلف براہینِ قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر

خاں صاحب بریلوی کا دُوسرا سنگین اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے شیطان کے لیے علمِ محیط تسلیم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُسی علم کے اثبات کو شرک کہا حالانکہ جس چیز کا کسی ایک مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک ہے ۔ دوسری تمام مخلوقات کے لیے بھی اس کا

اثبات شرک ہی ہوگا تو گویا مُصنّف "براہینِ قاطعہ" نے شیطان کو خُدا کا شریک مان لیا (سُبحان اللہ وبحمدہ) لیکن اگر ناظرینِ کرام غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خاں صاحب کا یہ اعتراض پہلے سے کہیں زیادہ غلط اور بے بُنیاد ہے اور اس کو حقیقت سے اتنا ہی بُعد ہے جتنا کہ خانصاحب اور اُن کے فتوے کو دیانت و صداقت سے ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ "براہینِ قاطعہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ ذاتی کے اثبات کو شرک بتلایا گیا ہے اور (اُن دلائل کے موجب جو خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں پیش کیے ہیں) شیطان کے لیے صرف علمِ عطائی تسلیم کیا گیا ہے ، اور شرک علمِ ذاتی ثابت کرنے سے لازم آتا ہے جیسے کہ پہلے مقدمہ کے ذیل میں ہم خود خاں صاحب کی تصریحات سے اس کو ثابت کر چکے ہیں ۔

براہینِ قاطعہ میں جا بجا ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ شیطان کے لیے صرف علمِ عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علمِ ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے ۔ (جس سے خاں صاحب کو بھی اختلاف نہیں) مگر افسوس ہے ان کی اس مجدّدانہ دیانت پر کہ براہینِ قاطعہ کی ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے صاحبِ براہین کے متعلق صاف لکھ ڈالا کہ :

"ابلیس کے لیے تو زمین کے علمِ محیط پر ایمان لایا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے ۔ حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزّ وجل کے لیے کوئی شریک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق

میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو وہ تو تمام جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا"۔

ہم کو خاں صاحب کے اس کلیہ سے اتفاق کُلی ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لیے جس کا اثبات شرک ہے وہ تمام جہان میں سے جس کے لیے بھی ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب اگر اپنے بُتوں کے لیے تصرّف ثابت کریں تو شرک ہو اور مشرکین ہند قبروں یا قبر والوں کے لیے وہی تصرّف ثابت کریں تو شرک نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو امور عادتاً طاقت بشریہ سے خارج ہیں مثلاً اولاد دینا، کاروبار میں نفع دینا، مارنا جلانا، وغیرہ وغیرہ ان امور میں بُتوں سے مدد مانگنا تو شرک ہو اور زندہ یا مُردہ بزرگوں سے مدد مانگنا اور ان کو فاعل با اختیار سمجھنا شرک نہ ہو جیسا کہ قبر پرستوں کا خیال ہے۔)

بہر حال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس کُلیہ سے ہم کو بالکل اتفاق ہے لیکن صاحب براہین پر اس کو چسپاں کرنا۔ خاں صاحب کی وہی مخصوص کارروائی ہے جس کو خیانت یا تحریف کہتے ہیں۔

علاوہ اس ذاتی اور عطائی فرق کے اس موقع پہ خاں صاحب نے ایک کُھلا افترار یہ کیا کہ صاحب براہین نے شیطان کے لیے "علم محیط" مان لیا، حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔

مگر افسوس ہے کہ رضا خانی جماعت میں کوئی ایسا دیانتدار اور راستباز بھی نظر نہیں آتا

جو اپنے مقتدا کی اس قابلِ نفرت حرکت کو اگر خیانت نہیں تو نادانستہ غلطی ہی تسلیم کر لے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے برادر مشربی مولوی عبد السمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں شیطان کے علم کی وسعت ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"دُرِ مُختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے۔ مگر جس کو اللہ نے بچا لیا۔ بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدره علىٰ ذالك كما اقدر ملك الموت على نظير ذالك۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔" (انتھی کلامه انوار ساطعه)

پس مولوی عبد السمیع صاحب کی اس دلیل سے شیطان کے لیے جتنا علم ثابت ہوتا ہے اس کو بیشک مولانا خلیل احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے، اگر اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب روئے زمین کا علم محیط سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی علمی قابلیت ہے جس کی داد اہلِ علم ہی دیں گے ورنہ کجا شیطان کا آدمیوں کے ساتھ رہنا اور کجا روئے زمین کا علم محیط جس کے لیے ذرّے ذرّے قطرے قطرے اور پتّے پتّے کا علم ضروری ہے۔

اور اگر خاں صاحب کی خاطر اسی کو علم محیط مان لیا جائے تو بھی شیطان کے علم محیط پر پہلے ایمان لانے والے بلکہ دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دینے والے خاں صاحب کے

برادرِ بزرگوار مولوی عبدالسمیع صاحب ٹھہریں گے اور اس کفر و شرک کے فتوے کے اولین مصداق وہی ہوں گے کیونکہ انھوں نے ہی شیطان کے لیے یہ وسعتِ علم دلائل سے ثابت کی ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صرف "سلّمنا" کہنے والے ہیں۔ بہرحال خانصاحب نے اس موقع پر ایک افترا تو یہ کیا کہ بالکل خلاف واقعہ مصنّفِ براہین کے متعلق لکھ دیا کہ "ابلیس کے لیے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا" اور دوسری خیانت یہ کی کہ براہین قاطعہ میں شیطان کے لیے مولوی عبدالسمیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے بموجب صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا تھا، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک قرار دیا تھا۔ جناب خاں صاحب نے یہ ذاتی اور عطائی کا زبردست فرق بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ اب ہم ان دونوں باتوں کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ تسلیم علم عطائی کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کو کہا گیا ہے۔

امرِ اوّل کا ثبوت | براہینِ قاطعہ کی اسی بحث بلکہ اسی قول میں صفحہ ۵۰ کی چودھویں سطر میں ہے : "شیطان کو جس قدر وسعتِ علم دی" الخ

پھر اسی کے چار سطر بعد ہے :

"اور شیطان و ملک الموت کو جو یہ وسعتِ علم دی" الخ

ان دونوں فقروں میں تصریح ہے کہ شیطان کے لیے علم کی جو وسعت تسلیم کی گئی ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے۔

امرِ دوم کا ثبوت | پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مصنّف براہینِ قاطعہ اس بحث میں اس قبیل

کو رد فرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے (جو انوارِ ساطعہ کے حوالہ سے مذکور ہو چکی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فضیلت کی وجہ سے اس سے زیادہ یعنی روئے زمین کا علم خود ہی پیدا کر لیں گے اور اسی خیال کو صاحب براہین نے شرک قرار دیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ملاحظہ ہو

براہینِ قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر ہے :

"تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرّہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحب براہین کے نزدیک صرف اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے جو علاوہ عطاءِ خداوندی کے کسی مخلوق کے لیے ثابت کیا جائے اور اسی کا نام علمِ ذاتی ہے۔ پھر اسی بحث میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

"عقیدہ اہلسنّت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالیٰ کی بندے میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں ...... پھر جس کو جس قدر علم عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملک الموت کو جس قدر وسعت دی (جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔)

"اور یہ بحث اس میں ہے کہ علمِ ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدوں ثبوتِ شرعی کے اس پہ عقیدہ درست بھی نہیں"

غور فرمایا جائے مصنّفِ براہین نے کتنی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کر دیا کہ شرک کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شخص حضور کے لیے علمِ ذاتی ثابت کرے۔[لہ]

اور ہم پہلے مقدمہ کے ذیل میں "الدولة المکیّة" اور "خالص الاعتقاد" کے حوالہ سے خود خانصاحب کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر کا علمِ ذاتی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے۔

لہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسالہ "الموت الاحمر" میں براہین قاطعہ کی اس عبارت پر بڑا پیچ و تاب کھایا ہے اور بہت زیادہ زور اس پہ دیا ہے کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں کہیں علمِ ذاتی ثابت نہیں کیا۔ پس ان کے جواب میں علمِ ذاتی کا ابطال کسی طرح امرِ معقول نہیں۔ نیز دوسرے رضا خانی صاحبان بھی اس بحث میں ان ہی کی پیروی میں یہی کہا کرتے ہیں۔ سرِ دست اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ بات تو صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شرک کا حکم صرف علمِ ذاتی کے اثبات پر ہے۔ اب یہ کہنا کہ جانبِ مخالف جب اس کا مثبت نہیں تو اس کا ابطال اور شرک کا حکم لگانا کیسا؟ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا مبحثِ تکفیر سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تکفیر کی غلطی تسلیم کر لینے کے بعد ہم سے یہ سوال کیا جائے تو ان شاء اللہ اس کا بھی ایسا تشفی بخش جواب دیا جائے گا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح بھی حیرت کرے کہ اتنی کھلی ہوئی چیز مجھ سے کیوں مخفی رہی۔ ۱۲

(مؤلف)

پس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جُرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک نہ ہوں اور اگر بفرض براہین میں یہ تصریح بھی نہ ہوتی اور سیاق و سباق کے وہ قرائن بھی نہ ہوتے جو علمِ ذاتی کے مراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی اس جگہ وسعتِ علم سے علمِ عطائی کی وسعت مراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لیے کسی طرح جائز نہ تھا، وہ "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر بطور قاعدہ کلیہ کے لکھ چکے ہیں کہ

"آیات و احادیث و اقوالِ علما جن میں دوسرے کے لیے اثباتِ علمِ غیب سے انکار ہے اُن میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی یا محیط کل) مراد ہیں"

پس براہین قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے وہ بدرجۂ اولیٰ ذاتی یا محیطِ کُل پر محمول ہونا چاہیے، لیکن افسوس ہے کہ شوقِ تکفیر نے اپنا لکھا ہوا اصول بھی بھلا دیا۔ سچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔

یہاں تک براہین قاطعہ کے متعلق خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب ہوا جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعتراض جب وارد ہو سکتا تھا کہ شیطان کے لیے جو علم تسلیم کیا گیا تھا اُسی کے اثبات کو شرک کہا گیا ہوتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے شیطان کے لیے علمِ عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علمِ ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے وشتّان ما بینہما۔

براہین قاطعہ پر خاں صاحب کے تیسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر تو نص قطعی کا مطالبہ کرتا ہے اور نفی کے موقع پر خود ایک باطل روایت سے استدلال کیا۔"

روایت کی حیثیت کے متعلق تو انشاء اللہ ابھی چوتھے اعتراض کے جواب میں عرض کیا جائے گا۔ یہاں تو ہم صرف خاں صاحب کے اس علمی مغالطہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ "ثبوت کے لیے نص قطعی کا مطالبہ کیا اور نفی کے موقع پر خود ایک روایت پیش کی۔"

کاش خاں صاحب اعتراض کرنے سے پہلے یہ غور فرما لیتے کہ مصنف براہین نے اس موقع پر جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ مدعی اور مستدل ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہیں؛ یا مانع اور معارض ہونے کی حیثیت سے۔ اور کاش اصول مناظرہ کی کسی کتاب میں ان دونوں حیثیتوں کا فرق بھی ملاحظہ فرما لیتے۔

واقعہ یہ ہے کہ صاحب براہین نے عقیدہ کے اثبات کے لیے نص قطعی کا مطالبہ کیا ہے اور مولوی عبد السمیع صاحب مصنف "انوار ساطعہ" کے قیاس کے معارضہ میں خود احادیث پیش کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں۔ عقیدہ کے ثبوت کے لیے بیشک نص قطعی ہی کی ضرورت ہے۔ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی اُصولاً یہ تسلیم ہے (ملاحظہ ہو انباء المصطفیٰ) اور بیشک قیاس کے معارضہ میں احادیث کیا معنی قیاس بھی پیش کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو مناظرہ رشیدیہ اور اس کے حواشی)۔

براہین قاطعہ پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ "صاحب براہین نے نقل میں خیانت کی، اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے

جس روایت کو نقل کر کے رد کیا، اُس کو ان کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا اور رد کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو گویا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ" تو لے لیا "اَنْتُمْ سُكَارٰى" کو چھوڑ دیا۔

خاں صاحب کی عُذریت ہمیں معاف فرمائے یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور رہیں کہ چونکہ وُہ خود اس قسم کی کارروائیوں کے عادی تھے۔ اس لیے انھوں نے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھا لیکن ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان باتوں کی ضرورت صرف اہل باطل کو پیش آتی ہے۔ حق پرستوں کو اس کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خاں صاحب کا یہ اعتراض بھی موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں بھی یہاں ہم اختصار ہی سے کام لیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر "صاحب براہین" کے الفاظ کیا ہیں؛ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱ کی ساتویں سطر میں فرماتے ہیں:

"اور شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"۔

یہاں صاحب براہینؒ نے شیخ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ پس اگر شیخ کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ روایت بغیر جرح و تردید مذکور ہو تو صاحب براہین کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور یہ سمجھا جائیگا کہ انھوں نے وہیں سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ کی فصل ثالث کے اخیر میں ذیل کی حدیث درج ہے:

عن ابی هریرة قال صلّی بنا رسول الله صلّی الله علیه وسلم الظهر وفی موخّر الصفوف رجل فاساء الصلوٰة	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (ایک دفعہ) ظہر کی نماز پڑھائی اور پچھلی صفوں میں

فناداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلان الا تتقی اللہ الا تری کیف تصلی انکم ترون انہ یخفی علی شیئ مما تصنعون واللہ انی لاری من خلفی کما اری من بین یدی (رواہ احمد)

ایک شخص تھا جس نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی۔ پس جب سلام پھیر دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکارا کہ اے فلانے کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کیسی نماز پڑھتے ہو؛ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس میں سے کوئی بات مجھ پر پوشیدہ رہتی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے پیچھے کے لوگوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والوں کو۔ (روایت کیا اس کو امام احمد نے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبد الحق دہلوی علیہ الرحمۃ "اشعۃ اللمعات" صفحہ ۳۹۲ پر ارقام فرماتے ہیں :

بداں کہ ایں دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم از پس و پیش بطریق خرق عادت بود بوحی یا بالہام وگاہ گاہے بود نہ دائم و مؤید آں است آنچہ در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت ﷺ گم شد و در نیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم و نمی داند

جان کہ دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے اور پیچھے سے بطور خرق عادت تھا، وحی یا الہام سے اور کبھی کبھی تھا، نہ ہمیشہ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ گم ہوگئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کہاں گئی۔ تو منافقوں نے کہا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہتے ہیں کہ میں آسمان

کہ ناقہ او کجا است۔ پس فرمود آنحضرت ﷺ واللہ من نمی دانم مگر آنچہ بداناند مرا پروردگار من اکنوں بنمود مرا پروردگار من کہ وے در جائے چنیں وچناں است و مہار وے در شاخ درختے بند شدہ است و نیز فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ در پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانانیدن حق سبحانہ۔

کی خبر دیتا ہوں اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ ان کی ناقہ کہاں ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا مگر وہ کہ میرے پروردگار نے مجھ کو تبلا دیا ہے۔ اب میرے پروردگار نے مجھ کو دکھا دیا ہے کہ وہ فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں اٹکی ہوئی ہے اور یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ یعنی بے تبلائے حق سبحانہ کے۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول، صفحہ ۳۹۲)

یہاں شیخ نے اس روایت کو نقل فرمایا اور کوئی جرح نہیں فرمائی لہذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا حوالہ بالکل صحیح ہوا۔ بلکہ غور کیا جائے تو شیخ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ یہاں اس کو شیخ نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے اور شیخ کی ثقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی روایت کو باطل محض سمجھتے ہوئے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں۔ پس مقام تائید میں شیخ کا اس روایت کو نقل فرمانا صریح دلیل اس کی ہے کہ یہ اُن کے نزدیک معتبر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ شیخ نے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ اسی روایت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" سو اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ مگر تاہم ناظرین کے دفع خلجان

کے لیے اس کے متعلق بھی کچھ مختصراً عرض کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مشہور محتاط اور متشدد محدث حافظ ابن جوزی (حدیث کے بارے میں جن کی غیر معمولی احتیاط اور حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا "تشدد" اہلِ علم کو معلوم ہے) نے اس روایت کو اپنی بعض کتابوں میں بلا اسناد کے نقل فرمایا ہے اور ان جیسے محتاط ناقد بصیر محدث کا کسی روایت کو بغیر جرح کے نقل کرنا اس کے معتبر ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور اسی وجہ سے شیخ علیہ الرحمۃ نے روایت کو معتبر سمجھا اور "اشعۃ اللمعات" کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر دیا۔ مگر چونکہ اس روایت کی اسناد منقول نہیں، اس لیے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ یہ بھی فرما دیا کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" یعنی اسناد نہیں۔ اس طرح شیخ کے کلام کا تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کا کلام بھی اس روایت کے متعلق بظاہر اسی طرح متعارض ہے چنانچہ قسطلانی "مواہبِ لدنیہ" میں حافظ سخاوی رح کی "مقاصدِ حسنہ" سے ناقل ہیں کہ:

حدیث ما اعلم ما خلف جداری ھٰذا　　یہ حدیث کہ "میں نہیں جانتا جو میری اس دیوار کے
قال شیخنا شیخ الاسلام ابن حجر　　پیچھے ہے۔" ہمارے شیخ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر
لا اصل له قلت و لکنه قال فی تلخیص　　اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کی اصل نہیں"
تخریج احادیث الرافعی عند قوله فی　　میں کہتا ہوں کہ مگر تخریج احادیث رافعی کی تلخیص میں
الخصائص و یریٰ من وراء ظهره کما　　خصائص کے بیان میں اس کے اس قول کے پاس کہ
یریٰ من قدامه هو فی الصحیحین و　　"اور آپ دیکھتے تھے اپنے پس پشت جس طرح دیکھتے تھے

غیرهما من حدیث انس وغیره و　　اپنے آگے"۔ خود انھی (حافظ ابن حجر) نے فرمایا ہے کہ
الاحادیث الواردة بذالك مقیّدة　　یہ حضرت انس وغیرہ سے صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری
بحالة الصّلوٰة و بذالك یجمع بینه　　کتب حدیث میں مروی ہے اور جن احادیث میں مضمون
و بین قوله علیه السلام لا اعلم ما　　(یعنی حضرت اقدس کا پس پشت کی چیزوں کو دیکھنا) وارد
وراء جداری هٰذا انتهی و هٰذا　　ہوا ہے وہ نماز کی حالت کے ساتھ مقید ہیں اور اس توجیہ
مشعر بو روده　　سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں اور حضور علیہ السلام کے
فرمان میں کہ: "میں نہیں جانتا اس کو جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے۔"

ختم ہوا (کلام حافظ ابن حجر کا۔ اس کے بعد حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ) اور (ہمارے شیخ کے) اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔"

علامہ زرقانی شرح مواہب میں حافظ سخاوی رح کے اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ:

فبنا فی قوله لا اصل له فهو تناقض　　پس اُن کا (یعنی حافظ ابن حجر رح کا) یہ قول ان
منه و یمکن ان مراده لا اصل　　کے اس قول کے منافی ہے (جس میں انھوں نے
له معتبر لکونه ذکر بلا اسناد　　اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ) "اس کی اصل نہیں"
لا ان مراده بطلانه۔　　پس یہ اُن کی جانب سے (کھلا ہوا) تناقض ہے اور
ممکن ہے کہ اس قول سے اُن کی مراد یہ ہو کہ "اس حدیث کی اصل معتمد نہیں" کیونکہ وہ بلا اسناد منقول ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے باطل ہے۔

پس ہم نے شیخ علیہ الرحمۃ کے مدارج والے قول کی جو توجیہ کی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے

جو علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجرؒ کے کلام کی کی ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ شیخ کے قول "اصلے ندارد" کی توجیہ سے متعلق تھا اور اپنے فریضہ سے زائد۔ ورنہ ہمارے ذمہ صرف اسی قدر تھا کہ شیخ کی کسی تصنیف سے بس اتنا ثابت کر دیتے کہ اُنھوں نے اس کو بلا جرح نقل فرمایا ہے۔ یہ ہمارا تبرع تھا کہ ہم نے شیخ کے طرزِ عمل سے روایت کا معتبر ہونا بھی ثابت کر دیا اور ان کے دونوں قول کے ظاہری تعارض کو بھی اُٹھا دیا۔ فللّٰہ الحمد و المنة !

اور قطع نظر ان تمام چیزوں سے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ روایت معنًا صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین اور سُنن نسائی میں حضرت زینب زوجۂ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں زکوٰۃ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی جب میں پہنچی تو اسی ضرورت سے ایک انصاری بی بی بھی وہاں کھڑی ہوئی تھیں ..... پس حضرت بلالؓ ہمارے پاس آئے تو ہم نے اُن سے کہا :

ائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس
فاخبرہ ان امرأتین بالباب تسألانك	میں جائیے اور ان کو اطلاع دیجیے کہ دو عورتیں دروازہ
اتجزی الصدقة عنهما علی ازواجهما	پر کھڑی ہیں اور یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں کہ
وعلی ایتام فی حجورهما و لا تخبرہ	اگر وہ اپنے شوہروں اور ان یتیم بچوں پر جو ان کی
من نحن فسأله بلال فقال له رسول	پرورش میں ہیں صدقہ کر دیں تو کیا ادا ہو جائے گا؟

اللہ صلی اللہ علیه وسلم من هما	اور (اے بلال دیکھو) حضرت کو یہ مت خبر دینا
فقال امرأة من الانصار و زینب	کہ ہم کون ہیں۔ پس حضرت بلال نے حضورؐ سے
فقال له ای الزیانب قال امرأة	وہ مسئلہ اسی طرح دریافت کیا۔ حضورؐ نے دریافت
عبد اللہ فقال لهما اجران اجر	فرمایا کہ وہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت بلالؓ
القرابة و اجر الصدقة۔	نے عرض کیا کہ ایک کوئی انصاری بی بی ہیں اور ایک

زینب۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کون زینب؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ عبداللہ ابن معود کی بیوی" ــــ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں ان کو دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقہ کا، ایک قرابت کا۔

سو اگر حضورؐ کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو حضرت بلالؓ سے نام دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ پس آپ کا نام دریافت فرمانا اور زینب نام معلوم ہونے پر یہ فرمانا کہ کونسی زینب؟ صریح دلیل اس کی ہے کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کی بعض باتیں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

نیز حیاتِ طیبہ کے اخیر دنوں میں حالتِ مرض میں حضورؐ کا اپنی جماعت کو دیکھنے کے لیے حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر تشریف لانا اور پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والی جماعت کو دیکھنا (جس کا ذکر کتبِ صحاح میں ہے) اور بالخصوص آخری دن بار بار یہ دریافت فرمانا کہ اَصَلَّی النَّاس؟ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" حالانکہ مسجد مبارک اور حجرہ شریفہ میں صرف دیوار ہی حائل تھی، صریح دلیل اس کی ہے کہ دیوار کے پیچھے کی کچھ باتیں حضورؐ کو معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ پس اگر کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہو کہ "واللہ لا ادری ما وراء جداری، هذا او کما قال علیه الصلوٰة و السلام (یعنی اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا

اس کو جو اس دیوار کے پیچھے ہے) تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بہرحال اس روایت کی معنوی صحت سے تو کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

اور پھر اگر ان باتوں سے بھی قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہر منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب براہین نے اس روایت کو علمِ ذاتی کی نفی کے موقع پر پیش کیا ہے کیونکہ ہم خود صاحبِ براہین کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی وُہ تمام بحث علمِ ذاتی کے متعلق ہے تو گویا اس روایت کو انھوں نے علمِ ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور ہم خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وُہ بھی علمِ ذاتی کے قائل نہیں بلکہ جو شخص ایک ذرہ یا اُس سے بھی کمتر سے کمتر کا علمِ ذاتی غیر اللہ کے لیے مانے وُہ ان کے نزدیک بھی کافر و مشرک ہے۔ پس اس اعتبار سے تو یہ روایت خاں صاحب کے نزدیک بھی معناً صحیح ہے اور وُہ تو خود فرما چکے ہیں کہ "آیات واحادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسروں کے لیے اثباتِ علمِ غیب سے انکار ہے، ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (یعنی ذاتی یا محیطِ کُل) مُراد ہیں۔" خالص الاعتقاد، صفحہ ۲۸۔

پس جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو علمِ ذاتی کی نفی پر محمول فرما رہے ہیں تو پھر خاں صاحب یا اُن کی ذریت کے لیے کیا محلِ اعتراض ہے۔

ہم شروع ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بحث موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لیے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہاں تک عباراتِ براہین قاطعہ کی بحث ختم[1] ہوگئی اور خاں صاحب کے چاروں اعتراضوں کے جوابات سے ہم بعون اللہ تعالیٰ فارغ ہوگئے۔ اب حسام الحرمین کی آخری بحث متعلق عبارت حفظ الایمان شروع ہوتی ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کے جواب میں جو ذاتی اور عطائی کا فرق ہم نے دکھلایا ہے۔ وہ پہلے اعتراض کے جواب میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ فافہم و تامل۔ ۱۲ منہ

۴

حکیم الامّت حضرتِ تھانویؒ
پر
توہینِ شانِ سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بُہتان
اور
اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حسام الحرمین صفحہ ۲۰، ۲۱ پر فرماتے ہیں:

ومن کبراء هؤلاء الوهابية	اور اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں
الشيطانية رجل اُخر من اذناب	ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں ہے
الگنگوهی یقال له اشرف علی التانوی	جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں، اُس نے ایک
صنف رسیلة لا تبلغ اربعة اوراق	چھوٹی سی رسلیا تصنیف کی چار ورق کی بھی نہیں

وصرح فيها بان العلم الذی لرسول	اور اُس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا
الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلّم	علم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو
بالمغیبات فان مثله حاصل لکل	ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے
صبی وکل مجنون بل لکل حیوان	کو حاصل ہے۔ اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے:
وکل بهیمة وهذا لفظه الملعون	آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا
ان صح الحکم علی ذات النبی المقدّسة	جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر
بعلم المغیبات کما یقول به زید	ہے کہ اس غیب سے مُراد بعض غیب ہے یا کُل
فالمسئول عنه انه ماذا اراد بهٰذا	اگر بعض علومِ غیبیہ مُراد ہیں تو اس میں حضورؐ[1] کی کیا
ابعض الغیوب ام کلها فان اراد	تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر
البعض فای خصوصیة فیه لحضرة	صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی
الرسالة فان مثل هٰذا العلم	حاصل ہے۔ الیٰ قولہ۔ اور اگر تمام علومِ غیب
بالغیب حاصل لزید وعمرو	مُراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی
بل لکل صبیّ ومجنون بل لجمیع	خارج نہ رہے تو اُس کا بطلان دلیلِ نقلی و عقلی
الحیوانات والبهائم وان اراد	سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی
الکل بحیث لا یشذ منه فرد	مُہر کا اثر دیکھو، یہ شخص کیسی برابری کر رہا
فبطلانه ثابت نقلا وعقلا اھ	ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

[1] یہاں "حفظ الایمان" میں صلی اللہ علیہ وسلم چھپا ہُوا ہے، خانصاحب نے اس کو اُڑا دیا۔

اقول نا نظر الیٰ اٰثار ختم اللہ تعالیٰ	چُنیں وچناں میں۔
کیف یسوی بین رسول اللہ صلی اللہ	
تعالیٰ علیہ وسلم وبین کذا وکذا۔	

اس جگہ خاں صاحب نے حضرت حکیم الاُمّتؒ کے متعلق جو سخت اور متعفّن کلمات استعمال کیے ان کا جواب تو ہم کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اس کا ترکی بترکی کلّہ بکلّہ جواب وُہی بازاری دے سکتا ہے جو گالیوں کے فن میں بھی مجدّدانہ شان رکھتا ہو۔ ہم تو اس فن سے بالکل عاری اور عاجز ہیں۔ اُدھر قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن	اے رسول آپ میرے (ایمان والے) بندوں سے
ان الشیطان ینزغ بینہم انّ	کہیے کہ وہ بات کہیں جو اچھی ہو۔ بتحقیق شیطان
الشیطان کان للانسان عدوا	پھوٹ ڈلواتا ہے ان کے درمیان، بیشک
مبینا۔	شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ خود حضورؐ کو ارشاد ہے:

اِدفَع بالتی ھی احسنُ السیئۃَ	آپ بدی کا جواب نیکی سے دیجیے۔

پس حسبِ فرمودۂ قرآن ہم خاں صاحب کی ان گالیوں کے جواب میں صرف حق تعالیٰ سے یہ عرض کرینگے کہ خداوندا! خاں صاحب تو اس دُنیا سے جا چُکے، اب اُن کے اخلاف کو ایسی بُری عادتوں سے بچا جو دُنیا میں ذلّت و رُسوائی اور آخرت میں حرمان و خُسران کا باعث ہوں۔

اس کے بعد ہم اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واللہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسام الحرمین لکھتے وقت خاں صاحب نے قسم کھائی تھی کہ کسی معاملہ میں بھی سچائی اور دیانتداری سے کام نہ لوں گا۔ غور تو کیجئے۔ کہاں "حفظ الایمان" کی اصل عبارت اور اس کا حقیقی اور واقعی مطلب، اور کُجا خاں صاحب کا تصنیف کردہ یہ لعنتی مضمون — کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے (معاذ اللہ منہ) کاش خاں صاحب اپنا فیصلۂ کفر سُنانے سے پہلے "حفظ الایمان" کی پوری عبارت بغیر قطع و برید کے نقل کر دیتے تو ناظرین کو خود ہی حقیقت معلوم ہو جاتی اور ہم کو جوابدہی کے لیے قلم اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"حفظ الایمان" حضرت حکیم الاُمّۃ (دامت برکاتہم) کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں تین بحثیں ہیں اور تیسری بحث یہ ہے کہ "حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں"۔ واضح رہے کہ مولانا کی بحث اس میں نہیں ہے کہ "حضورِ اقدسؐ کو علمِ غیب تھا یا نہیں؟ اور تھا تو کتنا تھا؟ بلکہ وہاں مولٰنا مدظلّہ صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کو "عالم الغیب" کہہ نہیں سکتے۔ اور ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی صفت کا واقع میں کسی ذات کے لیے ثابت ہونا اُس کو مستلزم نہیں کہ اس کا اطلاق بھی اس پر جائز ہو۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق بتلایا گیا ہے[1]۔ اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کی ہر چیز صغیر ہو یا کبیر عظیم ہو یا حقیر سب اُسی کی مخلوق ہے۔ لیکن بایں ہمہ فقہاء کرام تصریح فرماتے ہیں کہ

[1] اللہ خالقُ کُلِّ شیءٍ ۔ وخلقَ کُلَّ شیءٍ فقدّرہٗ تقدیرا ○ (الیٰ غیر ذلک من الآیات)

اس کو "خالق القردة والخنازیر[1]" کہنا ناجائز ہے، علیٰ ہذا قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے زرع (کھیتی) کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے لیکن اس کی ذات پاک پر زارع کا اطلاق درست نہیں، اسی طرح بادشاہ کی طرف سے لشکر کو جو عطایا اور وظائف دیے جاتے ہیں اہلِ عرب اُن پر رزق کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی عام کتابوں میں یہ محاورہ لکھا ہوا ہے کہ "رزق الامیر الجند[2]"، لیکن با ایں ہمہ بادشاہ کو رازق یا رزّاق کہنا درست نہیں اور حضورؐ کے خصائل مبارکہ کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "آپ خود ہی اپنی نعل مبارک کو ٹانک لیا کرتے تھے اور خود ہی اپنی بکری دودھ لیا کرتے تھے۔" الخ لیکن اس کے باوجود حضورِ اقدس کو "خاصف النعل" (جفت دوز) اور "حالب الشاۃ" (بکری دوہنے والا) نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ بعض اوقات ایک صفت کسی ذات میں پائی جاتی ہے اور اس کا اطلاق درست نہیں ہوتا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس تمہید سے ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ "حضورؐ کو علمِ غیب ہونا نہ ہونا ایک الگ بحث ہے اور آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کے اطلاق کا جواز، عدمِ جواز یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور ان دونوں میں باہم تلازم بھی نہیں" جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھیے کہ حفظ الایمان میں اس موقعہ پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حضورؐ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق ناجائز ہے اور حضورؐ کو جس طرح خاتم النبیین سید المرسلین، رحمۃ للعلمین وغیرہ وغیرہ القابات سے یاد کرسکتے ہیں۔ اس طرح لفظ "عالم الغیب"

---

[1] بندروں اور سؤروں کا خالق۔ ۱۲ [2] امیر نے لشکر کو رزق دیا۔ ۱۲

سے حضورؐ کو یاد نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس مُدّعا کی دو دلیلیں مولانا نے پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ چونکہ عام طور پر شریعت کے محاورات میں عالم الغیب اسی کو کہا جاتا ہے جس کو غیب کی باتیں بلا واسطہ اور بغیر کسی کے بتلائے ہوئے معلوم ہوں (اور یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے) لہٰذا اگر کسی دُوسرے کو عالم الغیب کہا جائے گا تو اس عرف عام کی وجہ سے لوگوں کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ ان کو بھی بلا واسطہ غیب کا علم ہے (اور یہ عقیدہ صریح شرک ہے) پس حق جل مجدہٗ کے سوا کسی اور کو "عالم الغیب" کہنا بغیر کسی ایسے قرینہ کے جس سے معلوم ہوسکے کہ قائل کی مُراد علمِ غیب بلا واسطہ نہیں ہے اس لیے نادرست ہوگا کہ اس سے ایک مشرکانہ خیال کا شبہ ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسے کلمات سے منع فرمایا گیا ہے جن سے اس قسم کی غلط فہمیوں کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضورؐ کو لفظ راعنا سے خطاب کرنے کی ممانعت، اور حدیث شریف میں اپنے غلاموں اور باندیوں کو عبدی و اَمتی کہنے سے نہی اسی لیے وارد ہوئی ہے کہ یہ کلمات ایک باطل معنی کی طرف موہم ہوجاتے ہیں، اگرچہ خود متکلم کا قصد ایسا نہ ہو —— یہ ہے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل کا خلاصہ —— مگر چونکہ خاں صاحب کو مولانا کی اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تقریباً یہی مضمون خود خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب "الدولۃ المکیۃ" میں ایک جگہ پوری تفصیل سے لکھا ہے اس لیے اس کی تصویب و تائید میں ہم کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اُسی میں وہ عبارت واقع ہے جس کے متعلق خاں صاحب کا دعویٰ ہے کہ:

"اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔"

لیکن ہم "حفظ الایمان" کی اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ناظرین کی سہولتِ فہم کے لیے یہ بتلا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اس دوسری دلیل میں مولانا نے مسلک کی دو شقیں کر کے ان میں سے ہر ایک کو غلط اور باطل ثابت کیا ہے اور حاصل مولانا کی اس دوسری دلیل کا صرف یہ ہے کہ جو شخص حضور کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اور آپ کو عالم الغیب کہتا ہے (مثلاً زید) وہ یا تو اس وجہ سے کہتا ہے کہ اس کے نزدیک حضور کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کل غیب کا علم ہے۔ یہ دوسری شق تو اس لیے باطل ہے کہ آنحضرت کو کل غیب کا علم نہ ہونا، دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے (اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی یہی کہتے ہیں) اور پہلی شق (یعنی بعض غیب کی وجہ سے حضور کو عالم الغیب کہنا) اس لیے باطل ہے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر انسان بلکہ حیوانات تک کو "عالم الغیب" کہا جائے کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے، کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہے جو دوسرے سے مخفی ہے۔ پس اس شق کی بنا پر چونکہ سب کو عالم الغیب کہنا لازم آتا ہے اور یہ عقلاً نقلاً عرفاً غرض ہر حیثیت سے باطل ہے لہٰذا ملزوم (یعنی زید کا حضور کو بعض علومِ غیبیہ کی وجہ سے عالم الغیب کہنا) بھی باطل ہوگا۔ یہ ہے مولانا کی ساری تقریر کا خلاصہ۔ اس کے بعد ہم حفظ الایمان کی اصل عبارت مع توضیح کے درج کرتے ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پہلی دلیل کی تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

حفظ الایمان کی عبارت اور اس کی توضیح

"آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی ذاتِ قدسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا) اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب (اسی زید سے) یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد (یعنی اس غیب سے جو لفظ "عالم الغیب" میں واقع ہے اور جس کی وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہتا ہے) بعض غیب ہے یا کل غیب (یہاں حضرت مولانا رح اس شخص سے جو حضرت کو عالم الغیب کہتا ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے جس کا فرضی نام زید ہے۔ یہ دریافت فرما رہے ہیں کہ تم جو حضور کو عالم الغیب کہتے ہو تو کس اعتبار سے؟ آیا اس وجہ سے کہ حضور کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کل غیب کا علم ہے؟) اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں (یعنی تم حضور کو بعض علومِ غیب کی وجہ سے "عالم الغیب" کہتے ہو اور تمہارا یہی اصول ہے کہ جس کو غیب کی بعض باتیں بھی معلوم ہوں گی اس کو تم عالم الغیب کہو گے) تو اس میں (یعنی مطلق بعض غیب کے علم میں اور اس کی وجہ سے عالم الغیب کہنے میں) حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا (بعض) علمِ غیب (کہ کسی کے عالم الغیب کہنے کے لیے جس کی تم ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم) تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی

بات کا علم ہوتا ہے جو دُوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ (تمہارے اس اصُول کی بنا پر کہ مطلق بعض غیب کے علم کی وجہ سے بھی عالم الغیب کہا جا سکتا ہے) سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔

حفظ الایمان کی عبارت میں خانصاحب بریلوی کی تحریفات کی تفصیل

یہ بھی حضرت مولٰنا کی اصل عبارت اور تھا اس کا صاف اور صریح مطلب جو ہم نے عرض کیا لیکن خاں صاحب نے اپنی حاشیہ آرائی سے اُس میں وُہ معنے ڈالے کہ شیطان بھی جس کو سُن کر پناہ مانگے۔ اس سلسلہ میں خاں صاحب نے جو تحریفات کیں ان کی مختصر تفصیل یہ ہے :

(۱) حفظ الایمان کی عبارت میں "ایسا" کا لفظ آیا تھا اور اُس سے مُطلق بعض غیُوب کا علم مُراد تھا نہ کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا علم اقدس، مگر خاں صاحب نے اُس سے حضُور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کا علمِ شریف مراد لے لیا اور لکھ مارا کہ

"اس میں تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے (حسام ص ۲۰)

(۲) حفظ الایمان کی اصل عبارت اِس طرح تھی کہ :

"ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دُوسرے شخص سے مخفی ہے"۔

خاں صاحب نے اس کا آخری خط کشیدہ حِصّہ درمیان میں سے بالکل اُڑا دیا کیونکہ اس سے صراحۃً معلوم ہوجاتا ہے کہ زید عمرو وغیرہ کے متعلق جو عِلم تسلیم کیا گیا ہے وُہ مطلق بعض غیب کا علم ہے، نہ کہ معاذ اللہ رسُولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علمِ شریف

(۳) حفظ الایمان میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد الزامی نتیجہ کے طور پر یہ فقرہ تھا۔

"تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے"

خاں صاحب نے اس کو بھی صاف اُڑا دیا، کیونکہ اس فقرے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مصنّفِ حفظ الایمان حضُور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عِلم کی مقدار میں کلام نہیں فرما رہے۔ بلکہ ان کی بحث صرف عالم الغیب کے اطلاق میں ہے اور اتنا معلوم ہوجانے کے بعد خاں صاحب کی ساری کارروائی کی حقیقت کھُل جاتی ہے۔ بہرحال خاں صاحب نے صاحب حفظ الایمان کو کافر بنانے کے لیے یہ خیانتیں کیں اور جن فقروں سے عبارت حفظ الایمان کا صحیح مطلب بآسانی معلوم ہوسکتا تھا وُہ درمیان سے بالکل حذف کر دیے اور عبارت کا صرف ابتدائی اور آخری حِصّہ نقل فرما دیا، اور ایک بڑی چالاکی یہ کی کہ عبارتِ حفظ الایمان کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماءِ حرمین کے سامنے پیش کیا، اس میں اس قسم کا کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جس سے وُہ حضرات سمجھ سکتے کہ اس عبارت کے درمیان میں سے کچھ فقرے حذف کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ناظرین حسام الحرمین کی اُس عربی عبارت میں خاں صاحب کی یہ دستکاری ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہم نے شروع

بحث میں حسام الحرمین سے بلفظہٖ نقل کی ہے :

عبارتِ حفظ الایمان کی مزید توضیح

اگرچہ خاں صاحب کی دیانت اور اُن کے فتوے کا حال تو ہمارے ناظرین کو اسی قدر بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا مگر ہم بحث کی مزید توضیح اور تفہیم کے لیے اس کے خاص خاص گوشوں پر کچھ اور روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضرت حکیم الاُمت مدظلہٗ کی دوسری دلیل کا حاصل صرف اس قدر تھا کہ :

حضورؐ کو عالم الغیب کہنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ کُل غیب کی وجہ سے آپ کو عالم الغیب کہا جائے۔ دُوسری یہ کہ بعض غیب کی وجہ سے۔ پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ آپ کو کُل غیب کا علم نہ ہونا دلائل نقلیہ وعقلیہ سے ثابت ہے اور دُوسری اس لیے باطل ہے ـــ کہ بعض غیب کا علم دُنیا کی دُوسری حقیر چیزوں کو بھی ہے تو اس اصول پر سب کو عالم الغیب کہنا پڑے گا جو ہر طرح سے باطل ہے۔ اگر اس دلیل کے اجزاء کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بُنیادی مقدمات صرف یہ ہیں :

(۱) جب تک مبدأ کسی چیز کے ساتھ قائم نہ ہو، اس پر مشتق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کسی کو عالم جب ہی کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی ذات میں علم کی صفت پائی جاتی ہو اور زاہد اُسی کو کہا جائے گا جس کے ساتھ زُہد کی صفت قائم ہو اور کاتب وہی کہلائے گا جو وصفِ کتابت کے ساتھ موصوف ہو (الیٰ غیر ذالک من الامثلۃ)

(۲) علت کے ساتھ معلول کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ علت موجود ہو اور معلول نہ ہو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔

(۴) مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے

(۵) ہر زید و عمرو کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

(۶) لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان کو مستلزم ہے یعنی جس بات کے ماننے سے کوئی اَمر باطل لازم آ جائے وُہ خود باطل ہے۔

ان مقدمات میں سے پہلے دونوں اور آخری دونوں تو عقلی مسلمات میں سے ہیں اور گویا بدیہی ہیں جس سے دُنیا کا کوئی عاقل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے سرِدست ہم صرف تیسرے اور چوتھے مقدمہ کو خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کرتے ہیں :

مُدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حفظ الایمان کے اہم مقدمات کا ثبوت خود خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ یہ تھا کہ :

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا“۔

اس کا ثبوت فاضلِ بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو :

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا

فاضلِ موصوف ”الدولۃ المکیۃ“ صفحہ ۲۵ پر رقمطراز ہیں :

فانا لا ندعی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد احاط بجمیع معلومات اللہ سبحانہ و تعالیٰ فانہ محال للمخلوق.	ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف تمام معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہے کیونکہ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے۔

اور اسی "الدولۃ المکیۃ" میں ہے:

ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضاً الا البعض	اور ہم عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔
(الدولۃ المکیۃ، ص ۲۸)	(خالص الاعتقاد، ص ۲۳)

اور یہی خاں صاحب تمہید ایمان صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں:

"حضورؐ کا علم بھی جمیع معلومات الٰہی کو محیط نہیں"۔

نیز اسی تمہید کے صفحہ ۲۴ پر ہے:

"اور جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو علمِ مخلوق کا محیط ہونا بھی باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے"۔

خاں صاحب کی ان تمام عبارات کا مفاد بلکہ مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔ بلکہ تمام غیوب کے علم تفصیلی کا حصول آپ کے لیے بلکہ ہر مخلوق کے لیے محال ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے"۔ اور یہی بعینہٖ حضرت مولانا تھانویؒ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ تھا جو بحمد اللہ خاں صاحب ہی کی

تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ فللہ الحمد۔

حضرت مولاناؒ کی دلیل کا چوتھا قابلِ غور مقدمہ یہ تھا:

"مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے"۔

اس کا ثبوت بھی خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو:

ہر مومن کو کچھ غیوب کا علمِ تفصیلی ضرور ہوتا ہے

فاضل موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۱۳ پر اتمام فرماتے ہیں:

انا آمنا بالقیمۃ و بالجنۃ و بالنار و باللہ تعالیٰ و بالامہات السبع من صفاتہ عز وجل و کل ذالک غیب وقد علمنا کلا تجیالہ ممتازا عن غیرہ فوجب حصول مطلق العلم التفصیلی بالغیوب لکل مومن۔	بیشک ہم ایمان لائے ہیں قیامت پر اور جنت اور دوزخ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتوں صفاتِ اصلیہ پر اور یہ سب کچھ غیب ہے اور ہم کو اس کا علمِ تفصیلی حاصل ہے اس طور پر کہ ہمارے علم میں ان میں سے ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہے پس غیب کے مطلق علمِ تفصیلی کا حصول ہر مومن کے لیے واجب ہوا۔

نیز یہی خاں صاحب "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں:

"(اللہ تعالیٰ) ..... "مسلمانوں کو فرماتا ہے "یؤمنون بالغیب" غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شے کا اصلاً

علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیوں کر ممکن ؟ لاجرم تفسیر کبیر میں ہے" لا یمتنع ان نقول نعلم من الغیب ما لنا علیہ دلیل " یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اُس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لیے دلیل ہے ۔"

خاں صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو غیب کا کچھ علم ضرور ہے۔

خاں صاحب کے والدِ بزرگوار کو بھی غیب کا علم تھا

موصوف اپنے والد ماجد کی ایک پیشین گوئی کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں :

"یہ چودہ برس کی پیشین گوئی حضرت نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام کے کفش بردار ہیں ، علومِ غیب دیتا ہے ۔" (ملفوظات اعلیٰ حضرت)

خاں صاحب کے نزدیک گدھے کو بعض غیوب کا علم

خاں صاحب نے (اس کے ثبوت میں کہ کشف فی نفسہٖ کوئی کمال کی چیز نہیں بلکہ وہ غیر مسلموں حتیٰ کہ غیر انسانوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے) اپنے کسی بزرگ سے (جس کے ولی اللہ ہونے کی تصریح بھی آپ نے فرمائی ہے) ایک صاحبِ کشف گدھے کی عجیب و غریب حکایت نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اُن بزرگ صاحب نے فرمایا :

ہم مصر گئے تھے وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص ہے ۔ اُس کے پاس ایک گدھا ہے۔ اُس کی آنکھوں پر ایک پٹی بندھی ہوئی

ہے ۔ ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے بس گدھے سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے ، سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے ۔" (ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۱)

اس کے بعد خاں صاحب فرماتے ہیں :

"بس یہ سمجھیے کہ وہ صفت جو غیرِ انسان کے لیے ہو سکتی ہے (یعنی کشف) انسان کے لیے کمال نہیں الخ (حصہ چہارم ص ۱۱)

خاں صاحب کے اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک اس گدھے کو بھی بعض مخفی باتوں کا کشف ہوتا تھا ۔ وہٰذا ھو المقصود

دُنیا کی ہر چیز کو بعض غیوب کا علم حاصل ہے

ہم ابھی ابھی "الدولۃ المکیۃ" سے خاں صاحب کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ "حق تعالیٰ اور اس کے صفات اور جنت دوزخ ملائکہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور غیب میں سے ہیں (اور یہ بالکل صحیح ہے)

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بذاتِ خود غیب نہیں لیکن آپ کی رسالت بے شک امرِ غیب ہے کیونکہ وہ کوئی محسوس و مُبصَر چیز نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے درمیان ایک مخفی تعلق ہے جو ہمارے ظاہری احساس کی دسترس سے بالاتر ہے اور صرف پیغمبر کی صداقت کے اعتماد پر اُس پر ایمان لایا جاتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود اُس کی وحدت یا اس کے رسول کی رسالت کا علم حاصل ہو تو اُس کو بعض غیوب کا علم حاصل ہوا اور خاں صاحب کے

تسلیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ درختوں کے پتے اور ریگستانوں کے ذرّے بھی توحید و رسالت پر ایمان لانے کے مکلف ہیں، وہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔

چنانچہ خاں صاحب کے ملفوظات حصّہ چہارم صفحہ ۷۷ پر ہے:

"ہر شے مکلّف ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور خدا کی تسبیح کے ساتھ۔"

نیز اسی کے صفحہ ۸۰ پر ہے:

"ایک ایک روحانیت تو ہر ہر نبات ہر ہر جماد سے متعلق ہے اُسے خواہ اُس کی رُوح کہا جائے یا کچھ اور۔ اور وہی مکلف ہے۔ ایمان و تسبیح کے ساتھ، حدیث میں ہے:

ما من شیئ الا و یعلم انی رسول الله الا مردۃ الجن و الانس۔ کوئی شے ایسی نہیں جو مجھ کو خدا کا رسُول نہ جانتی ہو سوا سرکش جن اور انسانوں کے۔"

خاں صاحب کے ان ارشادات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) ہر مومن کو غیب کی کچھ باتیں ضرور معلوم ہوتی ہیں۔

(۲) غیر مسلموں کو بھی کشف ہوتا ہے۔

(۳) گدھے جیسے احمق جانور کو بھی بعض مخفی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔

(۴) کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ نباتات و جمادات کو بھی غیب کی کچھ باتیں معلوم ہیں۔

اور یہی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا چوتھا بنیادی مقدمہ تھا۔

الحاصل مولانا کی دلیل جن چھ مقدمات پر مبنی تھی، اُن میں سے چار تو مسلمات عقلیہ اور بالکل بدیہی تھے اور دو محتاج ثبوت تھے سو اُن کو ہم نے بحمد اللہ خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کر دیا اور ہمارے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا کی وہ دلیل جس پر خاں صاحب نے کُفر کا حکم لگایا تھا بجمیع اجزائہ خاں صاحب کو مسلم ہے اور اگر وہی مُوجب کُفر ہو سکتی ہے تو پھر خاں صاحب بھی اس کُفر میں برابر کے حصّہ دار ہیں۔

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

اگرچہ اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق کچھ اور عرض کرنے کی حاجت نہیں رہتی لیکن مزید توضیح کے لیے آخر میں ہم عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی فوٹو پیش کرتے ہیں۔

عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی فوٹو

فرض کیجیے کہ خاں صاحب مولوی احمد رضا صاحب کے کوئی مُرید یا جانشین حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں، اُس پر میں اُن سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں تو آیا کُل غیب کی وجہ سے یا بعض غیب کی وجہ سے۔ اگر کُل غیب کی وجہ سے کہتے ہیں تو وہ تو بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب کے عقلاً و نقلاً باطل بلکہ محال ہے اور اگر آپ بعض غیب کی وجہ سے حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں اور آپ کا یہی اصُول ہے کہ جس کو بھی غیب کی بعض باتیں معلوم ہوں گی تو آپ اس کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر

حضورؐ کی اس میں کوئی تخصیص نہیں رہی کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو تمام مومنین بلکہ تمام انسانوں اور بلکہ تمام کائنات حتیٰ کہ نباتات اور جمادات کو بھی ہے تو آپ کے اِس اصول پر لازم آئے گا کہ آپ دُنیا کی ہر چیز کو عالم الغیب کہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہاں ہم سب کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر بتلایا جائے کہ اس صُورت میں عالم الغیب کہنے میں حضورؐ کی کیا تعریف نکلی جب کہ آپ کے نزدیک سب کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے۔

ناظرین کرام ! غور فرمائیں کہ کیا دُنیا کا کوئی باہوش انسان میرے اس کلام سے یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ معاذ اللہ میں نے دُنیا کی ہر چیز کو علم میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کر دیا۔

اسی کی ایک دُوسری اس سے بھی زیادہ عام فہم مثال ملاحظہ ہو۔ فرض کیجیے کہ کسی مُلک کا بادشاہ بہت بڑا مخیر ہے۔ اس کے یہاں لنگر خانہ جاری ہے اور صبح و شام ہزاروں محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اب کوئی احمق مثلاً زید کہتا ہے کہ میں تو اس بادشاہ کو رازق کہوں گا۔ اُس پر ایک دُوسرا شخص مثلاً عمرو کہے کہ بھائی تم جو اس بادشاہ کو رازق کہتے ہو تو کس وجہ سے ؟ آیا اس وجہ سے کہ وُہ ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے ؟ یا اس وجہ سے کہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے ؟ پہلی شق تو بداہۃً باطل ہے اب رہی دُوسری صُورت یعنی یہ کہ اس بادشاہ کو صرف اس وجہ سے رازق کہا جائے کہ وُہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے تو اس میں اس کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ ایک غریب انسان اور ایک معمولی مزدور بھی کم از کم اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہے اور انسان تو انسان

چھوٹی چھوٹی چڑیاں اپنے بچوں کو دانہ دیتی ہیں، تو پھر تمھارے اس اصول پر چاہیے کہ سب کو رازق کہا جائے الخ غور فرمایا جائے کہ کیا عمرو کے اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ اُس نے اُس مخیر اور فیاض بادشاہ اور ہر غریب انسان اور ہر معمولی مزدور کو بالکل برابر کر دیا، یا اُس نے ہر غریب انسان اور معمولی مزدور کو اس بادشاہ کے برابر فیاض مان لیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا سمجھنے والے کی حماقت ہے۔ بس حفظ الایمان میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں۔

اس کے بعد ہم اہلِ سُنّت کے مسلّم امام علامہ سیّد شریف رحمہ اللہ کی شرح مواقف سے ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو بالکل عبارتِ حفظ الایمان کے مشابہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد کوئی سُنّی مسلمان حفظ الایمان کے متعلق لب کشائی کی جرأت نہ کرے گا کیونکہ حفظ الایمان میں جو کچھ ہے وہ قریب قریب شرح مواقف کی اسی عبارت کا ترجمہ ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت علامہ فرماتے ہیں :

و اما الفلاسفة فقالوا النبي هو	بہرحال فلاسفہ پس وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے
من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز	کہ جس میں تین باتیں خاص طور پر پائی جائیں جن
بها من غيره احدها اى احد	کی وجہ سے وہ نبی غیر نبی سے ممتاز ہو سکے ان
الامور المختصة به ان يكون	میں سے ایک بات یہ ہے کہ نبی کو اطلاع ہونا
له اطلاع على المغيبات الكائنة	چاہیے ان مغیبات پر جو ہوتے ہیں یا ہو چکے
والماضية و الآتية ۔	ہیں یا ہونے کو ہیں۔

اس کے بعد چند سطر میں فلاسفہ کی طرف سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے لیے چنداں مستبعد نہیں۔ اس کے بعد انھیں فلاسفہ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

وکیف یستنکر ذلک الاطلاع فی حق النبی، وقد یوجد ذالک فیمن قلت شواغله لریاضة بانواع المجاهدات او مرض صارف للنفس عن الاشتغال بالبدن و استعمال الآلة او نوم منقطع به احساساته الظاهرة فان هؤلاء قد یطلعون علی مغیبات و یخبرون عنها کما یشهد به التسامع و التجارب بحیث لا یبقی فیه شبهة للمنصفین۔

اور انبیاء علیہم السلام کا ان مغیبات پر مطلع ہونا کیونکر مستبعد ہو سکتا ہے حالانکہ یہ اطلاع علی المغیبات ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جن کے شواغل نفسانی مجاہدوں کی ریاضت یا کسی ایسے مرض کی وجہ سے کم ہوں جو نفس کو اشتغال بالبدن اور آلات کے استعمال سے روکنے والا ہو یا یہ شواغل ایسی نیند کی وجہ سے کم ہوں جس کی وجہ سے اس سونے والے کے احساساتِ ظاہری منقطع ہو گئے ہوں پس تحقیق یہ لوگ (یعنی ریاضیات اور مجاہدے کرنے والے اور مریض جن کو مالیخولیا ہوتا ہے اور سونے والے بھی) کبھی مغیبات پر مطلع ہو جاتے ہیں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے یہاں تک کہ اہلِ انصاف کو اس میں شبہ تک نہیں رہتا۔

یہاں تک تو فلاسفہ کا مذہب اور اس کے دلائل تھے: اس کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ اہلِ سنّت و جماعت کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قلنا ما ذکرتم مردود بوجوه

جو کچھ تم نے کہا چند وجہ سے مردود ہے اس

اذا الاطلاع علی جمیع المغیبات لا یجب للنبی اتفاقا منا و منکم و لهذا قال سید الانبیاء و لو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر و ما مسنی السوء۔ والبعض ای الاطلاع علی البعض لا یختص به النبی کما اقررتم به حیث جوزتموه للمرتاضین و المرضی و النائمین فلا یتمیز به النبی عن غیره

لیے (کہ تمھاری مُراد اس اطلاع علی المغیبات سے کیا ہے، کُل مغیبات پر اطلاع ہونی چاہیے یا بعض پر) کُل مغیبات پر مطلع ہونا تو کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں۔ نہ ہمارے نزدیک نہ تمھارے نزدیک اور اسی وجہ سے جناب رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں نے خیر سے بہت سا جمع کر لیا ہوتا اور مجھ کو بُرائی نہ چھُوتی اور بعض مغیبات پر مطلع ہو جانا نبی کے ساتھ خاص نہیں (یعنی یہ غیر نبی میں بھی پایا جاتا ہے) جیسے کہ خود تم کو اقرار ہے، اس لیے کہ تم اس کو جائز رکھتے ہو۔ ریاضت کرنے والوں کے لیے اور مریضوں کے لیے اور سونے والے کے لیے لہٰذا نبی غیرِ نبی سے ممتاز نہ ہوگا۔

ناظرین بالانصاف غور فرمائیں کہ شرح مواقف کی اس عبارت اور حفظ الایمان کی زیرِ بحث عبارت میں کیا فرق ہے؟

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے اس قدر بیان کے بعد حفظ الایمان کی عبارت پر مخالفین کو کوئی شبہ نہ رہے گا۔ اس کے مزید اتمامِ حجت کے لیے ہم اختصار کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وُہ جواب بھی نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اسی اقرار کی تردید

میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کا یہ فتویٰ ——— "حسام الحرمین" جب شائع ہوا اور اُس سے ایک فتنہ برپا ہُوا تو جناب مولانا سیّد مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولٰنا تھانوی رحؒ کو خط لکھا کہ

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی آپ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے معاذ اللہ حفظ الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور کو حاصل ہے۔ کیا کہیں "حفظ الایمان" میں آپ نے یہ لکھا ہے؟ یا آپ کا یہ عقیدہ ہے؟ اگر آپ کا عقیدہ نہیں تو آپ اس شخص کو کیا سمجھتے ہیں جو ایسا خبیث عقیدہ رکھے" ملخص از بسط البنان

حضرت مولٰنا تھانوی رحؒ جواب دیتے ہیں :

"میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گذرا۔ میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا۔ جیسا کہ اخیر میں عرض کروں گا۔ جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں ...... تو میری مُراد کیسے ہو سکتا ہے جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وُہ تکذیب کرتا ہے نصُوصِ قطعیہ کی اور

تنقیص کرتا ہے حضُور سرورِ عالم فخرِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس کے بعد حضرت مولٰنا مدظلہٗ نے اپنے اُسی گرامی نامہ میں جو اسی زمانہ میں "بسط البنان" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، خاں صاحب کے اس الزام کا تفصیلی جواب بھی دیا ہے اور حفظ الایمان کی زیرِ بحث عبارت کا مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن اب یہاں اس کے نقل کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہم نے جو کچھ اس عبارت کی توضیح میں اوپر لکھا ہے وہ گویا حضرت مولٰنا کے اسی جواب کی شرح ہے۔

ناظرینِ کرام انصاف فرمائیں کہ فاضل بریلوی اپنے فتویٰ کُفر میں صداقت اور دیانت سے کتنے دُور ہیں۔

واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

تکملہ

مُصنّفِ حفظ الایمان کی حق پرستی اور بے نفسی

عبارتِ حفظ الایمان میں ترمیم کا اعلان

حضرات! مولوی احمد رضا خاں صاحب نے "حسام الحرمین" میں "حفظ الایمان" کی طرف ایک کافرانہ مضمون کی نسبت کر کے کفر کا جو فتویٰ دیا تھا اس پر مناظرانہ بحث ختم ہو چکی اور ناظرینِ کرام کو معلوم ہو چکا کہ اس کی حقیقت افترا اور بہتان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اور مصنّفِ حفظ الایمان کا دامن اس ناپاک کافرانہ عقیدے سے بالکل پاک ہے ——— اس کے بعد یہ معلوم کر کے آپ حضرات کو ان شاء اللہ اور زیادہ قلبی اطمینان ہوگا کہ بعض مخلصین نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ جب اس طرف مبذول کرائی کہ "اگرچہ حفظ الایمان کی عبارت واقعہ میں بالکل صحیح اور بے غبار ہے لیکن ناخدا ترس اور غرض پیشہ معاندین اس کے جن الفاظ سے بے چارے نافہم عوام کو دھوکا دیتے ہیں اگر ان الفاظ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ اس کے بعد وہ فتنہ پرداز عوام کو یہ دھوکا بھی نہ دے سکیں تو بے چارے عوام کے حق میں یہ بہتر ہوگا" ——— تو حضرت ممدوح نے مشورہ دینے والوں

کو دُعا دیتے ہوئے دلی مسرت کے ساتھ اس مشورہ کو قبول فرما لیا اور عبارت کو اس طرح بدل دیا کہ قدیم عبارت میں "ایسا علمِ غیب" کے الفاظ سے جو فقرہ شروع ہوتا تھا اُس کے بجائے یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"مطلق بعض عُلُومِ غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں"۔

یہ واقعہ ماہ صفر ۱۳۴۲ھ کا ہے، گویا اب سے قریباً بتّیس[1] سال پہلے "حفظ الایمان" کی عبارت میں یہ ترمیم ہو چکی ہے، اور اس کے بعد سے "حفظ الایمان" اسی ترمیم کے ساتھ چھپ رہی ہے بلکہ اس ترمیم کا پورا واقعہ اور حضرت مصنّفؒ کی طرف سے اُس کا اعلان بھی "تغییر العنوان" کے نام سے "حفظ الایمان" کے ایک ضمیمہ کے طور پر اس کے ساتھ چھپتا رہا ہے

پھر اس کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کے توجہ دلانے پر خود اس ناچیز راقم سطور (محمّد منظور نعمانی) نے حضرت حکیم الامّتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ "حفظ الایمان" کی جس عبارت پر معاندین کا اعتراض ہے اُس کے بالکل ابتدا میں "علمِ غیب کا حکم کیا جانا" کے جو الفاظ ہیں اُس کا مطلب بلاشبہ لفظ علم الغیب کا اطلاق کرنا ہے، جیسا کہ خود اسی عبارت کے سیاق و سباق سے بھی ظاہر ہے اور "بسط البنان" اور "تغییر العنوان" میں حضرت نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ پس اگر اصل عبارت میں بھی یہاں "حکم" کے بجائے "اطلاق" ہی کا لفظ کر دیا جائے تو بات اور زیادہ صاف اور بے غُبار ہو جائے گی حضرت نے بلا تامل اس کو بھی قبول فرما لیا اور اس فقرہ کو اس طرح بدل دیا :

[1] اب قریباً بیالیس برس ہو گئے ہیں۔

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو" الخ اور اس ناچیز سے فرمایا کہ میری طرف سے آپ ہی اس ترمیم کا اعلان بھی کر دیں۔ چنانچہ رجب ١٣٥٤ھ کے "الفُرقان" میں اُسی وقت اس کا اعلان ہو گیا تھا —— بہر حال ان دو ترمیموں کے بعد "حفظ الایمان" کی عبارت اب اس طرح ہے :

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغَیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زَید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غَیب سے مُراد بعض غَیب ہے یا کُل غَیب۔ اگر بعض عُلومِ غَیبیہ مُراد ہیں تو اس میں حضور صلّی اللہ علیہ السّلام کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض علوم غَیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السّلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے کہ سب کو عالم الغَیب کہا جاوے۔"

الغرض ہمارے بزرگوں نے اُن کافرانہ عقیدوں سے اپنی برارت اور اپنی بیزاری کا اعلان بھی کیا جن کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے محض از راہِ عناد اُن کی طرف منسُوب کر کے تکفیر کی تھی اور اسی کے ساتھ اپنی عبارتوں کا وہ صحیح اور واقعی مطلب بھی بیان کیا جس کے سوا اُن کا کوئی اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان میں کوئی بات بھی اسلامی تعلیمات اور عقائدِ اہلِ سُنّت کے خلاف نہیں ہے اور اس سب کے بعد جب بیچارے نافہم عوام کو فتنہ سے بچانے کے خیال سے اللہ کے کسی بندہ نے مخلصانہ طور پر عبارت میں تبدیلی کا کوئی مشورہ دیا تو اس کو بھی بے تامّل اور بلا دریغ قبول فرما کر اپنی عبارت کو بدل بھی دیا —— بلاشبہ یہ ان حضرات کی حق پرستی اور للّٰہیت و بے نفسی کی روشن

دلیل ہے۔ افسوس! کیسے ظالم اور شقی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ان بندوں کو کافر کہتے ہیں ——!

میزان الحق

یعنی

دیوبندی، بریلوی اختلاف کا شرعی فیصلہ

مکمّل تین حصّے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختارِ کل، نور و بشر، یارسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا، بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مُرتّب:

پیر جی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

بحث علم غیب[1] !

علم غیب، علم کل، علم محیط و علم بسیط خاصۂ خدا ہے۔ اللہ عالم الغیب والشہادۃ کے سوا نہ کسی کو علم غیب ہے نہ علم کل، ہر کسی کا علم محدود ہے، غیر محدود و محیط علم ایک اللہ رب العزت کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم قرآن حکیم میں اپنے علم کی وسعت و بیکرانی اور کلیت و ہمہ گیری سے متعلق نہایت بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور بار بار متعدد اسلوب و انداز سے اپنی ذات واحد کے لئے علم غیب و علم کل کا جو اثبات فرمایا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

انداز ۱
علم غیب

۱۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ	پورے قرآن میں	۱۰ بار[2] آیا ہے
۲۔ عَلَّامُ الْغُیُوبِ۔	″	۴[3] ″
۳۔ عَالِمُ الْغَیْبِ	″	۲[4] ″
۴۔ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	″	۴[5] ″

[1] الغیب ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو، اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی غیب بمعنی غائب ہے اور کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے، ورنہ، باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ (المفردات القرآن" امام راغب اصفہانی" لفظ الغیب)

[2] سورہ انعام ع ۹، التوبہ ع $\frac{12}{14}$ رعد ع ۲ مومنون ع ۵، زمر ع ۵ السجدہ ع ۱، آخر حشر، خاتمہ تغابن صرف اعراب میں فرق ہے۔

[3] سورہ مائدہ ع ۱۵، ۱۶، توبہ ع ۱۰، سباء آخری رکوع۔

[4] آخر جن اور سباء ع اوّل اعراب میں فرق ہے۔

۵۔ نَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ۔	(یونس ع ۲)	۱ بار آیا ہے
۶۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ		۱ ″ (نمل ع ۵)
۷۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ (انعام ع ۷)		۱ ″ آیا ہے
میزان =		۲۵ بار ″

انداز ۲
علم کل

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥	پورے قرآن میں	۱۵ بار[1] آیا ہے
۲۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔	″	۴[2] ″ ″
۳۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ٥	(یٰسین ع ۵)	۱ ″
۴۔ وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عَالِمِیْنَ ٥	(انبیاء ع ۶)	۱ ″
۵۔ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۔	(آخر جن، یٰسین ع اوّل)	۳ ″ بنائع ۱[3]
میزان = ۲۵ بار		

انداز ۳
علم محیط[4]

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔	(آل عمران ع ۱۲) (نساء ع ۱۶)	۳ بار[5]
۲۔ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ	(ہود ع ۸)	۱ ″
۳۔ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔	(آخر طلاق)	۱ ″
۴۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۔	(نساء ع ۱۸)	۱ ″
۵۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ۔	(آخر سورہ جن)	۱ ″
میزان =		۷ بار

[1] بقرہ ع ۳، ۲۹، ۳۹، خاتمہ نساء خاتمہ انفال توبہ ع ۱۴ مائدہ ع ۱۳ انعام ع ۱۳، عنکبوت ع ۶ شوریٰ ع ۲، نور ع ۵، خاتمہ نور، حجرات ع ۲، حدید ع اوّل اور مجادلہ ع ۲ ادنیٰ تغیر الفاظ کے ساتھ۔

[2] نساء ع ۵ احزاب ع ۵ دے، فتح ع ۳ ادنیٰ تغیر کے ساتھ۔ [3] الفاظ میں فرق ہے۔

اندازہ[4]

علم وسیع وبسیط[1]

۱۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مومن، رکوع اوّل) ۱ بار

۲۔ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (انعام ع ۹ وطٰہٰ ع ۵ واعراف ع ۱۱) ۳ بار[2]

۳۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ۔ (پ ۷ انعام ع ۷)

اور وہ بر و بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی پتّہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ہے۔ ۱ بار

یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی میں ہے، خشکی تری، زمین آسمان کی کوئی چیز بھی اس کے علم محیط وبسیط سے باہر نہیں۔

۴۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ۔ (پارہ ۱۳۔ رعد۔ ع ۲)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک خاص انداز سے پر ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا اور عالی قدر ہے، تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کرے یا جو پکار کر کہے اور جو شخص رات کو کہیں چھپ جائے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب (خدا کے علم میں) برابر ہیں۔ ۱ بار

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

۵۔ يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ

اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو۔ پھر وہ کسی پتھر کے

[1] بسیط وسیع، کشادہ، پھیلا ہوا، (المنجد) یعنی جس سے کوئی چیز باہر نہ ہو۔
[2] صرف ایک لفظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ط إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ۔ (لقمان ع ۲)

اندر ہو، یا آسمان کے اندر ہو یا زمین کے اندر، (تب بھی) اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین، باخبر ہے۔ ۱ بار

۶۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ۔

اور آپ کے رب (کے علم) سے کوئی چیز ذرّہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں، اور نہ کوئی اس (ذرّہ) سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر یہ سب (بوجہ احاطہ علم الٰہی) کتاب مبین میں ہے، (یعنی لوح محفوظ میں ہے،)

(پارہ ۱۱، یونس، ع ۷، و پارہ ۲۲، شروع سباء[1]) ۲ بار

۷۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (پارہ ۲۰ نمل ع ۶ رکوع)

اور آسمان و زمین میں ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔ ۱ بار

۸۔ إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ

قیامت کا علم خدا ہی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی، اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ ۲ بار

(پارہ ۲۵ شروع و پارہ ۲۲۔ فاطر، ع ۲)

میزان = ۱۲ بار

اندازہ[5]

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب جانتا ہے!

۱۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ (عنکبوت ع ۶ تغابن رکوع اوّل) ۵ بار[2]

۲۔ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (بنی اسرائیل ع ۶) ۱ "

۳۔ قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ (انبیاء ع ۱) ۱ "

۴۔ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (ابراہیم ع ۶ وآل عمران ۱) ۲ "

۵۔ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (فرقان رکوع اوّل) ۱ "

[1] بادنیٰ تغیر الفاظ۔ [2] آل عمران ع ۳، مائدہ ع ۱۳ اور حج ع ۹ میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی الفاظ ہیں۔

۶۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ○ (سباء رکوع اول، حدید رکوع اول)۔ | جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش، پانی) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات، معدنیات) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، یہ سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ ۲ بار

میزان = ۱۲ بار

انداز ۶

متقین و ظالمین، مصلحین و مفسدین، مہتدین و مضلین اور شاکرین و معتدین اللہ سب کو جانتے ہیں!

۱۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران ع ۱۲، توبہ ع ۷) ۲ بار

۲۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (نجم ع ۲) ۱[1] ″

۳۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ (بقرہ ع ۱۱، ع ۳۲، توبہ ع ۷، جمعہ ع اور انعام ع ۵)[2] ″

۴۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ (آل عمران ع ۶، یونس ع ۹)[2] ۲ ″

۵۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (انعام ع ۱۴، نحل ع ۱۶[3]، قلم ع اول[4]، قصص ع ۶[5] و نجم ع ۲[6]) ۵ ″

۶۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ○ (انعام ع ۱۴) ۱ ″

۷۔ (انعام ع ۶، بقرہ ع ۲۷ اور بنی اسرائیل ع ۹ میں شاکرین وغیرہ کے متعلق یہی مضمون ہے) ۳ ″

میزان = ۱۹ بار

انداز ۷

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ

(تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے)

اللہ ہر شخص کو اور اس کی ہر حالت و کیفیت کو جانتا ہے

۱۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ۔ (بنی اسرائیل ع ۶) ۱ بار

۲۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ۔ (نور آخر سورہ) ۱ ″

[1] علیم کی جگہ اعلم ہے [2] بادنیٰ تغیر الفاظ [3][4] مَنْ يَّضِلُّ کی جگہ بِمَنْ ضَلَّ ہے [5] آیت کا صرف آخری حصہ ہے۔ [6] بالمہتدین کی جگہ بمن اهتدیٰ ہے۔

۳۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ (نساء ع ۴، ممتحنہ ع ۲[1]) ۲ بار

۴۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ (نساء ع ۷) ۱ ″

۵۔ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ (یوسف ع ۷) ۱ ″

۶۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ○ (سورہ محمد ع ۲) ۱ ″

۷۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ○ (نساء ع ۶) ۱ ″

۸۔ سورہ توبہ ع ۶، نور ع ۹ عنکبوت ع ۴ احزاب ع ۲ شوریٰ ع ۴ اور خاتمہ ق میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۶ ″

میزان = ۱۴

انداز ۸

اللہ دلوں کے راز جانتا ہے!

۱۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ پورے قرآن میں ۱۲[2] بار آیا ہے

۲۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن ع ۲) ۱ ″ ″

۳۔ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔ ۲[3] ″ ″

۴۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (احزاب ع ۶، نساء ع ۹) ۲[4] ″

۵۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ اَنْفُسِهِمْ۔ (ہود ع ۳، بنی اسرائیل ع ۳) ۳ ″ عنکبوت ع ۱[5]

۶۔ بقرہ ع ۳۰ فتح ۳ اور ق ع ۲ میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۳ ″

میزان ۲۳ بار

انداز ۹

اللہ ظاہر و باطن، خفی و جلی، اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔ ۴[6] بار

۲۔ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ ۳[7] ″

[1] ایک لفظ میں فرق ہے۔ [2] آل عمران ع ۱۶، ۱۷، حدید رکوع اول تغابن رکوع اول، آل عمران ع ۱۲، مائدہ ع ۲ انفال ع ۵ ہود ع ۱ لقمان ع ۳ فاطر رکوع ۳ آخر زمر ع اول شوریٰ ع ۳ اور ملک رکوع اول ادنیٰ فرق کے ساتھ

[3] نمل ع ۶ و قصص ع ۷، [4][5] الفاظ میں فرق ہے۔

[6] بقرہ ع ۹ ہود رکوع اول نحل ع ۳ اور یٰسین رکوع آخر الفاظ میں فرق ہے۔

[7] تغابن رکوع اول نحل ع ۲ و نمل ع ۲ الفاظ میں فرق ہے۔

۳ - اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (پارہ ۳۰ اعلیٰ، طٰہٰ ع اول) ۲ بار [۱]

۴ - وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۳ ″ [۲]

۵ - اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ آخر انبیاء ۱ ″

۶ - يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۔ (انعام ع ۱) ۱ ″

۷ - آل عمران ع ۳ و ۱۷، مائدہ ع ۹ توبہ ع ۱۰، ابراہیم ع ۶، بنی اسرائیل ع ۵ محمد ع ۳ اور ممتحنہ ع اوّل میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۸ ″

میزان = ۲۲ بار

انداز ع ۱۰

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

(اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے)

اللہ اگلے پچھلے سب حالات جانتا ہے

۱ - يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (بقرہ ع ۳۴، طٰہٰ ع ۶، انبیاء ع ۲ اور حج ع آخر) ۴ بار

۲ - قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ۔ (طٰہٰ ع ۲) ۱ ″

۳ - هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (نجم ع ۲) — اور وہ تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ ۱ ″

میزان = ۶ بار

انداز ع ۱۱

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے)

اللہ سب اعمال خیر کو جانتا ہے

۱ - وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ [۳] ۵ بار

۲ - وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ (بقرہ ع ۳) ۱ ″

میزان ۶ بار

[۱] الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ [۲] مائدہ ع ۱۳، نور ع ۴ وبقرہ ع ۴ الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

انداز ع ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۝

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، انہیں دیکھنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے

۱ - اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۳ و ۱۱ و فاطر ع ۴ [۱]، شوریٰ ع ۳ [۲]) ۴ بار

۲ - وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا (بنی اسرائیل ع ۲) ۱ ″

۳ - وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝ (فرقان ع ۵) ۱ ″

میزان = ۶ بار

انداز ع ۱۳

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کو سب اعمال و افعال کا علم ہے!

۱ - وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ پورے قرآن میں ۴ بار آیا ہے [۳]

۲ - اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (نحل ع ۴) ۱ ″

۳ - فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (حج ع ۹، شعراء ع ۱۰ [۴]) ۲ ″

۴ - وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد ع ۴ انعام ع ۱، رعد ع ۶) ۳ ″

۵ - اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (یونس ع ۴ نحل ع ۱۲ [۵]) ۷ ″

۶ - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ (یوسف ع ۹ مومنون ع آخر) ۲ ″

میزان = ۱۹ ″

انداز ع ۱۴

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہیں)

اللہ کو سب اعمال کی خبر ہے

[۱] [۲] تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ۔ [۳] بقرہ ع ۲۹ نور ع ۴ یوسف ع ۲ اور مومنون ع ۴ باد نیٰ تغیر الفاظ [۴] ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔ ایضاً [۵] نور ع ۶ عنکبوت ع ۵ فاطر ع ۲ زمر ع ۷، و شوریٰ ع ۳ تغیر الفاظ۔

۱- وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ (بقرہ ع ۳۰ بقرہ ع ۳۷ آل عمران ع ۱۸ حدید ع اوّل، مجادلہ ع ۲ اور تغابن ع اوّل) ۷ بار

۲- وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ (آل عمران ع ۱۸، توبہ ۲، مجادلہ ع ۲ منافقون خاتمۂ سورہ، اور مائدہ ع ۲، نور ع ۷، حشر ع ۳) ۷ ″

۳- اِنَّہٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ (ہود ع ۱۰، لقمان ع ۳، احزاب رکوع اوّل اور فتح ع ۲) ۴ ″

۴- اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ٥ (نور ع ۴ نمل ع ۷) ۲ ″

۵- اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (نساء ع ۱۴، ع ۹ اور ع ۲۰) ۳ ″

میزان = ۲۳ بار

انداز ع ۱۵

وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ٥

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں)

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں!

۱- وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ ع ۹، ۱۰، ۱۶ اور ۱۸، آل عمران ع ۱۰) ۵ بار

۲- وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (بقرہ ع ۱۰، انعام ع ۱۶) ۲ ″

۳- وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ہود آخری آیت، نمل آخری آیت) ۲ ″

۴- وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراہیم آخری رکوع) ۱ ″

میزان = ۱۰ بار

انداز ع ۱۶

مختصر انداز محض دو الفاظ ہیں اللہ ربّ العزت نے اپنی صفتِ علم کو جو بیان فرمایا ہے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

۱- وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کا ارشاد قرآن کریم میں تقریباً ۷ مقامات پر ہے

۲- علیمٌ حکیمٌ یا علیماً حکیماً یا العلیم الحکیم یا حلیمٌ علیمٌ یا علیمٌ خبیر الحکیم العلیم یا الحکیم الخبیر یا حکیم خبیر کم و بیش ۷۰ مقامات پر ہے

۳- علیم قدیر یا العلیم القدیر یا العزیز العلیم یا الخلاق العلیم علیم حلیم یا علیماً حلیماً یا شاکراً علیماً یا لطیف خبیر وغیرہ ۹ مقامات پر ہے

۴- سمیعٌ علیمٌ یا السمیع العلیم۔ کم و بیش ۲۸ مقامات پر ہے

میزان = ۹۴ بار

انداز ع ۱۷

قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

(ارشاد فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

اللہ سب کچھ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا

فرشتوں سے فرمایا۔ ۱- قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ ع ۴) ۱ بار

صحابہ کرامؓ سے نیز مسلمانوں سے اور اہل کتاب وغیرہ سے فرمایا ۲- وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (بقرہ ع ۲۶ و ع ۳۰- آل عمران ع ۷، نور ع ۲ و نحل ع ۱۰) ۵ ″

رسولِ کریم ﷺ سے فرمایا، ۳- لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ (توبہ ع ۱۳ و انفال ع ۸) ۲ ″

۴- لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰہُ۔ (ابراہیم ع ۲) ۱ ″

۵- وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ (مدثر رکوع اوّل) ۱ ″

۶- نَعْلَمُ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ (فتح ع ۴) ۱ ″

میزان = ۱۱ بار

انداز ع ۱۸

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰہِ۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم (خاص) اللہ کو ہے)

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں

۱- قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰہِ۔ (اعراف ع ۲۳ و احزاب ع ۸ و اعراف ع ۲۳) ۳ بار

۲- اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان آخر سورہ، آخر زخرف) ۲ ″

۳- قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ (ملک ع ۲) ۱ ″

۴- اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا ٥ (النازعات ع ۲) ۱ ″

میزان = ۷ بار

۱؎ واللہ کی جگہ اِنَّ اللّٰہَ ہے۔ ۲؎ الفاظ میں معمولی سا فرق ہے۔

خلاصہ جہاں اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اٹھارہ مختلف اسلوب انداز سے ۴۱ بار اپنے لئے صفتِ علم کا بیان اور علمِ غیب علمِ کُل علم محیط اور علمِ بسیط کا اثبات فرمایا ہے۔ وہاں اپنے سوا کسی برگزیدہ سے برگزیدہ مخلوق کسی فرشتہ یا ولی یا نبی حتیٰ کہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دفعہ بھی اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ الٹا ان سے علم قیامت وغیرہ علوم کی نفی کی ہے علیٰ ہذا تمام ماسوی اللہ کے لئے علم غیب کی نفی فرمائی۔

تمام ماسوی اللہ سے علم غیب کی نفی .

اپنے محبوب و مقبول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اعلان کرایا فرمایا۔

۱۔ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (پارہ ۲۰ نمل ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

ارض و سماء، زمین و آسمان کی کوئی خاکی، نوری یا ناری مخلوق الغیب نہیں جانتی غیب اگر جانتا ہے تو صرف ایک اللہ جانتا ہے۔ علم غیب خاصّہ خدا ہے۔

کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو خود اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا ادّعاءِ باطل کرتے ہیں۔ جن کی زبان پاک سے اللہ رب العزت نے یہ اعلان کرایا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ مگر اللہ! ——— تو عالم الغیب ہونے کی صفت اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق کے لئے ثابت نہیں۔ ارشاد فرمایا:۔

۲ - وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَآ اِلَّا ھُوَ۔ (پارہ ۷۔ انعام ع ۷)

اور غیب کی کنجیاں (یا خزانے) اللہ ہی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا

تو غیب کے خزانے اور کنجیاں سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اور کسی کو ان تک رسائی نہیں، غیب صرف اللہ جانتا ہے، اس کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں

نبیؐ کریم بھی عالم الغیب نہیں منصب رسالت کے فرائض و وظائف انذار و تبشیر ——— کی ادائیگی و سرانجامی

کے لئے نہ تو ملک واختیار کی ضرورت ہے اور نہ ہی علم غیب کی۔ یہ دونوں صفات ذات پاک رب العزت کے لئے خاص ہیں۔ نبیؐ کریم اپنی ذات کے لئے ان دونوں صفتوں کی نفی فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

۳۔ قُلْ لَآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ پارہ ۹۔ اعراف ع ۲۳

آپ کہہ دیجئے میں اپنی ذات کے لئے (بھی) نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت مجھے مس نہ کرتی۔ میں تو محض اہل ایمان کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

علم قیامت کے ساتھ چند اور علوم کی تمام نفوس و ذوات سے نفی ہو رہی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۴ - اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ (آخر لقمان)

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا ہے۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا، سب خبر رکھنے والا ہے۔

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ان پانچ باتوں کو نہ تو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی برگزیدہ نبی، اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ ان میں سے کوئی بات جانتا ہے تو اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ قرآن کی مخالفت کی، ھٰذِہٖ خَمْسَۃٌ لَا یَعْلَمُھَا مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّصْطَفٰی فَمَنِ ادَّعٰۤی اَنَّہٗ یَعْلَمُ شَیْئًا مِّنْ ھٰذِہٖ فَاِنَّہٗ کَفَرَ بِالْقُرْاٰنِ لِاَنَّہٗ خَالَفَہٗ۔ [1]

---

[1] خازن مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۴ تفسیر اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ
خازن علامہ علاؤ الدین ... [illegible]

ب - حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ،۔ جس نے تجھے خبر دی کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا یا کلام اللہ میں سے کوئی بات چھپا لی۔

اَوْ یَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِیْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ... فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَۃَ

یا پانچ باتیں جانتا ہے جو اللہ تعالٰے نے اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ میں فرمائی ہیں تو اس نے بہت ہی بڑا افتراء کیا (ترمذی)[1]

ج - اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

مَنْ حَدَّثَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّہٗ فَقَدْ کَذَبَ وَھُوَ یَقُوْلُ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَمَنْ حَدَّثَکَ اَنَّہٗ یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ کَذَبَ ھُوَ یَقُوْلُ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ[2]

جو تجھ سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار اور جس نے تجھ سے بیان کیا آپؐ غیب جانتے ہیں تو بیشک اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لایعلم الغیب الا اللہ۔

د - اور بروایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ خَمْسٌ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا اللّٰہُ، لَا یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ اِلَّا اللّٰہُ وَمَا یَعْلَمُ مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی یَاْتِی الْمَطَرُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا اللّٰہُ[3]

غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل[1] کیا ہوگا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو رحم[2] میں ناکمل بچے ساقط ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ بارش[3] کب ہوگی، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں[4] مرے گا اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے کہ قیامت[5] کب ہوگی۔

[1] "مشکوۃ المصابیح"، باب رویتہ اللہ تعالی۔ [2] صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالی عالم الغیب

صرف پانچ باتوں کا نہیں بلکہ کسی غیب کی بات کا بھی کسی کو علم نہیں

یہاں یہ مراد نہیں کہ صرف ان پانچ باتوں کا علم اللہ کے سوا دوسرے کسی کو نہیں اور ان کے علاوہ دوسری غیب کی باتوں کا علم لوگوں کو ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ غیب کی کسی بات کا بھی کسی کو کوئی علم نہیں۔

یہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے ایک بڑی عجیب اور صحیح بات فرمائی ہے ، کہ ،۔

جب قیامت[1] کے وقت کی خبر کسی کو نہیں جس کا آنا بہت مشہور اور نہایت یقینی ہے تو اور کسی چیز کے ہونے کی خبر کسی کو کیا ہوگی جیسے کسی کی فتح، شکست، بیماری تندرستی وغیرہ، کہ یہ باتیں نہ تو قیامت کے برابر مشہور ہیں نہ ویسی یقینی !

اسی طرح مینہ[2] برسنے کے وقت کی خبر کسی کو نہیں حالانکہ اس کا موسم معلوم ہے، اور نبی، ولی، بادشاہ، حکیم سارے اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔

پھر ایسی چیزوں کا علم کسی کو کیا ہوگا جن کا نہ تو موسم معلوم ہے اور نہ سب لوگ مل کر ان کی خواہش رکھتے ہیں مثلاً مرنا، جینا، اولاد کا ہونا، یا غنی یا فقیر ہونا۔

اسی طرح جب کسی کو یہ علم نہیں کہ مادہ[3] کے پیٹ میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ؟ ایک ہے یا دو کامل ہے یا ناقص خوبصورت ہے یا بدصورت حالانکہ حکیم لوگ ان سب چیزوں کے اسباب لکھتے ہیں تو آدمی کے دل و دماغ میں اور مخفی چیزوں کا کسی کو کیا علم ہوگا مثلاً خیالات، ارادے، اور نیتیں اور ایمان اور نفاق اسی طرح جب کسی کو اپنا حال معلوم نہیں کہ کل[4] کیا کرے گا تو وہ دوسرے کے حالات کا علم کیسے رکھ سکتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کو اپنی موت کا علم نہیں کہ کس جگہ[5] آئے گی تو دوسروں کی موت وحیات، وغیرہ کا کسی کو کیا علم ہوگا۔

غرض کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ آئندہ کی بات اپنے اختیار سے

نہیں جان سکتا۔[1]

۵۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ (پارہ ۳۔ آیۃ الکرسی)	اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب اس کے معلومات میں

سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر جتنا وہی چاہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور کامل ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا بھی علم کامل اور محیط نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر علم دینا چاہتے ہیں۔ دے دیتے ہیں۔

۶۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (پارہ ۱۶۔ طٰہٰ۔ ع ۶)	اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

خدا کا علم ساری مخلوق کو محیط ہے۔ اور کسی کا علم اللہ رب العزت کی ذات کا یا اس کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب کا علم محدود ہے اور اتنا ہے جتنا اللہ رب العزت نے کسی کو دیا ہے۔

اطلاع علی الغیب

علم غیب تو کسی کو حاصل نہیں غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی مخلوق کی ان تک رسائی اور دسترس نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض غیوب پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (پارہ ۴۔ آل عمران ع ۱۸)	اور اللہ تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں۔

[1] "تقویۃ الایمان" فصل دوم شرک فی العلم کی برائی۔ "تقویۃ الایمان" توحید کی حقیقت اور شرک کی مذمت میں حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تالیف ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے حضرت شاہ عبد العزیزؒ اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے بھتیجے اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کے صاحبزادے ہیں، اسلامی حکومت کے قیام کی مسلح جد و جہد میں سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو جام شہادت نوش کیا۔ رحمہم اللہ۔

عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب پر اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو غیب کی جس بات پر چاہیں اطلاع دے دیتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا (آخر سورۂ جن)	(اللہ) عالم الغیب ہے۔ سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اس کے آگے اور پیچھے محافظ (فرشتے) چلاتا ہے۔

تو غیب حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ اپنے برگزیدہ و پسندیدہ۔ رسولوں کو اپنے غیب کی جس بات پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ اور یہ اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہے اور وحی کے ساتھ فرشتوں کا چوکی پہرہ ہوتا ہے۔

غیب کیا ہے اور کیا نہیں

۱۔ الحافظ العلامۃ الحبر المحقق حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ) "شرح عقائد" کی شرح میں رقم فرماتے ہیں کہ:۔

مسئلہ علم غیب میں عوام کے لئے بحث منقح نہیں۔

وَالتَّحْقِیْقُ اَنَّ الْغَیْبَ مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِّ وَالْعِلْمِ الضَّرُوْرِیِّ وَالْعِلْمِ الْاِسْتِدْلَالِیِّ وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْاٰنُ بِنَفْیِ عِلْمِہٖ عَمَّنْ سِوَاہُ تَعَالٰی فَمَنِ ادَّعٰی اَنَّہٗ یَعْلَمُہٗ کَفَرَ وَمَنْ صَدَّقَ الْمُدَّعِیَ کَفَرَ وَاَمَّا مَا عُلِمَ بِحَاسَّۃٍ اَوْ ضَرُوْرَۃٍ اَوْ دَلِیْلٍ فَلَیْسَ بِغَیْبٍ وَلَا کُفْرَ فِیْ دَعْوَاہُ وَلَا فِیْ تَصْدِیْقِہٖ عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ

تو غیب وہ ہے جو حواس ظاہری سمع و بصر سے غائب ہو اور علم ضروری و وحی و الہام اور علم استدلالی علامات و دلائل پر اس کی بنیاد نہ ہو، کتاب اللہ اور ارشادات و احادیث نبویؐ میں اللہ کے سوا جس علم غیب کی نفی فرمائی گئی ہے وہ یہی علم غیب ہے اور اس کا مدعی و مصدق بالاتفاق کافر ہے۔ لیکن جو امور سمع و بصر سے محسوس و مدرک ہوں یا وحی یا الہام یا علامات و دلائل سے معلوم ہوں وہ غیب

نہیں اور نہ ہی ان سے متعلق علم، علم غیب ہے، مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء اللہ کی پیش گوئیاں یا خبریں علم غیب میں داخل نہیں کیونکہ یہ وحی و الہام سے مستفاد ہیں، لہٰذا ان کا مدعی و مُصدق کافر نہیں۔

۲ - نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات متعلقہ غیب سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:۔

فَلَا يُنَافِي الْآيَاتُ الدَّالَّةُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِأَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ فَكُلُّ مَا وَرَدَ عَنْهُ مِنَ الْغُيُوبِ لَيْسَ هُوَ إِلَّا عَنْ إِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالَى بِهِ[1]

جو آیات علم غیب کی نفی پر دلالت کرتی ہیں وہ اس کی تردید نہیں کرتیں کیوں کہ آپؐ کے علم (غیب) کی نفی بغیر واسطہ کے ہے اور حضرتؐ سے غیب کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کے آپؐ کو (بذریعہ وحی وغیرہ) علم دینے کی بناء پر ہیں (یعنی واسطے سے ہیں)۔

ان تصریحات سے جہلاء کے اس اشکال و اعتراض کا بھی دفعیہ ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تو غیر ممالک کی خبریں دیتے ہیں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ یا "محکمہ موسمیات" جو بارش وغیرہ سے متعلق مستقبل کی خبریں دیتا ہے وہ عموماً سچی نکلتی ہیں۔ تو ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا محکمہ موسمیات یہ واسطہ و ذریعہ اور دلیل و علامات سے بات کرتے ہیں، اور علم غیب وہ ہے جو کسی واسطے یا ذریعے یا علامت و دلیل کے بغیر ہو۔

ٹھنڈی ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چل رہی ہے، گھنگھور گھٹا چھائی ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ بارش ہو گی، تو یہ علم غیب نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد تو حواس اور علم استدلالی پر قائم ہے۔ جب بارش کی علامات ظاہر و موجود ہیں تو بارش ہو گی، اسی طرح اگر ایک قابل و ماہر طبیب نبض دیکھ کر مریض کا حال اور اس کے مرض کی کیفیت بتا دیتا ہے تو اس کی بنیاد اس کے علم و استدلال پر قائم ہے۔ لہٰذا یہ علم غیب نہیں۔

۱ - چنانچہ رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) رحمہما اللہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] حاشیہ "نبراس"، ص ۵۷۴

وبالجملة العلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالى لا سبيل للعباد إليه إلا بإعلام منه أو إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك .... [1]

۲ - اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے:۔

يَكْفُرُ بِقَوْلِهِ أَنَا أَعْلَمُ الْمَسْرُوقَاتِ أَوْ أَنَا أُخْبِرُ عَنْ أَخْبَارِ الْجِنِّ إِيَّايَ وَأَمَّا مَا وَقَعَ لِبَعْضِ الْخَوَاصِّ كَالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ بِالْوَحْيِ أَوِ الْإِلْهَامِ فَهُوَ بِإِعْلَامٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى فَلَيْسَ مِمَّا نَحْنُ فِيهِ[2]

کوئی شخص کہے کہ میں چوری شدہ مال کو جانتا ہوں اور میں ان خبروں کی بناء پر بات کرتا ہوں جو مجھے جنّ دیتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور بعض خواص جیسے حضرات انبیاءؑ و اولیاء سے ثابت ہے وہ وحی یا الہام کے ساتھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم دینے کی بناء پر ہے اس سے ہماری بحث نہیں۔

تو اللہ ربّ العزّت اپنے رسولِ معصومؐ کو یا اولیاء کرام کو وحی و الہام سے بطور معجزہ و کرامت جو کچھ بتلا یا دکھلا دیں، اس میں بحث نہیں، کیونکہ وہ علم غیب نہیں، ہاں وحی یا الہام وغیرہ کے واسطہ کے بغیر غیب کا علم، علم غیب ہے اور بحث اسی میں ہے اور یہ خاصۂ خدا ہے۔ کسی غیر اللہ۔ نبی یا ولی کے لئے اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

خلاصہ علم غیب وہ ہے جو عادی وسائل و اسباب اور وسائط کے بغیر از خود ہو اور جو علم، وسائل و ذرائع اور وسائط سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں۔ خواہ وہ وسائل و ذرائع حسّی و ظاہری ہوں خواہ باطنی و معنوی، یعنی خواہ حواس، علامات تجربے اور عقل و خرد سے وہ علم حاصل ہو خواہ وحی یا کشف و الہام سے، وہ علم غیب نہیں ہے۔

انتباہ:۔ فقہاء امّت کے اس فتویٰ میں ان لوگوں کے لئے عظیم انتباہ ہے۔ جو بعض ٹھگوں کے پاس جا کر اپنے مال مسروقہ کا اتہ پتہ پوچھتے ہیں اور وہ عیّار، دنیا دار، چالاک و مکّار لوگ جنّوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے یا مٹی کا (وضو کرنے والا) لوٹا گھمانے کا ڈھونگ رچا کر ان جاہل مسلمانوں کے مال کے ساتھ ان کے متاع ایمان پر بھی

---

[1] شرح فقہ اکبر، ص ۵۵، "و شرح العقائد"، ص ۴۷ د، [2] و "شامی"، جلد ۳، کتاب الجہاد، باب المرتد

ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صراحت سے ان ٹھگوں کی تکفیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائیں۔

حضرات فقہاء و محدثین اور ائمہ علم کلام رحمہم اللہ نے بذریعہ وحی و الہام جس اطلاع علی الغیب پر بحث کی ہے۔ خود لسانِ رسالت سے اس کا بیان وارشاد ملاحظہ ہو:

امام ابن اسحاق[1] رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

غزوۂ تبوک میں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی، آپ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے، زید بن اللصیت (منافق) کہنے لگا محمدؐ تو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور تمہیں آسمانوں کی خبر دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے!

(اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰہُ وَقَدْ دَلَّنِیَ اللّٰہُ عَلَیْھَا وَھِیَ فِیْ ھٰذِہِ الْوَادِیْ فِیْ شِعْبِ کَذَا۔ وَکَذَا قَدْ حَبَسَتْھَا شَجَرَۃٌ بِزِمَامِھَا۔

واللہ میں نہیں جانتا مگر وہ جس کا اللہ مجھے علم دیتا ہے۔ اور ابھی اللہ نے مجھے دکھلایا ہے کہ وہ اس وادی میں اس درّہ میں موجود ہے درخت کی شاخ میں اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔[2]

اگر اللہ ربّ العزّت اپنے محبوب رسولؐ کو یا غیر رسول کو بھی بطور معجزہ و کرامت کسی غیب پر اطلاع دے دیں، تو اس کا انکار نہیں۔ یہ خود کتاب وسنّت سے بصراحت ثابت ہے، اور یہ وحی والہام کے واسطہ وذریعہ سے جو علم وخبر کسی نبی یا ولی کو حاصل ہوگی، یہ غیب نہیں، اور جو غیب ہے۔ یعنی بغیر واسطہ وذریعہ، بغیر علامت و دلیل غیر مشہود و غیر موجود حقائق واشیاء کا علم، یہ خاصّۂ خدا ہے۔ یہ نہ کسی آسمان

---

[1] امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۱ھ) سیرت ومغازی کے مسلّم امام ہیں، بڑے جلیل القدر محدّث ہیں، تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انسؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

[2] "سیرت ابن ہشام"، مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۶۶ ذکر غزوۂ تبوک۔ اصابہ جلد اوّل نمبر ۲۹۲۳، اصابہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی صحابہ کرامؓ کے حالات پر بڑی عجیب یکہ بے نظیر کتاب ہے، ہزاروں صحابہؓ وصحابیاتؓ کے مفصّل حالات پر مشتمل ہے۔ شیخ الاسلام بڑے بلند پایہ محدّث اور عظیم وجلیل مصنّف ہیں۔ رحمہ اللہ۔

والے کو حاصل ہے نہ زمین والے کو، نہ نبی کو نہ ولی کو، نہ کسی فرشتے کو اور نہ ہی کسی اور کو۔

سنّتِ رسولؐ سے رسول کریمؐ کے علم غیب و علمِ کُل کی نفی

کتاب اللہ کے بعد اب سُنّتِ رسولؐ سے علمِ غیب و علمِ کُل کا خاصّۂ خدا ہونا اور غیر اللہ سے اس کی نفی ملاحظہ ہو۔ نبیؐ کریمؐ نے خود اپنے لئے علمِ غیب و علمِ کل کی ہر موقع پر صراحت سے نفی فرمائی ہے۔ چند احادیث پیش ہیں:

۱۔ بروایت رُبَیّع بنت معوذؓ۔ ان کی شادی کے موقع پر نبیؐ کریمؐ کی موجودگی میں انصار کی بچیاں دُف بجا کر ان کے آبا کے مناقب پڑھ رہی تھیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، ان بچیوں میں سے ایک نے کہہ دیا: وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ کہ ہم میں نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فوراً فرمایا:

دَعِیْ ھٰذِہٖ وَقُوْلِیْ بِالَّذِیْ کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ۔ رواہ البخاری۔[1]

اس بات کو چھوڑ دو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔

اللہ اکبر، مجلس تعلیم وتعلّم نہیں بلکہ محفل فرح وسرور ہے، پھر کہنے والی ایک معصوم لڑکی ہے، کوئی "شیخ الحدیث" یا علامہ نہیں، پھر بات گیت کے ایک مصرعہ کی ہے، کسی عقیدہ وایمان سے متعلق کوئی عبارت نہیں مگر اللہ کے محبوب رسولؐ اس ایک کلمہ کو بھی برداشت نہ فرما سکے اپنے متعلق علم غیب کی ذرا سی نسبت کی بھی اجازت نہ دی اور فوراً منع فرما دیا کہ یہ نہ کہو۔ اسے چھوڑ دو۔ اللہ اللہ!

۲۔ بروایت خارجہؓ بن زیدؓ۔ ایک انصاری بی بی حضرت اُمّ العلاءؓ صحابیہ نے انہیں خبر دی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب انہیں غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے کہا ابو سائب (یہ حضرت عثمانؓ کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت! میں تمہارے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے سرافراز فرمایا ہو گا اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور

ان کو سرافراز فرمایا ہوگا، میں نے عرض کیا- یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، (اگر ان کو نہیں) تو پھر اللہ تعالیٰ اور کس کو نوازے گا؟ ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم! ان کی وفات ہوگئی اور خدا کی قسم مجھے بھی ان کے متعلق خیر کی اُمید ہے مگر،

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاذَا یُفْعَلُ بِیْ۔ رواہ البخاری [1]

خدا کی قسم! گو میں اللہ کا رسول ہوں مگر میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا

۳- بروایت اُبَیّؓ بن کعب، نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔.... خضر نے کہا، یاموسیٰ! جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ آپ نہیں جانتے- اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے وہ میں نہیں جانتا..... پھر جب دونوں سمندر کے اندر کشتی میں سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی- اور سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں تو (حضرت) خضر نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السّلام) سے کہا۔-

مَانَقَصَ عِلْمِیْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِی الْبَحْرِ [2]

میرے اور آپ کے (دونوں کے) علموں نے (مل کر بھی) اللہ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی مگر سمندر سے اس چڑیا کی ایک چونچ برابر- (یعنی کوئی کمی نہیں کی)

اس حدیث پاک سے دو باتوں کا علم ہوا ایک تو یہ کہ نبی کا علم ہو یا غیر نبی کا- خضر کا علم ہو یا موسیٰ کا (علیہما السّلام) یہ اللہ تعالیٰ کا عطاء فرمودہ ہے، جس کو جو علم دیا ہے اللہ نے دیا ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ حضرات انبیاءؑ و اولیاء کے جملہ علوم جزئی ہیں، یہ سب علوم مل ملا کر بھی علم الٰہی کے مقابلے میں کوئی حیثیّت نہیں رکھتے، انہیں اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو سمندر سے ایک قطرہ کو ہے، اللہ کا علم کلّی ہے محیط ہے- وسیع و بسیط ہے-

۴- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رات کو سوتے میں کروٹ بدلی تو اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور کا دانہ پایا- اسے اُٹھایا اور تناول فرمالیا، پھر باقی رات آپ تکلیف سے پیچ وتاب کھاتے رہے آپ کو نیند نہ آئی آپ نے اپنی کسی زوجہؓ کو یہ کیفیت بیان کی اور فرمایا۔-

[1] "ترجمان السنّۃ"، جلد دوم حدیث نمبر ۱۰۸- [2] صحیح بخاری کتاب العلم باب مایستحب للعالم

اِنِّیْ وَجَدْتُ تَمْرَةً تَحْتَ جَنْبِیْ فَاَكَلْتُهَا ثُمَّ تَخَوَّفْتُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ [1]

میں نے اپنے پہلو تلے ایک کھجور کا دانہ پڑا پایا اور اسے کھالیا- اب مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ صدقہ کے مال میں سے نہ ہو۔

اللہ اللہ! کھجور کھا تو لی مگر اس خوف سے کہ مبادا یہ عشر کے مال میں سے ہو جو عموماً آپ کے دولت کدہ میں جمع ہوتا اور پھر مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا- اس فکر سے آپ کی نیند اُچاٹ ہوگئی، شب بھر آپ پیچ وتاب کھاتے رہے- یہ ساری کیفیت اس بات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے پیش آئی کہ وہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ کی ہے تو حضرت تناول ہی نہ فرماتے اور اگر علم ہوتا کہ صدقہ کے مال میں سے نہیں تو رات بھر پریشان اور فکر مند اور بے چین نہ رہتے- صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

۵- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک راستے سے گزرے تو آپ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی ارشاد فرمایا۔-

لَوْلَا اَنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا (متفق علیہ)

اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہوگی تو میں اسے کھالیتا (صحیح بخاری، صحیح مسلم [2])

تو آپ نے اس عدم علم و یقین کی وجہ سے کہ وہ کھجور صدقہ کی نہیں، کھجور کو تناول نہ فرمایا- اگر مال صدقہ میں سے نہ ہونے کا یقین ہو جاتا تو تناول فرما لیتے۔

۶- حضرت عُبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں، مسلمانوں میں سے دو شخص باہم جھگڑنے لگے تو آپ نے فرمایا۔- میں آیا تھا تاکہ تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دوں لیکن فلاں فلاں باہم جھگڑنے لگے۔

فَرُفِعَتْ وَعَسٰی اَنْ یَّكُوْنَ خَیْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِی التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ (رواہ البخاری [3])

لہٰذا اس کی تعیّن اُٹھالی گئی- اور شاید یہ تمہارے لئے بہتر ہو- پس تم اسے پچیسویں ۲۵، ستائیسویں اور انتیسویں ۲۹ (شب) میں تلاش کرو۔

۷- حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے ارشاد فرمایا۔-

[1] "طبقات ابن سعدؒ"، جلد اوّل ص ۳۹۰- [2] "مشکوٰۃ المصابیح"، باب من لا تحل لہ الصدقۃ
[3] "مشکوٰۃ المصابیح"، باب لیلۃ القدر، مؤطا مالکؒ میں یہ روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

اُرِیتُ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ ثُمَّ اُنسِیتُھَا فَالْتَمِسُوھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوھَا فِی کُلِّ وِتْرٍ (متفق علیہ) [1]

مجھے یہ رات بتلائی گئی تھی پھر میں اسے بھول گیا۔ پس تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالکؒ اور ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۸۔ ایک روایت میں ہے، ارشاد فرمایا،۔

اِنِّی اُرِیتُ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ وَاِنِّی نُسِّیتُھَا فَالْتَمِسُوھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِی وِتْرٍ [2]

بے شک مجھے لیلۃ القدر بتلائی گئی تھی۔ مگر وہ بھلا دی گئی۔ پس اب تم اسے (رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔

یہ عظیم رات جو ہزار مہینوں سے بھی قدر و عظمت میں خیر و افضل اور برتر ہے۔ اُمت کو آپ متعین کر کے نہ بتلا سکے کہ کون سی رات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا قطعی علم عطا نہیں فرمایا۔ عطاء فرمایا بھی تھا مگر دو مسلمانوں کے باہمی نزاع کی وجہ سے وہ علم واپس لے لیا گیا۔ اب آپ نے اندازہ سے فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ کیونکہ رمضان المبارک میں اس کا ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ باقی قطعی تاریخ کا تعین آپ نے نہ فرمایا۔

۹۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپؐ نے (سنہ ۱۰ھ) عاشورا (۱۰ محرم) کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،۔

لَئِنْ بَقِیتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُومَنَّ التَّاسِعَ۔ رواہ مسلم [3]

اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا (تاکہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہو جائے۔) مگر آپ اگلے سال تک زندہ نہ رہے، ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہی میں وفات پا گئے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

[1] "مشکوٰۃ المصابیح"، باب لیلۃ القدر۔

[2] صحیح بخاری باب الاعتکاف وخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عشرین۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح"، باب صیام التطوع۔

تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاتِ شریفہ اور رحلتِ مبارکہ کا بھی علم نہیں آپ فرما رہے ہیں کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ مگر خالق و مالک جل جلالہ کی طرف سے پیغامِ وصال آ پہنچا اور آپ (۱۰ محرم سے ۱۲ ربیع الاول تک) صرف دو ماہ بعد ہی اپنے ربِّ اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلاصہ کتاب اللہ کی متعدد نصوص قطعیہ کے بعد سنتِ رسول سے نو ۹ بار خود نبی الانبیاء سید المرسلینؐ کی ذات پاک کے لئے علم غیب و علم کل کی نفی ثابت ہے۔ اس کے بعد اور کون ماں کا لال ہے۔ جس کے لئے علم غیب کا دعویٰ کیا جائے۔

فقہاء اسلام غیر اللہ حتیٰ کہ رسول کریمؐ کے لئے علم غیب کے مدعی کو کافر کہتے ہیں!

کتاب و سنت کے بعد اس مسئلہ سے متعلق فقہاء امت کے اقوال درج ذیل ہیں۔

۱۔ امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بہ قاضیخان (المتوفی سنہ ۵۹۲ھ) رقمطراز ہیں:۔

ایک شخص نے ایک عورت سے (گواہوں کے بغیر) اللہ اور رسولؐ کو گواہ بنا کر نکاح کیا، یہ باطل ہے .....

وبعضھم جعلوا ذلک کفرا لانہ یعتقد ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو کفر (فتاویٰ قاضی خاں جلد اول کتاب النکاح)

اور بعض نے اسے کفر قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، اور یہ کفر ہے۔

۲۔ علامہ زین الدین ابن نجیم المصری (المتوفی سنہ ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں،۔

لَوْ تَزَوَّجَ بِشَھَادَۃِ اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ لَا یَنْعَقِدُ النِّکَاحُ وَیَکْفُرُ لِاعْتِقَادِہٖ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ (بحر الرائق جلد ۳ ص۱۶)

[1] فقہ حنفی کے مشہور فتاوی "تاتارخانیہ" میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں۔ اور "خزانۃ المفتیین"، "بزازیہ"، "مجمع البحار"، "شامی" وغیرہ میں بھی!

۳- السلطان العادل اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے مرتب کرائے ہوئے فتویٰ میں ہے:۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاَۃً وَلَمْ یَحْضُرِ الشُّھُوْدُ وَقَالَ۔

خدائے را اور رسول را گواہ کردیم ..... یکفر (" فتاویٰ عالمگیری " جلد ۲ ص۲۱۲)

۴- نیز امام فقیہ علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ (المتوفی ۵۹۳ھ) اپنی کتاب تجنیس ص۲۹۶ پر، علامہ طاہر بن احمد (۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ ص۳۵۴ پر، امام عبد الرحیم (۵۶۱ھ) فصول عمادیہ ص۶۴ پر امام محمد بن محمد الخوارزمی المعروف بالبزازی (۸۲۷ھ) فتاویٰ بزازیہ ص۳۲۵ پر اور محدث کبیر علامہ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص۵۲ پر امام ابن ہمام محمد بن عبد الواحد (۸۶۱ھ) مسائرہ جلد ۲ ص۸۸ مع المسامرہ پر اور علامہ ابن عابدین الحنفی (۱۲۵۲ھ) شامی جلد ص۳۰۶ اور دوسرے جلیل القدر و شہرہ آفاق فقہاء اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا وہ کافر ہے۔ حتیٰ کہ "مالا بدّ منہ ص۱۲۶ پر خاتم الفقہا حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) رحمۃ اللہ بھی یہی لکھتے ہیں۔ [1]

۵- امام الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۶ھ) احناف کے چوٹی کے امام و فقیہہ امام ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) سے شرح فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ لَمْ یَعْلَمُوا الْمُغِیْبَاتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْیَانًا وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّۃُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ لِمُعَارَضَۃِ قولہ تعالیٰ قل لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کذا فی المسامرہ [2]	جان لو کہ بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے اس کے جو علم اللہ تعالیٰ انہیں کبھی دیدے اور احناف نے صراحت کے ساتھ اس (اعتقاد رکھنے والے) کی تکفیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ بایں وجہ کہ (یہ اعتقاد) قولہ تعالیٰ قل لا

یَعْلَمُ مَنْ ..... اِلَّا اللّٰہُ (الآیۃ) کے معارض و مقابل ہے یہ مسائرہ میں ہے۔

(جو امام ابن ہمام کی تالیف ہے)۔

[1] یہ تمام تفصیلات حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر کی تالیف "بزہۃ النواظر" ...

شریعت نے تو اس معاملہ میں یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاند کے گرد ہالہ دیکھ کر علم غیب کا مدعی بن کر کہے کہ بارش ہوگی تو وہ بھی کافر ہوگیا۔

یکفر بقولہ عند رویۃ الدائرۃ التی تکون حول القمر یکون مطرًا مدعیًا علم الغیب کذا فی بحر الرائق [1]

۶- امام الاحناف حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

ذُکِرَ فی الفتاویٰ اِن قول القائل عند رویتہ ھالۃ القمر یکون مَطَرًا مدعیًا علم الغیب لا بعلامۃ منہ کفرٌ [2]	جس نے چاند کے گرد دائرہ دیکھ کر بارش کی علامت کے طور پر نہ بلکہ علمِ غیب کا مدّعی بن کر کہا کہ بارش ہوگی۔ یہ کفر ہے۔

کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم

۷- فقیہ کبیر قاضی خاں رحمۃ اللہ، الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ، ایک شخص نے کہا۔

اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ ... ھٰذا القائل وَمَنْ صدّقہ یکون کافرًا	میں چوری شدہ مال کا علم رکھتا ہوں یہ دعویٰ کرنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا کافر ہوگیا۔

ان سے کہا گیا کہ وہ قائل کہتا ہے کہ جنّ مجھے خبر دیتے ہیں اور میں ان کی خبر کی بناء پر کہتا ہوں تو فرمایا:۔

ھُوَ وَمَنْ صَدَّقَہٗ یَکُوْنُ کَافِرًا بِاللّٰہِ لقولہ علیہ السلام مَنْ اتی کاھنًا فَصَدَّقَہٗ فیما قَالَ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لا یعلم الغیب الا اللّٰہ لا الجنّ ولا الانس یقول اللّٰہ تعالیٰ فِی الْاَخْبَارِ عَنِ الْجِنِّ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ	وہ کافر ہوگیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ بھی اللہ کا منکر ہوگیا، کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے جو کچھ محمدؐ پر نازل ہوا، اس کا انکار کیا۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ نہ کوئی جنّ اور نہ ہی کوئی انسان اللہ تعالیٰ جنوں کے حالات سے متعلق (قرآن میں)

اَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۔ ؁۲
....

فرماتے ہیں: فَلَمَّا تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ ...... یعنی جب (حضرت سلیمانؑ بعد وفات عصاء کے دیمک خوردہ ہونے پر) گر پڑے تب جنّات کو حقیقت معلوم ہوئی اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلّت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والوں کو کہا جاتا ہے۔ منجّم اور رمّال کا بھی یہی حکم ہے عہد جاہلیت میں ان لوگوں کا رام راج تھا۔ اب بھی جاہل لوگ کاہنوں وغیرہ کے پاس جاکر اپنے متعلق مستقبل کی خبریں پوچھتے ہیں گم شدہ یا چوری کردہ مال کا پتہ نشان پوچھتے ہیں۔ اور ان کا ”حق الخدمت“ ادا کرتے ہیں۔ نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان لوگوں کے پاس جاکر غیب سے متعلق خبریں دریافت کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ ...... فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ؁۳
رواہ احمد و ابوداؤد۔

جو شخص کاہن کے پاس جائے اور (غیب سے متعلق) اس کی باتوں کی تصدیق کرے .... تو جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا۔ وہ اس سے بری ہوا۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے الفاظ ہیں۔

حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مطابق حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔

؁۱ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لگا لیا اور تخت پر بیٹھ گئے، اسی حالت میں روح اقدس قبض ہوگئی، جنّات آپ کو زندہ سمجھ کر اور بیٹھا دیکھ کر محنت شاقہ میں مصروف رہے۔ سال بھر تک اس طرح ذلیل ہوتے رہے، سال کے بعد دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا حضرت سلیمان علیہ السّلام گر پڑے تب جنّوں کو حقیقت معلوم ہوئی۔

؁۲ ”فتاویٰ تاتارخانیہ“، جلد۴ ص ۸۸۳ (الدرا الفریدہ) الدرالفرید المعروف ”مرآت التوحید“ مولانا عبدالقیوم خارانی کی تالیف ہے۔ عہد حاضر کے جیّد و فاضل عالم ہیں۔ مدّ ظلہٗ۔

؁۳ ”مشکوٰۃ المصابیح“ باب الکہانۃ [illegible]

شرح فقہ اکبر میں ہے؁۱: اِنَّ تصدیق الکاھن بما یخبرہ من الغیب کفر۔ بزازیہ میں ہے۔ یکفر بادّعاء علم الغیب وباتیان الکاھن وتصدیقہ۔ یعنی علم غیب کا دعویٰ کرنے اور کاہن کے پاس جانے اور اس کی تصدیق کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے یَکْفُرُ بِقَوْلِہٖ اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ اَوْ اَنَا اخبر عن اخبار الجنّ اِیَّایَ؁۲ یعنی میں چوری شدہ مال (کا اتہ پتہ) جانتا ہوں، یا میں جنّوں سے معلوم کرکے خبریں دیتا ہوں۔ اس قول سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے در آمد ہوا

بہرحال اہل سنّت کا تو یہی اجماعی مسئلہ ہے کہ علم غیب خاصّۂ خدا ہے۔ کتاب اللہ، احادیث رسول اور فقہاء اسلام سے بصراحت ثابت ہے کہ کسی غیر اللہ، نبی یا ولی، انسان یا جنّ یا ملکِ مقرّب کے لئے علم غیب و علم کل کا دعویٰ قطعی طور پر کفر ہے، پھر جاہل مسلمانوں میں یہ عقیدہ کہاں سے آیا۔

یہ عقیدہ دراصل غالی رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ اور ان سے جاہل مسلمانوں میں در آیا ہے چنانچہ شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) ان کے عقائد کے بیان میں رقم فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ الْاِمَامَ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ حَتّٰى عَدَدَ الْحَصٰى وَقَطَرَاتِ الْاَمْطَارِ وَوَرَقَ الْاَشْجَارِ ...... ؁۳

بیشک امام جو ہوچکی اور جو ہوگی ہر بات جانتا ہے خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو خواہ دین سے یہاں تک کہ کنکریوں کی تعداد، بارش کے قطرے اور درختوں کے پتّے بھی جانتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی؁۴ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لِاَنَّ الْاِمَامِيَّةَ يعتقدون اَنَّ الامام المعصوم يَعْلَمُ مَا فی بطن الحامل وما وراء الجدار؁۵

اس لئے کہ امامیہ (شیعہ) اعتقاد رکھتے ہیں کہ امام معصوم جانتا ہے کہ حاملہ کے پیٹ کے اندر کیا ہے اور دیوار کے پیچھے کیا۔

تو دراصل یہ عقائد و تصوّرات فرقہ امامیہ اہل تشیّع کے تھے، ان سے بوجہ جہالت اہلسنّت کہلانے والوں نے بھی انہیں اپنا لیا۔ العیاذ باللہ۔

؁۱ شرح عقائد ص۱۲۰ پر بھی قریباً یہی نقطہ ہے۔ ؁۲ الدرالفرید ص۳ ؁۳ ”غنیۃ الطالبین“ جلد اوّل فصل الرافضۃ ہے۔ [illegible]

؁۴ آپ عظیم محدّث و مفسّر و مؤرخ ہیں صاحب [illegible] ؁۵ ”تاریخ الخلفاء“ [illegible]

بحث حاضر وناظر!

گو اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے ۹۹ اسماء الحسنیٰ میں حاضر اور ناظر دونوں نہیں ہیں لیکن اسماء حسنیٰ میں سے شہید اور بصیر اللہ رب العزت کے دو پاک نام ہیں شہید کے معنیٰ ہیں حاضر اور بصیر کے معنیٰ ہیں ناظر یعنی دیکھنے والا۔[1]

اللہ رب العزت کے لئے ناظر کا لفظ خود لسانِ نبوت سے ثابت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الدُّنیا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ رواہ الترمذی[2]	دنیا بڑی لذیذ اور سرسبز (دلکش) ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے اور دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

یہ روایت ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

حیرت ہے کہ اس کے باوجود پاکستان کے "ایک بزرگ" یوں دادِ تحقیق دیتے ہیں۔

"قرآن وحدیث میں کسی جگہ حاضر وناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کرسکتا کہ صحابہؓ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر وناظر کا لفظ استعمال کیا ہو[3]"۔ ایک اور "محقق عصر" نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور لکھا کہ:۔ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ہی کی شان ہے[4] ایک مقام شرک تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسولِ خدا یا کسی اور کو ہر جگہ حاضر وناظر مانا جائے۔ اس مقام پر عہد حاضر کے بعض "بزرگوں" کو قرار نہ آیا تو وہ ایک اور جست لگا کر اس مقام بالا

---

[1] الشہید، حاضر، البصیر، دانا بینا (المنجد) صراح میں بھی یہی معنیٰ ہیں "لغات القرآن" میں ہے بصیر دیکھنے والا جاننے والا، (جلد دوم لفظ بصیر) [2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الامر بالمعروف۔
[3] تسکین الخواطر صفحہ ۲۔ [4] "جاء الحق وزہق الباطل" صفحہ ۱۵۳۔

تک پہنچ گئے کہ خدا حاضر ناظر نہیں۔ خدا کو ہر جگہ حاضر وموجود ماننا بے دینی ہے۔ دین و ایمان کی بات تو یہ ہے کہ حاضر وناظر اور ہر جگہ ہونا رسولِ خدا ہی کی شان ہے، معاذ اللہ استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ!!۔

آیئے! کتاب اللہ میں دیکھیں کہ اللہ رب العزت ہر جگہ حاضر وموجود اور ناظر و بصیر ہیں یا نہیں۔

انداز ۱

اللہ تعالےٰ ہر چیز پر حاضر وموجود ہیں

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ

(بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے)

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہیں۔
(پارہ ۵، نساء، رکوع ۵) (پارہ ۲۲، احزاب ع ۷) ۲ بار

۲۔ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ (پارہ ۷، آخر مائدہ) ۱ "

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ (پارہ ۱۷، حج۔ ع ۲۔ سباء آخری رکوع[1]) ۵ "

۴۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا (پارہ ۲۲۔ احزاب، رکوع ۶) ۱ "

۵۔ وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْہُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُھُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْہِ (پارہ ۱۱، یونس، ع ۷)	اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو بھی کام کرتے ہو ہم تمہارے پاس حاضر ہوتے ہیں جب تم اس کام میں مصروف ہوتے ہو۔

۱ بار

یعنی جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے ہوں یا اس خصوصی وامتیازی صفت وشان کے علاوہ کسی حال میں ہوں یا کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اور اس میں مصروف ومشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ علم کے اعتبار

---

[1] آخر حم السجدہ، ومجادلہ رکوع اوّل وسورہ بروج بادنیٰ تغیر۔
[2] رقیب نگہبان خبر رکھنے والا۔ نگرانی کرنے والا (لغات القرآن جلد سوم لفظ رقیب)

سے وہاں حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

۶۔ وَاللّٰہُ شَہِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ (آل عمران ع ۱۰) ۱ بار

۷۔ ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ (۱۱ یونس ع ۵) ۱ ؍؍

میزان - ۱۲ بار

انداز ۲

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ

(اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ ہے)

۱۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (پارہ ۲۷، حدید۔ رکوع اول)	تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ۱ بار
۲۔ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (پارہ ۲۸۔ مجادلہ رکوع ۲)	تین شخصوں کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جہاں وہ ان میں چوتھا نہیں ہوتا اور نہ پانچ کی، جہاں وہ ان میں چھٹا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ جہاں کہیں ہوں پھر ان کو قیامت کے دن ان کا کیا ان کو بتلائے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔
۳۔ یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ (سورہ نساء رکوع ۱۶)	لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپ سکتے، اور وہ ان کے ساتھ ہیں جبکہ وہ رات کو خلاف مرضئ الٰہی بات کا مشورہ کرتے ہیں۔ ۱ بار

میزان - ۳ بار

کوئی خفیہ سے خفیہ مجلس و مشورہ ہو، سرگوشی ہو، دن کو ہو یا رات کو، اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کے اعتبار سے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اگر تین آدمی خفیہ سرگوشی کرتے ہیں تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوتا ہے اگر پانچ آدمی چھپ کر کوئی مشورہ کر رہے ہیں تو ان کے ساتھ چھٹا خدا موجود ہوتا ہے، پھر خواہ تین سے کم، ایک یا دو ہوں یا پانچ سے زیادہ چھ سات یا دس، بیس جتنے بھی ہوں۔ اور جہاں کہیں ہوں اور جس حال

میں ہوں اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ علم سے ان کے ساتھ ہے وہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔

اللہ ناظر و بصیر ہے

انداز ۳

وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

۱۔ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والے ہیں (آل عمران ع ۲ وع ۲، مومن ع ۵)[1] ۳ بار

۲۔ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا۔ (بنی اسرائیل ع ۳ فرقان ع ۲، خاتمۂ فاطر، اور فتح ع ۳)[2] ۴ ؍؍

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ [3] پورے قرآن میں ۵ ؍؍

۴۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ [4] ؍؍ ؍؍ ۹ ؍؍

۵۔ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ [5] ؍؍ ؍؍ ۴ ؍؍

۶۔ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ۔ (سورہ ملک آخری رکوع) ۱ ؍؍

۷۔ اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۔ (آخر شعراء) ۱

میزان - ۲۷ بار

اللہ سمیع و بصیر ہے

انداز ۴

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے (سورہ نساء ع ۸ وع ۹ و ۱۰) ۲ بار

---

[1] واللہ کی جگہ اِنَّ اللّٰہ ہے [2] الفاظ میں فرق ہے۔

[3] بقرہ رکوع ۱۳ و ۱۳ و ۳۰، ہود ع ۱۰، حٰم السجدہ ع ۵ بادنیٰ تغیر۔

[4] بقرہ ع ۳۶، آل عمران ع ۱۷، انفال آخری رکوع، حدید رکوع اول، ممتحنہ رکوع اول، تغابن رکوع اول، آخر حجرات، احزاب رکوع ۲ اور سبا ع ۲ ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔

[5] بقرہ ع ۱۱، آل عمران ع ۷، مائدہ ع ۱۰، انفال ع ۵ بادنیٰ تغیر [6] بادنیٰ تغیر الفاظ۔

۲- اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ (حج ع ۱۰، لقمان ع ۳، مجادلہ ع ۱)[1] — ۴ بار

۳- اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (مومن ع ۲)[2] — ۴ بار

میزان = ۱۰ بار

اللہ سمیع و قریب ہے، بلکہ اقرب ہے

انداز ۵

اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ

۱- اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ۝ (سبا ع ۶) بیشک وہ سب کچھ سننے والا ہے، نزدیک ہے۔ ۱ بار

۲- وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (۲۶- ق ع ۲)[3] — ۱ بار

میزان = ۲ بار

اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہیں

انداز ۶

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

۱- اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (بقرہ ع ۱۵، آل عمران ع ۴) — ۲ بار

۲- وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (بقرہ ع ۱۶، انعام ع ۲، عنکبوت ع ۱ و ع ۶) — ۴ بار

۳- اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (بقرہ ع ۲۲، حجرات ع ۱ و بقرہ ع ۲۸[4] و بقرہ ع ۳۲[5] و اعراف ع ۲۴[6]) — ۵ بار

۴- وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (بقرہ ع ۲۸، بقرہ ع ۳۴، آل عمران ع ۴ و ع ۱۳، توبہ ع ۱۲ و ع ۱۳، نور ع ۳ و ۸) — ۸ بار

۵- اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (یوسف ع ۴، شعراء ع ۱۱، دخان ع ۱ و حٰمٓ السجدہ ع ۵، اور یونس ع ۷[7] اور مائدہ ع ۱۰)[8] — ۶ بار

۶- وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝ (نساء ع ۲۱) — ۱ بار

میزان = ۲۶ بار

---

[1] حج ع ۸ اِنَّ کی جگہ وَاَنَّ ہے۔ [2] و بنی اسرائیل ع اول، و مومن ع ۶ و شوریٰ ع ۲ بادنیٰ تغیر۔
[3] اور ہم انسان کے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ [4] اِنَّ کی جگہ فَاِنَّ ہے۔
[5] زبر زیر کا فرق ہے۔ [6] اِنَّ اللّٰهَ کی جگہ اِنَّهٗ ہے۔ [7] اِنَّهٗ نہیں ہے۔
[8] اِنَّهٗ کی جگہ واللہ ہے۔

یاد رکھیئے! اور کبھی نہ بھولئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا شہید و بصیر ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا، سمیع و قریب ہونا یہ سب صفتِ علم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ذاتِ الٰہی تو جسم و تجسّم سے پاک ہے۔ ذات پاک ربّ العزّت کا تو ادراک ہی انسانی عقل و فہم سے وراء الوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات ہی کے ذریعہ ہے اور اللہ کا ہر جگہ حاضر و موجود ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا ہر کسی کو دیکھنا ہر ایک کی سننا یہ سب صفتِ علم کی بناء پر ہے۔ چنانچہ عموماً ایسی آیات کے ساتھ صفتِ علم مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کی دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں

انداز ۷

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

۱- وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۳) — اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں۔ تو بیشک میں قریب ہوں، (ہر) پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ جبکہ وہ مجھے پکارے۔ — ۱ بار

۲- اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝ (ہود- ع ۷) — بے شک میرا رب قریب ہے، دعا قبول کرنے والا۔ — ۱ بار

۳- اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ (آل عمران ع ۴- ابراہیم ع ۶)[1] — درحقیقت میرا رب دعا سننے والا ہے۔ — ۲ بار

میزان = ۴ بار

خلاصہ قرآن کریم میں سات اسلوب و انداز کے ساتھ ۴۸[2] بار اللہ تعالیٰ کے حاضر و موجود، ناظر و بصیر، سمیع و بصیر، سمیع و قریب اور قریب و مجیب ہونے کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اور اس انداز و الفاظ میں کسی غیر اللہ کے لئے حاضر و ناظر یا بصیر و قریب اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونے کا پورے قرآن میں

---

[1] اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ہے۔ [2] ۴۸ بار پر حصر نہیں ہے۔ نہ حصر مقصود ہے۔

ایک بار بھی ذکر نہیں ہے۔

سنّتِ رسول

کتاب اللہ کے بعد سنّتِ رسولؐ سے بھی یہی مضمون ثابت اور یہی حقیقت واضح ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ حضرت ابوموسیٰ

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہر کسی کے ساتھ اور قریب و اقرب ہیں

اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ زور کی آواز سے تکبیریں کہنے لگے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔
اے لوگو! تم اس کو نہیں پکارتے جو بہرہ اور غائب ہو۔

اَنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَّ ھُوَ مَعَکُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ۔ ۱	تم تو اس خدا کو پکارتے ہو جو سننے والا دیکھنے والا ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے اور تم سے تمہارے اونٹ کی گردن

سے بھی زیادہ قریب ہے۔

سبحان اللہ! اور جن آیات قرآنی میں جن صفات ربانی کو واضح فرمایا گیا ہے۔ ایک ہی ارشادِ نبویؐ میں ان تمام صفات کو اجمالی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ حاضر و موجود ہے (وَھُوَ مَعَکُمْ) قریب و اقرب ہے، اور سوار کے نزدیک و قریب سب چیزوں سے زیادہ اقرب اونٹ گھوڑے وغیرہ سواری کی گردن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور پھر سَمِیْعًا بَصِیْرًا بھی ارشاد فرمایا ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہؓ بن معاویہ عامری روایت

اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ساتھ ہے خواہ کوئی کہیں ہو

کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

مَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَنْ یَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ۔ رواہ البزار فی مسندہ۔ ۲	یا رسول اللہ! کسی شخص کا اپنے نفس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا۔ اس بات کا یقین ہو کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ اس

کے ساتھ ہے

۳۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ رواہ الطبرانی۔ ۱	سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے۔ تو جہاں بھی ہو۔

انسان کے ایمان کا درجۂ کمال اور اس کے تزکیۂ نفس کا انتہا یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ حاضر و موجود یقین کرے۔

اور یہ حضور و شہود کی صفت خاص اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور کسی کی نہ یہ صفت ہے نہ شان۔ اور تو اور! محبوب رب العالمین سید المرسلین خود اپنی ذات اقدس کیلئے بھی اس ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص فرما رہے ہیں۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لیجاتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ۔ ۲	اے اللہ تو سفر میں میرا ساتھی ہے اور اہل (وعیال) کا خلیفہ ہے۔

یعنی سفر میں ہمارا ساتھی اور رفیق اور ہمارے پیچھے ہمارے اہل و عیال کا محافظ و نگہبان اللہ ہے۔ تو یہ صفت اور شان اللہ رب العزت کی ہے کہ وہ سفر و حضر میں ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ انسان کا سفر میں صاحب و رفیق اور اس کے پیچھے اس کے بال بچوں میں اس کا قائم مقام اللہ ہے۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ گھر میں ہیں تو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال خبر گیری خود فرماتے ہیں اور سفر میں ہیں تو گھر میں نہیں پھر گھر بار کا نگہبان و نگران اللہ ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اللہ رب العزت کو ہر مسلمان پر اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔

---

۱ "ترجمان السنۃ"، جلد دوم حدیث ۵۰۸
۲ صحیح مسلم ("مشکوٰۃ المصابیح"، باب الدعوات فی الاوقات) ابوداؤد۔ مسند احمد، نسائی ترمذی۔ دارمی۔ مؤطا مالک میں بسم اللہ کا لفظ پہلے ہے اور فرماتے بسم اللہ اللھم۔۔۔

۵۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا:-

اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (ابوداؤد) [1]

اگر آپ اُمت میں موجود رہیں تو آپ دجال پر حجت سے غالب ہوں گے، اور جب آپ بعد وفات امت میں موجود نہیں ہیں تو آپ کی جگہ اللہ رب العزت ہر مسلمان کا حافظ و ناصر ہے، آپ کی یہ شان نہیں کہ آپ بعد وفات شریفہ بھی ہر مسلمان کے ساتھ حاضر و موجود رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور خاص شان ہے۔

سبحان اللہ! لَسْتُ فِيْكُمْ۔ ارشاد فرما کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بعد وفات مسلمانوں میں اپنے حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں مگر آج کے بعض شرفا ہیں جو آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے مدعی ہیں۔ اور خدا کے حاضر ناظر ہونے کی صفت کا انکار کر کے ہر جگہ میں ہونا خاص رسول خدا کی شان بیان کرتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

پھر جب امام المرسلین علیہم السلام اپنی ذات پاک کے لئے حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو دنیا میں اور کون ماں کا لال ہے جس کے لئے اس صفت کا دعویٰ و اثبات کیا جائے۔

خلاصہ | قرآن کریم کی ۸۴ نصوص کے بعد نصف درجن کے قریب ارشاداتِ رسول ؐ میں گویا کتاب و سنت کی کل نوّے نصوص قطعیہ سے ذات پاک رب العزت کا حاضر و ناظر، سمیع و بصیر ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود اور قریب واقف ہونے کا اثبات ہے۔

ہر جگہ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور عالم کل ہونے کی وجہ و علت!

سوال یہ ہے کہ اللہ رب العزت جو اس طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر

یا عالم و خبیر ہیں تو کس لئے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے حاضر و ناظر اور موجود ہوتے یا ہر کسی کے ہر عمل و حرکت پر نگاہ رکھنے ہر مخفی راز، پوشیدہ بھید بلکہ دل کی بات تک سے باعلم و باخبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہم نے حساب جو لینا ہے تو ہم ہر مجرم کو اس کے اعمال کی خبر دیں گے۔ اسے جتلائیں گے کہ تو نے فلاں جگہ فلاں وقت خلوت یا جلوت میں یہ کام کیا تھا۔ یا یہ باہم خفیہ مشورہ کیا تھا۔ یا اپنے دل و دماغ میں یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ تو چونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۰ (سورۃ نساء رکوع ۱۱) ... (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) اس لئے اس کا علم کامل اور بسیط و محیط ہے اور وہ اپنی اسی صفتِ علم کے اعتبار سے ہر وقت ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود و حاضر ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے تمام افعال و اعمال کا ناظر ہے۔ اور قیامت میں اپنے اس وسیع و غیر محدود علم اور اپنے حضور و شہود کی بناء پر ہر شخص سے حساب لے گا۔ اور اسے جزا یا سزا دے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقامات پر اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے مثلاً۔

۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۰ (حج ع ۲)

بیشک مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

تمام مذاہب اور سب فرقوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، سب کے حالات و اعمال و عقائد اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں۔ اس لئے وہ سب کو ان کے کردار کے مطابق مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیں گے۔

۲۔ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۰

عالم الغیب اس کے علم سے ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ آيَاتِنَا مُعَاجِزِيْنَ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيْمٌ (پارہ ۲۲، شروع سبا)

موجود ہے، تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں (اچھا) بدلہ دے، ان کے لئے مغفرت اور (جنت میں) عزت کی روزی ہے، اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے متعلق ہرانے کی کوشش کی تھی، ان کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

تو اللہ رب العزت کا علم غیب یا علم کل بسیط و محیط اس لئے ہے تاکہ مومنین کو جزائے خیر دے، انہیں جنت عطاء فرمائے اور کفار و مشرکین کو سخت سزا دے انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔

علی ہذا قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر بار بار فرمایا۔ مثلاً سورہ انعام میں
۳۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ سے اپنے لئے علم کل اور علم بسیط و علم محیط کا اثبات فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پارہ ۷، انعام ع ۷)

پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

سورہ توبہ میں فرمایا۔ اور سورہ جمعہ میں بھی!

۴۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ إِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ - (پارہ ۱۱۔ شروع)

پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتلا دیگا جو جو کچھ تم کرتے تھے

سورہ توبہ میں پھر فرمایا۔

۵۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ إِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔

۶۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (پارہ ۱۸۔ خاتمہ سورۂ نور)

بالیقین اللہ تعالیٰ اس حالت کو جانتا ہے جس پر تم ہو۔ اور جس دن اس کی طرف پھیرے جائیں گے۔ تو وہ ان کو بتلا دیگا جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

۷۔ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (لقمٰن)
ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ إِنَّهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (پارہ ۲۳، سورہ زمر، رکوع اول)
۹۔ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ، رکوع اول)

خلاصہ غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہونے، اس کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہونے، عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہونے اور عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ہونے کا خلاصہ یہ کہ اس کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی اصل یہ ہے کہ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تو اللہ رب العزت کے علم غیب، علم کل، علم بسیط و محیط علم غیر محدود و غیر متناہی اور حاضر ناظر ہونے کی ایک اصل و منبا اور وجہ و علت یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندوں کے اعمال و افعال کی تفصیلا و جزئیات سے باخبر ہو کر قیامت کے دن حساب کے وقت انہیں بتلا دیں۔ کہ تم نے فلاں مقام پر فلاں وقت فلاں کام کیا تھا۔

مقام رسول:۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہر جگہ حاضر و موجود ہیں تو کس لئے؟ آخر آپ کے حاضر ناظر ہونے کی وجہ و ضرورت کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ رسول کا منصب حساب لینا نہیں نبی اور رسول کا مقام انذار و تبشیر اور ابلاغ و تبلیغ[2] ہے۔

---

[1] سورہ انعام ع ۱۳ و ع ۲۰، مائدہ ع ۴، یونس ع ۲، لقمان ع ۲ وغیرہا آیات میں یہی مضمون ہے۔

[2] فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (پارہ ۲۔ بقرہ) فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (آل عمران) مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ (مائدہ) أَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (مائدہ) وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (انعام، کہف) فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (نحل) فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (نحل) وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (نور، عنکبوت) وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (یٰس) إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شوریٰ) فَإِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (تغابن) وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ مُبِيْنٌ (سورۂ احقاف)

جب حضرات انبیاء و رُسل علیہم السّلام کا منصب و مقام لوگوں تک آیات و احکامِ الٰہی صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اور جو بھی نبی یا رسول اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا اللہ کے بندوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا یا اہلِ ایمان کو خوشخبری سنانے کے لئے بھیجا امام الانبیاء و سید الرُّسل صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذمّہ بھی صاف صاف ابلاغ و تبلیغ اور واضح طور پر انذار و تبشیر ہے۔ تو سوال یہ ہے اس منصب و مقام کے پیشِ نظر آپ کو علمِ غیب کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں تک دین پہنچانے اور انہیں ڈرانے کے لئے عالم الغیب ہونے یا ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک مُسلّمہ اُصول

منصب و مقام اور حاجت و ضرورت کے مطابق سامان، اسباب، وسائل، استعداد و اہلیّت اور صلاحیت و قابلیّت ودیعت کی جاتی ہے۔ ایک سپاہی یا تھانیدار کو گھوڑا یا سائیکل اور رائفل مہیّا کی جائے گی، کیونکہ اس نے نظم و امن قائم کرنا اور چوروں، ڈاکوؤں وغیرہ امن دشمن عناصر کا تعاقب کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک مدرّس کو کتاب، قلم، اور تختہ سیاہ فراہم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے بچّوں کو پڑھانا ہے۔ ایک وکیل کو قانون کی ضخیم کتابوں سے بھرپور ایک عظیم لائبریری کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس نے عدالت کے سامنے ان کی روشنی میں دلائل دینا اور بحث کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ڈاکٹر کے ہسپتال میں آلات کے علاوہ ادویہ کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے مریضوں کا معائنہ اور علاج معالجہ کرنا ہے۔

ایک زمیندار اور کسان کے کنوئیں اور قطعے، بڑے بیل، ہل اور آلاتِ کشاورزی یا آج ٹیوب ویل اور ٹریکٹر موجود پائیں گے، کیونکہ اسے اپنی اراضی پر کاشت کاری کے لئے ان کی ضرورت ہے، بخلاف اس کے ایک صنعت کار کی مل میں آپ چاروں طرف مشینوں کی گھن گرج ہزاروں مزدوروں کی کھپت اور بجلی کی کارفرمائی دیکھیں گے کیونکہ وہاں سوت، کپڑا یا کھانڈ وغیرہ تیار کرنے کے لئے یہ چیزیں لابدی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ سکول کے کمرہ میں گھوڑا باندھا اور رائفل رکھی جائے۔ یا وکیل صاحب کے ہاتھ میں نشتر اور مرہم پٹی ہونی چاہیئے۔ یا مثلاً زمیندار کی زمین پر ہزاروں مزدور اور ڈھیروں خام مال ہونا چاہیئے یا کارخانہ اور مل کے اندر بیل اور ہل

مزدور موجود ہوں، تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر ماسٹر صاحب کو گھوڑے اور رائفل کی، یا وکیل صاحب کو نشتر اور مرہم پٹی کی یا کسان کو ہزاروں مزدوروں یا ڈھیروں خام مال کی اور کارخانہ دار کو بیلوں، ہلوں یا ٹریکٹروں کی آخر ضرورت کیا ہے؟

کتاب وسنّت میں اس اصول کی رعایت

کتاب اللہ، سنّتِ رسول اور شریعت مطہرہ میں بھی اس اصول کی رعایت کی گئی ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ؕ (پارہ ۳۰۔ نازعات)	لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ

کے رب کی طرف ہے۔ اور آپؐ تو صرف ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

قیامت کب ہوگی، یہ صرف خدا جانتا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کام تو صرف قیامت کی خبر سُنا کر لوگوں کو ڈراتا ہے۔ جب آپ کا کام صرف ڈرانا ہے تو اس کے وقوع کے وقت کے بیان سے آپ کا کیا تعلق؟ یہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ ترجمہ کرتے ہیں، "تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے"۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

۲۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پارہ ۲۹۔ الملک)	اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو، آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اور ڈرانے والے کو قیامت کے وقوع کے وقت سے کیا بحث؟

ایک اور مقام پر اس اصول کی رعایت ملاحظہ ہو۔ فرمایا:۔

۳ - وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (یٰس سورت رکوع ۵)

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے لائق نہیں، یہ تو محض نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف، تاکہ اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر الزام ثابت ہو۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا۔ کیونکہ شعر و شاعری آپ کے منصبِ جلیل کے لائق نہ تھی، آپ کو قرآن دیا جو نصیحت سے بھرپور ہے اور نورانی تعلیمات سے معمور ہے۔ تاکہ حضرت کے قرآن پڑھ کر ڈرانے سے وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں ابھی زندگی کی رمق باقی ہے وہ اللہ سے ڈریں اور کافروں منکروں پر حجت تمام ہو جائے ..... تو نبی کے منصب جلیل و مقام عظیم کے شایان قرآن ہے نہ کہ شعر، اس لئے آپ کو شعر نہیں سکھایا، قرآن دیا۔

۴ - اسی طرح جب مشرکین مکہ نے فضول فرمائشیں کیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا .....

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے سرزمین (مکہ) سے ایک چشمہ جاری کر دیں۔

تو آپ کو حکم ہوا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل ع ۱۰)

آپ کہہ دیجئے، سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ ایک آدمی ہوں۔ پیغام پہنچانے والا۔ اور کیا ہوں!

یعنی میں تو ایک آدمی ہوں پیغمبر، پیغمبر کو کسی فرمائش پوری کرنے کا اختیار کہاں! میرا کام تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ تمہاری یہ فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں۔

نبی کریم ؐ کے لئے علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

اس اصول کی روشنی میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ابلاغ و انذار ہے کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کے لئے علم غیب، ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کیا

ضرورت ہے؟ اللہ رب العزت تو عالم الغیب، عالم الکل اور ہر جگہ حاضر و شہید ناظر و بصیر اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ تو اس لئے ہیں کہ انہوں نے کل اپنے بندوں کا حساب لینا ہے اور انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرنا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حساب سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا علم بسیط و محیط اور حاضر ناظر ہونے سے آپ کا کیا کام؟

اللہ کی شان اور نبیؐ کا مقام

اللہ رب العزت نے جہاں اپنی صفات قدرت علم اور شہود و حضور کو پورے قرآن میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کا منصب و مقام بھی متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں چند مواقع پر اپنی شان اور اپنے رسول مقبول کا مقام و منصب ایک ساتھ بھی بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۱ - فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۔ (پارہ ۱۳۔ سورہ رعد)

پس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا تو ہمارا کام ہے

اسی طرح ارشاد فرمایا:۔

۲ - فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝ اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ (پارہ ۳۰ الغاشیہ)

پس آپ نصیحت کر دیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر نگران نہیں ہیں، ہاں جس نے منہ موڑا اور کفر کیا۔ تو خدا اسے بڑا عذاب دیگا بیشک ہمارے پاس ان کو پھر آنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔

تو اللہ کے رسول تو صرف مذکّر و مبلّغ ہیں۔ تذکیر و تبلیغ اور بلاغ و نصیحت کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہے۔ آگے اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرے گا۔ اعراض و روگردانی اور کفر و انکار کرے گا تو اسے مآل کار بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے اور اس سے حساب لینا اور اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو رسولِ خدا کو اپنے منصب کے پیش نظر علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ حاضر و موجود ہونا (باعتبار صفتِ علم) یہ اللہ کی صفت

تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرسکیں۔ اور حساب کے وقت انہیں بتلا اور جتلا سکیں کہ فلاں جگہ فلاں وقت تم نے یہ کام کیا تھا یا یہ بات کی تھی، یا دل میں یہ منصوبہ باندھا تھا۔

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور اپنی شان علم کل اور مقام فصل و حساب کے ساتھ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منصب انذار و بلاغ ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا۔

۳۔ يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ ۝ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۭ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔ (پ ۲۴ مومن ع ۲)

جس دن سب لوگ (خدا کے سامنے) ظاہر ہوں گے۔ اللہ پر ان کی کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔ اس دن کس کی بادشاہی ہوگی؟ بس اللہ ہی کی ہوگی جو اکیلا ہے غالب، آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ آج (کسی پر) ظلم نہ ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور آپ ان لوگوں کو قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرائیے، جس وقت کلیجے منہ کو آجائیں گے، غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے، (اس دن) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (بلکہ) ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انصاف سے فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

رسول کا منصب انذار ہے۔ اللہ کے رسول کا کام لوگوں کو قیامت کے ہولناک دن سے ڈرانا ہے۔ باقی اس دن حکومت و بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی۔ حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ پورے انصاف اور حق و عدل کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ آنکھوں

کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ راز تک کو جانتے ہیں۔ لہٰذا کسی پر ظلم نہیں ہوگا حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے، کیونکہ وہ سب کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ اور یہ صحیح فیصلہ وہی کرسکتا ہے جو حقیقت حال کو جاننے والا ہو۔

اللہ رب العزت جو عالم الغیب، عالم الکل اور سمیع و بصیر اور علیم ما تخفی الصدور اور بد نظری تک کو جاننے والے ہیں۔ تو اس لئے کہ وہ سریع الحساب ہیں اور قیامت کے دن اپنے علم و سمع و بصر کی بناء پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں باقی رسولِ کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کام صرف لوگوں کو قیامت سے ڈرانا اور اللہ کا دین اور حکم پہنچانا ہے۔ آپ کو علم غیب یا علم کل یا سمیع و بصیر ہونے یا حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ارشاد فرمایا۔

فَلَنَسْـَٔــلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔــلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَاۗىِٕبِيْنَ ۝ (پارہ ۸۔ اعراف، رکوع اول)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے، پھر ہم ان کو اپنے علم سے (ان کے گناہ) بیان کریں گے اور ہم غائب نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ سے کسی کا اچھا برا، قلیل و کثیر عمل مخفی نہیں، وہ اپنے علم محیط کی بناء پر ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں، وہ چونکہ باعتبار اپنے علم کے ہر جگہ ہر آن حاضر ہیں، کہیں سے بھی کبھی غائب نہیں، لہٰذا سب کے ظاہری باطنی احوال اور بھلے برے اعمال انہیں قیامت میں بتلا کر ان کا فیصلہ کریں گے۔

تو علم کل، علم غیب، علم محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا یہ دو صفتیں اللہ رب العزت کی ہیں، جن کے موافق قیامت میں وہ اپنے بندوں کا فیصلہ کریں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے کردار و اعمال سے نبی کریمؐ کو کوئی سروکار نہیں، ان کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے وہ قیامت میں ان سے خود بات کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور بہت سے فرقے ہوگئے آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں، بس انکا

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ | کام اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ ان کو جتلا
(پارہ ۸ - انعام، آخری رکوع) | دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

شانِ خلّاقی و رزّاقی آخرت اور حساب سے قطع نظر خالق اور رازق ہونے کی صفت کے تقاضے سے بھی اللہ ربّ العزّت کو اپنی مخلوق کا علمِ کُل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

۱۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ (پارہ ۷۔ انعام ع ۱۳) | اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۲۔ دوسری جگہ فرمایا :۔

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○ (پ ۲۳ آخر یٰس)

ایک کھڈی والا جانتا ہے کہ میں نے آج اتنے گز کپڑا بُنا ہے۔ ایک کمہار جانتا ہے کہ میں نے اتنے گھڑے اور اتنے لوٹے تیار کئے ہیں۔ میرے بھٹّے میں اتنے برتن ہیں۔ ایک لوہار جانتا ہے کہ میں نے کل اتنے توّے بنائے تھے اور آج اتنی کلہاڑیاں تیار کی ہیں، ترکھان جانتا ہے کہ میں نے اتنے پلنگ بنائے ہیں اور اتنی کرُسیاں تیار کی ہیں۔ تو خلّاق العلیم کو کیسے ہر چیز کا علم کُل نہ ہو۔ جس نے ہر چیز کی تخلیق فرمائی ہے۔

۳۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ (۲۶۔ ق) | اور بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم وہ جانتے ہیں۔

۴۔ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (۲۹۔ ملک) | کیا جس نے پیدا کیا وہ نہ جانے گا۔ اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک تو خالق، پھر باریک بین اور پورے خبردار، پھر وہ نہ اپنی مخلوق کے حالات جانیں تو اور کون جانے؟

۵۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ○ (آغاز پارہ ۱۲) | اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمّہ نہ ہو۔ اور وہ ہر ایک کی قرارگاہ اور چند روز رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، سب

جب ٹھیکیدار نے فوج کو راشن وغیرہ مہیّا کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ آج فوج کا پڑاؤ کہاں ہے؟ صبح کس جگہ قیام ہے؟ اور یہاں سے کوچ کرنے کے بعد پچھلے پہر کی چائے کہاں پہنچنی ہے اور رات کا کھانا کہاں کھانا ہے۔

تو اللہ ربّ العزّت نے اپنی مخلوق کو جو رزق دینا ہے۔ تو اسے اپنی مخلوق کے متعلّق بسیط و کُلّ علم کیسے نہ ہو کہ۔ فوق الافلاک ہے۔ یا تحت الارض؟ یا ان کے درمیان، پھر پانی میں ہے یا ہوا میں؟ پتھر کے اندر ہے یا آگ میں، جہاں بھی جو مخلوق ہے۔ اس کا علم رازق کو ہے وہیں اس کا رزق پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ خالق اور رازق ایک اللہ کی ذات پاک ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ تو کسی کے خالق ہیں نہ رازق۔ بلکہ خود اللہ کے مخلوق و مرزوق ہیں۔ جب آپ کسی چیز کے خالق و رازق نہیں تو آپ کے لئے علم غیب و علم کُل کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کا منصب ابلاغ و تبلیغ اور انذار و تبشیر ہے اور اس کے لئے علم غیب کی ضرورت ہے نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی!

غیرِ رسولؐ کے متعلّق جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ذات پاک کیلئے علم غیب، علمِ کُل اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی کوئی وجہ و ضرورت نہیں اور آپ نے خود اپنی ذات سے ان صفات کی صاف نفی فرما دی تو غیر رسولؐ کے لئے اس کی بدرجہ اولیٰ کوئی وجہ اور ضرورت نہ ہوگی مگر حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ عہد حاضر کے بعض "شرفا" اولیاء کرام رحمہم اللہ کے لئے ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔ اور ہر آن!

چنانچہ خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں :۔

"انہی سیدی احمد سلجاسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبدالعزیز دبّاغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہیئے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی، سوتے میں جان ڈال لی تھی، عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا۔ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا، فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے[1]

تو یہ صرف حضرت دباغ رحمہ اللہ کی خاص صفت نہیں بلکہ "ہر شیخ مرید سے جُدا نہیں ہر آن ساتھ ہے" اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان لوگوں میں قریباً سبھی "شیخ" ہیں۔ تو مرید بیچاروں کو، میاں بیوی کو اپنے علاوہ ایک خالی پلنگ کا انتظام بھی بہر حال کرنا پڑے گا کیونکہ کسی وقت شیخ مرید سے جُدا نہیں، ہر آن ساتھ ہے" ٹھیک ہے مگر یہ "ارشاد" نہیں فرمایا کہ جب مریدین ماشاء اللہ بیشمار ہیں، تو حضرت شیخ کو رات کی خلوت و تنہائی اور اندھیرے میں سینکڑوں ہزاروں جگہ وقت "بے وقت" تکلیف فرما کر مرید کے ساتھ ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک اور "بزرگ" ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں، لکھتے ہیں:-

لَا تَسْتَقِرُّ نُطْفَةٌ فِي فَرْجِ اُنْثٰی اِلَّا يَنْظُرُهٗ ذٰلِكَ الرَّجُلُ الْكَامِلُ[1]	کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔

سچ فرمایا کون انکار کرے۔ مگر اتنا تو فرما دیجئے کہ آخر وہ "رجل کامل"، یہ تکلیف کس وجہ سے فرماتے ہیں؟

فقہاء اسلام کی طرف سے حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کو حاضر ناظر ماننے والوں کی تکفیر

عہد حاضر کے "فقہا شہر" کے "ارشاداتِ عالیہ" تو آپ نے سن لئے اب شریعت محمدیؐ کا فیصلہ اور حضرات فقہاء امت کا حکم ملاحظہ ہو:-

خاتم الفقہاء امام وقت حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

ہمچو اعتقاد کہ حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ ہر وقت حاضر و ناظر اند و بہمہ حال بر نداء ما مطلع میشوند اگرچہ از بعید باشد، شرک است، چہ ایں صفت از مختصاتِ حق جل جلالہٗ است، کسے را دراں شرکت نیست، در فتاوی بزازیہ مے نویسد تزوج بلا شہود وقال خدائے و رسولِ خدا و فرشتگاں را گواہ کردیم یکفر لِاَنَّهٗ اِعْتَقَدَ اَنَّ الرسولَ و الملكَ يعلمان الغيبَ انتہی ونیز در بزازیہ است وعن هٰذا قَالَ عُلَمَاؤُنَا مَنْ قَالَ اَنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يكفر۔ انتہی ...[1]	اس قسم کا اعتقاد کہ حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں ہماری پکار سنتے ہیں گو دُور سے ہی پکاریں شرک ہے کیونکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی خصوصیات سے ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ فتاوی بزازیہ میں لکھتے ہیں گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا خدا و رسولِ خدا اور فرشتے گواہ ہیں، یہ کافر ہوگیا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں" نیز بزازیہ میں ہے کہ اسی لئے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جس نے کہا بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں، اور وہ جانتی ہیں، یہ کافر ہوگیا"

[1] نجم الرحمٰن بحوالہ ما عقیدۃ الرحمٰن ص۵ "تبرید النواظر" ص۴۴

فتاویٰ بزازیہ کے علاوہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کا یہ قول بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ پر بھی ہے۔

شریعت محمدیؐ و دین اسلام کی مجبوری و مظلومی ملاحظہ ہو کہ فقہاء امت، ائمہ اعلام دین کے فتاویٰ و احکام بلکہ خود کتاب و سنت کے برعکس و برخلاف آج جاہل و بے دین لوگ مفتی و مجتہد بن کر فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ "جو اولیاء اللہ اور خصوصاً امام الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ جانے وہ کافر ہے"۔ کہاں علماء امت کا یہ فرمان کہ جو ارواحِ مشائخ کو حاضر سمجھے وہ کافر ہے اور کہاں آج الٹا یہ ہفوات کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ و مرشد کو ہر وقت حاضر ناظر نہ سمجھے وہ کافر ہے۔ اِنّا لِلّٰہ

[1] "مجموعۃ الفتاویٰ" از حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ مطبوعہ ۱۳۱۴ھ۔

بحث مختار کل

عبادت کی تیسری اور عظیم شرط وبنیاد قدرت واختیار ہے خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

إِذْ شَرْطُ اسْتِحْقَاقِهَا الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ التَّامَّةُ عَلَىٰ دَفْعِ الضَّرِّ وَجَلْبِ النَّفْعِ [1]	عبادت کی شرط وبنیاد یہ ہے:- دفع ضرر وجلب منفعت پر قدرتِ کاملہ تامہ!

اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب پاک میں عموماً اسی صفت کو بیان کرکے اپنے لئے عبادت کا اثبات فرمایا ہے اور غیر اللہ سے اسی صفت کا عدم ذکر کرکے ان کی عبادت کی نفی فرمائی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:-

قدرتِ کاملہ واختیارِ کُل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات اور عدم قدرت واختیار کی بنا پر عبادتِ غیر اللہ کی نفی ومذمّت!

۱- لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - (پارہ ۶، مائدہ رکوع ۳)	بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے آپ پوچھئے کہ اگر اللہ، مسیح ابن مریم کو، اور ان کی والدہ کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہیں تو کون اللہ سے (بچانے کا) ذرا بھی اختیار رکھتا ہے، اور اللہ ہی کے لئے خاص ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور

[1] روح المعانی، جلد ۵ ص ۹۸-

جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کی حکومت وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو جو اللہ خالقِ کُل، قادرِ مطلق، زمین وآسمان کا بادشاہ اور غالب علی الکُل ہے عبادت اسی کا حق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیا خدا ہوں گے۔ جن کو اپنے تحفظ تک کا اختیار نہیں، اگر اللہ انہیں ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی انہیں بچا نہیں سکتا، بے اختیار مخلوق بھلا اللہ ہونے کا کیا حق رکھتی ہے؟

۲- عبادت خالق ومالک، عالمِ کُل وکارسازِ عالم کا حق ہے۔ یہ صفات صرف ذات واحد باری تعالیٰ میں ہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ (۷- انعام- ع ۱۳)	وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کی بیوی تو ہے نہیں، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر چیز کا

خالق ہے تو تم اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

۳- الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ۝ (۱۸ آغاز سورہ فرقان)	وہ (اللہ) جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد نہیں بنایا، اور نہ (ہی) کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا، (ان صفتوں کے مالک اللہ کو چھوڑ کر) مشرکین نے اللہ کے سوا (دوسرے) معبود بنالئے جو نہ (تو)

کوئی چیز پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ اور خود اپنے لئے نفع وضرر کا اختیار

نہیں رکھتے۔ اور نہ موت وحیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (قیامت کے دن) دوبارہ اٹھنے کا!

اللہ زمین و آسمان کا حاکم و بادشاہ ہے۔ واحد بادشاہ۔ کوئی اقتدار و شاہی میں اس کا شریک نہیں۔ پھر وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ مگر کتنے ظالم ہیں مشرک کہ ان صفتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو خود مخلوق ہیں، کسی اور کو کیا پیدا کریں گے، اور خود اپنے لئے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ موت وحیات پر قدرت نہیں، ان بے بس و بے اختیار معبودوں کو عبادت کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا!

۴ - مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (پارہ ۲۲ — فاطر ع ۱)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں، اور اللہ جو کچھ بند کر دے۔ اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے اے لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو۔ (جب نہ کوئی خالق ہے نہ رازق تو پھر) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق (بھی) نہیں۔ سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو؟

جب خالق و مالک اور رحیم و رازق صرف اللہ ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی خالق ہے نہ رازق، نہ رحیم ہے نہ منعم، تو پھر اس کے سوا کسی کو عبادت کا کیا حق ہے؟ پھر عبادت کسی کا بھی حق نہیں،

۵ - يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ (پارہ ۲۲ فاطر ع ۲)

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سلطنت (بھی) اسی کی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے

اللہ رب العزت دن رات کو گھٹاتے بڑھاتے ہیں، موسموں میں تغیّر تبدل کرتے ہیں پھر سلطنت و بادشاہی اسی کی ہے، لہٰذا عبادت بھی اسی کا حق ہے مگر ظالم مشرک اللہ کے ساتھ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کھجور تو کجا، کھجور کی گٹھلی تو گٹھلی، گٹھلی کے اوپر باریک سے پردے کا بھی اختیار نہیں۔

۶ - ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ هُوَ الْحَىُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ (۲۴ - مومن ع ۷)

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے قرار کی جگہ بنایا۔ اور آسمانوں کو چھت بنایا۔ اور تمہاری صورت بنائی۔ سو عمدہ صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ پس بڑا برکت والا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، وہی (ازلی، ابدی) زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم خالص اعتقاد کر کے اسی کو پکارو۔

خالق، مالک، رازق، مُصَوّر، شکم مادر میں احسن و اجمل تصویریں بنانے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین و آسمان اس نے بنائے، ان عظیم اختیارات کے واحد مالک کا حق ہے کہ ہر قسم کی عبادت اس کی کی جائے۔ اسکے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں

عبادت کی بنیاد اور الوہیت و معبودیت کے لوازم نفع نقصان کا مِلک و اختیار ہے۔ معبود کے نافع و ضارّ ہونے کے علم و یقین ہی کے اندر اس کی الوہیت و معبودیت کا سارا راز مضمر ہے۔

اللہ رب العزت نے جہاں اس اصل و اساس کی بناء پر اپنی عبادت کا اثبات فرمایا ہے وہاں اسکے عدم و فقدان پر یعنی تمام ماسوی اللہ کے نفع نقصان کا مالک نہ ہونے پر اب ان کی معبودیت کی نفی فرما رہے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

۷۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ (یونس ع ۲)

۸۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (مائدہ ع ۱۰)

۹۔ اپنے حبیب کریمؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (یونس۔ ع ۱۱)

اور خدا کے سوا اس کی عبادت نہ کرنا جو تجھے نفع نہ پہنچا سکے نہ نقصان پھر اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو تم اس حالت میں اللہ کا حق نشائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:-

۱۰۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ ۝ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۷۔ انبیاء ع ۵)

کہا:- تو کیا تم خدا کے بغیر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے نہ نقصان تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

۱۱۔ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَمَا لَا یَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ (پارہ ۱۷۔ حج ع ۲)

خدا کے سوا اس چیز کی عبادت کرتا ہے جو نہ تو اسے نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔

۱۲۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُھُمْ وَلَا یَضُرُّھُمْ وَکَانَ الْکَافِرُ عَلٰی رَبِّہٖ ظَھِیْرًا (سورۂ فرقان۔ ع ۵)

اور (مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیز (۱) کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان، اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے۔

اس مضمون کی آیات سورہ رعد، بنی اسرائیل، شعراء، سباء، زمر اور شوریٰ وغیرہا میں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا احاطہ بڑا مشکل ہے۔ نہ ہی احاطہ مقصود ہے۔

خلاصہ پہلے چند وہ آیات بطور مثال پیش کی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ تامہ اور ذات پاک ربّ العزت کے تصرفاتِ مطلقہ عامہ و اختیاراتِ کلیہ کا ذکر و بیان ہے۔ اور اسی اقتدارِ اعلیٰ و اختیارِ کُل اور تصرفِ مطلق

ہیں جن میں غیر اللہ کے اختیار و تصرف کی کلیتہً نفی کر کے ان کی اسی بے اختیاری و بے بسی کو ان کی عدمِ عبادت کی وجہ و دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور ان بے اختیار و مجبور معبودوں کی پرستش کو کفر و ضلال بعید فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ عجز و بے اختیاری شانِ الوہیت کے منافی ہے۔

یہ محض مثال کے طور پر چند آیات ذکر کی گئی ہیں ورنہ اللہ ربّ العزت کی قدرتِ تامہ مطلقہ اور غیر اللہ کی یکسر بے بسی و بے اختیاری سے قرآن پاک بھرا ہوا ہے مثلاً:- اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ و اختیارِ کُل سے متعلق چند آیات ملاحظہ ہوں:-

قدرتِ کاملہ اور کُل اختیارات کا مالک صرف اللہ ہے

نبی کریمؐ کو ارشاد فرمایا:-

۱۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ پارہ ۳۔ آل عمران رکوع ۳

آپ کہیئے! اے اللہ سارے ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیتے ہیں اور جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں ذلت دیتے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں ہے سب بھلائی بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکالتے ہیں (جیسے انڈے سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکالتے ہیں۔ (جیسے پرندہ سے انڈہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں۔

۲۔ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (انعام ع ۲)

اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اللہ ہی کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ تجھے کوئی نفع پہنچا

۳- وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ھُوَ ج وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ط یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ط وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (پارہ ۱۱- آخر سورۃ یونس)

اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے والا بجز اس کے کوئی نہیں، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور وہ بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تو تکلیف و راحت، بھلائی، بُرائی، نفع و ضرر پر کامل اختیار اور قبضۂ تامّہ اللہ ربّ العزّت کا ہے، اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود و زیاں اور دُکھ، سُکھ پر قطعاً کوئی اختیار نہیں اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور دُکھ درد کو کوئی نہیں ہٹا مٹا سکتا اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق اور قادرِ مطلق فقط ایک ذات اللہ واحد کی ہے۔

۴- صرف ایک موقع اور ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ ۝ اَوْ یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا ج وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ط اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۝ (پارہ ۲۵- آخر شوریٰ)

آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جس کو چاہے (محض) بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔

زمین و آسمانوں کی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیٹے، بیٹیاں، دینا نہ دینا، محض اس کے اختیار میں ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی، علمِ کُل اور قدرتِ کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی بناء پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے جو اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

بطور اجمال اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان

جہاں پورے قرآن میں اللہ ربّ العزّت کی

قدرت کاملہ و اختیار عامّہ کی تفصیلات موجود ہیں۔ جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ وہاں قرآن کریم میں ۲۲۴ مقامات پر بطور اجمال ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ملاحظہ ہو۔

۱- اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1]	پورے قرآن میں	۳۵	مقامات پر ہے[2]
۲- وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا[3]	(کہف ع ۶)	۱	〃 〃
۳- علیمٌ قدیرٌ واللہ، قدیرٌ، قدیرا اور قدیرا		۱۱	〃 〃
۴- بقادرٍ القادر	اور قادر وغیرہ[4]	۷	〃 〃
۵- وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ[5]	الوکیل اور وکیلا	۱۱	〃 〃
۶- وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا	[6]	۱	〃 〃
۷- وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۔	[7]	۱	〃 〃
۸- عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حفیظ۔	[8]	۲	〃 〃
۹- وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ	القاہر[9]	۲	〃 〃
۱۰- لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ، ھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ	وغیرہ القہار[10]	۶	〃 〃

[1] قدیر اسے کہتے ہیں جو اقتضاء حکمت کے مطابق جو چاہے کرے (مفردات القرآن)

[2] "دو مقام پر قدیر آیا ہے باقی ۳۳ مقامات پر اعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے شروع میں کہیں اِنَّ اللّٰہ ہے کہیں اَنَّ اللّٰہ ہے کہیں واللّٰہ ہے کہیں وھو ہے۔

[3] مقتدرا، با اقتدار، ہر طرح کی قدرت والا (لغات القرآن جلد ۵ ص ۲۷۴) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[4] قادر، قابو پانے والا، طاقت رکھنے والا، گرفت کرنیوالا۔ غالب (لغات القرآن جلد ۵ ص ۶۵) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[5] وکیل، کارساز، نگران، نگہبان، (لغات القرآن جلد ۶ ص ۲۳۱) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[6] مقیتا، قادر، نگران۔ محافظ (لغات القرآن جلد ۶ ص ۳۲۴)۔ "المقیت"، صاحب اقتدار۔ نگہبان و محافظ (المنجد) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[7] محیطا، ہر طرف سے گھیرے ہوئے، پورا پورا قابو رکھنے والا "لغات القرآن" جلد ۵ ص ۳۳۶)

[8] حفیظ، نگہبان، حفاظت کرنیوالا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ کیونکہ وہ کُل کا نگہبان ہے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۷)

[9] قاہر، غالب "مفردات القرآن" "لغات القرآن" جلد ۵ ص ۱۱۸ [10] القہار، السازبردست غالب

۱۱- وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ — وَلِی [1] — ۱۰ مقامات پر ہے
۱۲- اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ وغیرہ — قَوِیّ [2] — ۸ 〃 〃
۱۳- اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ وغیرہ — الوہّاب [3] — ۳ 〃 〃
۱۴- اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى۔ وغیرہ — مُحی [4] — ۲ 〃 〃
۱۵- قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ مٰلِكَ الْمُلْكِ [5] — ۱ 〃 〃
۱۶- اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ ... وغیرہ اَلْمَلِك [6] — ۵ 〃 〃
۱۷- اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ [8] الْجَبَّارُ [9] (پورے قرآن میں) — ۳ 〃 〃
— العزیز [10] (پورے قرآن میں) — ۸۶ 〃 〃

---

[1] وَلِیّ مددگار، کارساز، محافظ، نگہبان، بچانے والا (لغات القرآن" جلد ۶ صـ ۱۳۴) اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

[2] قَوِیّ طاقتور، قوّت والا (لغات القرآن"، جلد ۵ ص ۱۱۸) غالب، طاقت ور، زبردست، (مفردات القرآن) اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

[3] الوھاب مبالغہ کا صیغہ۔ بہت عطاء کرنے والا۔ (لغات القرآن جلد ۶ ص ۱۳۵) اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بقدر استحقاق بخشتا ہے، اس لئے الوہّاب کہا جاتا ہے (مفردات القرآن)

[4] مُحی زندہ کرنے والا، حیات بخشنے والا (لغات القرآن")

[5] مالِكُ المُلك سارے جہان کے حکمران۔ ہر ذرّہ پر قدرت اور قابو رکھنے والے، (لغات القرآن) جلد ۵ ص ۲۷۲) [6] اَلْمَلِك بادشاہ، با اقتدار (" لغات القرآن" جلد ۵ ص ۲۴۲)

[8] المُهَيمِن - نگران (ایضاً صـ ۲۹۳) نگہبانی و حفاظت کرنے والا۔

[9] اَلْجَبَّار - جبر سے مبالغہ کا صیغہ، زبردست دباؤ والا۔ خود اختیار رکھنے کہ باری تعالیٰ اپنے فیضانِ نعمت سے سب لوگوں کی حالتیں درست کرتا اور ان کے نقصانات پورے فرماتا ہے۔ اس لئے اس کا نام جبّار ہے۔ امام بیہقی، کتاب الاسماء والصفات" میں محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں "وہ جبّار اس لئے موسوم ہے کہ مخلوق کو اپنے ارادہ کے آگے مجبور کر دیتا ہے (" لغات القرآن" جلد ۲ ص ۲۳۴)

[10] العزیز۔ غالب، زبردست، قوی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں "عزیز وہ ہے جو غالب ہو، مغلوب نہ ہو" زجاج نے اس کے معنیٰ کئے ہیں "ایسا زبردست جس پر کوئی چیز غالب نہ ہو سکے"۔ دوسرے لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے "قوی جو ہر شے پر غالب ہو" اور ابو سلیمان (امام خطابی صاحب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "عزیز" ایسا غالب جو مغلوب نہ ہو (لغات القرآن جلد ۴ صـ ۳۰۰)

۱۸- المتین [1] — پورے قرآن میں — ۱ مقام پر
۱۹- وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ، اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۔ وغیرہ مُنْتَقِم [2] — ۶ 〃 〃
۲۰- اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ واسع [3] — ۸ 〃 〃
۲۱- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ — اَلْقَيُّوْمُ [4] — ۳ 〃 〃
۲۲- وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ [5] — ۵ 〃 〃
۲۳- خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ [6] اور خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ [7] — ۲ 〃 〃
۲۴- علیٰ ہذا ایک ایک مقام پر حَكَم [8] وَالٍ [9] (والی) اور الفتّاح [10] — ۲ 〃 〃

میزان = ۲۲۳ مقامات

خلاصہ| اللہ ربّ العزّت نے اپنی کتاب پاک میں قریباً سوا دو سو مقامات پر اپنی قدرتِ عامّہ، اپنے غلبہ و اقتدارِ تامّہ اور اپنی قوّت و حاکمیّت مطلقہ کا بیان و اثبات تو فرمایا ہے۔ مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ، کسی بُت اور قبر نہیں، کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لئے قدرت و اختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

---

[1] المتین قوی، طاقت والا۔

[2] مُنْتَقِمْ بدلہ میں سزا دینے والے (" لغات القرآن" جلد ۲ ص ۲۸۹)

[3] وَاسِعْ بہت دینے والا۔ ہر چیز پر محیط (المنجد)

[4] اَلْقَيُّوْمُ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، یعنی ذاتِ الٰہی ہر چیز کی نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتی ہے (مفردات القرآن)

[5] اَحْكَمُ الحاكمين سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم۔

[6] خیر الفاصلین سب حکم کرنے والوں سے بہتر۔

[7] خیر الفاتحین بہتر حکم کرنے والا۔

[8] الحَكَم حکم جاری کرنے والا۔ فیصلہ کرنے والا (المنجد) حَكَمًا فیصلہ کرنے والا۔ یہ حاکم سے زیادہ بلیغ ہے (" لغات القرآن"، جلد ۲ ص ۲۸۹)

[9] وَالٍ اصل میں والی ہے وَلَايَةٌ مصدر، مددگار، حامی، مدد پر قادر (لغات القرآن جلد ۶ ص ۱۱۳)

[10] اَلْفَتَّاحُ بہت بڑا فیصلہ کرنے والا، صیغہ مبالغہ، حاکم (المنجد)

اسماءِ الحسنیٰ ! نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات واسماءِ الٰہی کے علاوہ، قابض[1] باسط[2] خافض[3]، رافع[4] مُعِزّ[5] مذِلّ[6] واجد[7] ممیت[8] مغنی[9]، نافع[10] ضارّ[11] مانع[12] وغیرہ، اسماءِ حسنیٰ اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزّت وذلت، موت و حیات سب اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تو صرف اجمالی طور پر صفاتِ واسماءِ الٰہی سے سوا دو سو مقامات پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اختیار و اقتدارِ عامّہ کا ذکر ہے۔ ورنہ یوں تو سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرتِ کاملہ۔ ربوبیّت عامّہ اور رحمتِ واسعہ کو بیان فرمایا ہے۔

نیز انسان اگر چشم بصیرت سے دیکھے تو ساری کائنات، سارا جہان اور خود اس کا اپنا وجود اللہ ربّ العزّت کی قدرت کا مظہر و شاہد ہے۔ لیل ونہار کی گردشیں دن رات کا گھٹنا بڑھنا، موسم کے تغیرّات، گرمی، سردی، خزاں، بہار، برسات، بجلی، گرج، کڑک، چمک، بحر دریا۔ پہاڑ، زمین، آسمان، چاند، تارے، سورج پھر خاکی نوری، ناری، برّی، بحری اور آسمانی مخلوقات پھر ساری مخلوق کے لئے ضروریاتِ زندگی کا اہتمام زمین سے فصلوں، غلّوں، پھلوں اور میووں کی پیدائش کیا یہ سب کچھ کسی ان دیکھی طاقت اور غیر محدود ولامتناہی قدرت کا پتہ نہیں دیتا؟ اگر یہ تمام مناظرِ قدرت اور مشاہدِ فطرت کسی کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی نہیں تو پھر اسے کم از کم اپنے وجود کو دیکھنا چاہیئے کہ اس کی اصل کیا ہے۔ کیا ناپاک پانی کے قطرے سے یہ کوہ پیکر اور ہیبل تن جوان یہ سڈول جسم کا تنومند پہلوان خود بخود بن گیا؟ کتنی تبدیلیوں

---

[1] قابض، تنگی دینے والا [2] باسط، کشادگی کرنے والا۔

[3] خافض، پست کرنے والا۔ [4] رافع بلند کرنے والا۔

[5] مُعِزّ، عزّت دینے والا۔ [6] مذِلّ، ذلّت دینے والا۔

[7] واجد۔ قادر (المنجد) [8] ممیت، مارنے والا۔ [9] مُغنی، بے پروا کرنے والا۔

[10] نافع، نفع دینے والا۔ [11] ضارّ نقصان پہنچانے والا۔ [12] مانع روکنے والا، حفاظت کرنے والا

کے بعد اور کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اسے یہ جسم ملا، پھر یہ جوانی خود بخود بڑھاپے میں تبدیل ہو جائے گی اور زور وقوّت، صحت و توانائی کا یہ مجسّمہ خود بخود ضعف و نقاہت کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلا جائے گا اور ایک دن اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا؟ یہ تبدیلی پر تبدیلی لانے، یہ گندے پانی سے خوبرو، قوی تن بدن بنانے اور پھر ایسے حسین وجمیل چہروں کو مٹی کی مٹھی بنا کر رکھ دینے والی ذات کا انکار ممکن ہے؟ یا اس ذات پاک کی قدرت اور ربوبیت اور رحمت اور اس کے اختیار کل کا احساس وادراک یا اقرار واعتراف کوئی مشکل ہے؟

معبودانِ باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے!

جہاں قدرت و اختیار کی اس بحث کے شروع میں اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ کے ساتھ معبودانِ مِن دُونِ اللہ کی بے بسی و بے اختیاری واضح ہو چکی ہے۔ ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْر یہ کھجور کی گٹھلی تو کیا، کھجور کی گٹھلی کے اُوپر باریک پردے تک کے مالک نہیں۔ وہاں ان آیات کے علاوہ پورے قرآن میں نہایت شرح وبسط اور تکرار کے ساتھ بار بار معبودانِ باطل کی بے اختیاری ثابت کی گئی ہے۔

غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فلسفہ غیر اللہ کی پرستش کا منشاء دراصل ان کی مفروضہ ومزعومہ قدرت وطاقت ہے۔ انسان فطرتاً "لالچی" ہے۔ یہ ہر وقت اپنے لئے نفع کی تلاش اور نقصان سے بچنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کی پوری زندگی کا تانا بانا سود و زیاں کی اُدھیڑ بُن ہے اسے ہم وقت یہی فکر دامنگر رہتی ہے کہ اس کے وارے نیارے ہو جائیں، اسے کاروبار میں لین دین میں نفع ہی نفع ہو۔ مال و دولت میں زیادتی اور گھر بار، اہل و عیال، آل و اولاد میں افزائش ہو، کسی نقصان اور خسارے کے تصوّر سے یہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

تجارت، مال و دولت میں نقصان کا اندیشہ ہو یا جان اور بال بچوّں کی

بیماری یا موت کا خطرہ! تو یہ گھبرا کر چارہ سازی کی فکر میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے تو ہر کڑی سے کڑی آزمائش میں اپنے قادر و کریم مولا کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں۔ لیکن نفس اور شیطان کے بندے اللہ کے نیک، صالح بندوں، اماموں، ولیوں اور نبیوں کو قدرت اور اختیار کا مالک سمجھ کر انہیں پکارتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں، اور جب اللہ کریم ربّ رحیم ان کی مشکل حل کر دیتے ہیں تو یہ بزرگوں کی خانقاہوں پر نذریں پیش کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں سجدے کرتے ہیں۔ مزاروں کو چومتے چاٹتے ہیں، اور اگر ممکن ہو تو قبر کی خاک مٹی تک پھانک جاتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف معلوم ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی اصل و اساس جلبِ منفعت کا جذبہ ہے، یا دفع مضرت کا! حرص و ہوس کے بندوں نے جب بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کی ہے۔ کسی نفع کے لالچ میں یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے! غیر اللہ کی پرستش کا سارا فلسفہ آپ کو ان دو ہی لفظوں —— جلبِ منفعت[1] یا دفعِ مضرت[2] —— کے گرد گھومتا نظر آئے گا۔

مثال کے طور پر دیکھئے جاہل انسان نے دیکھا، پانی پر اس کی زندگی کا مدار ہے۔ دریا اس کی فصلوں کو سیراب کرتا ہے تو اس نے پانی اور دریا کی پوجا شروع کر دی۔ سورج کو دیکھا اس کے اندھیروں کو اجالے میں بدلتا ہے۔ اسے نور و ضیا دیتا ہے، گرمی پہنچاتا ہے اس کی فصلیں اور اس کے پھل۔ میوے پکاتا ہے۔ اس کی پرستش شروع کر دی۔ چاند تاروں کو دیکھا یہ رات کو ٹھنڈی روشنی بہم پہنچاتے ہیں ان کی پوجا میں لگ گیا۔ ہندی مشرکین نے دیکھا گائے میٹھا دودھ دیتی ہے ٹھنڈی لسّی پلاتی ہے، اس کی پوجا پاٹ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔ ہالی دھوپ میں ہل چلا کر آیا، تھکا ماندہ تھا، پیپل یا برگد کے گھنے سائے میں بیٹھ کر سستانے لگا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، تن بدن میں جان آئی تو پیپل اور برگد کی پوجا شروع کر دی۔ آگ کو دیکھا یہ کھانا پکاتی ہے اور مشتعل ہو جائے تو جلا ڈالتی ہے۔ اس کے ضرر سے بچنے کے لئے اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے۔ بعض احمقوں نے دیکھا کہ سانپ موت کا سبب بنتا ہے تو ڈر کر اس کی پرستش شروع کر دی اور بعض عقل کے

اندھوں نے بعض بیماریوں کو موت اور تکلیف کا سبب بنتے دیکھ کر ان بیماریوں کی مثلاً چیچک کی پوجا شروع کر دی۔ اور عقل کے ساتھ حیا و شرافت کا بھی جنازہ اُٹھ گیا جب آبرو باختہ بے اولا دہندو دائیوں نے "شو جی" کے مندر میں جا کر شو لنگ کے ساتھ مس و مساس کر کے مخصوص انداز میں) شو لنگ تک کی پوجا کی محض اس لالچ میں کہ اس کی "کرپا" سے رانی کو بچہ مل جائیگا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بتوں کی پوجا کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اکابر و اعاظم رجال کے ناموں پر یا ان کی صورتوں پر گھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان اولیاء و صلحاء کی پرستش کے گویا قبلہ و ذریعہ ہیں، ان کی پوجا سے وہ اولیاء و اکابر ہم سے خوش ہوں گے۔ اور ان کی خوشی سے ہمارے سارے کام سنور جائیں گے۔

اولیاء اللہ کی مزاروں کی پوجا پاٹ، ان سے متعلق جمیع یادگاروں، ان کے جملہ آثار و نشانات کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم، اماموں کے نام نہاد، تعزیوں، جھنڈوں، حتیٰ کہ ان سے منسوب گھوڑوں تک کی پرستش، منتیں نذریں یہ سب اسی لئے تو ہیں کہ یہ اولیاء و ائمہ ہم سے راضی ہوں اور ہماری بگڑی بن جائے۔ ہمارے دین و دنیا کے سارے کام سنور جائیں۔

سید الاولیاء سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر گیارہویں کا دودھ وغیرہ محض اس ڈر سے بانٹا جاتا ہے کہ کہیں ان کی گائے بھینسیں بیمار نہ ہوں یا مر نہ جائیں یا ان کا دودھ، مکھن کم نہ ہو جائے۔ حضرت رحمہ اللہ ان کو ان کے مال مویشی کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھیں گے۔ الغرض کسی غیر اللہ کی پرستش کا آپ کھوج لگائیں گے تو یہی اصل وجہ پائیں گے، اس عبادت اور پوجا کی تہ میں یہی نفع کی طمع و طلب، فائدے کی ہوس، کوئی نہ کوئی لالچ کار فرما ہو گا یا نقصان اور زیان و ضرر سے بچنے کی غرض پوشیدہ ہو گی۔

انتہائی تعظیم، انتہائی محبّت، آخری درجے کی انکساری و عاجزی، بے حد و نہایت شکر گذاری —— جسے عبادت سے تعبیر کرتے ہیں —— حق ہی اسی کا ہے جو نفع نقصان کا مالک ہو۔ جس کے ہاتھ میں سود و زیاں کی باگ ڈور ہو۔ جاہل و فریب خوردہ بندوں نے جس کسی کو بھی نفع نقصان، سود و زیاں کا

مالک سمجھا اسی کی عبادت شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بنیاد

ایک بندہ، ایک عاجز و محتاج بندہ ایک سراپا غرض مند بندہ قدم قدم پر بلکہ اپنی زندگی کے ہر سانس پر مدد و اعانت کی ضرورت محسوس کرتا ہے، ذات پاک ربّ قدیر کی طرف بندے کے میلان و توجہ کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ نفع و نقصان اور سود و زیاں اسی کے ہاتھ میں سمجھتا ہے۔ درحقیقت نادیدہ خدا اور غیر محسوس و غیر مرئی خدا لاکھوں حجابوں بلکہ بے شمار پردوں میں مستور و مخفی خدا پر صحیح ایمان کی بنیاد درحقیقت بندے کا یہی وجدان و تصور ہے ایک موحّد مسلمان خوف و طمع اور بیم و رجاء کے لئے اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا یہ نفع و نقصان کا مالک صرف اپنے نافع و ضار خدا کو سمجھتا ہے۔ اور اس نے تمام غیر اللہ سے سود و زیاں کے تمام رشتے اور علاقے قطع کر لئے۔

غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد

بخلاف اس کے جب اس ایمان و یقین میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو ایک محتاج و غرض مند بندہ غیر اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی توجہ و میلان کا مرکز بھی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔ اب وہ اپنا سر جھکاتا ہے تو انہی غیر اللہ کی چوکھٹ پر، اور ذکر اذکار میں لذّت محسوس کرنے لگتا ہے تو غیر اللہ کے۔ (وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (سورہ زمر رکوع ۵)

اب یہ یا رسول اللہ اور یا علی اور یا عبدالقادر جیلانی کے نعروں میں جو کیف و سرور محسوس کرتا ہے وہ اللہ اکبر کے نعرے میں کہاں؟

اب اس کی محبت کا مرکز و محور بھی یہی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (پارہ ۲۰۔ بقرہ۔ ع ۲۰)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جگہ ان کے دل میں

غیر اللہ کی محبت لے لیتی ہے۔ اب تمام تر محبت ہے تو ان کی اور خوف ہے تو ان کا، جس محبت اور ذوق شوق سے بزرگوں کی نذر نیاز دیتے ہیں، اولیاء و مشائخ کے چالیسویں نکالتے ہیں، خدا کی زکوٰۃ عشر اور اس کے نام پر نحر و قربانی میں اس جوش و محبت کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ گائے بھینس کے مرجانے یا ان کا دودھ مکھن کم ہو جانے کے خوف سے جس اصرار و التزام اور شدّت و سختی کے ساتھ حضرت سید الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "گیارہویں" نکالتے، بانٹتے اور کھلاتے ہیں، کیا اس لزوم و التزام کا ہزارواں حصہ بھی عشر نکالنے اور قربانی کرنے اور قربانی کا گوشت کھانے میں پایا جاتا ہے؟

تمام ماسوی اللہ مطلق بے اختیار ہیں کسی کو قطعاً کوئی اختیار نہیں

تو شرک کی اصل و بنیاد یہی غیر اللہ کے نافع و ضار ہونے کا احساس و ایقان ہے۔ اللہ ربّ العزت نے شرک کی یہ بنیاد ہی ڈھا دی، عبادتِ غیر اللہ کی اس اصل و اساس ہی کو زیر و زبر کر ڈالا، اپنے کلام پاک قرآن کریم میں بیسیوں جگہ تمام ماسوی اللہ کی مطلق بے اختیاری کو واضح فرمایا اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرما کر شرک کی رگِ گردن کاٹ دی کہ کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ بھر بھی کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ (۱۵۔ بنی اسرائیل ع ۶)

آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھتے ہو، (ذرا) ان کو پکارو (تو سہی) وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا ———— اللہ کے سوا کسی بھی معبود کو قطعاً کوئی اختیار نہیں، نہ وہ کسی کی کوئی تکلیف دور کر سکتا ہے نہ اس میں کمی کر سکتا ہے نہ ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال سکتا ہے۔

پھر ایسی بے اختیار و عاجز مخلوق کو معبود بنا لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟

۲- قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝

(پارہ ۲۲- سباء- رکوع ۳)

آپ کہئے جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرّہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

ماسوی اللہ کسی معبود کو بھی ایک ذرّہ برابر اختیار حاصل نہیں، نہ زمین و آسمان کی تخلیق و ایجاد میں کسی کا کوئی ساجھا ہے۔ نہ اللہ ربّ العزّت کو کسی کام میں کسی کی مدد کی کوئی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی معین و مددگار ہو۔

پھر ایسی بے اختیار چیز کو مشکل کشا سمجھنا اور اسے معبود قرار دینا عقل و دانش کا منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟

۳- مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (پارہ ۲۰- عنکبوت- ع ۴)

جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا- اور بلاشبہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے۔

گھر جان و مال کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے ہوتا ہے مگر مکڑی کا جالا کیا حفاظت کرے گا جن لوگوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا محافظ و مددگار اور کارساز سمجھا ان کی مثال مکڑی اور مکڑی کے جالے کی ہے- جیسے مکڑی کی پناہ گاہ غایت ضعف کی وجہ سے کالعدم ہے- اسی طرح مشرک لوگ جن باطل معبودوں کو اپنا حامی، مددگار، محافظ اور پناہ دہندہ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ کوئی حمایت و حفاظت نہیں کر سکتے، اور مصیبت کے وقت اپنے پرستاروں کو قطعاً پناہ نہیں دے سکتے۔

۴- وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (فاطر ع ۲)

اور اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

ماسوی اللہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا پردہ یا جھلّی سی ہوتی ہے- اس کے بھی مالک نہیں اگر کوئی مشکل کے وقت انہیں پکارے اوّل تو وہ کسی کی پکار کو سنتے نہیں، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو کام نہیں آ سکتے۔

۵- يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۚ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (پارہ ۱۷، آخری رکوع الحج)

اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے سنو! بلاشبہ خدا کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو کہ سب (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا ہی نہیں سکتے ایسا مانگنے والا اور جس سے مانگتا ہے بودا ہے۔

اللہ ربّ العزّت نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کو کس درجہ مؤثر اور عبرت انگیز مثال دی ہے کہ دکھ سکھ میں تم جنہیں اپنا مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو ان کے ضعف ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ وہ سب مل ملا کر بھی ایک مکھّی نہیں بنا سکتے، بلکہ مکھّی سے اپنی کوئی چھنی ہوئی چیز نہیں چھڑا سکتے، جب ان کے اپنے زور و قوت اور اختیار و قدرت کا یہ حال ہے تو وہ تمہاری دعا پکار پر تمہاری خاک مدد کریں گے۔

غالیوں کی مذمت میں علامہ آلوسی کا عجیب بیان

خاتم المفسّرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ فی قولہ تعالیٰ-

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا-)

اشارة الى ذمّ الغالين فى اولياء الله تعالىٰ حيث يستغيثون بهم فى الشدة غافلين عن الله تعالىٰ وينذرون لهم النذور والعقلاء منهم يقولون انهم وسائلنا الى الله تعالىٰ وانّما ننذر لله عزّ وجلّ ونجعل ثوابه للولى ولا يخفى انّهم

اللہ تعالیٰ کے اس کلام (ان الذین) میں اولیاء اللہ کی شان میں غالیوں کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جب کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں اور ان کی نذریں مانتے ہیں اور ان

فی دعوٰہم الاولیٰ اشبہ الناس بعبدۃ الاصنام القائلین اِنَّمَا نَعْبُدُهُمْ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ وَدَعْوَاهُمُ الثانیۃ لا باس بہا لو لم یطلبوا منہم بذلک شفاء مریضہم او ردّ غائبہم او نحو ذلک والظاہر من حالہم الطلب برشد الی ذلک انہ لو قیل: انذروا للہ تعالیٰ واجعلوا ثوابہ لوالدیکم فانہم احوج من اولئک الاولیاء لم یفعلوا ورأیت کثیرا منہم یسجد علی اعتاب حجر قبورہم

غالیوں میں سے جو عقل مند ہیں وہ کہتے ہیں "یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ تک (پہنچانے کے لئے) ہمارے وسیلے ہیں ہم منّت تو صرف اللہ عزّ وجلّ کے لئے مانتے ہیں، ولی کو تو صرف ثواب پہنچاتے ہیں" اور یہ حقیقت مخفی نہیں کہ یہ اپنے پہلے دعویٰ میں بتوں کے ان پجاریوں کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں جو کہتے ہیں کہ "ہم تو بتوں کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں" اور ان کے دوسرے دعویٰ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ ان اولیاء اللہ سے یہ منّت مان کر اپنے مریض کی شفاء یا اپنے غائب ہو جانے والے کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ نہ کریں۔ اور ان کے حال سے یہ مطالبہ ظاہر ہے اور یہ حقیقت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم منّت اللہ تعالیٰ کے لئے مان کر اس کا ثواب اپنے والدین کو بخشو جو ان اولیاء اللہ سے ثواب کے زیادہ محتاج ہیں تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے اکثر اولیاء اللہ کی قبروں کی چوکھٹوں پر سجدہ کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض تو تمام اہل قبور کے لئے علیٰ فرق مراتب اختیار ثابت کرتے ہیں ...... اور ان میں سے بعض کا یہ گمان بھی ہے کہ اولیاء اللہ قبروں سے نکل کر مختلف شکلیں اختیار

....

...... وکلّ ذٰلک باطلٌ لا اصل لہٗ فی الکتاب والسنّۃ وکلام سلف الامّۃ۔ وقد افسد ھٰؤلاء علی الناس وصاروا ضحکۃ لاھل الادیان المنسوخۃ

کر لیتے ہیں اور ان کے عالم کہتے ہیں کہ ان کے روح شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہوتے ہیں اور جہاں چاہیں چکر لگاتے پھرتے ہیں اور کبھی شیر کی یا ہرن کی یا اسی طرح کسی جانور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ تمام باتیں باطل ہیں کتاب و سنّت

من الیہود والنصاریٰ وکذا لاہل النحل والدہریۃ نسأل اللہ تعالیٰ العفو والعافیۃ۔ [1]

اور سلف امت کے اقوال میں اس کی کوئی اصل نہیں اور انہوں نے لوگوں کا دین خراب کر دیا ہے اور یہی ہیں جو یہود و نصاریٰ اور دوسرے اہل مذاہب اور دہریوں کے لئے ہنسی مخول کا سامان بن کر رہ گئے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور اس بلاء و برائی سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

اختیار صرف ایک اللہ کو ہے

تمام حضرات انبیاءؑ و رسلؑ مجبور و بے اختیار ہیں

جہاں قرآن کریم سے اس حقیقت کا وضوح و انشراح ہو گیا کہ تمام معبودانِ غیر اللہ بے بس و بے اختیار محض ہیں، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام بھی مجبور و بے اختیار ہیں، اختیار صرف ایک اللہ کو ہے۔ چنانچہ یہ حضرات دکھ، درد اور مصیبت کے وقت مدد و نصرت اور مشکل کشائی کے لئے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان مصیبتوں سے نجات عطاء فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام:۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ (۱۷ انبیاء رکوع ۶)

اور نوح جبکہ پہلے اس نے دعا کی پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام:۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن

اور ایوب جبکہ اس نے اپنے ربّ کو پکارا۔ کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان

---

[1] روح المعانی جلد ۱۷ ص ۲۱۲/۲۱۳ الکلام علی الآیات من باب الاشارۃ۔

ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَمِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ○ (۱۷- انبیاء رکوع ۶)	ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دور کردیا۔ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطاء فرمایا۔ اور ان

کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاصّہ سے، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار۔

۳- حضرت یونس علیہ السّلام کے متعلق فرمایا کہ جب سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (۱۷) انبیاء رکوع ۶)	پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

۴- حضرت زکریا علیہ السّلام :-

وَزَکَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَوَھَبْنَا لَہٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَہٗ زَوْجَہٗ (۱۷- انبیاء رکوع ۶)	اور زکریا جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو یحییٰ عطاء فرمایا، اور ہم نے

ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کردیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریاؑ نے اپنے لئے وارث یعنی فرزند کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر حضرت یحییٰ علیہ السّلام عطاء فرمایا۔

۵- حضرت ابراہیم علیہ السّلام :-

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (الصّٰفّٰت ع ۳)	(دعا کی) اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک

حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ وَنَجَّیْنٰھُمَا وَقَوْمَھُمَا مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ○ وَنَصَرْنٰھُمْ فَکَانُوْا ھُمُ الْغٰلِبِیْنَ ○ (۲۳- الصّٰفّٰت ع ۴)	اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بھی احسان کیا۔ ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

۷- حضرت لوط علیہ السّلام :-

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ نَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗٓ اَجْمَعِیْنَ ○ (۲۳- الصّٰفّٰت، ع ۴)	اور بے شک لوط (علیہ السّلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

۸- اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لئے ہوا کو مسخّر کردیا۔ (سورہ ص، ع ۳)

خلاصہ ان تمام آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر نبی اور برگزیدہ سے برگزیدہ رسول نے دکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت مجبور و بے بس ہو کر ایک اللہ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام پیارے بندوں کی دعا کو سنا۔ قبول کیا اور دکھ، درد، کرب و بلا، غم و مصیبت سے نجات دی۔

تو یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السّلام مجبورِ محض اور بالکل بے بس و بے اختیار تھے اور تو اور، اپنی ذاتی تکلیف و مصیبت بھی دور نہ کرسکے۔

۹- وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا کُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰیٓ اَتٰھُمْ نَصْرُنَا ج (پارہ ۷- سورہ انعام رکوع ۴)	اور بلا شبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی، انہوں نے اس اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔

یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا، ظالم کفار و مشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں، وہ حضرات علیہم السّلام ان ستم گاروں کے ظلم و ستم

تدبیر کی مدد و نصرت آئی اور حق غالب آیا۔

۱۰۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی بے اختیاری!

حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا۔ یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی اس لئے ساتھ ہی فرما دیا کہ:۔

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ (پارہ ۱۳۔ یوسف ع)

اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔

یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر تبلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے۔ میں قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ رب العزت ہی کا چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الٰہی ہوگا۔ میں حکم الٰہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں:۔

مَا کَانَ یُغْنِیْ عَنْھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ . . . .

ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

۱۱۔ امام المرسلین[۲] کی بے اختیاری!

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوب خدا، سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پاک تک کو ذرّہ بھر اختیار نہیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

۱۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ (پارہ ۹۔ اعراف۔ رکوع ۲۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

۲۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (یونس ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی نفع کا مگر جو چاہے اللہ

۱۔ خاتم المفسّرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:۔

استثناء منقطع عند جمع ای وَلٰکِنْ مَا شَآءَ اللّٰہُ تعالیٰ کائن[۱] یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی (میں اپنی ذات کے لئے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا) لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۲۔ علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی (متوفی ۷۱۰ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں رقمطراز ہیں:۔ . . . .

قُلْ یا محمد اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا مِنْ مَرَضٍ اَوْ فَقْرٍ وَلَا نَفْعًا مِنْ صِحَّۃٍ اَوْ غِنًی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ استثنا منقطع ای وَلٰکِنْ مَا شَآءَ اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ کائن[۲]

اے محمد کہہ دیجئے بلاشک و شبہ میں اپنی جان کے لئے بھی مرض و فقر وغیرہ ضرر اور صحت و مالداری وغیرہ نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہے، یہ استثناء منقطع ہے یعنی ولیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۳۔ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (پارہ ۲۹۔ جنّ رکوع ۲)

آپ کہیے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

جن آیات میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لئے نفع و ضرر کے اختیار کی نفی کا واضح اعلان فرمایا ہے، ان کے جواب میں بعض کج ذہن و کج بحث یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ تو حضورؐ نے اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لئے اختیار نہ ہونا اس کو کہاں لازم ہے کہ آپ کو اپنی امت سے متعلق بھی نفع و ضرر اور سود و زیاں کا کوئی اختیار نہیں، اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں، لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں، معاذ اللہ۔

کج بحثی کے ساتھ کج بختی کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ اگر نصیب بھلے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدّر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرما دیا گیا ہے۔ کہ حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی امّت کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک و مختار نہیں

---

[۱] روح المعانی" جلد ۱۱ ص ۱۳۰، سورہ یونس۔

[۲] مدارک تفسیر آیت قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا

انلیمِ بلاغ وہدایت کے تاجدار کو ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں

گو آپ اقلیمِ بلاغ و تبلیغ کے تاجدار اور مسندِ رشد وہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہِ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

۵ - اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ○ (پارہ ۲۰۔ سورہ قصص۔ رکوع ۶)

تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہیں ہدایت دیتے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے۔ اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری"۔ اس آیت کا شانِ نزول صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ القصص، صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

۶ - لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ (شعراء)

شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

آپ کے دل میں بنی نوعِ انسان سے محبت ورحمت کا جو بحر دریا موجزن تھا اس کے طوفان وتلاطم کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر و مشرک جہنم میں نہ جائے۔ سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوشِ رحمت اور دردِ محبت سے آپ کی جان پر بن گئی تھی۔ اس سوز و گداز کے مہلک اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نہ نکلے آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

۷ - فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر ع ۲)

بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ اللہ! بے اختیاری کی حد ہو گئی کہ سوز و گدازِ رحمت کے باعث آپ کی جان کے لالے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔

۸ - لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (پارہ ۴۔ آل عمران ۔ ع ۱۳)

آپ کا کچھ اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرمائے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

جنگِ احد میں کفار کے ہاتھوں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ مشرکین نے ظلم و تعدی میں انتہا کر دی۔ حضرتؐ کے چچا حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا وحشیانہ طور پر مثلہ کیا، ناک، کان، ہونٹ کاٹے، پیٹ مبارک چاک کیا۔ جگر نکال کر چبایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ دندان مبارک شہید ہو گیا۔ ابن قمیئہ کمینے نے بڑھ کر سر اقدس پر تلوار سے وار کیا۔ جس سے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ چہرہ پاک مجروح ہوا اور سارا وجود اطہر لہو میں نہا گیا آپ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت کفار نے مشہور کر دیا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ یعنی حضورؐ قتل ہو گئے۔ اس سے اکثر صحابہؓ کے حواس بجا نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اس وقت زبانِ مبارک سے نکلا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، غزوہ احد، باب لیس لک ...)

۹ - اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ (پارہ ۱۰۔ سورہ توبہ ع ۱۰)

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی جب مر گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے کفن کے لئے قمیص کی درخواست کی آپ نے قمیص دے دیا۔ پھر درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں چنانچہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز پڑھنے سے روکا ہے مگر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا

تَسْتَغْفِرْ لَہُم ..... اور اگر میں جانتا کہ میرے ستر سے زیادہ بار استغفار پر اللہ اسے بخش دے گا تو میں ستر سے زیادہ بار بخشش طلب کرتا۔ غرض آپ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نماز پڑھ کر پھرے ہی تھے کہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ ... وَھُمْ فَاسِقُوْنَ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اس کے بعد کفار و منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے کفن دفن میں شریک ہونے کی صراحت سے ممانعت کردی گئی ——— آپ کی بے اختیاری صاف ظاہر ہے کہ کرتہ بھی دیا، جنازہ بھی پڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس لعین رئیس المنافقین کو نہ بخشا اور حضرتؐ کو آئندہ منافقین کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔

۱۰۔ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (پ ۱۰۔ انفال ع ۸)	اور (اللہ تعالیٰ نے) ان (مسلمانوں) کے دل میں الفت ڈال دی، اگر آپ روئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے۔ (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈالدی بیشک وہ زور (و قوت) والا حکمت والا ہے

اس ارشادِ الٰہی میں جہاں اللہ رب العزت کی صفتِ قدرت و اختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ان کے قلوب میں الفت و محبت کے دریا بہا دیئے۔ وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال بے اختیاری اور عدم قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کرکے بھی آپ قبائل عرب کی بھی دیرینہ عداوتوں اور بغض و کینے مٹا کر ان کو باہم شیر و شکر نہیں فرما سکتے۔

۱۱۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ (پارہ ۷۔ انعام۔ ع ۵)	آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں

تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اہل شرک وہو اعلیٰ الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت کو سنبھال دی ہیں، اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔

مانہم و اللہ یعطی کی صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضورؐ کو عطا کردیئے ہیں ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے نیز کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار اور قاسم و مقسم حضورؐ ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوعِ بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصبِ نبوت کے لئے ان تینوں باتوں کی احتیاج و ضرورت نہیں نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی اللہ نے اپنی بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار و تصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قریبًا انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں، وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ (پارہ ۱۲۔ سورہ ہود۔ رکوع ۳)

خلاصہ | دوسرے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی و بے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری قرآن کریم میں گیارہ مقامات پہ بیان فرمائی گئی ہے۔

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان گیارہ مقامات پر حصر ہے۔ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر احاطہ نہ مقصود ہے نہ آسان،

سنتِ رسولؐ سے نبئ کریمؐ کے ملک و اختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسولؐ احادیث نبویہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدمِ قدرت و بے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ صرف چند ارشادات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ لَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا	حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ نے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ آیت نازل

فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے گروہ قریش! (تم ایمان لا کر) اپنے آپ کو عذاب سے بچالو میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنو عبد مناف! میں اللہ کے سامنے تمہارے ذرہ بھر کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب میں اللہ کے سامنے ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔

یا فاطمۃ بنت محمد سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنكِ من اللہ شیئاً[1]

اور اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے طلب کرے میں اللہ کے مقابلے میں ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا

۲- لَا اَمْلِكُ لَهٗ وَلَا لِنَفْسِیْ شَیْئًا

حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ میں سب سے اول مکہ آکر اسلام لانے والے، مدینہ میں سب سے اول اسلام کے ساتھ داخل ہونے والے، عقبہ کی ہر بیعت میں شامل ہونے والے، انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب اور جنت البقیع میں (بقول انصار) سب سے اول دفن ہونے والے[2] عظیم المرتبت صحابئ رسول تھے۔ انہیں ایک مہلک پھنسی نکلی۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ کی بیماری کو تشریف لے گئے انہیں شوکہ (یعنی مہلک پھنسی) تھی، فرمایا:۔ قاتل اللّٰہُ یھود یقولون لولا دفع عنہ ولا املك له ولا لنفسی شیئاً لا یلومونی فی ابی امامتہ[3] یعنی اللہ یہود کو ہلاک کرے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو امامہ اسعد بن زرارہ کی تکلیف کیوں نہ دور کردی اور حال یہ ہے کہ نہ تو میں ان کے لئے کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہی اپنے لئے، مجھے تم ان کے بارے میں ملامت نہ کرو۔

۳- تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج (مطہرات) کے درمیان تقسیم فرماتے تھے پس عدل فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:۔

---

[1] صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح، باب الانذار والتحذیر)

[2] "طبقات"، جلد ۳ ص ۶۰۹/۶۱۲، "استیعاب"، ترجمہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ۔

[3] "طبقات" ابن سعد جلد ۳ ص ۶۱۰ ذکر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔
(رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

اے اللہ! جو (باری نان ونفقہ وغیرہ ظاہری) تقسیم میرے بس میں تھی وہ میں نے کردی، اب جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں تو آپ اس میں میرا مؤاخذہ نہ فرمائیں[5] (مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی الحب والمودۃ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت طاہرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت ومودت دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ مگر اس پر حضور کا اختیار نہ تھا۔ لہٰذا آپ بارگاہ رب العزت میں معذرت کررہے ہیں۔ تو آپ کو اپنے دل کی محبت والفت پر بھی اختیار نہیں۔ بے اختیاری کی حد ہوگئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴- تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ (استخارہ)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور امام بخاری رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (دعاء) استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے۔ جس طرح ہمیں قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز (نفل) پڑھے پھر کہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ
.... رواہ البخاری۔[1]

الٰہی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں۔

خود فرمائیے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت واختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لئے خاص فرمارہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفات ربانی کی نفی کی جارہی ہے۔

---

[5] مشکوۃ المصابیح، باب التطوع۔ ابو داؤد میں بھی۔ روایت موجود ہے۔

۵-اپنی موت وحیات پر اختیار نہیں

اسی طرح آپ کی ایک اور دعا میں آیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیٰوۃَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاۃَ خَیْرًا لِّیْ .... رواہ النسائی

(مشکوۃ المصابیح باب جامع الدعاء)

الٰہی! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے واسطے سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے خیر ہو اور مجھے وفات دے، جب تیرے علم میں وفات میرے لئے بہتر ہو۔

اس حدیث سے جہاں علم غیب اور قدرتِ کاملہ کا خاصۂ خدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہاں اپنے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے علم کی نفی فرما رہے ہیں نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ موت وحیات اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات و وفات کا بھی اختیار نہیں۔

۶-ایک قطرۂ بارش پر اختیار نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عہد رسالت میں لوگوں کو قحط پیش آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑا ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہوگئے، بال بچے بھوکے ہیں، فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا آپ ہمارے لئے اللہ سے (بارش کی) دعاء فرمائیے، چنانچہ آپ نے (دعاء کے لئے) دونوں ہاتھ اٹھا لئے اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے حضرت نے اپنے ہاتھ نہیں گرائے حتی ثَارَ السَّحَابُ مِثَالَ الْجِبَالِ یہاں تک کہ بادل پہاڑوں کی طرح گھر آیا پھر آپ منبر سے نہیں اترے حَتّٰی رَاَیْتُ الْمَطَرَ یَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ۔ یہاں تک کہ میں نے آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بارش کا پانی گرتے دیکھا۔ پھر ہم پر اس دن دوسرے دن تیسرے دن حتی کہ دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی۔ (جمعہ میں) وہی دیہاتی یا کوئی اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مکان گر گئے، مال غرق ہوگیا۔ آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیے فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا. چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ..... الٰہی! ہمارے گرد و نواح میں برسا ہم پر نہ برسائیو! یہ کہہ کر آپ بادل کی طرف اشارہ فرماتے تھے تو بادل ہٹتا جاتا تھا

یہاں تک کہ مدینے کی فضا پر بادل کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ مگر وادی میں مہینہ بھر پانی بہتا رہا۔ نواحی علاقہ سے جو بھی آدمی آتا تھا وہ شدید بارش کی خبر دیتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (حضرت کی دعا کے بعد) بادل ختم ہوگیا اور ہم (مسجد سے) نکلے تو دھوپ میں چلے صحیح بخاری، صحیح مسلم (مشکوۃ المصابیح باب فی المعجزات)

اللہ اللہ! دو قطرے پانی کی ضرورت ہے تو صحابی رضی اللہ عنہ درخواست کرتا ہے کہ فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا آپ ہمارے لئے اللہ سے اس کی دعاء فرمائیں۔ اور اگر بارش رکوانی ہے تو بھی عرض کرتے ہیں آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں۔ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پانی کے قطروں کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہی بارش ختم کرانی ہے تو بھی رب قادر وقدیر کی بارگاہ قدس میں دستِ سوال دراز کرکے دعا کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا محبوب رب العالمین کی شانِ محبوبیت ومقبولیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ اگر آپ مطلق بارش کی دعا کرتے ہیں اور وقت کی تعیین نہیں کرتے تو اللہ رب العزت بھی وقت کی تعیین نہیں فرماتے اور آٹھ دن لگاتار رات دن بارش برسائے جاتے ہیں لیکن باایں ہمہ بے اختیاری وبے بسی کا حال یہ ہے کہ بارش کے قطرے مانگتے ہیں تو اسی ذات قادر سے! اور بارش ختم کرنے کا سوال کرتے ہیں تو اسی رب قدیر سے!

۷-اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں اللہ رب العزت کے لئے قدرت واختیار اور اپنے لئے فقر و بے اختیاری بیان فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی چنانچہ آپ نے حکم دیا اور منبر عیدگاہ میں رکھ دیا گیا۔ آپ نے منبر پر بیٹھ کر اللہ کی تکبیر اور حمد بیان کی پھر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ ....

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے نیاز ہے اور ہم محتاج ہیں

اس کے بعد آپ نے بارش کے لئے دعا فرمائی.... پھر آپ نے منبر سے اتر کر نماز پڑھی پس اللہ نے بادل بھیج دیا بجلی کڑکی اور چمکی پھر اللہ کے حکم سے

بارش شروع ہوگئی پس آپ اپنی مسجد نبوی تک واپس نہیں پہنچے تھے لوٹنے لگے جب آپ نے لوگوں کو جلدی سے مکانوں کو جاتے دیکھا تو آپ خوب ہنسے اور فرمایا

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔

رواہ ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الاستسقاء)

میں گواہی دیتا ہوں کہ بالیقین اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے حضرت سائل ہیں

لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کو خیر و شر کے تمام خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں دعا کرتے ہیں۔

۸۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ۔

الٰہی! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔ (مستدرک حاکم جلد اول ص ۵۲۵)

۹۔ معطی اللہ ہے اور حضرت قاسم

بروایت حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ

رواہ بخاری۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب رزق الولاۃ)

نہ تو میں تمہیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں۔ جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

سبحان اللہ! توحید کی حقیقت کتنی عمیق سمجھائی جا رہی ہے کہ گو بظاہر مال و دولت آپ دے رہے ہیں، مگر ساتھ ہی فرما رہے ہیں کہ یہ منع و اعطا، درحقیقت من جانب اللہ ہے، میں تو صرف ایک واسطہ ہوں۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے دے دیتا ہوں اور جہاں اللہ نہ دینے کا حکم دیتا ہے۔ نہیں دیتا۔ تو رسول کی حیثیت صرف واسطہ و وسیلہ کی ہے حقیقت میں معطی و مانع ذات پاک رب العزت ہے۔

۱۰۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ۔ متفق علیہ[1]

اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطاء فرماتے ہیں، اور میں تو صرف تعلیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مال و دولت کی طرح علم و فہم بھی اللہ تعالیٰ عطاء فرماتے ہیں۔ رسول کریمؐ تو صرف قاسم ہیں وہ تو اپنی ساری امت کو وحی الٰہی کی برابر تبلیغ فرما دیتے ہیں۔ اگر مراتب علم و فضل میں کوئی فرق ہے، کوئی زیادہ عالم و فاضل ہے فقیہہ و مجتہد ہے کوئی کم، تو اس میں رسولؐ کا دخل نہیں، یہ فرق و امتیاز مراتب فہم میں فرق کی وجہ سے ہے۔ اور یہ خدا کی دین ہے وہ جس کی بہتری چاہتے ہیں اسے دین و علم کا فہم و فقہ دے دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "صاحب مشکوٰۃ" کی طرح اس حدیث کو اپنی صحیح کے اندر کتاب العلم میں روایت کیا ہے اس سے بھی اسی حقیقت پر دلالت ہوتی ہے اور حدیث شریف کے سباق سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں دین کا علم و فہم مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فقہ عطا فرما دیتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: دیتے اللہ ہیں، میں تو صرف بانٹتا ہوں، یعنی میں تو صرف قرآن و حدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں باقی رہی اس کی سمجھ، سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔

یار لوگوں نے اس حدیث پاک سے الٹا نبی کریمؐ کا تصرف و اختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اہل علم و نظر کے نزدیک تو اس ارشادِ رسولؐ سے خود آپ کے ملک و اختیار کی نفی واضح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا حَالَ حَيٰوتِهِمْ كَمَا اَنَّهُمْ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ وَاسْتَدَلَّ بِهٰذَا

بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم

اَلحدیثِ وَقَالَ اَنَّہٗ قَاسِمٌ لَاغَیرَ وَلَا مِلکَ لَہٗ اَصلًا۔ [1]

نہیں۔ اور انہوں (یعنی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے اسی حدیث (اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللہُ یُعطِی) سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ آپ صرف قاسم ہیں۔ اور ملک و اختیار آپ کا بالکل نہیں۔

۱۱۔ مجھے اللہ بچائے گا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے واپسی پر دوپہر کے وقت ایک وادی میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول اجلال فرمایا، لوگ سایہ دار درختوں کے نیچے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے۔ اور اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی، ہم سوئے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بُلایا اور ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے میری تلوار کھینچ لی۔ میں جاگ اُٹھا (دیکھا) تو تلوار اس کے ہاتھ میں بے نیام تھی، اس نے کہا مَن یَمنَعُکَ مِنِّی۔ یعنی اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ تین بار فرمایا، اس کے بعد آپؐ بیٹھ گئے اور اس شخص سے کوئی انتقام نہ لیا، (صحیح بخاری، صحیح مسلم) ابوبکر اسمٰعیلیؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ نے کہا اللہ! (یہ جواب سن کر ہیبت کی وجہ سے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔[2] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی، اور فرمایا اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟... کتاب الحمیدی اور ریاض (یعنی ریاض الصالحین للنوویؒ) میں اسی طرح ہے۔[3]

---

[1] "فیض الباری" جلد اوّل ص ۱۷، "فیض الباری" چار جلدوں میں صحیح بخاری کی شرح ہے۔ امام العصر شیخ الاسلام حضرت انور شاہ رحمہ اللہ کی تقریر ہے اور املا حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ کی۔

[2] صاحب "روح المعانی" نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ وہ دشمن خدا منہ کے بل گر پڑا وَ خَبَطَ ... اللّٰہِ تعالیٰ لوجھہ ...... (تفسیر روح المعانی، سورہ نساء آیت دَخَلَ ...)

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التوکل والصبر۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری ظاہر ہے کہ اپنا بچاؤ اور تحفظ بھی آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور دشمنوں سے اللہ ہی آپ کو بچاتے ہیں

۱۲۔ فَقرٌ اِلَی اللّٰہ

رزینؒ (متوفی ۵۲۰ھ) نے روایت کی ہے کہ (مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حضور بھی صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں وغیرہ اُٹھا رہے تھے، چنانچہ آپ کے ہاتھ میں اینٹ تھی ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا:۔

اِذھَب فَخُذ غَیرَھَا فَلَستَ بِاَفقَرَ اِلَی اللّٰہِ مِنِّی .... [1]

جاؤ تم دوسری اینٹ اُٹھا لاؤ۔ تو مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔

سبحان اللہ! رحمۃ للعالمین ہیں، امام المرسلین ہیں، سیدالاوّلین والآخرین ہیں مگر رب العزت کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کوئی دوسرا، تو کیا فقر و محتاج بھی مختار کل ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ دعا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت بارگاہِ رب العزت میں طالب دُعاء رہتے تھے، اسی کتاب کے گزشتہ ابواب میں آپؐ کی دعاؤں کا کچھ حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ ہمہ وقت دعا۔ صبح و شام، رات دن دعا۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا۔ سفر پر جاتے۔ گھر سے نکلتے، واپس آتے دُعا۔ وضو اور نماز کے بعد دعاء۔ نماز کے اندر دعاء۔ باہر دُعا۔ ہر وقت، ہر مجلس میں خلوت وجلوت میں اللہ سے دُعاء حتیٰ کہ بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا غرض آپ کی پوری حیاتِ طیبہ کا طول و عرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصل و اساس ہی دعا کرنے والے کی بے بسی و بے اختیاری ہے۔ مجبوری و لاچاری ہے۔ اگر اختیار و اقتدار ہو تو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے اور جب ہر وقت دستِ طلب و دعاء دراز ہے تو اختیار کہاں؟ دعاء تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔

---

[1] "وفاء الوفاء" جزء اوّل ص ۳۳۳، وفاء الوفا۔ تاریخ مدینہ طیبہ پر علامہ سمہودیؒ کی چار جلدوں پر مشتمل بے نظیر کتاب ہے۔ علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی المصری المدنی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے مفتی مدرس اور مورخ تھے۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

۱۴۔ شفاعت

شفاعت کے معنی ہیں سفارش۔ کسی کو کسی کے لئے سفارش کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت امتِ مسلمہ کا متفقہ عقیدہ و ایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے۔ اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر مجھے کسی بات کا خود اختیار ہے تو میں اس کے متعلق کسی دوسرے کو سفارش کیوں کروں گا۔ وہ کام خود ہی کیوں نہ کر لوں گا۔ تو شفاعت کا منشاء بے بسی و بے اختیاری ہے۔ اگر نبی کریمؐ کی شفاعت مسلّم ہے تو آپ کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اگر آپ کے مختارِ کل ہونے کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا۔ شفاعت نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں؟

خلاصہ

قرآن کریم میں ۱۱ مقامات پر اور سنتِ رسولؐ سے ۱۴ [۲] مقامات پر کل ۲۵ بار ثابت ہے کہ نبی کریمؐ امام المرسلین کو نفع و نقصان کا ملک و اختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا بے بسی و بے اختیاری کے ان پچیس شواہد و نصوص کے بعد بھی آپ کے مختارِ کل ہونے کا ادّعاء باطل برابر جاری رہے گا؟ پھر قرآن کریم کے دس مقامات سے دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے اختیاری ثابت ہو چکی ہے۔ امام المرسلین سیّد الانبیاء سمیت تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی پینتیس ۳۵ نصوص کتاب و سنت سے مطلق بے اختیاری ثابت و واضح ہونے کے بعد اور کون "تیس مار خاں" ہے۔ جس کو اختیار حاصل ہو؟

سنّتِ رسولؐ سے کُل اختیار و قدرت تمامتہ خدا ہونے اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلق نفی کا بیان!

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسولؐ سے بھی یہی ثابت ہے کہ قدرتِ کاملہ و اختیارِ کلیہ خاصّۂ خدا ہے۔ احادیثِ نبویؐ میں نہایت صراحت و تکرار کے ساتھ اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطورِ وظیفہ خود بھی اس

[۲] ان پر حصر نہیں، نہ حصر مقصود ہے اور نہ ہی یہ کوئی آسان کام ہے۔

قسم کے الفاظ عموماً پڑھا کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان وظائف کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً:-

حضرت کا ہر نماز کے بعد کا وظیفہ

۱۔ بروایت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق علیہ) [۱]	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی سلطنت ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، الٰہی! جو تو عطاء فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دے

وہ کوئی نہیں دے سکتا، اور تیرے سامنے کسی دولت والے کو اس کی دولت نفع نہیں دے سکتی۔ (یا تیری بارگاہ میں کسی عزت والے کو اس کی عزت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی)

ایک مردِ مومن حضرتؐ کی سنت کے اتباع میں ان صفاتِ ربّانی کو آٹھ پہر میں پانچ وقت دہراتا ہے کہ جب اس کے سوا معبود کوئی نہیں اور جب ملک و بادشاہی اسی کی ہے تو منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی وہ واحد و لاشریک ہے وہی دینے والا ہے اور وہی نہ دینے والا۔ وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور وہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔

اللہ ربّ العزت کے اقتدار و اختیار کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی کا کیا مؤثر انداز ہے۔

صبح و شام کا وظیفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبح و شام کا ورد و وظیفہ فرمایا ہے:-

۲۔ بعض بناتُ النبیؐ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے تھے کہ صبح و شام کہا کریں۔

[۱] مشکوٰۃ المصابیح "باب الذکر بعد الصلوٰۃ"۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاْ لَمْ یَکُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا	اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے اور اللہ کے سوا کسی کو کوئی زور و قوت نہیں جو اللہ چاہے وہی ہوگا اور جو وہ نہ چاہے وہ نہ ہوگا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ

ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

فرمایا جو شخص صبح کو یہ کہے وہ شام تک محفوظ رہتا ہے اور جو شام کو یہ کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ [1]

تو مسلمان کا صبح و شام کا وظیفہ یہی ہے کہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ رب العزت ہے۔ اور علم کل و علم محیط و بسیط بھی اسی کی شان ہے۔

دن بھر میں سو بار

۳۔ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرمایا۔ جس نے دن میں سو بار پڑھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور یہ اس کے لئے شیطان سے بچاؤ (کا ذریعہ) ہے، یہاں تک کہ شام ہو جائے وَلَمْ یَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِہٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَکْثَرَ مِنْہُ۔ (متفق علیہ) [2] اور اس سے کوئی شخص بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا مگر وہ شخص جس نے ان کلمات کو اس سے بھی زیادہ پڑھا۔

سبحان اللہ! صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی ان خاص صفات کا ورد و وظیفہ کرنے والے کے لئے کتنا اجر و ثواب ہے۔

۴۔ اور حضرت ابو عیاشؓ کی روایت میں ہے فرمایا، جس نے صبح کو کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس کے لئے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔ اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں گرا دی جائیں گی، اور اس

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب ما یقول عند الصباح والمساء۔
[2] " " " ثواب التسبیح......

کے دس درجے بڑھا دیئے جائیں گے اور وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا اور اگر شام کو یہی کلمات کہے گا تو یہی اجر ملے گا۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ) [1]

صرف انہی وظائف پر بس نہیں۔ بلکہ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۱ پر چودہ (۱۴) احادیث پاک پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ مطلقہ سے متعلق اذکار اور ان کے فضائل کا بیان ہے۔ ان احادیث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیا جائے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اسلام کا تیسرا کلمۂ تمجید ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اس کلمہ پاک کا ایک حصہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اس کے معنی ہیں، نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ کے، گویا جس مضمون کو قرآن کریم میں عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سے بیان فرمایا گیا ہے نہ صرف اس مضمون کو حدیث پاک لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ بلکہ غیر اللہ سے قدرت و طاقت کی نفی مستزاد ہے۔ قدرت و طاقت اور قوت کا سرچشمہ صرف ذات پاک رب العزت ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو کسی کو قدرت و طاقت حاصل ہے نہ قوت۔ تو اس انداز اور ان الفاظ میں بھی قدرت و اختیار کو اللہ تعالیٰ کا حق ثابت کیا گیا ہے۔ اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلقاً نفی کی گئی ہے۔ اب دیکھئے یہ انداز و الفاظ بھی نبی کریمؐ کے وظائف میں شامل ہیں۔

گھر سے باہر نکلتے وقت کا وظیفہ

۵۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر نکلتے تھے تو یہ کہتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ التُّکْلَانُ عَلَی اللّٰهِ۔ [2]	اللہ کے نام کے ساتھ، اور قدرت و طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے اور اللہ کے سپرد ہوں۔

۶۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے اور کہے،

---

[1] مشکوٰۃ باب ما یقول عند الصباح والمساء۔ [2] ابن ماجہ باب ما یدعو بہ الرجل اذا خرج...

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

اللہ کے نام کے ساتھ، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں قدرت اور طاقت وقوت اللہ کے سوا نہیں ہے۔

تو (بذریعہ فرشتہ) اسے جواب دیا جاتا ہے تو ہدایت دیا گیا۔ اور کفایت کیا گیا اور تو محفوظ ہو گیا ...... (ابوداؤد، ترمذی) ؎۱

ہر وقت کا وظیفہ

نہ صرف گھر سے نکلتے وقت بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر وقت کا وظیفہ قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا۔

۷۔ أَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَإِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ رواہ الترمذی

لاحول ولا قوۃ۔۔ کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ جنّت کا خزانہ ہے۔

۸۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تجھے جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی خبر نہ دوں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ، فرمایا۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ متفق علیہ ؎۳

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کہا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

كُفِّرَتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ ؎۴

اس کے گناہ معاف کر دیئے گو سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

۱۰۔ بروایت ابوہریرہؓ ارشاد فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ دَاءً أَيْسَرُهَا الْهَمُّ۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ننانوے ۹۹ بیماریوں کی دوا ہے جن میں سے معمولی غم والم ہے۔

۱۱۔ نبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے وہ ...مہ نہ بتلاؤں،۔

؎۱ مشکوٰۃ، باب الدعوات فی الاوقات، ؎۲ مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح ------،

؎۳ ...لوۃ المصابیح، باب ثواب التسبیح۔ ؎۴ مستدرک حاکمؒ، جلد اوّل ص ۵۰۳ کتاب الدعاء

من تحت العرش من كنز الجنّة لا حول ولا قوة إلا بالله۔ رواهما البيهقي في الدعوات الكبير ... ؎۱

جو تحت العرش جنّت کا خزانہ ہے (وہ عرشی وجنتی خزانہ ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔

صبح وشام گھر سے نکلتے وقت، اور ہر وقت کا وظیفہ، جنّت کا اور تحت العرش خزانہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ اس کی عظمت کا سارا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی ہے۔

اللہ کے حکم کے خلاف ساری دنیا مل کر نفع نقصان نہیں دے سکتی

۱۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا، میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ (دارین میں) تمہاری حفاظت کریگا اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر، اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ

اور جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کوئی نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے مقدر کر دیا ہے۔ (تقدیر کے) قلم لکھ چکے اور رجسٹر خشک ہو چکے، رواہ احمد والترمذی ؎۲

سبحان اللہ! سوال کرنا، دعا کرنا۔ مدد طلب کرنا یہ اللہ ہی کی ذات سے لازم ہے ساری دنیا مل کر بھی اللہ کی مشیئت اور تقدیر الٰہی کے خلاف کسی کو نہ تو کوئی فائدہ

؎۱ مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب التسبیح

؎۲ "مشکوٰۃ المصابیح"، باب التوکل والصبر

پہنچا سکتی ہے۔ نہ نقصان، نفع نقصان پہنچانا یہ صرف خاصۂ خدا ہے۔ غیر اللہ کے اختیار و اقتدار کی نفی کا اس سے بہتر انداز اور کون سا ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو عزم کے ساتھ دعا مانگے۔

اِنَّہٗ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَلَا مُکْرِہَ لَہٗ۔ بالیقین وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں۔ (صحیح بخاری) ؎۱

ساری دنیا پر اس کی مشیئت و قدرت غالب ہے۔ کسی کی کیا مجال ہے جو اس قادر مطلق پر دباؤ ڈال سکے۔ زبردستی کر سکے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ تو کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول سے بھی اسی حقیقت کا وضوح و اثبات ہوا کہ قدرت و اختیار خاصۂ خدا ہے۔ نفع نقصان کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بھی نفع نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں۔

آثارِ صحابہؓ و اقوالِ سلف

کتاب و سنت کے بعد اب حضرات صحابہؓ و کبار اولیاء کے آثار و اقوال سے اللہ رب العزت کے لئے اختیار و قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی ملاحظہ ہو۔

حجرِ اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب!

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور (حجر اسود سے) فرمایا۔

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ۔ (متفق علیہ) ؎۲

میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

؎۱ ترجمان السنۃ جلد دوم حدیث نمبر ۶۳۹۔

؎۲ مشکوٰۃ المصابیح باب دخول المکۃ والطواف۔ نیز مؤطا امام مالکؒ باب تقبیل الرکن الاسود، ابوداؤد باب فی تقبیل الحجر اور ترمذی باب فی تقبیل الرکن میں بھی یہ روایت ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بحوالہ دارقطنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ؎۱

ایک عظیم و معظم پتھر ہے۔ شعائر میں داخل ہے۔ اسے بوسہ دینا سنتِ ثابتہ و معمولِ صحابہؓ و امت ہے مگر حضرات شیخینؓ اس کے نافع و ضار ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تاکہ کل کوئی اس کی عظمت کی وجہ سے اسے نفع نقصان کا مالک نہ سمجھنے لگ جائے۔

حضرت محبوب سبحانیؒ کا ارشاد

سرخیل صلحاء امت امام الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب فرماتے ہیں۔ اور الفاظ مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کس درجہ مشابہ ہیں۔

۱۔ وَاِنَّ الْخَلَائِقَ لَوْ جَهَدُوْا اَنْ یَّنْفَعُوا الْمَرْءَ بِمَا لَمْ یَقْضِهِ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمْ یَقْدِرُوْا عَلَیْہِ وَلَوْ جَهَدُوْا اَنْ یَّضُرُّوْہُ بِمَا لَمْ یَقْضِهِ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمْ یَسْتَطِیْعُوْا کَمَا وَرَدَ فِیْ خَبَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ تَعَالٰی وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ الاٰیۃ

۲۔ آپ کی مرض وفات میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے آپ سے وصیت کی استدعا کی تو فرمایا۔

۲۔ عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَا تَخَفْ اَحَدًا سِوَی اللّٰہِ وَلَا تَرْجُ اَحَدًا سِوَی اللّٰہِ وَکِلِ الْحَوَائِجَ اِلَی اللّٰہِ وَلَا تَعْتَمِدْ اِلَّا عَلَیْہِ وَاطْلُبْھَا جَمِیْعًا مِّنْہُ تَعَالٰی وَلَا تَثِقْ بِاَحَدٍ غَیْرِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلتَّوْحِیْدُ اَلتَّوْحِیْدُ اِجْمَاعُ الْکُلِّ۔ ؎۳

اپنے اوپر خدا کے تقویٰ کو لازم رکھو اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ نہ کسی سے امید رکھو تمام حاجتیں اللہ کو سونپ دو اس کے سوا کسی پر تکیہ نہ کرو، سب کچھ اسی سے طلب کرو۔ اور اللہ سبحانہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو۔ توحید پر قائم رہو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے۔

شیخ المشائخ ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں۔

؎۱ تاریخ الخلفاء فصل فیما روی عن ابی بکرؓ ؎۲ غنیۃ الطالبین جلد اول فصل بیان عذاب

؎۳ تکملہ فتوح الغیب

۳- لَا یَمْلِکُ مَعَہٗ تَعَالٰی فِی مُلْکِہٖ اَحَدٌ شَیْئًا لَا ضَارٌ وَلَا نَافِعٌ وَلَا دَافِعٌ وَلَا جَالِبٌ وَلَا مُسْقِمٌ وَلَا مُبْلِی وَلَا مُعَافِی وَلَا مُبْرِیٌٔ غَیْرُہٗ فَلَا تَشْتَغِلْ بِالْخَلْقِ لَا فِی الظَّاہِرِ وَلَا فِی الْبَاطِنِ فَاِنَّھُمْ لَمْ یُغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔ لہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ملک و اختیار میں کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں اللہ کے سوا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع، نہ کوئی تکلیف دفع کرنے والا ہے نہ کوئی بھلائی کرنے والا، نہ کوئی بیمار کرنے والا ہے نہ کوئی آزمائش میں ڈالنے والا اور نہ کوئی صحت دینے والا ہے نہ کوئی نجات دینے والا۔ لہٰذا مخلوق میں مشغول نہ ہو نہ ظاہراً نہ باطناً۔ کیونکہ یہ بالیقین اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آسکتے۔

اللہ اللہ! اقلیم علم و تصوف کے اس تاجدار نے کس زوردار انداز اور مؤثر الفاظ میں اللہ رب العزت کی قدرت و اختیار کے اثبات کے ساتھ ساری مخلوق تمام ماسوی اللہ کے اختیار کی مطلق نفی فرمائی ہے۔

مگر آہ! آج جھوٹے مدعیان تصوف غیر اللہ کے لئے اختیار ثابت کرنے اور انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مگر ان تاجدارانِ اقلیم ولایت و صدر نشینانِ مسندِ تصوف کے مقابلے میں ان کی بے سند و بے دلیل بات ایک بڑے سے زیادہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ:-

کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے!

سیدنا حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت بلالؓ وغیرہ جن سات مظلوم و مقہور اوّلین سابقین اصحاب رسولؐ کو خرید کر آزاد فرمایا، ان میں ایک مظلومہ صحابیہ حضرت زنیرہؓ بھی تھیں:-

۱- وَاُصِیْبَ بَصَرُھَا حِیْنَ اَعْتَقَھَا فَقَالَتْ قُرَیْشٌ مَا اَذْھَبَ بَصَرَھَا اِلَّا

جب انہیں (خرید کر) آزاد کیا گیا تو ان کی بینائی جاتی رہی، قریش کہنے لگے اس

اللَّاتُ وَالْعُزّٰی فَقَالَتْ کَذَبُوْا وَبَیْتِ اللّٰہِ مَا تَضُرُّ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی وَمَا تَنْفَعَانِ فَرَدَّ اللّٰہُ بَصَرَھَا لہ

کی بینائی لات و عزیٰ نے ختم کر دی ہے، حضرت زنیرہؓ نے فرمایا یہ جھوٹ بکتے ہیں، رب کی قسم! لات و عزیٰ نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔

۲- علی ہذا مشرکین مکہ جنگ میں بتوں کو پکارتے تھے۔ غزوہ اُحد میں فرمایا:-

نَادَی الْمُشْرِکُوْنَ بِشِعَارِھِمْ: یَا لَلْعُزّٰی! یَا لَھُبَلَ! ٹہ

مشرکین نے اپنے معمول کے مطابق پکارا اے عزیٰ! اے ھُبل!

اُحد ہی کے دن فتح کے نشے میں مخمور ہو کر ابوسفیان نے ھُبل کی جے پکارتے ہوئے کہا تھا:-

اُعْلُ ھُبَلُ اُعْلُ ھُبَلُ۔

ہبل کا بول بالا، ہبل کا بول بالا۔

حضورؐ نے فرمایا تم اس کو جواب نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کن الفاظ سے یارسول اللہ؟ فرمایا تم کہو:-

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ۔ ؎۳

اللہ ہی سب سے بالا ہے اور اللہ ہی بڑی شان والا ہے۔

اِس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے نادر و حیرت انگیز واقعات اور انکی ایمان افروز کرامات!

ہمارے اسلاف کرام کو اس ایمان و یقین میں — کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی چیز نفع نقصان نہیں پہنچا سکتی — اس درجہ غلو تھا کہ وہ اشیاء میں ان کی خداداد تاثیر و خاصیت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اپنے اس یقینِ کامل کی بنا پر مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کا نام لے کر سمندر میں کود پڑتے تھے اور نہیں ڈوبتے تھے، آگ کے شعلوں میں ڈالے جاتے تھے اور نہیں جلتے تھے، زہر پھانک لیتے تھے اور نہیں مرتے تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۱- خلافتِ صدیقی میں حضرت علاءؓ بن الحضرمی نے بحرین کے مرتدین پر حملہ کر کے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا، جو بچ گئے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر دارین پہنچ گئے دارین خلیج فارس کا ایک جزیرہ ہے ساحل سے بذریعہ کشتی چوبیس گھنٹوں کی مسافت پر!

حضرت علاءؓ بن الحضرمی نے ان کے تعاقب میں اس جزیرے پر حملہ کا فیصلہ کیا مگر کشتیاں تھی نہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے لشکر سے خطاب میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سمندر میں بھی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا

لہ "سیرت ابن ہشام"، جلد اوّل ص ۳۴۰ و "استیعاب" و "اصابہ" ترجمہ حضرت زنیرہؓ۔
ٹہ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۲ ؎۳ صحیح بخاری باب غزوۂ اُحد۔

سکتا ہے۔ لہٰذا تم سمندر میں کود پڑو۔ سارے لشکر نے کہا "ہمیں کوئی خطرہ نہیں"۔ اور پورے لشکر نے توکلاً علی اللہ سمندر میں اپنے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے ڈال دیئے۔ حضرت علاءؓ اور سارے لشکر نے یہ دعا کی:۔ یا ارحم الراحمین! یا کریم، یا حلیم، یا احد، یا صمد، یا محی الموتی، یا حیّ یا قیوم، لا الٰہ الا انت یا ربنا۔ اللہ کے حکم سے سب پار ہو گئے وہ سمندر میں ایسے جا رہے تھے جیسے نرم ریت پر چل رہے ہوں، سمندر کے پانی سے اونٹوں کے صرف پاؤں تر ہوئے۔ دارین پہنچ کر تمام مرتدین کو قتل کر دیا۔ (لشکر کے ایک جرنیل) حضرت عفیف بن المنذر نے اس واقعہ پر کہا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ ذَلَّلَ بَحْرَهٗ
وَ اَنْزَلَ بِالْكُفَّارِ اِحْدَى الْجَلَائِلِ
دَعَوْنَا الَّذِىْ شَقَّ الْبِحَارَ، فَجَاءَنَا
بِاَعْجَبَ مِنْ فَلْقِ الْبِحَارِ الْاَوَائِلِ [۲]

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تابع کر دیا اور کفار پر ایک مصیبتِ عظمیٰ ڈال دی ہم نے اس ذات کو پکارا جس نے سمندر کو پھاڑ دیا تھا پس وہ ہماری مدد کو آن پہنچا اور پہلی دفعہ سمندر کو پھاڑ دینے کی نسبت زیادہ عجب انداز میں آن پہنچا۔

۲۔ عہدِ صدیقی میں اسود عنسی کذاب نے حضرت عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی کو اپنی نبوت کے انکار اور رسالتِ محمدی کے اقرار پر آگ کے شعلوں میں ڈال دیا مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا۔ یہ خلافتِ صدیقی میں مدینہ آئے۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں گلے لگا لیا، اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا اللہ کا شکر ہے۔ جس نے مجھے اس وقت تک نہ مارا جب تک مجھے اُمتِ محمدیہ میں ایسا شخص نہ دکھا دیا جس کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو ابراہیمؑ خلیل اللہ کے ساتھ ہوا تھا (استیعاب" ترجمہ ابو مسلم خولانی)

۳۔ اسی طرح مشہور ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک موقع پر زہر ہلاہل پھانک لی مگر زہر نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا!

کتاب اللہ اور سنّتِ رسول، آثار صحابہ اور اقوال و ارشادات فقہاء امت و اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے یہ ثابت ہے کہ تصرّف و اختیار صرف ذات پاک رب العزّت کا حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا خیر و شر اور نفع نقصان کا مالک کوئی بھی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کے اختیار کا گندہ عقیدہ مسلمانوں میں کہاں سے درآمد ہوا؟

اس عقیدہ کا ماخذ "تشیع" ہے۔ یہ اہل تشیع کا ایمان و عقیدہ ہے کہ تدبیر امور حتیٰ کہ خلق مخلوق اور تحلیل و تحریم کا اختیار نبی کریمؐ اور ائمہؒ کو حاصل ہے۔ چنانچہ شیعوں کی بنیادی کتاب اصول کافی میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَّضَ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرَ خَلْقِهٖ [۳]

بیشک اللہ عزّ وجلّ نے اپنی مخلوق کے کام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیئے ہیں۔

دوسرے مقام پر ہے:۔ فَهُمْ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَاءُوْنَ وَيُحَرِّمُوْنَ مَا يَشَاءُ

[۱] [۲] یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں راستے بنا دینے کی طرف اشارہ ہے۔
[۲] طبری جلد ۳ ص ۵۲۵ تا ۵۲۷، و اصابہ ترجمہ عفیف بن المنذر [۳] اصول کافی باب التفویض الیٰ رسول اللہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں۔

وَاَمَّا الْمُفَوِّضَةُ فَهُمُ الْقَائِلُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَوَّضَ تَدْبِيْرَ الْخَلْقِ اِلَى الْاَئِمَّةِ وَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَقْدَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خَلْقِ الْعَالَمِ وَتَدْبِيْرِ الْخَلْقِ وَاِنْ كَانَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَكَذٰلِكَ قَالُوْا فِيْ حَقِّ عَلِيٍّ رض [۱]

مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے امور کی تدبیر ائمہ کے سپرد کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق عالم اور تدبیر کائنات پر قادر فرما دیا ہے۔ اور دنیا کی کوئی چیز اللہ نے پیدا نہیں کی۔ اور اسی طرح حضرت علی رض کے حق میں کہتے ہیں (کہ خلق و تدبیر عالم اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دیا۔)

ذاتی نہ! بلکہ عطائی

مفوّضہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ نبی کریمؐ یا حضرت علیؓ کو ذاتی قدرت و اختیار حاصل ہے۔ ان کا ایمان و یقین یہ تھا کہ اللہ ربّ العزّت نے انہیں خلق و تدبیر عالم کے اختیارات تفویض کر دیئے ہیں، اسی طرح کتاب و سنّت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مشرکین کا بھی اپنے معبودین سے متعلق یہ ایمان و یقین نہیں تھا کہ وہ ان کی مشکل کشائی و حاجت روائی پر ذاتی طور پہ قادر ہیں۔ نہ وہ اپنے معبود اللہ کے نیک اور صالح و مقبول بندوں کو صفاتِ ربّانی میں ذاتی طور پر شریک مانتے تھے، ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ اللہ کے یہ بندے ہمیں خدا سے قریب کر سکتے ہیں، بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہمارے کام کرا سکتے ہیں۔

گویا وہ بالواسطہ طور پر اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے اور ان کی من جانب اللہ عطائی مِلک و قدرت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین طواف کرتے وقت کہتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ ۔ ۔ ۔ ۔ [۲]

یعنی مشرکین مکّہ کہتے تھے کہ اے اللہ ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں، تیرا کوئی

[۱] غنیۃ الطالبین" حصہ اوّل فصل اصناف الرافضۃ۔ [۲] صحیح مسلم باب التلبیہ۔

شریک نہیں، مگر وہ آپ کا شریک (ضرور) ہے، جس کا تو مالک ہے اور اس کی تمام مملوکات کا بھی تو ہی مالک ہے۔

تو وہ ذاتی طور پر کسی کو بھی مِلک و قدرت میں خدا کا شریک نہیں مانتے تھے اور جن کو وہ خدا کا شریک مانتے تھے، ان میں عطائی قدرت و مالکیت اور اختیار و اقتدار کے قائل تھے نہ کہ ذاتی طور پر انہیں قادر و مالک مانتے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

اِعلَمْ اَنَّ لَیسَ فی العَالَمِ اَحَدٌ یُثبِتُ لِلّٰہِ شَرِیکًا یُسَاوِیہِ فی الوُجُودِ وَالقُدرَۃِ وَالعِلمِ وَالحِکمَۃِ وَھٰذَا مِمَّا لَمْ یُوجَدْ اِلَی الاٰنَ [1]

جان لو کہ سارے جہان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ایسا شریک مانتا ہو جو وجود قدرت اور علم و حکمت میں اللہ کے برابر ہو۔ اور ایسا عقیدہ اس وقت تک (دنیا میں کہیں) موجود نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی صفات، قدرت علم اختیار و مِلک جو بھی ہیں ذاتی ہیں، اس طرح ذاتی صفات کا مالک دنیا میں کسی مشرک نے اپنے معبودین کو نہیں مانا۔ جس نے مانا اپنے معبود کو عطائی صفات کا مالک مانا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مِلک و قدرت اور علم و حکمت عطاء کی ہے۔ مالک حقیقی نے یہ صفات انہیں بخشی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ان (مشرکین) میں سے بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ:۔ بیشک آقا اور مدبّر تو اللہ ہی ہے

لکنہ قد یخلع علیٰ بعض عبیدہٖ لباس الشرف والتألہ ویجعلہ متصرفًا فی بعض الامور الخاصّۃ۔

لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیّت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں کا اختیار دے دیتا ہے، .... اس وجہ سے ایسے اشخاص کو بندگانِ خدا (عباد اللہ) کہنے کی لوگوں کو جرأت نہیں ہوتی وہ ان کو ابن اللہ اور محبوب اللہ کہتے ہیں اور اپنا نام ایسا رکھتے ہیں جن میں ان کا عبد (غلام) ہونا ظاہر ہو جیسے عبد المسیح اور عبد العزّیٰ۔

[1] تفسیر کبیر جز ۲ ص ۱۱۲ تفسیر آیت فَلَا تَجعَلُوا لِلّٰہِ اَندَادًا۔

وَھٰذَا اَمرَضَ جمھور الیھود والنصاریٰ والمشرکین وبعض الغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم یومنا ھٰذا [1]

یہ مرض عام یہود و نصاریٰ مشرکین اور آج دین محمدی کے بعض غالی منافقوں کو لاحق ہے۔

عام یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو اس مرض میں مبتلا تھے ہی وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کا مالک یقین کرتے تھے، اپنے آپ کو ان کا غلام اور عبد سمجھتے تھے اور اپنے نام عبد المسیح اور عبد العزّیٰ وغیرہ رکھتے تھے مگر آہ! کہ آج بعض مسلمان کہلانے والے بھی اس مرض کا شکار ہو گئے ہیں وہ بھی حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کو عطائی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ اپنے نفع نقصان اور سود و زیاں کا اختیار انہیں دیتے ہیں۔ دُکھ، درد مصیبت اور تکلیف کے وقت انہیں پکارتے ہیں، انہیں اپنا آقا، مالک و مختار جانتے ہیں، خود کو ان کا عبد (غلام) مانتے ہیں اور اپنا نام عبد الرسول، عبد النبی وغیرہ رکھتے ہیں۔ حضرت محدّث دہلویؒ انہیں "دین محمد کے غالی منافقوں" کہتے ہیں، "اَلغُلَاۃَ مِن منافقی دین محمد"

خلاصہ کتاب اللہ سے نہایت صراحت کے ساتھ قدرت اور علم غیب اور ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا یہ تین صفات خاص اللہ ربّ العزّت کے لئے ثابت ہوتی ہیں، اور غیر اللہ سے واضح طور پر ان تینوں صفتوں کی بار بار نفی کی گئی ہے، اللہ کے محبوب رسولؐ قرآن کریم میں بھی اور احادیث صحیحہ میں بھی اپنے لئے ان تینوں صفات کی بصراحت نفی فرما رہے ہیں، پھر حضرات صحابہؓ و تابعین اور اجلّہ ائمہ دین و اکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی ان صفات کو غیر اللہ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ثابت کرنے اور ماننے کو صاف صاف کفر قرار دے رہے ہیں تو پھر اٹکل پچو باتوں اور جاہل و بے دین لوگوں کی ہزلیات و خرافات کی بناء پر قدرت و اختیار یا علم غیب یا حاضر ناظر ہونا کسی غیر اللہ کسی ولی، کسی نبی حتیٰ کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و شان قرار دینے کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر یہ صفات کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوتیں تو چونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ تھا لہٰذا اللہ تبارک و تعالےٰ

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور جلد اوّل ص ۱۱۲

اپنی کتاب پاک قرآن کریم میں صاف صاف فرما دیتے کہ میرے محبوب رسولؐ کو بھی میری طرح قدرت و اختیار، علم غیب اور ہر جگہ ہر وقت حضور و شہود حاصل ہے تم انہیں بھی قادر و قدیر، عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانو۔ ورنہ مسلمان نہیں رہ سکتے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قادر و متصرف، عالم الکل، اور حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ فرماتے، لوگوں کو اسے ماننے کی دعوت دیتے، نہ ماننے والوں کو وعید شدید کا مستحق قرار دیتے، پھر اصحابِ رسولؐ و سلف صالحین کا ہر فرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار و اختیار عامہ علم بسیط و محیط اور ہمہ وقت ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی صفات سے متصف مانتا، حدیث و فقہ کا ہر امام آپ کو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر اور عالم الغیب تسلیم کرتا اور جمیع ائمہ عقائد و کلام اپنی مصنفات میں اس عقیدہ کو صراحت کے ساتھ رقم کرتے، اور اسلاف میں یہ عقیدہ عام شائع ہوتا۔

بہر حال کتاب و سنّت اور توابع سنّت سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم غیب حضور و شہود اور اقتدار و اختیارِ کل یہ تینوں صفات خاصّۂ خدا ہیں۔ پھر یہی تینوں صفات اصل و اساس عبادت و لوازم الوہیت ہیں۔ جب عبادت کی بنیاد انہی تین صفات پر قائم ہے اور یہ تینوں صفات خاصّۂ خدا ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت خاصّۂ خدا ہے اور اس میں خدا کے سوا کسی کا بھی کوئی حصّہ نہیں۔

اب اگر کوئی بندہ خدا کسی غیر خدا یعنی کسی نبی یا ولی کو ان تینوں صفات یا ان میں سے کسی ایک صفت سے متصف جانتا ہے، یعنی کسی بزرگ کو ہر جگہ حاضر و موجود یا عالم الغیب یا ہر بات پر قادر اور صاحب اختیار یقین کرتا ہے تو وہ گویا اسے اپنا الٰہ یعنی خدا مانتا ہے، خواہ زبان سے اسے خدا نہ کہے بلکہ پیر و مرشد یا ولی اور نبی کہے، کیوں کہ جب یہ صفات خاصّہ خدا ہیں تو کوئی شخص جس کسی میں یہ صفات مانے گا گویا وہ اس شخص کا خدا ہوگا، گو درحقیقت وہ خدا نہیں۔

جیسے ایک شخص مانتا ہے کہ فلاں صاحب کا اس کی ماں کے ساتھ نکاح ہے اور وہ صاحب خانہ ہے پھر یہ بھی مانتا ہے کہ میں اپنی ماں کے بطن سے اس نکاح کے بہت مدّت بعد پیدا ہوا ہوں اور ہمارا نان و نفقہ سب اس پر ہے۔ تو اب وہ صاحب اس شخص کا باپ ہو گا خواہ یہ ناخلف اسے باپ نہ مانے اور واقعہ میں بھی وہ اس کا باپ نہ ہو بلکہ یہ شخص کسی دوسرے آدمی کا خون ہو۔ لیکن شرعاً قانوناً اور عرفاً بھی وہ صاحب اس کا باپ ہے، کیونکہ باپ کی صفاتِ خاصّہ اس میں موجود ہیں۔

بحث نور و بشر

اپنے عقیدہ اور مسلک کی وضاحت!

ہمارا اور ہمارے تمام اکابرین علماء دیوبند کثّر اللّٰہ سوادہم کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص افضل البشر سیّد الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی بے ادبی اور توہین گناہ کبیرہ ہے بلکہ ایمان ضائع ہونے کا خوف ہے۔ علماء حق کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت و عشق اور عقیدت ہے مبتدعین کے دل میں اس کا عُشرِ عَشیر بھی نہیں! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابرین کے سینوں کو قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے مملوّ فرمایا ہے اور ان کے تدریسی و تفسیری خدمات سے پورا عالم مستفید ہو رہا ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت دنیا ان کے فیض سے مستفیض ہوتی رہے گی، اور بفضل تعالیٰ تا رہتی دنیا یہ فیض جاری رہے گا۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ط

قارئین کرام! اب آپ کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا بشر فرمایا ہے۔

بحکم خداوندی آپ کا اعلان کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں!

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ — (اے پیغمبر) آپ کہہ دیں کہ میں

یُوحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

(سورہ کہف پ۱۶ رکوع ۳)

بھی تم جیسا بشر ہوں، میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

(۲) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۚ (بنی اسرائیل پ۱۵ رکوع ۱۰)

آپ کہدیں میرے رب کی ذات (شریکوں سے) پاک ہے میں بھی تمہارے ہی جیسا بشر رسول ہوں۔

(۳) قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (سورہ حٰم سجدہ پ ۲۴، رکوع ۱۵)

آپ کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

نصاریٰ نجران کے جواب میں فرمایا!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(۴) مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورہ آل عمران پ۳ رکوع ۸)

کسی بشر کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ اسکو کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں کو یوں کہے کہ میرے بندے بن جاؤ، اللہ کے سوا،

یہود و نصاریٰ کے بیہودہ دعویٰ کا رد فرمایا!

(۵) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی (الحج پ۷ سورہ انعام رکوع ۱۱)

ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے اسکی قدر کرنیکا حق تھا، جب انہوں نے کہا، کہ اللہ نے بشر پر کوئی چیز (وحی کی قسم میں سے) نہیں اتاری آپ فرما دیں کہ وہ کتاب جو موسیٰ لیکر آئے کس نے اتاری۔

مزید وحی کے متعلق فرمایا!

(۶) مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ (سورہ الشوریٰ پ ۲۵، رکوع ۶)

کسی بشر کی شان کے لائق نہیں، کہ اللہ تعالیٰ اس کیساتھ کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے، یا رسول بھیجے پھر وہ وحی کرے اُس کے حکم سے بے شک وہ بلند حکمت والا ہے۔

مذکورۃ الصدر تین آیات میں حق تعالیٰ جل شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بشریت کا اعلان کروایا، اور حکم فرمایا کہ آپ واضح الفاظ میں لوگوں سے کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا انسان اور بشر ہوں یعنی میں کوئی خدائی دعویٰ نہیں کرتا، تاکہ کسی کو آپ کی بشریت میں کوئی شک و شبہ نہ رہے اور

آپ کو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک نہ بنائے۔

چوتھی آیت میں نجران کے عیسائیوں کے ایک وفد کا ذکر ہے۔ علاقہ نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حضورؐ کے پاس آیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کیلئے آپؐ سے بحث مباحثہ شروع کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لاجواب ہو گئے اور آپؐ کے دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے تو عاجز ہو کر بعض اُن میں سے کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کریں؟ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا معاذ اللہ خدا کی پناہ کہ میں کسی سے اپنی پوجا کراؤں یا کسی کو غیر اللہ کی پوجا کا حکم دوں یا خود غیر اللہ کی پوجا کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہود و نصاریٰ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا، کہ کسی آدمی اور بشر کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب و حکمت اور منصب نبوت اس لئے عطا کرے کہ وہ لوگوں کو خدائے واحد کی بندگی، عبادت اور توحید کی طرف دعوت دے۔ پھر وہ لوگوں کو یوں کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، یہ بات کہنا اس کی شان کے مناسب نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ بقول مبتدعین اگر بشر کہنے میں پیغمبر کی بے ادبی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ نجران کو جواب دیتے ہوئے آپ کے متعلق "مَاکَانَ لِبَشَرٍ" کیوں فرمایا؟ اس کے بجائے "مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ" "مَاکَانَ لِرَسُوْلٍ" یا "مَاکَانَ لِمُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا؟ جیسا کہ غزوۂ اُحد کی غنیمت کے موقع پر فرمایا۔ (مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ اَنْ یَّغُلَّ) (نبی کی شان نہیں کہ وہ غنیمت کے مال میں سے کسی چیز میں خیانت کرے۔ ایسے ہی اُساریٰ بدر کے متعلق فرمایا، (مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ ... حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ) (نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اپنے پاس

تبدیلیوں کو رکھے جب تک خوب خونریزی نہ کرلے، ایسے ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے لئے مغفرت کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ	نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ	دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں
یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ	کہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دُعا
وَلَوْ کَانُوْٓا	مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار
اُولِیْ قُرْبٰی ۝	ہی (کیوں نہ) ہوں۔

ایک دوسرے مقام پر معجزہ اور نشانی لانے کے متعلق فرمایا!

مَاکَانَ لِرَسُوْلٍ	کسی رسول کے اختیار
اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا	میں نہیں کہ کوئی نشانی (معجزہ وغیرہ)
بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ	ظاہر کردے مگر اللہ کے حکم سے۔

سورۃ الاحزاب بائیسویں پارہ کے شروع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے
مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ	مردوں میں سے کسی کے باپ
اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ	نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اور نبیوں کی مُہر ہیں یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں! اب مبتدعین حضرات ہی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق (مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ یا مَاکَانَ لِرَسُوْلٍ، مَاکَانَ لِمُحَمَّدٍ) (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے الفاظ چھوڑ کر (مَاکَانَ لِبَشَرٍ) فرمایا ہے تو کیا

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی خود بے ادبی کی ہے ؟ (العیاذ باللہ) حالانکہ اللہ جل شانہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی اور بے ادبی سے منع فرمایا ہے، اور معمولی سی بے ادبی کی وجہ سے زندگی بھر کے اعمال ضائع ہونے سے ڈرایا ہے، اور آپؐ کو اونچی آواز کے ساتھ پکارنے اور بلانے سے روکا ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○

اے ایمان والو تم اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز پر مت بلند کرو اور ان کو تم اونچی آواز سے مت پکارو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

مزید ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ○

بلاشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے سامنے اپنی آوازیں کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ط (پ۲۶ سورۃ الحجرات)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو بے عقل ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے ہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی مجلس میں ایمان والوں کو تین آداب کی تعلیم فرمائی ان میں سے ایک کو شروع سورۃ میں ذکر فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ط

یعنی اے ایمان والو! تم کسی بھی قول یا فعل میں خدا اور رسول سے آگے نہ بڑھو. پیشقدمی مت مت کرو. جب تک پیغمبر کچھ نہ کہے تم خاموش رہو۔

دوسرے یہ کہ پیغمبر کے سامنے ادب سے رہو ان کے پاس اپنی آوازیں اُن کی آواز پر بلند نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہاری آوازیں بلند کرنا حبطِ اعمال کا سبب بن جائیں۔ ایسے ہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے سامنے درود وسلام بہت اونچی آواز سے پڑھنا منع ہے، اور علماء نے فرمایا ہے کہ جہاں آپؐ کی حدیث پڑھی جا رہی ہو یا آپؐ کے ارشادات سنائے جا رہے ہوں وہاں بھی اونچی آواز سے بولنا، شور وغل کرنا آداب کے خلاف ہے۔

تیسرا ادب یہ سکھلایا ہے کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر بلند آواز سے پکارتے ہو، اس طرح بے محابا بلند آواز سے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مت پکارو۔

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قسم کھائی تھی اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کے بعد آپؐ سے ایسے بولوں

گا جیسے کوئی کسی کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی حضورؐ کے سامنے اتنے آہستہ بات کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ اور ایک صحابی جن کا نام ثابت بن قیس رضی ہے۔ یہ طبعی طور پر جہر الصوت تھے یعنی طبعاً ان کی آواز بلند تھی یہ آیت سُن کر بہت پریشان ہوئے اور ڈر گئے، اپنی آواز کو پست کرتے تھے اور روتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے ان بزرگ ہستیوں کے حق میں فرمایا۔ بے شک جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ یعنی ان کے قلوب کو خوب مانج کر تقویٰ کی تخم ریزی کے لئے خالص کر دیا ہے! (اللہ اکبر) کیا شان ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بیج ڈال دیں۔ اس کے برعکس جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارتے ہیں جیسے بنو تمیم کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ دیہاتی پن میں آپؐ کا نام لے کر پکارنے لگے، (یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا) اے محمد باہر ہمارے پاس آیئے! اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا جو لوگ آپؐ کو نام لیکر پکارتے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور پیغمبر کے آداب سے بھی ناواقف ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گنوار نے بلند آواز سے کہا "یَا مُحَمَّدُ" آپؐ نے غصے میں اس طرح بلند آواز سے جواب دیا میں یہاں ہوں کیا کہتے ہو؟ یعنی آپ کو غصہ آیا کہ یہ شخص کیسی بے ادبی سے مجھے نام لے کر پکار رہا ہے۔

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سید الانبیاء خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی تعلیم فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بولنے اور آپ کو نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن مبتدعین کو اس کی کیا پرواہ ہے اُن کو تو اپنے خود ساختہ عقیدے کا تحفظ اور بول بالا چاہیئے جلسوں اور میلادوں میں لاؤڈ سپیکر کے آگے گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام کالانعام کو کہتے ہیں دَم بَدم پڑھو درود حضرتؐ بھی ہیں یہاں موجود۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا، ے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

بس مبتدعین کا بھی یہی حال ہے کہ اپنی من گھڑت، خود ساختہ بدعات کو خوب چمکاؤ خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس کا نام عشق اور محبت رکھ لو!

پانچویں آیت میں یہود معاندین کی ایک معاندانہ بات کا رد فرمایا۔ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم بھی ہمارے جیسے بشر ہو، اللہ تعالیٰ نے بشر پر کتاب کی قسم میں سے کوئی چیز نہیں اتاری۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان منکرین نے اللہ کی قدر نہیں کی اور اس کو پہچانا نہیں جیسے اُس کو پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے پیغمبر سے کہہ دیا، کہ اللہ تعالیٰ نے بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے پوچھیں کہ حضرت موسیٰؑ کا بشر ہونا تم تسلیم کرتے ہو اور انکی کتاب تورات کو بھی سچا مانتے ہو وہ کتاب بشر پر کس نے اُتاری؟ چھٹویں آیت کا مطلب بھی وہی ہے جو آیت نمبر چار کا ہے یعنی کسی بشر کو یہ طاقت اور مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے بالمشافہ کلام کرے مگر اشارہ سے، یعنی نبی کے دل میں کوئی بات القا کر دے۔ یا پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر پسِ پردہ کلام فرمایا۔ یا کسی

فرشتہ کو پیغام دے کر بھیج دے، پھر وہ اللہ کے حکم سے نبی کے دل پر القا کرے۔

سوال یہ ہے کہ منکرین کا اعتراض عام بشر پر نہیں تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں فرمایا "مَا كَانَ لِبَشَرٍ" کسی بشر کی شان کے لائق نہیں، اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے چونکہ عام مشرکین اور موجودہ مبتدعین کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ نبوت اور بشریت میں منافات ہے، لہٰذا اس کی تردید فرمائی اور مشرکین کو باور کرایا گیا کہ سب پیغمبر بشر تھے اُن کو بشر کہنا کوئی گستاخی یا بے ادبی نہیں، اور نہ ہی بشریت اور نبوت میں کوئی منافات ہے، چنانچہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝

(پ۱۴، سورہ الحجر)

بے شک میں ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں بجنے والا سیاہ گارے سے سو جس وقت میں اس کی صورت بنا کر درست کرلوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ کرو۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝

(سورہ ص، پ۲۳، رکوع ۱۴)

جس وقت آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی (گارے) سے بشر پیدا کرنے والا ہوں پس جب میں درست کرلوں اور اُس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کا اپنا خود اقرار کہ ہم بھی تم جیسے بشر ہیں!

ارشادِ خداوندی ہے۔

(۹) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۝ ط

ان لوگوں سے ان کے پیغمبروں نے کہا کہ یقیناً ہم بھی تم جیسے بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد کہ آپ سے پہلے کوئی پیغمبر دُنیا میں ہمیشہ نہیں رہا!

(۱۰) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝

(سورہ الانبیاء پ۱۷، رکوع ۳)

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے دنیا میں ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پس اگر آپ وفات پا جائیں گے تو کیا وہ دُنیا میں ہمیشہ رہیں گے۔

قارئین کرام سے مخلصانہ التماس ہے کہ وہ قرآن کریم کی پیش کردہ آیات کو پڑھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ بقول مبتدعین پیغمبر کو بشر کہنا بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ نے جا بجا پیغمبر کو بشر کیوں فرمایا؟ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی مزید تسلی کے لئے چند احادیث بھی ذکر کردی جائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا ارشاد کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں!

پہلی حدیث۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهٗ أَزِيْدَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ ۔

(متفق علیہ مشکوٰۃ ص۹۳ ج۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھائیں، عرض کیا گیا، حضرت نماز میں کیا کچھ زیادتی ہوگئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، کیا ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی، آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے ادا کئے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی تم جیسا بشر ہوں میں بھی بھول سکتا ہوں، جیسے تم بھولتے ہو، پس جب میں نماز میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔

دوسری حدیث۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا خَطِيْبًا إِلٰى أَنْ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ!

حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: اما بعد!

أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَأْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَأُجِيْبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَأَهْلُ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ ط

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص۵۶۰)

اے لوگو میں بھی ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا فرشتہ موت کا پیغام لیکر میرے پاس آجائے اور میں رب کا پیغام قبول کرلوں، اور میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر چلا ہوں ان میں پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں (تمہارے لئے) ہدایت اور روشنی ہے، پس اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، پھر آپ نے اللہ کی کتاب کے تمسک پر خوب شوق اور اس میں ترغیب دلائی، پھر فرمایا (دوسری چیز میری اہلبیت ہے) میں اپنی اہلبیت کے حق میں تم کو اللہ سے ڈراتا ہوں۔

تیسری حدیث۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ

مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا
كُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ
لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَصْنَعُوْا
كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ
فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا
ذَالِكَ فَقَالَ اِنَّمَا
اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ
بِشَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ
دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ
وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ
مِنْ رَّاْيٍ فَاِنَّمَا
اَنَا بَشَرٌ ط

کھجور کی شاخوں میں نر مادہ کی قلمیں لگاتے تھے آپؐ نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو انہوں نے کہا ہم ہمیشہ ایسا کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا اگر ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ پس لوگوں نے اس عمل کو ترک کر دیا۔ لیکن پھل میں نقصان واقع ہوا چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں بھی ایک بشر ہوں جب میں تم کو امر دین میں کسی چیز کا حکم دوں تو اُس پر عمل کرو اور جب میں اپنی رائے سے تم کو کسی دُنیاوی چیز کے متعلق کچھ کہوں تو آخر میں بھی بشر ہوں، یعنی تم لوگ اپنے تجربہ پر عمل کیا کرو!

رواہ مسلم
مشکوٰۃ صـ ۲۰

چوتھی حدیث

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رض اَنَّ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ

اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا بے شک میں ایک بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو۔

اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ
اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ
مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ
لَهٗ بِحَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا
اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ
النَّارِ ط متفق علیه

ریاض الصالحین صـ ۱۸۰ بخاری صـ ۳۳۲

اور ہو سکتا ہے کہ تمہارا بعض آدمی دوسرے آدمی سے زیادہ فصیح اور ہوشیار ہو۔ پس جس شخص کو میں نے فیصلہ کر کے اُس کے بھائی کی کوئی چیز دے دی (تو گویا) میں نے اسکو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا۔

پانچویں حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ
وَيَخِيْطُ ثَوْبَهٗ وَيَعْمَلُ
فِيْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ
اَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ
كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ
يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَيَحْلُبُ شَاتَهٗ
وَيَخْدِمُ نَفْسَهٗ ط

رواہ الترمذی
مشکوٰۃ صـ ۵۱۲

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی جوتی کو خود مرمت کر لیتے اور اپنے کپڑے کو بھی سی لیتے اور اپنے گھر کام کرتے جیسے تم اپنے گھر میں کام کرتے ہو اور فرماتی ہیں آپؐ بشروں میں سے بشر تھے۔ اپنے کپڑوں سے قمل وغیرہ نکال لیتے اور اپنی بکری دودھ لیتے اور اپنا کام خود کرتے (یعنی دوسرے آدمی سے مدد نہیں لیتے تھے)

چھٹی حدیث

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللّٰهمّ انّی اتّخذت عندك عهداً لن تخلفنیه فانّما انا بشرٌ فایّ المؤمنین اٰذیتهٗ شتمتهٗ لعنتهٗ جلدتهٗ فاجعلها لهٗ صلوٰةً وزکوٰةً وقربةً ۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اے اللہ تحقیق میں نے تجھ سے عہد لیا ہے کہ ہرگز تو میرے ساتھ خلاف ورزی نہیں کرے گا، پس میں بشر ہوں جس مومن کو میں نے کوئی اذیت پہنچائی ہو یا اُسے سخت کلامی کی ہو یا میں نے اسکو لعن طعن کیا ہو یا اس کو میں نے مارا ہو۔ ان کیلئے انکو رحمت بنا دے اور گناہوں سے پاکیزگی اور قرب جیسے وہ قیامت کے دن تیرا قرب حاصل کریں۔

حدیث نمبر۷

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللّٰهمّ انّما انا بشرٌ فایّما رجلٍ من المسلمین سببتهٗ او لعنتهٗ او جلدتهٗ فاجعلها لهٗ زکوٰةً ورحمةً ۔

(رواہ مسلم، صفحہ ۳۲۴ ج ۱)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ میں بھی ایک بشر ہوں، سو جس مسلمان مرد کو میں سب کروں یا لعن طعن کروں یا میں اس کو ماروں پس تو اس کو اس شخص کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور اس کیلئے رحمت بنا دے۔

حدیث نمبر۸

عن جابر بن عبد اللہ رضؓ یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انّما انا بشرٌ وانّی اشترطت علٰی ربّی ایّ عبدٍ من المسلمین سببتهٗ ان یکون ذالك لهٗ زکاةً واجراً ۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا بے شک میں ایک بشر ہوں اس لئے میں نے اپنے رب سے (یہ بات) مشروط کی ہے کہ اگر میں مسلمانوں میں سے کسی بندے کو سبّ وشتم کروں (برا بھلا کہوں) تو یہ اس کے لئے پاکیزگی اور اجر ثابت ہو۔

حدیث نمبر۹

عن عائشةؓ قالت دخل علٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم رجلان فکلّماه بشیءٍ لا ادری ما هو فاغضباه فلعنهما وسبّهما فلمّا خرجا قلت یا رسول اللهؐ لمن اصاب من الخیر شیئاً ما اصابهٗ هذان قال

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو مرد حاضر ہوئے اور آپؐ سے کسی بات میں کلام کیا جو مجھے معلوم نہیں، پس انہوں نے آنحضرتؐ کو غصہ دلایا آپؐ نے انکو سبّ وشتم اور لعن وطعن کیا پس جب وہ نکل گئے تو میں نے کہا یا رسول اللہؐ ان دو مردوں

وَمَاذَاكِ قَالَتْ قُلْتُ لَعَنْتَهُمَا وَسَبَبْتَهُمَا قَالَ أَوَ مَا عَلِمْتِ مَا شَارَطْتُ عَلَيْهِ رَبِّي اللّٰهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ لَعَنْتُهُ أَوْ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا ه

کے پلے کیا نیکی باقی رہی آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ کہتی ہیں میں نے عرض کیا آپ نے اُن دونوں کو سب وشتم اور لعن طعن فرمایا. آپؐ نے ارشاد فرمایا. کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب پر شرط کیا ہے، کہ اے اللہ بیشک میں ایک بشر ہوں پس جس مسلمان کو میں لعن وطعن کروں یا اُسکو بُرا بھلا کہوں تو اُسکو اس کیلئے پاکیزگی اور اجر بنا دے۔

مسلم ص $\frac{٢٢٣}{ج٢}$

حدیث نمبر ١٠

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَخَرَجَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ مُسْتَعْجِلَةً تَلُوْثُ خِمَارَهَا حَتّٰى لَقِيَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لَهَا رسول الله صلى الله عليه وسلم مَالَكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَدَعَوْتَ عَلٰى يَتِيْمَتِيْ قَالَ وَمَا ذَاكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ زَعَمَتْ أَنَّكَ دَعَوْتَ أَنْ لَا يَكْبَرَ سِنُّهَا أَوْ لَا يَكْبَرَ

حضرت انسؓ ایک طویل حدیث میں اپنی والدہ اُمِّ سلیم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں وہ سر پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے جلدی جلدی اپنے گھر سے نکلی یہاں تک کہ حضور اقدسؐ سے ملاقات کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُمِّ سلیم کیا بات ہے؟ عرض کی اے اللہ کے نبی کیا میرے پاس جو یتیم لڑکی ہے اُسکے متعلق آپ نے کوئی دعا کی ہے؟ آپ نے فرمایا،

قَرْنُهَا قَالَ فَضَحِكَ رسول الله صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ أَمَا تَعْلَمِيْنَ أَنَّ شَرْطِيْ عَلٰى رَبِّيْ أَنِّي اشْتَرَطْتُ عَلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَرْضٰى كَمَا يَرْضَى الْبَشَرُ وَأَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَأَيُّمَا أَحَدٍ دَعَوْتُ عليه مِنْ أُمَّتِيْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ لَهَا بِأَهْلٍ أَنْ تَجْعَلَهَا لَهُ طَهُوْرًا وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

اے اُمِّ سلیم یہ کیسے؟ اُمِّ سلیم نے کہا وہ لڑکی کہتی ہے کہ آپ نے دعا کی ہے۔ اَنْ لَا یَکْبَرَ سِنُّهَا اَوْ لَا یَکْبَرَ قَرْنُهَا یعنی اسکی عمر بڑی نہ ہو حضرت انسؓ کہتے ہیں پس آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا، اُمِّ سلیم تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر میری شرط ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے شرط قرار دیا ہے اور میں نے کہا ہے کہ بے شک میں ایک بشر ہوں کبھی ہشاش بشاش ہوتا ہوں جیسے دوسرا کوئی بشر خوش ہوتا ہے اور کبھی غصہ بھی آجاتا ہے جیسے دوسرے بشر کو غصہ آتا ہے، پس میں اپنی امت میں سے کسی کے لئے کوئی ایسی دُعا کروں جس کا وہ اہل نہیں ہے۔ تو اس کو اُس شخص کے لئے (اے اللہ) طہارت اور پاکیزگی اور قربت بنا دے اور اس دُعا کو قیامت کے روز اس شخص کیلئے اپنے قُرب کا ذریعہ بنا دے۔

رواہ مسلم ص $\frac{٣٢٤}{ج٢}$

حضراتِ گرامی! احادیث تو اور بھی پیش کی جا سکتی ہیں مگر انہی دس احادیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ "تلک عشرۃ کاملۃ"! اس مفصل بحث سے ثابت ہوگیا ہے جس کا آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو حتی کہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جا بجا بشر کہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ کو بشر کہتی ہیں۔

لفظِ بشر کی لغوی اور معنوی تحقیق!

سوال: کیا لفظِ بشر میں لغوی یا معنوی طور پر کوئی بے ادبی کا معنیٰ پایا جاتا ہے؟

جواب: یہ بحث پہلے مفصل با حوالہ گذر چکی ہے کہ اگر لفظِ بشر میں بے ادبی کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس لفظ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ نہ فرماتے۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلواتے کہ آپ کہہ دیں میں تم جیسا بشر ہوں۔

لفظِ بشر کے مادہ اور ماخذ کے تین حروف ہیں۔ ب، ش، ر۔ لغت میں بشر ظاہری جلد اور چمڑے کو کہا جاتا ہے۔ جیسے امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔ (البشرۃ ظاہر الجلد) بشر کا معنیٰ ظاہری جلد انسان کو بشر سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے جسم کی جلد بالوں سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے بخلاف دیگر حیوانات کے، چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں۔

وَعُبِّرَ الْاِنْسَانُ	انسان کو بشر سے اس
بِالْبَشَرِ اِعْتِبَارًا بِظُهُوْرِ	لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کی
جِلْدِہٖ مِنَ الشَّعْرِ	جلد بالوں سے ظاہر ہوتی ہے،
بِخِلَافِ الْحَیَوَانَاتِ ط	بخلاف دیگر حیوانات کے۔

آگے فرماتے ہیں۔

وَخُصَّ فِی الْقُرْاٰنِ کُلَّ	قرآن کریم میں ہر اس جگہ کو
مَوْضِعٍ اُعْتُبِرَ مِنَ	لفظِ بشر سے مخصوص طور پر مراد لیا گیا
الْاِنْسَانِ جُثَّتُہٗ وَظَاهِرُہٗ	ہے جس کو انسان کے جسم اور ظاہر
بِلَفْظِ الْبَشَرِ ط	سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ	اللہ وہ ذات ہے
الْمَاءِ بَشَرًا وَقَالَ تَعَالٰی	جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا
اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ	ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک
طِیْنٍ ط	میں مٹی (کیچڑ) سے بشر پیدا کرنے
	والا ہوں۔

پھر آگے فرماتے ہیں۔

ثُمَّ عُبِّرَ بِذٰلِكَ	پھر اس سے وہ
عَنِ الْكَامِلِ الَّذِیْ	کامل ذات مراد لی جاتی ہے جو ظاہری
یَجْمَعُ بَیْنَ الْفَضِیْلَتَیْنِ	اور باطنی دونوں فضیلتوں کو
الظَّاهِرَۃِ وَالْبَاطِنَۃِ ط	جامع ہو۔

لفظِ بشر میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں جیسا کہ مفردات القرآن میں ہے۔ وَاسْتَوٰی فِیْ لَفْظِ الْبَشَرِ۔ اَلْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ، فیروز اللغات میں ہے۔ "البشر" مذکر و مونث دونوں کے لئے یکساں آتا ہے۔ یہ مادہ اگر مجرد سے آئے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے خوشخبری سنانا جیسے بَشَرْتُہٗ، فَاَبْشَرَ، میں نے اس کو خوشخبری دی پس وہ خوش ہوگیا، اگر مزید کے ابواب سے آئے تو کبھی خوشخبری اور بشارت دینے کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی خوشی حاصل ہونے کے معنیٰ

میں جیسے "اَبْشَرَ رَجُلٌ" وہ مرد خوش ہوا۔ اس کو خوشی حاصل ہوئی۔ اور ارشادِ خداوندی ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی

اے زکریا! تجھے اللہ تعالیٰ (بیٹے) یحییٰ کی خوشخبری دیتاہے۔

اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ط

اے ابراہیم ہم تم کو ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جو علم والا ہو گا۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ط

حضرت ابراہیم نے کہا تم مجھے خوشخبری اس حال میں سناتے ہو جب مجھے بڑھاپا لاحق ہوگیا؟ اب کس چیز کی خوشخبری سناتے ہو۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ ط

فرشتوں نے کہا (اے) ابراہیم تم کو سچی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا ط

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے

اور فرمایا

بَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ط

(اے پیغمبر) ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

مزید فرمایا۔

اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ہ

خوش ہو جاؤ ساتھ جنت کے جسکا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَجَآءَ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ

وہ خوش ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور

یَسْتَبْشِرُوْنَ ط

(لوط علیہ السلام کے گھر) آئے شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ خوش کرنے والی خبر کو بشریٰ یا بشارت کہا جاتا ہے۔

جیسے۔

وَیُقَالُ لِلْخَبَرِ السَّارِ اَلْبِشَارَۃُ وَالْبُشْرٰی ہ

یعنی اچھی خبر کو بشارت یا بشریٰ کہا جاتا ہے۔

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط

ان کے لئے خوشخبری ہے دُنیا اور آخرت میں۔

لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ یٰبُشْرٰی ھٰذَا غُلٰمٌ ط

اس دن مجرموں کیلئے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی۔ اے خوشخبری یہ (کیا ہی خوبصورت) لڑکا ہے۔

مزید فرمایا، وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ ط

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا بھیجنا اس لئے تجویز کیا ہے تاکہ تم اپنی کثرت کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔

ایسے ہی۔

اَلْبَشِیْرُ وَالْمُبَشِّرُ ط

دونوں کا معنیٰ خوشخبری سنانے والا۔

کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ

پس جب آیا خوشخبری سنانے والا۔

وَیُرْسِلُ الرِّیَاحَ مُبَشِّرَاتٍ ط

اللہ تعالیٰ (ٹھنڈی) ہوائیں چلاتا ہے، جو بارش کی خوشخبری لانے والیاں ہوتی ہیں۔

سچّی خوابوں کے متعلق فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ وَلَمْ	(آپؐ کے بعد) وحی کا سلسلہ
یَبْقَ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ	منقطع ہوگیا۔ اب وحی کی کوئی
	چیز باقی نہیں مگر مومن کے سچے خواب.

کبھی بشر کے ماخذ میں حُسن وجمال کے معنیٰ بھی پایا جاتا ہے، جیساکہ.

اَبْشَرَتِ الْاَرْضُ	زمین اپنے سبزہ کے طلوع سے
اَیْ حُسْنَ طُلُوْعُ نَبَاتِھَا ط	خوبصورت ہوگئی ہے۔

لفظِ بشر، کی لُغوی اور معنوی تحقیق سے بھی بصراحت ثابت ہوگیا ہے کہ لفظِ بشر کے مآخذ سے جتنے الفاظ نکلتے ہیں یا تتبع اور تلاش سے جس قدر الفاظ ملے ہیں کسی میں بھی بے ادبی یا گستاخی کا معنیٰ نہیں پایا جاتا اور نہ ہی لغوی اعتبار سے اس میں کوئی قباحت پائی جاتی ہے۔

سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کو حقیر سمجھا!

سوال یہ ہے کہ مبتدعین کے ذہن نارسا میں یہ بات کہاں سے پیدا ہوگئی کہ لفظِ بشر میں بے ادبی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ کہنا چاہیے،

جواب: چونکہ شیطان لعین ازل سے ہی حضرت آدمؑ کا دشمن بن گیا تھا اس لئے اُس نے پختہ عہد کرلیا تھا کہ اولادِ آدم کو گمراہ کرکے جہنم کا ایندھن بناؤں گا۔ اس لئے اس نے مبتدعین کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ بشر حقیر ہے اس لئے کہ یہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ جب ابو البشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی عطا کی گئی اور فرشتوں کو

سجدہ کا حکم ہوا تو شیطان لعین کو بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ حکم ملتے ہی سب ملائکہ سربسجود ہوگئے۔ مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے لعین تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا؟ جواب میں کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۱)	فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ	پس سجدہ کیا تمام فرشتوں
	کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ	نے مگر ابلیس نے انکار کیا کہ وہ
	اِبْلِیْسَ ط اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ	سجدہ کرنے والوں سے ہوتا۔
	مَعَ السّٰجِدِیْنَ قَالَ یٰٓا	اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابلیس
	اِبْلِیْسُ مَالَکَ اَلَّا	تجھے کیا ہوا، کہ تو سجدہ کرنے
	تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ہ	والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ کہا میں
	قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ	اُس بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس
	خَلَقْتَہٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ	کو تو نے کالے سیاہ گارے سے
	حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ط رپ۱۴، سورۃ الحجر	پیدا کیا ہے۔
(۲)	وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ	اور جب ہم نے فرشتوں سے
	اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا	کہا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو پس تمام نے
	اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط قَالَ	سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔
	ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ	کہنے لگا کیا میں اس کو سجدہ کردوں
	طِیْنًا ہ قَالَ اَرَءَیْتَکَ	جسکو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے؟
	ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ	مزید کہا کیا یہ وہ ہے جس کو تو نے
	عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ	فضیلت دی ہے مجھ پر اگر تو مجھے

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ	قیامت تک مہلت دیگا تو میں
لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ	ضرور اس کی اولاد کا استیصال
اِلَّا قَلِیْلًا ط	کردوں گا یعنی تباہ کردوں گا۔ مگر
(پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل)	تھوڑے (جو مجھ سے بچ سکیں گے)
(۳) وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ	اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے
ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ	تم کو پھر ہم نے تمہاری صُورتیں
قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ	بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا	کہاکہ آدم کو سجدہ کرو، پس سب
اِلَّا اِبْلِیْسَ ط لَمْ	نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے انکار
یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ط	کیا۔ یعنی وہ سجدہ کرنے والوں
قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا	سے نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے
تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ	ابلیس تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو نے
قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ	سجدہ نہیں کیا۔ یعنی کس چیز نے
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ	سجدہ کرنے سے تجھے روکا ہے)
وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ	کہا میں اُس سے بہتر ہوں، مجھے
طِیْنٍ ہ	تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور
(پ ۸ سورہ اعراف)	اُس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا!

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کے فضائل وکمالات کا انکار کر کے اس کو حقیر اور کم مرتبہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور اپنی فضیلت کا دعویٰ کر کے سجدہ کرنے سے انکار کردیا جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا۔ بشر اور انسان کو حق تعالیٰ نے

فوراً پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی۔ بات تو ہنسی مذاق کی تھی مگر طلاق جب صریح لفظ کے ساتھ ہو تو بہر صُورت واقعہ ہو جاتی ہے، خواہ دلگی میں کیوں نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ثلاث جدهن جد	تین چیزیں ایسی ہیں جن کو
وهزلهن جد النکاح والطلاق	قصد وارادہ سے کہنا اور مذاق کے
والرجعة ط (ابوداؤد ص ۲۹۸ ج ۱)	طور پر کہنا برابر ہے۔

ایک نکاح دوسرے طلاق تیسرے رجعت، عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور پریشانی میں گذاری۔ صُبح کو خلیفہ ابو جعفر کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ خلیفہ منصور نے شہر کے تمام فقہا اور اہلِ فتویٰ علماء کو جمع کر کے سوال کیا کہ کیا اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے یا کہ نہیں؟ سب نے جواب دیا کہ طلاق ہوگئی، کیونکہ چاند سے زیادہ حُسین کوئی انسان نہیں ہو سکتا، مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش رہے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں آپ بھی کچھ فرمائیں۔ تب انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورہ تین تلاوت کی اور فرمایا، اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ کوئی شے اور کوئی چیز بھی انسان سے زیادہ حُسین نہیں۔ یہ سُن کر تمام علماء فقہا حیران رہے گئے، سب نے اتفاق کیا کسی نے مخالفت نہیں کی، خلیفہ منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی!

کیا کوئی نُوری بشری لباس اور صورت میں دُنیا میں آیا ہے!

مبتدعین حضرات کبھی یہ کہتے ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نُور

میں سے نور ہیں۔ صرف آپ کا ظاہری جسدِ اطہر یا جسم مبارک بشری لباس میں ہے۔ جیسا کہ ملائکہ اور فرشتے دنیا میں بشری لباس میں آتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے پاس فرشتے انسانی صورت میں آئے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبرئیلؑ بیٹے کی بشارت لے کر انسانی صورت میں تشریف لائے ہیں۔

جواب : اولاً یہ بحث پہلے باحوالہ اور مفصل گزر چکی ہے کہ زمین پر بشر اور انسان آباد ہیں لہٰذا ان کی اصلاح اور ہدایت کے لئے جو نبی اور پیغمبر بھیجے جائیں وہ بھی بشر اور انسان ہی ہونے چاہئیں۔ اگر انسان کے بجائے فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو ان کی ہدایت کے لئے فرشتوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا، کما قال اللہ تعالیٰ۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ	اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے
مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ	جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم
لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ	آسمان سے کسی فرشتے کو اُن پر رسول
مَلَكًا رَّسُولًا ۝ (پ۱۵ بنی اسرائیل)	بنا کر اُتار دیتے۔

نبی اور رسول غیر جنس سے ہونے کی صورت میں رسالت کا مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ افادہ اور استفادہ حاصل کرنا مشکل اور ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے ہوتے۔ صرف ظاہری صورت انسانی ہوتی تو اس صورت میں آپ سے افادہ اور استفادہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس وقت آپ کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پینے کی اور نہ ہی روزہ رکھنے اور افطار کرنے کی ایسے ہی آپ پر کبھی نیند اور اُونگھ طاری نہ ہوتی اور نہ کبھی بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے متعلق ہے۔

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ وقال تعالیٰ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۝

نہیں طاری ہوتی اُس پر اُونگھ اور نہ نیند، اور فرمایا اللہ تعالیٰ، وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا۔

جو کھاتا، پیتا ہو، اور کھانے پینے کا محتاج ہو وہ نہ نور ہوتا ہے اور نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا جز ہو سکتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا ہے۔

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ؕ	وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

یعنی دونوں ماں بیٹا جب کھانا کھاتے تھے تو خدا یا خدائے تعالیٰ کا جز کیسے بن گئے؟ سبحان اللہ یہ کیسی واضح اور عمدہ دلیل ہے جس کو عالم اور جاہل ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرکین خداوند قدوس کے لئے اس کے بندوں میں سے اس کی جزیں قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَجَعَلُوا لَهُ	اور وہ مشرک اللہ تعالیٰ کیلئے
مِنْ عِبَادِهِ	اس کے بندوں میں سے اس کی
جُزْءًا ؕ	جزیں بناتے اور قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ مشرکین عرب اور مشرکین مکہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کے لئے بیٹا ثابت کرتے تھے، چنانچہ مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ	اور مشرکین نے فرشتوں کو
الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ	جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں (اس
إِنَاثًا ؕ (پ۲۵ رکوع ۴)	کے لئے) بیٹیاں قرار دیا ہے۔

یہود و نصریٰ کے متعلق فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۝ پ۱۰ سورۃ توبہ

(ترجمہ) اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

افسوس کہ مبتدعین بھی یہود و نصاریٰ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کے دعویٰ میں غلو کرکے آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، اور قرآن و حدیث کی واضح نصوص کے خلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا نور ثابت کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کی نُصُوصِ قطعیہ کے علاوہ قیاس اور اجماعِ اُمّت کے بھی خلاف ہے۔

مبتدعین سے گذارش ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو (نُورٌ مِّنْ نُورِ اللہِ) کہنے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا تو یہود و نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ اور حضرت عُزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنے سے کیونکر شرک لازم آجاتا ہے؟ اور اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (نُورٌ مِّنْ نُورِ اللہِ) کہنے سے کوئی مسلمان مشرک نہیں ہوتا تو حضرت عیسیٰؑ و عزیرؑ کو خُدا کا بیٹا کہنے سے یہود و نصاریٰ کیسے مُشرک ہو گئے؟ جیسے یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو ابنُ اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا جُز قرار دیا ہے۔ ایسے ہی مبتدعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو (نُورٌ مِّنْ نُورِ اللہِ) ثابت کرکے اللہ تعالےٰ کا جُز قرار دیتے ہیں۔ چُنانچہ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُطْرُونِی کَمَا اَطْرَتِ	میری تعریف میں بے جا
النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ	مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے
فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ	حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا، کیونکہ
وَلٰکِنْ قُوْلُوْا عَبْدُ اللہِ	میں تو فقط خدا کا بندہ ہوں اور
وَرَسُوْلُہٗ	لیکن یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بخاری باب قول اللہ	خُدا کے بندے اور اُس کے
عزوجل وذاکر فی الکتاب مریم	رُسول ہیں۔

الغرض! مبتدعین کا یہ کہنا یا دعویٰ کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہری صُورت میں بشر ہیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نور ہیں یہ بالکل باطل اور مردود نظریہ ہے انبیاء علیہم السلام صرف زبانی ہی تعلیم نہیں دیتے بلکہ وہ عملی نمونہ پیش کرکے اُمّت کو احکامِ خداوندی سکھاتے اور سمجھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم زیادہ مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ وہ جو کچھ زبان سے فرماتے ہیں اُس پر سب سے پہلے خود عمل کرکے دکھاتے ہیں۔

آج ہماری تعلیم اور دعوت و تبلیغ کا کمزور پہلو یہ ہی ہے کہ ہم کہتے تو بہت کچھ ہیں مگر عملی طور پر ہم مُفلس اور تہی دست ہوتے ہیں۔ عمل ہمارے پلّے میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری تعلیم و تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چُنانچہ حُدیبیہ کے مقام پر جب مشرکینِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روک دیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو تین دفعہ حکم فرمایا کہ ہَدی اور قربانی کے جانور ذبح کردیں مگر ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک نے بھی جانور ذبح نہیں کیا۔ لیکن جب آپ نے اپنی قربانی اور ہدی کے جانور کو اپنے ہاتھِ مُبارک سے نحر اور ذبح کیا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ ایک موقع پر شمعِ رسالت کے پروانوں نے بارگاہِ رسالت میں سخت بھوک کی شکایت کی اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے دکھائے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطنِ مُبارک سے کپڑا اُٹھا کر دو پتھر دکھائے اور فرمایا دیکھو میں نے بھی بُھوک کی وجہ سے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ شَکَوْنَا رَسُوْلَ اللہِ	حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ
الجوعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ	ہم نے بارگاہِ رسالتؐ میں بُھوک
حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللہِ	کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ حَجَرَيْنِ ۔ (رواه الترمذی، مشکوٰۃ ص۴۴۷)

پتھر باندھے ہوئے تو آنحضرتؐ نے اپنے پیٹ مبارک پر دو پتھر باندھے ہوئے دکھائے۔

دوسری حدیث۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَکَّةَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰی یَدِهٖ لِیَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّةَ وَذٰلِكَ فِیْ رَمَضَانَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ (مشکوٰۃ ص ۱۶۹/ج۱)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے اور روزہ رکھا ہوا تھا جب مقام عُسفان میں پہنچے تو آپ نے پانی طلب کیا اور پانی کا پیالہ اپنے ہاتھ مبارک پر اٹھایا تاکہ سب دیکھیں پھر روزہ افطار کیا اور مکہ میں تشریف لے آئے اور یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا تھا۔

حدیث کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سفر میں روزہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اور گرمی بھی شدت کی ہے تو مقامِ عُسفان پر پہنچ کر (جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے) پانی کا پیالہ ہاتھ مبارک میں لے کر سب کے سامنے روزہ افطار فرمایا۔ یہ روزہ رمضان کا تھا۔ آپ نے عملی نمونہ پیش کر کے سمجھایا کہ سفر میں روزہ سے تکلیف ہوتی ہو تو رمضان کا روزہ بھی توڑ دیا جائے، البتہ بعد میں قضا کیا جائے۔ اگر بقول مبتدعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھوک پیاس کی شدت اور تکلیف

تو کیسے محسوس کرتے؟ روزہ رکھنے یا توڑنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تین آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت سے متعلق کچھ دریافت کیا۔ جب حضورؐ کی عبادت کے متعلق ان کو بتایا گیا تو گویا انہوں نے وہ عبادت اپنے حق میں بہت کم سمجھی۔ اور کہنے لگے کہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مرتبہ اور کہاں ہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف ہیں۔ چنانچہ ایک نے کہا میں زندگی بھر رات عبادت میں گذاروں گا، یعنی ساری رات عبادت کیا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے علیحدہ اور دور رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو اُن کے پاس گئے اور فرمایا کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ سُن لو، واللہ! میں تم سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح شادیاں بھی کرتا ہوں۔

ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا، نکاح شادیاں کرنا، کھانا پینا، بھوک پیاس کی تکلیف کا محسوس ہونا یہ سب خواص بشریہ ہیں۔

ثانیاً بلاشبہ بعض دفعہ نوری فرشتے بشری جامہ اور انسانی صورت میں دُنیا میں آئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوط علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس فرشتے انسانی صورت اور بشری لباس میں آئے ہیں، مگر ان فرشتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو قیاس کرنا مبتدعین کا یہ قیاس باطل ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جو فرشتے انسانی صورت میں آئے اور اُن کو بیٹے کی خوشخبری دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو مہمان

سمجھ کر ان کے لئے بچھڑا ذبح کیا اور کھانا تیار کر کے ان کے سامنے لے آئے لیکن فرشتوں نے کھانے کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا
اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا
سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ
اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ۝
فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ
لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ
وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِیْفَةً ؕ قَالُوْا
لَا تَخَفْ اِنَّاۤ
اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ
لُوْطٍ ؕ

(پ۱۲ رکوع، سورہ ہود)

اور بلاشک جب ہمارے
بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیمؑ کے
پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہا
السلام علیکم، ابراہیمؑ نے وعلیکم السلام
کہا پھر ابراہیمؑ بغیر کسی تاخیر کے
بچھڑا (بھون کر کھانا تیار کر کے)
لے آئے۔ جب ان کے ہاتھوں
کی طرف دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف
نہیں بڑھتے تو ابراہیمؑ نے ان فرشتوں
کو اجنبی سمجھا اور دل میں اُن سے
ڈر گئے، فرشتوں نے کہا ابراہیمؑ
ڈرو نہیں ہم فرشتے ہیں جو لوط
کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ
نِ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ قَالُوْا بَلْ
جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا

پھر وہ فرشتے جب لوطؑ
کے پاس آئے تو لوط نے کہا تم
لوگ کچھ اجنبی معلوم ہوتے ہو۔
انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تو وہ

فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ۝

(پ۱۴، سورہ الحجر رکوع ۵)

چیز لے کر آئے ہیں جس میں تیری
قوم کے لوگ شک کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریل علیہ السلام انسانی صورت اور بشری جامہ میں آئے اور سامنے کھڑے ہو گئے۔ جبکہ حضرت مریمؑ ایک مکان میں جو بیت المقدس سے مشرق کی جانب تھا تنہائی میں غسل کرنے لگی تھیں، فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر حضرت مریم اس سے گھبرا گئیں اور پردہ کرنے لگیں۔ فرشتہ نے کہا مجھ سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں میں تو آپ کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ تجھ کو ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دے دوں۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ
مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا
مَكَانًا شَرْقِیًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ
مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَاۤ
اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِیًّا قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ
بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ
كُنْتَ تَقِیًّا ۝ قَالَ
اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ
لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا
زَكِیًّا ۝

(پ۱۶، رکوع ۵، سورہ مریم)

اور (اے پیغمبر) یاد کر کتاب
میں مریم کے واقعہ کو جب وہ ایک
مشرقی مکان میں اپنے گھر والوں سے
الگ ہو گئیں۔ اور ان کے آگے
پردہ حائل کیا پس ہم نے اس
کی طرف اپنے فرشتہ کو بھیجا، پھر
وہ فرشتہ ایک تندرست آدمی
کی صورت میں اس کے سامنے آیا (دیکھ کر)
مریم نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ
لیتی ہوں اگرچہ تو متقی ہے، فرشتہ نے کہا
میں تو تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں
اسلئے بھیجا گیا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دیدوں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان جیسے واقعات سے جسطرح یہ ثابت ہے کہ نُوری فرشتے انسانی صورت میں دنیا میں آتے ہیں۔ اسی طرح روز روشن کی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ جو فرشتے دُنیا میں انسانی صُورت یا بشری لباس میں آتے ہیں نہ انہوں نے کھانا کھایا نہ ہی انہیں بھوک پیاس کی تکلیف محسوس ہوئی اور نہ ان کو کوئی جسمانی اذیت پہنچی۔ اور نہ ان سے پردہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صورتاً بشر ہوتے اور حقیقتاً نور ہوتے تو آپؐ بھی ان خواص اور خوائج بشریہ کے محتاج نہ ہوتے مگر اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مخالفین اور اعدائے اسلام کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ طائف میں آپؐ پر پتھر برسائے گئے آپؐ لہو لہان ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ جنگِ اُحد میں چہرہ مُبارک زخمی ہوا اور سامنے کے دو دانت مُبارک بھی شہید ہو گئے، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے تھے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو روحانی قوت اس قدر عطا فرمائی تھی کہ آپ کئی کئی دن وصال کے روزہ میں گزار دیتے۔ لیکن ازراہِ شفقت امت کو وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا (وصال کا روزہ یہ ہے کہ دو تین دن کا مسلسل روزہ رکھا جائے درمیان افطار نہ کیا جائے) اس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے کہا یا رسولؐ اللہ آپؐ تو وصال کا روزہ رکھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا تم میں سے میری طرح کون ہو سکتا ہے؟ میں اس حال میں رات گذارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، چنانچہ فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ نَھٰی رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْوِصَالِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ متفق علیہ	حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا تو ایک آدمی نے آپ سے کہا یا رسولؐ اللہ آپ خود وصال کا روزہ رکھتے۔ ہمیں منع کیوں فرماتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے میری مانند کون ہو سکتا ہے؟ میں تو اس حالت میں رات گذارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۶۷

باایں ہمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کی تکلیف بھی محسوس ہوئی، جیسا کہ اس سے پہلے دو حدیثیں بیان ہو چکی ہیں۔ مزید مسلم شریف کی ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ اچانک دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ بھی گھر سے باہر پریشان ہو کر وقت گذار رہے ہیں۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا اس وقت گھر سے باہر نکلنے کا کیا سبب ہے؟ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت بھوک نے پریشان کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے، اُس ذات کی جس کے قبضہ قُدرت میں میری جان ہے مجھے بھی اُسی چیز نے گھر سے باہر نکالا ہے جس نے تم کو نکالا! حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

عن اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قال خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ذَاتَ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ فَاِذَا ھُوَ بِاَبِیْ بَکْرٍؓ وَعُمَرَؓ	حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن یا رات رسولؐ اللہ باہر تشریف لائے تو اچانک ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو دیکھا۔

حدیث ملاحظہ ہو۔

فَقَالَ مَا اَخْرَجَكُمَا	فرمایا اس وقت کس چیز نے
مِنْ بُيُوْتِكُمَا هٰذِهٖ	تم کو اپنے گھروں سے نکالا، عرض کیا
السَّاعَةَ قَالَا الْجُوْعُ	یا رسول اللہ بھوک نے نکالا ہے۔
يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَنَا	آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ	قبضئہ قدرت میں میری جان ہے مجھے
لَاَخْرَجَنِیْ الَّذِیْ	بھی اسی چیز نے نکالا ہے جس نے
اَخْرَجَكُمَا ۝	تم کو نکالا۔ (ریاض الصالحین ج ۱ ص ۲۲۳)

مشرکین مکہ بھی آپ کی ذاتِ اقدس پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے اور ساتھ ہی رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی جو پیغمبر بھیجے وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور کسی بھی پیغمبر کو ایسا جسم نہیں عطا کیا گیا کہ وہ کھانا کھانے کا محتاج نہ ہو۔

ہاں! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور انسان تسلیم کرتے ہوئے کوئی شخص لحاظِ صفات کے نور کہتا ہے۔ یعنی نورِ ہدایت کہتا ہے تو اس اعتبار سے آپؐ کو نور کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قرآن حکیم میں آپؐ کی عبدیت کا اعلان

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے بھی اس مضمون کی چند آیات پیش کر دی جائیں تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ	وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے
اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ۝	(برگزیدہ) بندے کو سیر کرائی اسریٰ اور معراج
(سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵)	میں اپنے نبیؐ کو عبدہٖ فرمایا یعنی اپنا بندہ۔
فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ	پس وحی فرمائی اپنے بندے کی
مَا اَوْحٰی ۝ (سورہ نجم پ ۲۷)	جانب جو بھی وحی فرمائی۔

اس آیت میں حق جل شانہ نے پیارے پیغمبر کے ساتھ ایک راز کی وحی کا ذکر فرمایا ہے تو (عَبْدِهٖ) فرمایا، سورہ جن پ ۲۹ میں حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبیؐ کی پُرخلوص عبادت کا اور مشرکین مکہ کی شرانگیزی کا ذکر فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد اللہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ	اور جب اللہ کا بندہ کھڑے
يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ	ہو کر اس کو پکارتا ہے تو یہ کافر لوگ
عَلَيْهِ لِبَدًا ۝	اس بندے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ	سب تعریفیں اس اللہ کے
اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتَابَ	لائق ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب
وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝	نازل کی اور اس میں ذرہ برابر کجی نہیں رکھی۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ
الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ
لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ہ (پ ۱۸، سورہ فرقان)
هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی
عَبْدِهٖ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ لِیُخْرِجَكُمْ
مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی
النُّوْرِ ہ

ہر طرح کی بابرکت ذات وہ
ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل
کی تاکہ وہ جہان والوں کو ڈر سنادے۔
اللہ جل شانہٗ وہ ذات
ہے جو نازل کرتا ہے اپنے بندے پر
واضح آیتیں تاکہ تم کو کفر و شرک کی
تارکیوں سے نورِ اسلام کی طرف نکالے۔

مذکورۃ الصدر تین آیات میں خداوند قدوس نے قرآن حکیم کے نزول کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عَبْدِہٖ فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ
بِكَافٍ عَبْدَهٗ ہ

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی
مدد اور نصرۃ کے لئے کافی نہیں ہے۔

قارئین کرام غور فرمایئے، ان آیاتِ مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عَبْدِہٖ یا عبد اللہ فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے عبد کی اضافت (نسبت) اپنی طرف کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتبہ عبدیت میں آپؐ سب سے مقدم اور اقدم ہیں جیسا کہ ایک مقام میں فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ
فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ ہ

اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی
تو میں سب سے پہلے عبادت کرتا۔

صحابہ کرامؓ کے ارشادات ملاحظہ ہوں

شمع رسالت کے پروانے اور آپؐ کے جانثار صحابہؓ بھی آپؐ کو بشر اور انسان سمجھتے تھے، چنانچہ آپؐ کے یارِ غار سیدنا صدیق اکبرؓ کی

شہادت ملاحظہ ہو، بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت آتی ہے۔

اَقْبَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ وَهُوَ
مُرْدِفٌ اَبَا بَكْرٍ وَاَبُوْ بَكْرٍ
شَیْخٌ یُعْرَفُ وَنَبِیُّ اللّٰهِ
شَابٌّ لَا یُعْرَفُ قَالَ
فَیَلْقَی الرَّجُلُ اَبَا بَكْرٍ
فَیَقُوْلُ یَا اَبَا بَكْرٍ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ
الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْكَ فَیَقُوْلُ
هٰذَا الرَّجُلُ یَهْدِیْنِی السَّبِیْلَ ہ

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے ہوئے
مدینہ کی طرف نکلے، حضرت صدیق اکبرؓ کو
سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا حضرت صدیقؓ
اکبر بوڑھے تھے اور معمر ہونے کی وجہ
سے لوگوں میں جانے پہچانے ہوئے
تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان
ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ آپؐ کو
نہیں جانتے تھے۔ پس جو آدمی
ابوبکرؓ کو ملتا کہتا اے ابوبکر یہ کون آدمی جو آپ کے آگے سوار ہے، حضرت ابوبکرؓ فرماتے
هٰذَا الرَّجُلُ یَهْدِیْنِی السَّبِیْلَ ہ یہ ایک مرد ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے۔

سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت!

آپؓ فرماتے ہیں۔

هُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ اَجْوَدُ
النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ
النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْیَنُهُمْ
عَرِیْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ

آپؐ خاتم النبیین ہیں سب انسانوں
سے زیادہ سخی دل اور تمام انسانوں سے
زیادہ سچی زبان والے اور تمام انسانوں
سے زیادہ نرم خو تھے۔ اور خاندان کے

عشیرۃً
لحاظ سے سب سے زیادہ معزز
(باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) وبزرگ تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی شہادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد پیارے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس بھی آپ کو بشر اور انسان فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس ۔ آپ سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھے۔

حضرت برار بن عازبؓ کی شہادت

حضرت برار بن عازبؓ فرماتے ہیں،

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً مربوعاً ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے آدمی تھے۔

آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ بھی حضورؐ کو بشر فرماتی ہیں چنانچہ فرماتی ہیں۔

کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ بَشَرًا مِّنْ بَشَرٍ ۔ یعنی رسولؐ بشروں میں سے بشر تھے۔

مبتدعین سے سوال کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت سے بھی تمہاری محبت زیادہ ہے جنہوں نے حضورؐ کی ذات پر سب کچھ قربان کر دیا تھا؟

باوجود محبت کے وہ حضرات حضورؐ کو بشر فرماتے ہیں۔ اگر علماء حق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے کی وجہ سے کافر ہیں تو صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

علمائے مفسّرین و محدّثین کے ارشادات

اب آپ علمائے مُفسرین و محدثین کرام کے ارشادات بھی سُن لیں کہ وہ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ خاتم المفسرین علامہ محمود آلوسیؒ بغدادی اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی میں آیت (لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ) کی تفسیر میں اور امام المحدثین و رأس المورخین علامہ زرقانی اپنی سیرت میں حضرت شیخ ولی الدین العراقیؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں

حضرت شیخ ولی الدین العراقیؒ سے سوال کیا گیا، کہ (کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے یا عربی ہونے کا علم صحت ایمان کے لئے شرط ہے یا کہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے۔ (فَاَجَابَ بِاَنَّہٗ) شرط فی صحت الایمان، یعنی آپ نے جواب میں فرمایا کہ صحت ایمان کے لئے شرط، پھر فرمایا اگر کوئی شخص کہے کہ میں آپ کی رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپؐ جنس بشر سے ہیں یا جنس ملائکہ میں سے یا جنوں میں سے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں یا عجمی، تو فرماتے ہیں (لَا شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ لِتَکْذِیْبِہِ الْقُرْاٰنَ) یعنی بوجہ تکذیب قرآن اس کے کُفر میں کوئی شک نہیں۔ روح المعانی ص ۱۱۳ ج ۳، الزرقانی علی المواہب الدنیا ص ۱۶۸ ج ۶۔

کیونکہ اس شخص نے صحیح عقیدہ کا انکار کیا جس پر قرونِ اسلام خلفاً عن سلفٍ

قائم رہے اور جو عقیدہ خاص و عام سب مسلمانوں کو معلوم ہے، میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی کو خلاف ہو (وَلَا اَعْلَمُ فِیْ ذالك خلافًا) اگر کوئی غبی اور جاہل مطلق ہو جو اس عقیدہ کو نہ جانتا ہو تو اس کو پہلے تعلیم دینا ضروری ہے پھر اگر سمجھانے کے بعد بھی اس کا انکار کرے تو (حَکَمْنَا بِکُفْرِہٖ) یعنی اس کے متعلق ہم کفر کا حکم دیں گے، کیونکہ وہ قطعی الثبوت اور صحیح عقیدہ کا انکار کرتا ہے۔ بہتر ہو گا روح المعانی کی ساری عبارت کو ملاحظہ فرمالیں۔

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں۔

قَدْ سُئِلَ الشیخ ولی الدِّیْنُ العراقی هل العلم بكوبه صلى الله عليه وسلم بشراً او من العرب شرط فی صحة الایمان او من فروض الكفاية؟ فأجاب بِاَنَّہٗ شرط فی صحة الایمان، ثم قال، فلو قال شخص اؤمن برسالة محمد صلى الله عليه وسلم الى جميع الخلق لكن لا ادری هل هو من البشر اَوْ مِن الملائكة امن الجن، او لا ادری هل هو من العرب او العجم؟

حضرت شیخ ولی الدین عراقی سے سوال کیا گیا کہ (کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے یا عربی ہونے کا علم صحتہ ایمان کیلئے شرط ہے یا فرض کفایہ میں سے ہے؟ پس آپ نے جواب میں فرمایا (اتنا جاننا کہ آپ بشر ہیں اور عربی ہیں) صحتہ ایمان کیلئے شرط ہے پھر فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ جنس بشر سے ہیں یا ملائکہ میں سے اور میں نہیں جانتا کہ حضور عرب

فلا شك فی كُفرہٖ لتكذيبه القرآن وَجَحْدَہٗ ماتلقته قرون الاسلام خلفاعَن سلف وصار معلومًا بالضرورة عند الخاص والعام، ولا اعلم فِی ذالك خلافاً فلو كان غبيا لا يعرف ذالك وجب تعليمہٗ اِیاہُ فان جَحَدَہٗ بعد ذالك حَکَمْنَا بِکُفرِہٖ ہ

میں سے ہیں یا عجم میں سے فلاشک فی کفرہ اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں بوجہ تکذیب قرآن کے (کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بشر فرمایا ہے) اور اس شخص نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جس پر قرون اسلام خلفاً عن سَلَفٍ قائم چلے آتے ہیں اور بہر حال خاص و عام سب (مسلمانوں) کو (یہ عقیدہ) معلوم ہو گیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی کا خلاف ہو۔ البتہ کوئی ایسا غبی ہو جو اس عقیدہ کو نہیں جانتا تو اس کو تعلیم دینا ضروری ہے پھر اگر اس کے بعد بھی وہ شخص انکار کرے تو ہم اُس پر کُفر کا حکم لگائیں گے!

امام الموحدین و رأس المفسرین علامہ ابنِ کثیر آیت (وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اِیْ قَدْ کَانُوْا بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَاكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ مِثْلُ النَّاسِ ہ

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۳ ج ۳)

یعنی بلیشک سب پیغمبر بشروں میں سے بشر تھے کھاتے تھے اور پیتے بھی تھے مثل دوسرے لوگوں کے۔

علماء عقائد کے ارشادات !

شرح عقائد علامہ سعد الدین التفتازانیؒ کا ارشاد۔

وقد ارسل اللہ تعالی	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بشر
من البشر الی البشر ۔	کی طرف رسول بھی بشر میں سے بھیجا۔

اس سے پہلے رسالت کی تعریف فرماتے ہیں۔

ھو سفارۃ العبد بین	وہ سفارت ہے بندے
اللہ سبحانہ وبین ذوی الالباب ۔	کی، اللہ اور عقلمندوں کے درمیان۔

یعنی رسالت خدا اور بندوں کے درمیان ایک بندے کی سفارت کا نام ہے گویا رسول ایک واسطہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اور وہ انسان ہوتا ہے، علامہ کمال بن ابی شریف کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو!

ان النبی انسان	تحقیق نبی ایک انسان ہے
بعثہ لتبلیغ ما اوحی	جسکو اللہ تعالیٰ مبعوث فرماتے ہیں
الیہ وکذا الرسول فلا فرق ۔	تاکہ جو اُسے وحی دی گئی ہے اس
	کی تبلیغ کرے اس معنی میں نبی
(مسامرہ صفحہ ۱۹۸)	اور رسول میں کوئی فرق نہیں۔

اس کی شرح مسایرہ لعلامۃ الکمال بن الہمام صفحہ ۱۹۷ میں فرماتے ہیں

فالنبی علی ھذا	پس اس لحاظ سے نبی
انسان اوحی الیہ	ایک انسان ہے جس کی طرف
بشرع ۔	شریعت وحی کی گئی۔

قاضی عیاضؒ کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ صفحہ ۸۶ میں آیت (قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ) کے تحت لکھتے ہیں

فَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور
وَسَائِرُ الْاَنْبِیَاءِ مِنَ	تمام انبیاء بشر ہیں، بشروں کی
الْبَشَرِ اُرْسِلُوْا اِلَی الْبَشَرِ ۔	طرف بھیجے گئے۔

جلد دوم پر صفحہ ۵۰ مدینہ طیبہ کی تعریف اور فضائل میں فرماتے ہیں۔

واشتملت تربتھا علی	یہ مدینہ طیبہ کی تربت پاک
جسد سید البشر ، مواقف	سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر
سید المرسلین ۔	مشتمل ہے (آپ اس میں مدفون)

اور یہ مدینہ طیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

ایسے ہی جلد اول صفحہ ۱۳۰ پر لکھتے ہیں۔

لا خلاف اَنَّہٗ	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ
اکرم البشر	آپؐ بیشک سب بشروں میں سے
وَسَیِّدُ وُلْدِ	زیادہ عزت والے ہیں اور اولادِ
آدم ۔	آدم میں سید البشر ہیں۔

صوفیاء کرام کے ارشادات !

امام الصوفیاء حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

پیغمبران علیہم الصلوٰۃ	ہمارے کل پیغمبر جو ایک
والتسلیمات کہ قریب یك لك	لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں سب کے

دبست و چہار ھزار	سب مخلوق کو خالق جل مجدہ کی عبادت
گذشتہ اند خلائق	کی عبادت کی ترغیب دیتے رہے، غیر اللہ کی
را بعبادت خالق	عبادت سے منع فرماتے رہے اور سب نے اپنے
ترغیب فرمودہ اند	آپکو اللہ کا عاجز بندہ سمجھا۔ اللہ کے خوف
واز عبادت غیر منع نمودہ	اور اس کی بزرگی سے کانپتے رہے۔
خود را بندہ عاجز دانستہ	اور ہندوؤں کے خداؤں نے خلائق
اندو از ھیبت و از عظمت او تعالیٰ	کو اپنی عبادت کی رغبت دلائی۔
ترساں و لرزاں بودہ اند و آلہ	(الی قولہ) بخلاف انبیاء علیہم والتسلیمات
ھنود خلق را بعبادت خود	کے کہ مخلوق کو جن چیزوں سے منع
ترغیب کردہ اند (الی قولہ)	فرمایا ہے، خود بھی ان سے باز رہے
بخلاف پیغمبران علیہم الصلوٰۃ	ہیں بالکل پورے طور پر دوسرے
والتسلیمات کہ خلائق را از آنچہ	لوگوں کی طرح اپنے آپ کو دہ بشر
فرمودہ اند خود را نیز ازاں	کہا کرتے تھے۔
باز داشتہ اند بروجہ	(مکتوبات ص۱۶۶، دفتر اول
اتم و اکمل خود را بشر مثل	ص۵۱، حصہ دوم، بحوالہ رسالہ
سائر بشر می گفتند اند۔	بشریت النبی مؤلفہ نور الحسن شاہ بخاری)

مکتوب نمبر ۲۶۳، دفتر اول میں فرماتے ہیں کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) سے مُراد یہ ہے کہ جھوٹے خداؤں کی عبادت کا انکار کیا جائے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو معبود برحق ثابت کیا جائے اور کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ یعنی "محمد رسول اللہ" جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سے مراد ہے کہ پیغمبر اپنے آپ کو تمام آدمیوں کی طرح بشر یعنی انسان جانتے ہیں۔ آگے مکتوب نمبر ۱۷۳ دفتر

اوّل میں فرماتے ہیں۔

اے بھائی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شان بلند و برتر ہونے کے باوجود بشر یعنی انسان تھے، اور حدوث و امکان کے داغ سے داغدار تھے یعنی آپ کا شروع اور اخیر تھا۔ انسان خالق البشر جل سلطانہٗ کی شان کیمتعلق کیا پائے گا۔ بحوالہ آئینہ مجددی مؤلفہ حکیم محمد صادق گکھڑ۔

نیز فرماتے ہیں؛ اِتیان لفظِ "مثلکم" برائے تاکید بشریت مکتوب جلد اول ص۲۱۰ طبع نول کشور۔ (ترجمہ) لفظِ "مثلکم" کا لانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔

صوفی باکمال مولانا جلال الدین رُومی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

انبیاء زین رہ بشر ہا بُودہ اند
از تجانس راہِ حق پیمودہ اند
بوئے جنسیت رسد فیضش شتاب
از ملک آدم نگشتی بے حجاب

قصیدہ بردہ اور آپؐ کی بشریت!

قصیدہ،

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ	اس دعویٰ کو چھوڑ دو جو نصاریٰ
النصاریٰ فِیْ نَبِیِّهِمْ	نے اپنے نبی کی بابت کیا ہے، اس
واحکم بما شئتَ	کے سوا آپ کی مدح و تعریف میں
مدحاً فیه و احتکمْ	جو تو چاہے کہے اور اس پر پختہ رہے۔
فمبلغ العِلْمِ فیه اِنَّهٗ	پس انتہا علم یہ ہے کہ آپ بشر

کبشرٌ وَاِنَّهٗ خَیْرُ	ہیں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری
خلقِ اللّٰہ کلّھم ہ	مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے سایہ کی تحقیق!

بعض مبتدعین حضرات کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کا سایہ نہیں تھا۔ لہٰذا آپؐ نور تھے، قطع نظر اس سے کہ آپؐ کا سایہ تھا یا نہیں، اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ سایہ کا نہ ہونا نُور کی دلیل ہے؟ بالفرض اگر معجزاتی طور پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کا سایہ نہ تھا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپؐ نور تھے۔ علاوہ ازیں کیا مبتدعین حضرات کوئی صحیح حدیث پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا سایہ نہیں تھا؟ انشاء اللہ تادمِ زلیست کوئی حدیث نہیں پیش کر سکتے۔

اب آپ کے سایہ کے ثبوت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

مستدرک حاکم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک نماز پڑھائی، نماز کے دوران کچھ پیچھے ہٹے، نماز کے بعد صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس نماز میں ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے دیکھا جو آپؐ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جہنّم کو پیش کیا گیا (حتّیٰ رَءَیْتُ ظِلِّیْ وَ ظِلَّکُمْ) حتیٰ کہ (اُس آگ کی روشنی میں) میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ مستدرک صفحہ ۴۵۶ ج ۴۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت زینبؓ سے ناراض ہوکر میرے گھر چلے آئے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ (اپنے گھر میں) بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک آپ کا سایہ دیکھا (دل میں)

کہنے لگیں یہ کسی مرد کا سایہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھ سے ناراض ہیں۔ میرے گھر نہیں آتے (نہ معلوم یہ کس کا سایہ ہے) چنانچہ دیکھا تو واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم داخل ہوئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فرأت ظِلَّهٗ فَقَالَتْ	پس حضرت زینبؓ نے
اِنَّ هٰذَا الظِّلَّ رَجُلٍ	(کسی آدمی کا) سایہ دیکھا (دل میں)
وَمَا يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيُّ	کہا یہ کسی مرد کا سایہ ہے نبی صلی اللہ
صلی اللّٰہ علیہ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ	علیہ وسلّم تو میرے گھر نہیں آتے، پس
النَّبِيُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم	دیکھا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم
(مجمع الزوائد ص ۳۲۱-۳۲۳۔ مسند احمد ص ۳۳۶ ج ۶)	(اُن کے گھر) تشریف لائے۔

بحث یارسول اللہ کہنا

مولانا یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں

ان میں سے ایک مشہور مسئلہ یہ ہے کہ "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے یا نہیں!

اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہنے کی کئی صورتیں ہیں۔ اور سب کا حکم ایک نہیں۔ مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی بادِ صبا کو خطاب کرتے ہیں۔ اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو ——— ان میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کرتے ہیں وہ انکی بات کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، بلکہ یہ محض ایک ذہنی پرواز اور تخیلاتی چیز ہوتی ہے، جس پر واقعاتی احکام جاری نہیں ہوتے، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا دیگر مقبولانِ الٰہی کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے، میں اس کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں اسی طرح آپؐ کو محض اظہارِ محبت کے لئے خطاب کیا جائے۔ واقعۃً ندا مقصود نہ ہو ———

یا جس طرح کہ کسی مادرِ شفیق کا بچہ فوت ہو جائے تو وہ اس کا نام لیکر پکارتی ہے وہ جانتی ہے کہ اسکی آہ و بکاء کی آواز بچے کی قبر تک نہیں پہونچ رہی اس کے باوجود وہ اپنی ممتا کی وجہ سے ایسا کرنے پر گویا مجبور رہے۔ اسی طرح جو عشاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں واقعی جل بھُن گئے ہوں اور انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے بغیر کسی کروٹ چین ہی نہ آئے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی آہ و پکار سامعہ مبارک تک نہیں پہنچتی، ان کا "یا رسول اللہ!" کہنا بھی جائز ہوگا۔ بشرطیکہ عقیدہ میں فساد نہ ہو۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے صیغہ سے درود شریف پڑھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس درود کو بارگاہِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہونچا دیں گے۔ اس کے اس فعل کو بھی ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

من صلّی عند قبری سمعتہ، ومن صلّی علیّ نائیا ابلغتہ (مشکوٰۃ شریف ص۸۷)

جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا۔ اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہونچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ان للہ ملائکۃ سیّاحین فی الارض یبلّغونی من امتی السلام۔ (مشکوٰۃ شریف ص۸۶)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہونچاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا و لا تجعلوا قبری عیدا و صلّوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔ (حوالۂ بالا)

اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو عید میلہ نہ بنالینا۔ اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو وہ مجھے پہونچا دیا جاتا ہے۔

اگرچہ اس کے لئے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ دور سے درود و سلام بھیجنے کا جو طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اسی کو اختیار کرے، غائبانہ درود میں خطاب کے صیغے استعمال نہ کرے۔ اس کے باوجود اگر اس کے عقیدے میں کسی قسم کا فساد نہیں۔ یا اس کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں تو اس کے "یا رسول اللہ" کہنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ ہاں اگر فساد

عقیدہ کا اندیشہ ہو تو ناجائز کہے بغیر چارہ نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے یارسول اللہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر ہیں اور ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں، میں اس صورت کو صحیح نہیں سمجھتا، یہ عقیدہ جیساکہ میں پہلے بتا چکا ہوں، غلط ہے، اور قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی میں اسکی کوئی گنجائش نہیں — چونکہ عوام حدود کی رعایت کم ہی رکھا کرتے ہیں اس لئے سلف صالحین اس معاملہ میں بڑی احتیاط فرماتے تھے، صحیح بخاری شریف میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، ہم التحیات میں "السلام علیک ایّہا النبی" پڑھا کرتے تھے، مگر جب آپؐ کا وصال ہوگیا تو ہم اس کے بجائے "السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہنے لگے۔ (صـ ۹۲۶ ج ۲)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مقصد اس سے یہ بتانا تھا کہ "التحیات" میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے صیغہ سے سلام کیا جاتا ہے وہ اس عقیدہ پر مبنی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود ہیں۔ اور ہر شخص کے سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں، نہیں! بلکہ یہ خطاب کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں فرمایا تھا۔

"یارسول اللہ!" کہنے کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر مواجہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھے "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر میں حیات ہیں۔ اور ہر زائر کے سلام کو سماعت فرماتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں اس لئے وہاں جاکر خطاب کرنا نہ صرف جائز بلکہ احسن ہے۔

یہ ہیں وہ چند صورتیں، جن میں سے ہر ایک کا حکم میں عرض کر چکا ہوں۔ اب ہمارے یہاں جو لوگ "یارسول اللہ"! کہتے ہیں وہ کس نیت، کس کیفیت، اور کس مقصد سے کہتے ہیں؟ اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ البتہ یہاں دو مسئلے اور عرض کر دینا ضروری ہے۔

ایک یہ کہ شیعہ صاحبان نے "نعرۂ حیدری": یا علی" ایجاد کیا تھا۔ بعض لوگوں نے ان کی تقلید میں "نعرۂ رسالت: یارسول اللہ" اور "نعرۂ غوثیہ: یا غوث"! ایجاد کر لیا۔ مگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور ائمہ ہدیٰ کی زندگی میں کہیں نظر نہیں آیا کہ "اللہ اکبر" کے سوا مسلمانوں نے کسی اور نام کا نعرہ لگایا ہو، نہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی یا کسی اور فقہ میں اس کا ذکر ہے۔ اس لئے میں اسے شیعوں کی تقلید سمجھتا ہوں، جس سے اہل سنت والجماعت بالکل بری ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جسطرح بطورِ دعاء و تقرب حق تعالیٰ کو پکارا جاتا اور اس کے پاک نام کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا وظیفہ جپنا اسلام نے جائز نہیں رکھا۔ کیونکہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ کا حق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور اولیائے امت میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بزرگ ہستی کے نام کا وظیفہ نہیں پڑھا۔ حضرت قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی رہ "ارشاد الطالبین" میں فرماتے ہیں:

ولا یصح الذکر باسماء الاولیاء علی سبیل الوظیفۃ او السیفی لقضاء الحاجۃ کمایقرؤن الجھال۔	اور اولیاء اللہ کے نام کا وظیفہ پڑھنا یا کسی مراد کے لئے سیفی پڑھنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ جاہل لوگ پڑھتے ہیں۔

(بحوالہ الجنۃ لاھل السنۃ صـ ۷)

نیز ارشاد الطالبین فارسی صـ ۱۹ میں فرماتے ہیں:

مگر آنکہ ذکر محمد رسول اللہ با ذکر خدائے تعالیٰ	مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ

در اذان و اقامت و تشہد و مانند آں عبادت است و ذکر محمد رسول اللہ ہم بروجہیکہ در شرع وارد نشدہ است، چنانچہ کسے لبطورِ وظیفہ یا محمد یا محمد گفتہ باشد روا نباشد (ص ۱۹)

کا نام اذان، اقامت، اور کلمۂ شہادت وغیرہ میں ذکر عبادت ہے ... مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایسے طریقہ پر کرنا جو شریعت میں نہیں آیا، مثلاً یہ کہ کوئی شخص "یا محمدؐ یا محمدؐ" کا وظیفہ پڑھنے لگے، یہ جائز نہیں۔

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں

یا رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال - یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - یا رسول اللہ کہنے میں بڑی تفصیل ہے بعض طریقے سے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے - بیشک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ قبر شریف کے پاس درود و سلام پڑھا جاتا ہے تو آپ خود سنتے ہیں - اور کسی دور دراز مقام سے صلوٰۃ و سلام بھیجا جائے تو فرشتے آپ کی خدمتِ اقدس میں بالاسماء (بھیجنے والے کے نام کے ساتھ) پیش کرتے ہیں اور آپؐ اس کا جواب دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے - من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی نائیاً اُبلغته - یعنی جو کوئی میری قبر کے پاس سے درود بھیجتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو کوئی دُور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچا یا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

دوسری حدیث میں ہے :- ان اللہ ملٰئکۃً سیّاحین فی الارض یبلغونی من اُمتی السّلام خدا تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کر دی ہے جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری اُمت کا صلوٰۃ و سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نزدیک ہو یا دُور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھتے وقت یا رسول اللہ کہا جائے تو وہ جائز ہے۔ مگر یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ دُور سے پڑھے ہوئے درود و سلام آپؐ کو بذریعۂ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں۔ خدا کی طرح بنفسِ نفیس سُن لینے کا عقیدہ نہ رکھے۔

اسی طرح "التحیات" میں "السّلامُ علیکَ ایّھا النّبیّ" کہہ کر سلام بھیجا جاتا ہے - اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ نیز قرآن پاک پڑھتے وقت "یا ایّھا المُزّمّل" عبارت کے طور پر پڑھا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کو حاضر و ناظر کی دلیل بنا لینا جہالت ہے۔ نیز حاضر و ناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوشِ محبت میں یا رسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے۔ کبھی غایۃ محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر ناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لئے لفظ ندا بولتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ کبھی صرف تخیل کے طریقے کے ساتھ شاعرانہ و عاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں (شعراء تو دیواروں اور کھنڈرات کو مخاطب بناتے ہیں - یہ ایک محاورہ ہے۔ حاضر ناظر وغیرہ کا کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا۔ البتہ بدون صلوٰۃ و سلام حاضر ناظر جان کر حاجت روائی کیلئے اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ کہنا بیشک ناجائز اور ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے - ادعونی استجب لکم (سورۂ مومن) تم مجھے پکارو، میری عبادت کرو، میں تم سے غائب نہیں ہوں۔ میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں اور تمہاری درخواست و عبادت قبول کرتا ہوں۔ (تفسیر حقانی ص ۱۹۱ ج ۶)

نیز حدیث شریف میں ہے۔ قال رجل یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعوا للہ ندًا وھو خلقک - یعنی ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا گناہ عند اللہ

سب سے بڑا ہے؟ - آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کو پکارنے میں اور اس کی عبادت میں تو کسی کو شریک بنا دے۔ یعنی خدا کی طرح اور کو پکارے حالانکہ تجھ کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حاجت روائی کے لئے یا اللہ کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح دوسرے کو پکارنے پر بڑا گناہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف - مظاہر حق صہ ۱ج ۱)

لہذا نشست و برخاست اور بوقت مصیبت **یا اللہ** کہہ کر اپنے خالق و مالک اور رازق کو (جس کی شان "علیٰ کل شیئ قدیر" اور "بکل شیئ علیم" ہے) پکار کر مدد مانگنی چاہیئے۔ اور تمام حوائج اسی کی بارگاہ میں پیش کرنے چاہئیں - نہ یہ کہ یا رسول اللہ، یا علی یا غوث کہہ کر بالاستقلال حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اُن کو پکارے اور اُن کی خدمت میں حوائج کو پیش کرے - یہ تعلیم اسلام کے خلاف ہے حضرت محبوب سُبحانی غوث اعظم عبد القادر جیلانی رح فرماتے ہیں :-

اے مخاطب! میں تجھ کو مخلوق کے پاس دیکھ رہا ہوں نہ کہ خالق کے پاس! تو نفس اور مخلوق دونوں کا حق ادا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کا حق ساقط کرتا ہے - یہ نعمتیں جن میں تو غرق ہے تجھ کو کس نے دی ہیں؟ کیا خدا کے سوا کسی دوسرے نے دی ہیں؟ (الفتح الربانی صہ ۲۸۵/۴۴)

نیز وہ فرماتے ہیں :- فلا تذھبن بھمتك الیٰ احد من خلقہ فی معافاتك فذالك اشراكك منك به لا یملك معه فی ملکه احد شیئًا - لا ضار ولا دافع ولا جالب ولا مسقم ولا مبلی ولا معافی ولا مبری غیرہ!

(ترجمہ) بلا دفع کرانے کے لئے اپنی ہمت اور اپنی توجہ کسی مخلوق کے پاس مت لیجاؤ کہ یہ خداوند تعالیٰ کا شریک بنانا ہے - کوئی شخص اس کے ساتھ اس کی ملک میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، نہ نقصان و نفع پہنچانے والا، نہ ہٹانے والا، نہ بیمار و مبتلا کرنے والا۔ نہ صحت و نجات دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں (فتوح الغیب مقالہ ۵۹ صہ ۱۵۰)

اور فرماتے ہیں :- فلیکن لك مسئول واحد ومعطی واحد وھمة واحدة وھو ربك عزّ وجل الذی نواصی الملوك بیدہ وقلوب الخلق بیدہ التی ھی امراء الاجساد -

یعنی چاہیئے کہ تمہارا مسئول (جس سے تم مانگو) وہ واحد ہو۔ عطا کرنے والا واحد ہو۔ ہمت اور توجہ واحد ہو (پراگندہ نہ ہو) اور وہ تیرا رب ہے (عزوجل) وہ رب کہ تمام بادشاہوں کے پیشانی کے بال اُس کے دست قدرت میں ہیں۔ تمام مخلوق کے دل جو جسموں کے حاکم ہوتے ہیں اس کے قبضہ میں ہیں

فتوح الغیب مقالہ صہ ۵۸

خلاصہ یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے چاہے نبی ہو یا ولی، حاظر و ناظر اور حاجت روا ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ حاظر و ناظر صرف خدا کی ذات ہے۔ مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں :-

"حق سبحانہ و تعالیٰ بر احوال جزوی و کلی او مطلع ست و حاضر و ناظر! شرم باید کرد!

یعنی خداوند قدوس بندوں کے تمام جزوی و کلی امور پر خبردار اور مطلع اور حاضر و ناظر ہیں! اس کے علاوہ کسی اور کے تصور سے ہمیں شرم کرنی چاہیئے۔" (مکتوب ۸۰ صہ ۱ج ۱)

"علیٰ کل شیئ قدیر" اور "بکل شیئ محیط" "حاضر و ناظر" وغیرہ صرف اللہ پاک کے اوصاف ہیں ان میں کوئی شریک نہیں۔ حضرت شاہ ہدایت اللہ نقشبندی جے پوری رح فرماتے ہیں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یکتا ہے کوئی اس کی ذات و صفات اور اس کے افعال میں کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا (معیار السلوک صہ) اسی لئے حضرت خواجہ بختیار کاکی رح کے اُستاد سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری "توشیح" میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اشخاص وہ ہیں جو اپنے حوائج اور مصیبت کے وقت اولیا و انبیاء کو پکارتے ہیں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کی ارواح موجود ہیں ہماری پکار سُنتی ہیں اور ہماری ضروریات کو خوب جانتی ہیں یہ بڑا شرک اور کھلی جہالت ہے۔ اور ملا حسین جُناح "مفتاح القلوب" میں فرماتے ہیں :-

واز کلمات کفر ست ندا کردن اموات غائبانہ بگمان آں کہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ و یا عبد القادر و مانند آں!

یعنی جو بزرگ وفات پا چکے ہیں ان کو ہر جگہ حاضر و ناظر گمان کر کے غائبانہ نداء کرنا جیسے یا رسول اللہ، یا عبد القادر وغیرہ، یہ کلمات کفریہ ہیں۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے ..من قال ارواح المشائخ حاضرۃ یکفر - یعنی جو کوئی کہے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے (ص ۳۲۶/ ج ۳ مع فتاویٰ عالمگیری)

اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عقائد باطلہ کے بارے میں یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"انبیاء مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس در ہر جا قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند"۔ انبیاء اور رسولوں کے لئے لوازم الوہیت جیسے کہ عالم الغیب ہونا اور ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا الخ (یہ عقیدہ باطل ہے) (تفسیر فتح العزیز سورہ بقرہ ص ۵۲)

بریلوی خیالات کے ایک بڑے عالم بھی مذکورہ بالا عقیدہ کے بارے میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔ "ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سب جا (ہر جگہ) حاضر و ناظر بجز خدائے عز اسمہ کے کوئی نہیں۔ (انوار الھیہ فی الاستعانۃ من خیر البریہ ص ۱۲۴)

غرض یہ کہ یارسول اللہ، یاغوث، وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا ہماری ہر پکار اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں، جائز نہیں ہے! اگر اپنا یہ عقیدہ نہ ہو لیکن اوروں کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہو تب بھی جائز نہیں ہے کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وعلمہ اتم واحکم!

اللھم ان ھذا الکتاب وسیلتی الیک وفی مغفرتک الوسعۃ حیلتی لدیک لا الہ الا انت سبحانک بیبک وسعدیک فاغفر اللھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ عامۃ ایاک نعبد وایاک نستعین ونتوکل علیک ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر وما علینا الا البلاغ المبین ط بلاغ فھل یھلک الا القوم الفاسقون ط حٰمٓ الامر وجاء النصر فعلینا لا ینصرون - وصلی اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

اے اللہ میں اس کتاب کو تجھ تک رسائی کا وسیلہ بناتا ہوں اور تیری وسیع مغفرت

اور بخشش کے لئے بہانہ - تو ہی ہے میرا معبود، تیری ذات پاک ہے، میں تیری عبادت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ اے اللہ تو اُمتِ محمدیہ پر مہربانی فرما۔ پوری اُمت پر اپنی عام رحمت نازل کر۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ ہے کہ واضح طور پر تیرا پیغام پہنچا دیں - پیغام پہنچنے کے بعد وہی برباد ہوتے ہیں جو فاسق اور بدکردار ہوں پیغام کی طرف توجہ نہ کریں -

حٰمٓ ا والامر وجاء النصر فعلینا لا ینصرون

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہٗ

تنقید متین صـ۲۲ پر مولانا نعیم الدین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں.

اوّل۔ مولوی نعیم الدین صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے، باقی آلات وخدام واحباب وغیرہ سب عونِ آلہی کے مظہر ہیں بندے کو چاہیئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدۂ باطلہ ہے کیونکہ مقربانِ حق کی امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں اَعِیْنُوْنِیْ

بِقُوَّةٍ اور اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دیجاتی۔ صـ۳

تنقید :-

جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابلِ صد نفرین ہے، معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نَسْتَعِیْنُ کا مفعول ومعمول اِیَّاکَ ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے اور ابتدائی جملوں میں خود مولوی صاحب نے اس کا کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے لیکن جب سمجھے کہ اس اقرار سے تو بریلویت و بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور اس سے ایک بڑے عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے، اور وہابیوں کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے تو پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدۂ باطلہ ہے اھ اور اس طرح تحریف کا چور دروازہ اپنے لیے کھول لیا ہے، اس لیے ہم بھی اس پر قدرے وضاحت سے کلام کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود اور باطل ہے۔ اوّلاً بزعم خود جو تفسیر اور احتمال اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہٖ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ در حقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں، ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے! اور اگر یہ غلط

ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار پایا؟ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدۂ باطلہ ٹھہرا؟ استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

ولاشریکَ له فی وجوب الوجود ولا فی استحقاق العبادة فی الخلق والتدبیر فلا یستحق العبادة ای اقصیٰ غایة التعظیم الا هو ولا یشفی مریضاً ولا یرزق رزقا ولا یکشف ضرا الا هو بمعنی ان یقول لشئ کن فیکون لا بمعنی التسبیب العادی الظاهری کما یقال شفی الطبیب المریض و رزق الامیر الجند فهذا غیره وان اشتبه فی اللفظ اھ (تفہیمات الٰہیہ جلد ا ص ۱۴۵)

وجوبِ وجود استحقاقِ عبادت خلق اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ استحقاق عبادت یعنی انتہائی تعظیم کا بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اہل نہیں۔ بیمار کو شفا دینا، رزق عطا کرنا، اور تکلیف دُور کرنا صرف اسی کا کام ہے، وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے لیکن اس کا دنیا عادۃً ظاہری سبب کے طور پر نہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا یہ تو ظاہری اور اسباب کے تحت دینا ہے اور یہ اور چیز ہے اگرچہ لفظ میں اشتباہ پیدا ہو جائے۔

اور الشیخ ابوبکر بن محمد عارف خوقیرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

الشرک هو اعتقاد ان لغیر الله اثراً فوق ما وهبه الله من الاسباب الظاهرة وان لشئ من الاشیاء سلطاناً عما خرج عن قدرة المخلوقین

شرک اس اعتقاد کا نام ہے جو غیر اللہ کے متعلق یوں قائم کر لیا جائے کہ غیر اللہ کا اُن ظاہری اسباب سے بالاتر اثر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب قرار دیا ہے اور یہ کہ کسی چیز کا اس شئے پر تسلط ہے جو مخلوق کی قدرت سے خارج ہے۔ (ما لابد منہ ص ۱۱ طبع مصر)

اس سے ثابت ہوا کہ استعانت ظاہری اور ماتحت الاسباب جائز اور درست ہے، جیسا کہ حضرت ذوالقرنینؑ نے سدِّ سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر وہاں کے لوگوں کی یہ درخواست سنی کہ یاجوج ماجوج ہمیں بے حد تکلیف دیتے اور ستاتے ہیں، اس لیے آپ اس دَرّہ میں ایک بند قائم کر دیں، تاکہ ہم ان کے دست بُرد سے نجات حاصل کر لیں اور ہم آپ کی مالی امداد بھی کریں گے تو حضرت ذوالقرنینؑ نے فرمایا کہ مال کی مجھے ضرورت نہیں، خداوند تعالیٰ نے بہت کچھ مجھے مرحمت فرمایا ہے ہاں بدنی طور پر تم میری امداد کرو اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ یہ ندا امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب، ان سے اس قسم کی استعانت بہرصورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مبعوث ہوئے، اور شریعت حقّہ اس کے لیے وقف ہے اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے، اہل علم کی شان نہیں۔ وثالثاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ومنها انهم کانوا یستعینون بغیر الله فی حوائجهم من شفاء المریض وغناء الفقیر وینذرون لهم یتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور ویتلون اسمائهم رجاء برکتها فاوجب الله تعالیٰ علیهم ان یقولوا فی صلوٰتهم ایاكَ

اقسامِ شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا اور فقیر کی غنیٰ وغیرہ اور ان کے لیے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے سو اللہ تعالیٰ

نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ احداً ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ھو الاستعانۃ لقولہ تعالٰی بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ ۝

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صـ۶۲ طبع مصر)

نے ان پر یہ واجب کر دیا کہ وہ اپنی نماز میں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پڑھیں اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو اور دعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کرامؒ نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ تم صرف اُسی کو پکارو گے سو وہ تمہاری تکلیف کو رفع کرے گا۔

ان صاف اور صریح عبارات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے، اور یہی مشرکینِ مکّہ کا شرک تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

وکفّر اللہ سبحانہ مشرکی مکۃ بقولھم لرجل سخی کان یَلتُّ السویق للحجاج انہ نصب منصب الالوھیۃ وجعلوا یستعینون بہ عند الشدائد۔

(بدور البازغۃ صـ۱۲۶)

اور اللہ تعالیٰ نے مکّہ کے مشرکوں کو اس لیے کافر فرمایا کہ انہوں نے ایک سخی آدمی کو جو ستّو گھول گھول کر پلاتا تھا (جس کا نام لات تھا) حاجت روائی کا منصب دے رکھا تھا اور تکالیف و مصائب کے مواقع پر وہ اس سے استعانت کیا کرتے تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

مسئلہ:۔ عبادت مر غیر خدا را جائز نیست و نہ مدد خواستن از غیر حق اھ

(ارشاد الطالبین صـ۲۰)

کہ نہ تو خدا تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت جائز ہے اور نہ اس کے بغیر کسی سے مدد طلب کرنا۔

حیرت ہے کہ یہ اکابر علماء اسلام تو غیر اللہ سے استعانت کو کفر اور شرک

قرار دیں اور اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے سراسر خلاف سمجھیں، مگر مولوی نعیم الدین صاحب یہ کہتے رہیں کہ استعانت بالغیر کی نفی اس آیت سے وہابیہ نے سمجھی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) مشرکین کے افعال شرکیہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

و در تصرف در کائناتِ جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض و تسخیر ارواح و مانند آں بکار می آرند۔ ایں خود شرک صریح است و دریں مقام عذرے نیست۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین صاحبؒ صـ۲)

یعنی مشرکین، کائنات کے جزوی تصرفات مثلاً رزق کشادہ کرنے اولاد دینے امراض کو دور کرنے اور ارواح کو مسخر کرنے وغیرہ کے سلسلہ میں افعال شرکیہ کو عمل میں لاتے ہیں اور یہ خود صریح طور پر شرک ہے اور اس مقام میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ سارے جہاں کا مدبّر تو صرف خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بعض مخصوص علاقوں میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرما دیتا ہے (ویجعلہ مؤثرا متصرفا فی قسط من العالم۔ بدور بازغہ صـ۱۲۳) پھر آگے لکھتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔

والغُلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا (بدور بازغہ صـ۱۲۴)

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا نام لینے والے انتہائی درجہ کے منافقوں کا بھی آج کل یہی عقیدہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مگر ان کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو عونِ الٰہی اور امدادِ الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے اور یہی شرک کی حقیقت ہے، کیوں کہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا بایں طور پر کہ اس کو واجب الوجود

تسلیم کیا ہو، اور قدرت وطاقت کا باستقلال منبع اس کو یقین کیا ہو بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ :-

والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالى شيئاً من صفاته المختصة كالتصرف في العالم بالارادة الذي يعبر عنه بكن فيكون او العلم الذاتي من غير اكتساب بالحواس ودليل العقل و المنام والالهام ونحو ذالك او الايجاد لشفاء المريض او اللعن لشخص والسخط عليه حتى يقدر عليه الرزق او يمرض او يشقى لذلك السخط اوالرحمة لشخص حتى يبسط له الرزق ويصح بدنه ويسعد ولم يكن المشركون يشركون احداً في خلق الجواهر وتدبير الامور العظام ولا يثبتون لاحد قدرة على الممانعة اذا ابرم الله سبحانه وتعالى امراً وانما كان اشراكهم في الامور الخاصة ببعض العباد وكانوا يظنون ان

شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے اُن صفات میں سے کوئی چیز ثابت کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں مثلاً جہان میں اس ارادہ سے تصرف کرنا جس کو کن فیکون سے تعبیر کیا جاتا ہے یا علم ذاتی ثابت کیا جائے جو بغیر حواس اور عقلی دلیل اور خواب اور الہام وغیرہ کے ثابت ہو یا بیمار کے مرض کو دُور کرنے کی صفت ثابت کی جائے یا کسی شخص پر ایسی پھٹکار اور ناراضگی ڈالی جائے کہ اُس کی وجہ سے اس پر رزق تنگ ہو جائے یا کسی شخص پر رحمت کی جائے جس کی بنا پر اس پر رزق کی وسعت ہو اور اس کا بدن صحیح ہو جائے، اور وہ سعادت مند ہو جائے مشرک لوگ کسی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اجسام و جواہر کے پیدا کرنے اور بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کرنے میں شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور کسی کے لیے یہ قدرت ثابت نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کر چکتا ہے تو وہ اس کو ٹال سکتے ہیں، ان کا شرک یہ تھا کہ بعض بندوں کے بارے میں

الملك على الاطلاق جل مجده شرف بعض العباد بخلعة الالوهية ويؤثر رضاهم وسخطهم على سائر العباد كما ان ملكا من الملوك عظيم القدر يرسل عبيده المخصوصين الى نواحي المملكة ويجعلهم متصرفين في الامور الجزئية الى ان يصدر عن الملك حكم صريح فلا يتوجه الى تدبير الامور الجزئية و يفوض اليهم امور سائر العباد ويقبل شفاعتهم في امور من يخدمهم ويتوسل بهم فيقولون بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه المخصوصين المذكورين يتيسر لهم قبول الملك المطلق وتقبل شفاعتهم للمتقربين بهم في مجاري الامور كانوا يجوزون بملاحظة هذه الامور ان يسجد لهم ويذبح لهم ويحلف بهم و يستعان بهم في الامور الضرورية بقدرة كن فيكون وكانوا ينحتون من الحجر

یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کچھ مخصوص کام کر سکتے ہیں اور اُن مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ علی الاطلاق بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو حاجت روائی کی خلعت سے مشرف کر دیتا ہے اور ان کی رضا اور ناراضگی کو سب بندوں پر ترجیح دیتا ہے جس طرح کہ ایک بڑی شان والا بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کو اطراف مملکت میں بھیجتا ہے اور اُن کو جزوی معاملات میں تصرف کا اختیار دے دیتا ہے تا آنکہ بادشاہ سے اس کے خلاف کوئی حکم صادر ہو سو بادشاہ ان جزوی امور کی تدبیر کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان سب لوگوں کے معاملات ان غلاموں کے سپرد کر دیتا ہے اور ان لوگوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے جو ان کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور اس انداز سے ان کا توسل چاہتے ہیں اور اسی وجہ سے مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے تقرب کو ضروری قرار دیتے تھے تاکہ ان کو بادشاہ مطلق کے ہاں آسانی سے قبولیت حاصل ہو اور ان سے تقرب حاصل کرنے والوں کے حق میں ان

الصغر وغیر ذلك صوراً اتخذونها قبلة التوجه الى تلك الارواح اھ

(الفوز الکبیر ص۱۳ و ص۱۴)

کے معاملات کے پورا ہونے میں ان کی سفارش قبول ہو اور انہی امور کے پیش نظر مشرک لوگ ان مخصوص بندوں کو سجدہ جائز سمجھتے تھے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ان کے ناموں کی قسم اٹھاتے تھے اور اہم معاملات میں ان سے کن فیکون کی قدرت کے تحت استعانت کرتے تھے اور مشرک لوگ پتھر اور پیتل وغیرہ کی مورتیاں بھی تراشتے تھے مگر ان کو وہ ان نیک لوگوں کے ارواح کی توجہ کا قبلہ سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مشرکوں کے شرک کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ تقریباً ہر زمانہ اور ہر جگہ کے مشرکوں پر فٹ ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر ان میں سے کوئی ایک بات اور کسی جگہ کوئی دوسری بات ہو مگر اصولی طور پر مشرک انہی برائیوں میں الجھے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خرابیوں سے محفوظ رکھے آمین۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اپنی مختصر مگر بے حد مفید تفسیر موضح القرآن میں وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا، اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد یا عورت نے شرک کیا، اس کا نکاح ٹوٹ گیا، شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے، یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے، یا ہمارا بھلا یا برا کرنا، اس کے اختیار میں ہے، اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اس کو مختار جان کر اھ (حاشیہ حمائل شریف ص۵۵ و ص۵۶) حیرانگی کی بات ہے کہ جن امور کو ذمہ دار بزرگانِ دین قرآن و سنت کی روشنی

میں ببانگ دہل شرک کہتے ہیں، مولوی احمد رضا خان صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے اتباع انہی کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خالص ایمان اور سچا اسلام ثابت کرنے کے درپے ہیں، فوا اسفا۔

رہا مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے اھ تو یہ نرا دھوکہ اور مغالطہ ہے، کیونکہ صبر اور صلوٰۃ بلاشبہ غیر اللہ ہیں مگر استعانت صبر اور صلوٰۃ سے نہیں اور نہ وہ مستعان ہیں بلکہ بِالصَّبْرِ میں حرف با سبب کے لیے ہے، اور مراد یہ ہے کہ تم صبر اور صلوٰۃ کے سبب اور ذریعہ سے استعانت کرو (کیونکہ غیر اللہ حقیقی طور پر اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی مستعان نہیں ہیں، بخلاف باری تعالیٰ کے کہ وہ سبب نہیں بلکہ مسبب الاسباب ہے) یہ تو صرف ذریعہ ہیں مستعان ہرگز نہیں، مستعان کون ہے؟ وہ صرف باری تعالیٰ ہے جیسا کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ اور اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو چہ جائیکہ اس کے ثبوت میں احادیث ہوں، محض احادیث کے خوش کن لفظ سے عوام کو دھوکہ دینا خیانت علمی ہے، عالم اسباب کی استعانت کا معاملہ جدا ہے اس کی کچھ ضروری تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس باطل عقیدہ کی مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے متوسلین نشر و اشاعت کرتے ہیں وہ اسلام کے سراسر خلاف ہے، اگر ہماری بات پر کسی کو یقین نہیں آتا تو ہم مجبور نہیں کرتے، بریلوی مسلک کے ایک مسلّم پیر اور مشہور شخصیت کا حوالہ ہم عرض کرتے ہیں جو اپنی جماعت میں علم و تحقیق اور شرف و فضیلت میں بہت مشہور تھے، وہ بزرگ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب

گولڑوی (المتوفی ۱۳۵۶ھ) ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کل اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو ، یہ تب ہے نعوذ باللہ ، نعوذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدۂ اسلام ہے ۔ انتہیٰ بلفظہٖ (مکتوبات طیبات معروفہ بمہر چشمیہ از پیر مہر علی شاہ صاحب ص۱۲۷ مطبوعہ حجازی پریس لاہور) اس حوالہ کو بار بار پڑھیے اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے ہم مشرب دوستوں کے باطل عقیدہ کو بھی دیکھیے ۔ اور یہی پیر صاحب ایک برہمن نجومی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے ، نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ، پس سعادت اور اس کے خلاف کے جاننے سے کیا فائدہ ہے الخ (مقالات مرضیہ المعروف بہ ملفوظات مہریہ ص۱۳۷ طبع نور آرٹ پریس راولپنڈی)

اور نیز مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربانِ حق کا وجود پروردگار کے وجود کے غیر ہے ، اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں ؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈمڈ کر دیا جائے اور اثنینیت ختم کر دی تو معاملہ الگ ہے ، غرضیکہ مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت جو خاصۂ خداوندی ہے جس سے بھی ہو گی شرک ہی ہو گی ، اس میں رتی بھر شبہ نہیں ہے ۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر گلدستہ توحید میں لکھتے ہیں :

فریق مخالف اور احادیث

اس مقام پر زیادہ تفصیل تو نہیں کی جائے گی کیونکہ اتمام البرہان[1] اور ازالۃ الریب میں اس کی پوری تشریح کر دی گئی ہے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اثباتِ عقیدہ کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی قرآنِ کریم اور احادیثِ متواترہ ۔ لیکن آپ یقین جانیے کہ غیر اللہ کو طریق سابق سے پکارنے پر نہ تو کوئی قرآن کریم کی آیت موجود ہے اور نہ ہی خبر متواترہ ۔ اور خبرِ واحد کا قرآنِ کریم کی سابقہ پیش کردہ آیات کے مقابلہ میں پیش کرنا ، اصُولِ موضوعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ مولوی احمد رضا خان صاحب قائدِ فریق مخالف ، کے نزدیک ہرزہ بافی ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

"عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ احاد سے استناد محض ہرزہ بافی (ہے)۔" (الفیوض الملکیہ ص۱۵۲ وانباء المصطفیٰ ص۴ واللفظ لہٗ)

حضرات اخان صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے پر نصِ قرآنی پیش کرتے ، اور حدیثِ متواترہ کو اس پر دلیل لاتے ۔ مگر افسوس کہ خانصاحب اس سے بالکل عاجز ہے اور جو حدیثیں انہوں نے نداءِ غیر اللہ پر پیش کی ہیں ، وہ ضعیف اور موقوف ہیں اور ضعیف ہونے کے ساتھ ان کا مطلب بھی خان صاحب کو چنداں مفید نہیں ، اور دوسرے لوگوں نے جو حدیثیں اس پر پیش کی ہیں وہ بھی ضعیف اور کمزور ہیں مثلاً بعض حدیثیں یہ ہیں :-

(۱) حضرت عبد اللہ رضؓ بن عمرؓ کا پاؤں ایک دفعہ سو گیا ۔ کسی نے کہا کہ :-

اذکر احب الناس الیک فقال یامحمداہ (ابن سنی ص۵۹ وادب المفرد)	انہیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا یا محمداہ ۔

[1] یہ کتب ناظم انجمن اسلامیہ گکھڑ ، ضلع گوجرانوالہ سے مل سکتی ہیں ۔

ص۱۴۲، کتاب الاذکار ص۱۳۵ و شرح شفاء لعلی
القاری ج۲ ص۱۴ و شرح شفاء للخفاجی ۳ ص۳۹۶)

جوابِ اوّل :- یہ حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں اور پھر ہے بھی ضعیف۔ اس کی کوئی سند بھی جرح سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس کی ایک سند میں ابوشعبہ نام راوی ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ (میزان ۳ ص۳۶۴ و لسان ۶ ص۳۹۴)

دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے۔ امام نسائیؒ کہتے تھے، ضعیف ہے۔ امام ابوحاتمؒ کہتے تھے، اس کی حدیث ضعیف ہے۔ علامہ خطیبؒ کہتے ہیں، کثرت سے غلطیاں کرتا تھا۔ عبداللہؒ بن سیارؒ فرماتے ہیں، ضعیف تھا۔

ابواحمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثینؒ کے نزدیک ضعیف تھا۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں، اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ (تہذیب ۹ ص۴۵۹ و میزان ۳ ص۱۲۷)

تیسری سند میں زہیرؒ بن معاویہؒ عن ابی اسحاقؒ الخ ہے۔ زہیرؒ اگرچہ ثقہ تھے۔ لیکن محدثینؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابواسحاقؒ کے طریق سے ہوگی وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب ص۱۳۰ میں اور علامہ ذہبیؒ نے میزان ا ص۳۵۵ میں اور امام ابوحاتمؒ نے (بحوالہ تہذیب ۳ ص۳۵۲) اس کی تصریح کی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبر واحد ہے حالانکہ سند میں بعض راویوں کا حال بھی آپ نے دیکھ لیا لہٰذا باب عقائد میں اُن کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

یہ مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کمال ہے کہ وہ یوں لکھتے ہیں :-

(۱) عبداللہؓ بن عمرؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ مصیبت یا محمداہ یعنی متصرف فی الامور سمجھ کر غائبانہ اپنی حاجت میں پکارنا۔

(۲) یا حرف ندا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا الخ (مقیاس ص۴۸۶)

جوابِ دوم :- یہ حدیث موقوف اور ضعیف ہونے کے ساتھ فریقِ مخالف کو چنداں مفید بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں اذکر کا لفظ ہے ادع کا نہیں، اور حرف ندا

قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (شرح مأتہ عامل ص۳۴) وغیرہ۔

اور اشتیاقاً حرف یا سے کسی کا ذکر کرنا جب کہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور متصرّف فی الامور نہ سمجھے، صحیح ہے۔ اور اکثر حضرات صوفیاء کرامؒ اور بزرگانِ دینؒ سے اس معنیٰ میں یارسول اللہ مروی ہے۔ چنانچہ فریقِ مخالف کے محقق اور مسلّم عالم مولوی عبدالسمیع صاحب نے اس پر بادلائل بحث کی ہے کہ سلف صالحین یارسول اللہ وغیرہ کے الفاظ سے محض غلبۂ اشتیاق مراد لیتے تھے نہ کہ حاضر و ناظر وغیرہ (ملاحظہ ہو انوارِ ساطعہ از ص۲۲۷ تا ص۲۲۹ پر پورے مفصّل حوالے پہلے بیان ہو چکے ہیں) لیکن اگر کوئی شخص خان صاحب کی طرح یہ شق ہی متعیّن کر دے کہ میں تو مدد کے لیے پکارتا ہوں تو البتّہ ناجائز ہو گا۔

خانصاحب فرماتے ہیں :-

بیٹھتے، اُٹھتے مدد کے واسطے یارسول اللہ کہا، پھر تجھ کو کیا؟
(حدائق بخشش ۲ ص۵)

اور اس کے ناجائز ہونے پر سابقہ آیات و دلائل ہی کافی ہیں۔

(۲) ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا پاؤں سو گیا اور انہوں نے یا محمداہ کہا۔ (کتاب الاذکار وغیرہ)

جواب :- اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ امام یحییٰؒ کہتے تھے، ثقہ نہ تھا۔ جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ (میزان ۲ ص۳۲۳)

(۳) حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے ایک حدیث آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیئے۔

یاعباد اللہ اعینونی (وفی روایۃ)۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔
یاعباد اللہ احبسوا فان للہ فی الارض اے اللہ کے بندو اس کو روکو

حاضراً (وفی روایة عباداً) لیتحبسهٗ ۔ کیونکہ وہاں کچھ ایسے لوگ حاضر ہوتے ہیں جو
(مجمع الزوائد ۱۰ صہ ۱۳۳ و ابن سنی صہ ۱۶۲ وحصن اس کو روک لیں گے ۔
حصین صہ ۱۹۳ وکتاب الاذکار صہ ۲۰۱)

جوابِ اوّل :۔ یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے ۔ علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے (مجمع الزوائد ۱۰ صہ ۱۳۳) امام ابن عدیؒ کہتے ہیں منکر الحدیث ہے (میزان ۳ صفحہ ۱۸۳) امام ابوحاتمؒ کہتے تھے مجہول ہے ۔ (لسان المیزان ۶ صہ ۶۱)

دوسری سند حضرت عتبہؓ بن غزوان تک پہنچتی ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں ۔ لیکن اس سند میں حسب تصریح علاّمہ ہیثمی رحؒ علی ضعف فی بعضہم ۔ بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یزید بن علی راوی کی حضرت عتبہؓ سے ملاقات ثابت نہیں ۔ اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے ۔ لہٰذا یہ روایت حضرات محدّثینؒ کی اصطلاح میں منقطع ہے جو ضعیف ہوتی ہے ۔ (مجمع الزوائد ۱۰ صہ ۱۳۳)

جواب دوم :۔ اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں کچھ خدا تعالیٰ کے بندے حاضر ہوتے ہیں ۔ وہ کون ہیں ؟ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں ۔ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو ، تو یہ کہا کرو اعینوا عباد اللہ ۔ (مجمع الزوائد ۱۰ صہ ۱۳۲ ، وقال رجاله ثقات)

تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہؤا ۔ بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں ۔ ان سے مدد طلب کی گئی ہے ۔

میزانُ الحق

یعنی

دیوبندی ، بریلوی اختلاف کا شرعی فیصلہ

مکمّل تین حصّے

اس کتاب میں مسئلہ علمِ غیب ، حاضر و ناظر ، مختارِ کل ، نور و لبشر ، یارسول اللہ کہنا ، غیر اللہ سے مدد مانگنا ، بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دَور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں ۔

مُرَتّب :

پیرجی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر : مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
بَاب اوّل	9	علامہ توربشتیؒ کا حوالہ	۱۴
بدعت کے لغوی معنی	〃	ملا علی القاریؒ الحنفی کا حوالہ	〃
علامہ ابوالفتح ناصر بن سید المطرزی الحنفیؒ کا حوالہ	〃	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا حوالہ	۱۵
امام نوویؒ کا حوالہ	〃	نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد کا حوالہ	〃
لغت کی مشہور کتاب المغرب کا حوالہ	〃	امام نوویؒ کا حوالہ	۱۶
مجد الدینؒ فیروزآبادی کا حوالہ	〃	مجدد الفؒ کا ارشاد	۱۷
بدعت کا شرعی و اصلاحی معنی	۱۰	ہر بدعت گمراہی ہے۔	〃
علامہ شاطبیؒ کا حوالہ	〃	حضرت عرباضؓ بن ساریہ کی حدیث	〃
علامہ عینیؒ کا حوالہ	〃	حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کی حدیث	۱۸
مولانا محمد صالح بریلوی کا حوالہ	〃	کیا کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے	۱۹
اہل بدعت کے چند شبہات کا اصولی جواب	۱۱	ایک اشکال اور اس کا جواب	〃
انوار ساطعہ کا حوالہ	〃	مجدد صاحبؒ کا حوالہ	〃
احکام شریعت کا حوالہ	۱۲	بدعات کے سیاہ سائے۔	۲۳
صرف و نحو کی تعلیم وغیرہ پر اعتراض کا جواب	〃	(۱) بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں	〃
البدایہ والنہایہ کا حوالہ	۱۳	حضرت حذیفہؓ کی حدیث	〃
حافظ ابن رجب حنبلی کا حوالہ	〃	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث	۲۴

مضمون	صفحہ نمبر
(۲) بدعتی کو پناہ دینے کا انجام	۲۴
حضرت علی المرتضیٰؓ کی حدیث	〃
علامہ ابن ابطالؒ کا حوالہ	۲۵
علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کا حوالہ	۲۶
(۳) بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانا ہے	〃
حضرت ابراہیم بن میسرہؒ کی حدیث	〃
شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ کا حوالہ	۲۷
علامہ شاطبیؒ کا حوالہ	〃
پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حوالہ	۲۸
البلاغ المبین کا حوالہ	۲۹
امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد	〃
حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد	〃
امام سفیان ثوری کا ارشاد	〃
(۴) بدعت کی مخالفت نہ کرنے کا انجام	۳۰
حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث	〃
(۵) بدعت میں دوسرے کا بھی بوجھ	۳۱
حضرت جریر بن عبداللہؓ کی حدیث	〃
(۶) حوضِ کوثر سے محرومین	۳۳
حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث	〃

مضمون	صفحہ نمبر
امام ابن عبدالبرؒ کا حوالہ	۳۵
حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ کی حدیث	〃
(۷) بدعت کی نحوست	〃
حضرت عفیف بن الحارث الثمالیؓ کی حدیث	〃
حضرت حسن بن الحسین البارودی النیشاپوریؒ کا حوالہ	۳۶
حضرت حذیفہؓ کا ارشاد	۳۷
(۸) جہنمیوں کے کتے	۳۸
جامع صغیر سیوطی کا حوالہ	〃
فتاویٰ افریقہ کا حوالہ	〃
مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری کا حوالہ	〃
(۹) بدعت ایک فتنہ ہے	۴۰
حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث	〃
حضرت عبدالرحمٰن بن علاء الحضرمیؒ کی حدیث	〃
ملا علی القاریؒ کا حوالہ	۴۱
(۱۰) سوئے خاتمہ کا اندیشہ	〃
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث	〃
علامہ شاطبیؒ کا حوالہ	۴۴

مضمون	صفحہ نمبر
تردد کے فتنے سے بچنا	۴۶
چند شبہات کا ازالہ	۴۷
کیا اقامت تراویح بدعت ہے	〃
حافظ ابن رجب حنبلیؒ کا حوالہ	۴۸
علامہ ابن تیمیہؒ کا حوالہ	۴۹
امام ابو یوسفؒ کا ارشاد	〃
مظاہر حق شرح مشکوٰۃ کا حوالہ	۵۰
فتح الملہم شرح مسلم کا حوالہ	〃
مجالس ابرار کا حوالہ	۵۱
مستدرک حاکم کا حوالہ	۵۴
شامی کا حوالہ	〃
عامۃ الناس کے عمل سے سند پکڑنا اور اس کا جواب	〃
مجدد الف ثانیؒ کا حوالہ	۵۶
صوفیہؒ کے عمل سے کیا بدعات کو سند مل سکتی ہے مجدد صاحب سے	〃
اس کا جواب	
امام ترمذیؒ کا حوالہ	۵۸
امام وکیعؒ کا ارشاد	〃
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا حوالہ	〃

مضمون	صفحہ نمبر
مجالس ابرار کا حوالہ	۵۹
صحابہؓ خود بدعت موضوع نہیں	〃
حضرت حذیفہؓ کا قول	۶۰
مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا حوالہ	۶۱
بابِ دوم	۸۱
مشہور بدعات پر تبصرہ	〃
(۱) بحث محفل میلاد و قیام میلاد	〃
مروجہ محفل میلاد کی حقیقت	۸۵
مروجہ محفل میلاد کے بارے میں ہمارا موقف	۸۷
مروجہ محفل میلاد کب شروع ہوئی اور کس نے کی۔	۸۹
مروجہ محفل میلاد میں پائی جانے والی شرعی خرابیاں	۹۳
پہلی شرعی خرابی	〃
دوسری شرعی خرابی	۹۵
تیسری شرعی خرابی	۹۸
چوتھی شرعی خرابی	۱۰۰
پانچویں شرعی خرابی	۱۰۳

مضمون	صفحہ نمبر
مروجہ محفل میلاد پر	۱۰۴
بریلویوں کے دلائل کے جوابات	//
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق ایک حوالہ اور اس کا جواب	۱۱۴
بریلوی حضرات کی قیاس آرائی کا جواب	۱۱۵
اکابرین و بزرگان دین کے واقعات سے بریلوی حضرات کا استدلال اور اس کا جواب	۱۲۱
شاہ ولی اللہ کی ایک عبارات سے استدلال اور اس کا جواب	۱۲۳
شاہ ولی اللہؒ کی ایک اور عبارت سے استدلال اور اس کا جواب	۱۲۴
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت سے استدلال کا جواب	۱۲۸
علامہ ابن حجر ہیتمیؒ مکی کی ایک عبارت سے استدلال کا جواب	۱۳۱
مساجد میں اشعار پڑھنا ممنوع ہے	۱۳۴
ایک شبہہ اور اس کا جواب	۱۳۶
خلاصہ کلام	۱۳۸
(۲) عید میلاد النبی	۱۳۹
(۳) فاتحہ خوانی بحث ایصال ثواب تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں ششماہی اور برسی	۱۵۳
(۴) کھانے پر ختم دینا	۱۷۶
(۵) گیارھویں شریف	۱۸۰
(۶) نماز جنازہ کے بعد دعا کی تحقیق۔	۲۰۴
(۷) قبروں کو پختہ کرنا اور گنبد بنانا وغیرہ۔	۲۰۹
(۸) قبروں پر غلاف چڑھانا	۲۴۲
(۹) قبروں پر چراغ جلانا	//
(۱۰) قبروں پر طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا۔	۲۴۴
(۱۱) قبروں پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا۔	۲۴۸
(۱۲) قبروں پر پھول ڈالنا	۲۵۵
(۱۳) اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا	۲۷۰
(۱۴) قبر پر اذان دینے کی تحقیق	۲۸۵
(۱۵) عرس بزرگان	۲۹۷

مضمون	صفحہ نمبر
(۱۶) زیارت قبور کے لئے سفر کرنا	۳۰۹
(۱۷) کفنی یا الفی لکھنے کا بیان	۳۱۳
(۱۸) بلند آواز سے ذکر کرنا	۳۱۷
(۱۹) اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا	۳۲۱
(۲۰) ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا	۳۴۲
(۲۱) عبدالنبی، عبدالرسول، حسین بخش پیر بخش وغیرہ نام رکھنا۔	۳۴۷
(۲۲) حیلہ اسقاط اور دوران قرآن	۳۴۹
(۲۳) اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ	۳۶۳
(۲۴) جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھنا	۳۶۷
(۲۵) تلاوت کلام پاک پر اجرت لینا۔	۳۷۱
(۲۶) صلوٰۃ وسلام	۳۹۹
(۲۷) نماز کے بعد مصافحہ کرنا	۴۰۱
(۲۸) کونڈے کرنا	۴۰۳
(۲۹) آخری چار شنبہ	۴۰۶
(۳۰) قبروں پر مجاور بننا	۴۰۹
(۳۱) مرنے کے بعد تین دن تک گلی میں دری بچھانا۔	۴۱۰
خاتمۃ الکتاب رضاخانیوں کے عقائد	۴۱۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اوّل

لفظ بدعت کے لغوی معنی

لفظ بدعت بدع سے نکلا ہے۔ بدع کے معنی نئی ایجاد کے ہیں اور بدعت کے معنی ہر نئی چیز کے ہیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو خواہ معاملات سے ـــــ لغت کے مشہور امام علامہ ابو الفتح ناصر بن سید المطرزی الحنفی (۶۱۲ ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں :-

بدعت ابتداع کا اسم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی نئی چیز ایجاد کی جائے جیسے رفعت ارتفاع کا اسم ہے اور خلفت اختلاف کا اسم ہے۔

یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو نئے سرے سے پیدا فرمایا یہ پہلے نہ تھے۔ بدیع السمٰوات والارض (پ الانعام) میں یہی لغوی معنی مراد ہے۔ امام ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی (۶۷۶ ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں :-

قال اھل اللغۃ ھی کل شیٔ عمل علیٰ غیر مثال سابق۔[1]

ترجمہ۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ (بدعت) ہر وہ چیز ہے جو کسی سابق نمونے کے بغیر عمل میں لائی گئی ہے۔

پھر اہل اسلام کے عام محاورے میں بدعت کا لفظ ایسی چیز پر غالب آگیا جس سے دین میں زیادتی یا کمی کی جائے۔[2]

لغت کی دوسری کتاب قاموس میں ہے :-

بدعت ایسی نئی چیز کو کہتے ہیں جو دین کے پورا ہو جانے کی بعد ایجاد کی گئی ہو اور وہ نبی کی خواہش اور اعمال کے مطابق نہ کی جائے۔[3]

یہ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے کہ میرے دین میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ [2] مغرب جلد ۱ صفحہ ۳ [3] قاموس جلد ۲ صفحہ ۶

بدعت اصطلاحِ شریعت میں

اصطلاحِ شریعت میں بدعت کے معنیٰ ثواب کی نیت سے کیا جانے والا وہ کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو نہ قولاً نہ عملاً حتیٰ کہ اشارۃً بھی اس کا ثبوت نہ ہو جیسا کہ علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے الاعتصام میں بیان فرمایا ہے۔

شارحِ بخاری علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

والبدعة فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ترجمہ۔ بدعت اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔

ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مراد صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے قرون مشہودٌ لہا بالخیر کے یہ اکابر اہل اسلام مراد ہیں۔

بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولانا محمد صالح صاحب لکھتے ہیں:۔

اصطلاحِ شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو اُمورِ دینیہ سے سمجھی جائے مگر کسی دلیلِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو نہ کتاب سے نہ احادیث سے نہ اجماعِ مجتہدین سے نہ قیاسِ شرعی سے۔[2]

ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر ایسا نیا عمل جس کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ ہو اور اُسے دین کا جزء بنالیا جائے اور اس پر نیکی و ثواب کا فتوےٰ لگا دیا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کا نام بدعت ہوگا۔

ایسے اعمال کی نہ شریعت میں کوئی دلیل ہوتی ہے اور نہ کتاب و سنت میں ان کی کوئی نظیر۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ [2] تحفۃ الاحباب صفحہ ۹۵ از المنہاج الواضح صفحہ ۹

چند شبہات کا اُصولی جواب

اہلِ بدعت جب بدعات کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں تو مغالطہ دینے کی خاطر شکوک و شبہات سے اپنے عمل بدعت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں مثلاً ان کا کہنا ہے کہ لائٹ۔ پنکھا موٹر۔ کوٹ شلوار۔ ریل گاڑی۔ ہوائی جہاز۔ قواعدِ عربیہ کا پڑھانا۔ دینی مقاصد کے لیے مدارس و مکاتب کا انتظام۔ دینی رسائل کا اجراء کیا یہ سب نئے اُمور نہیں؟ کیا گھڑی باندھنا بدعت ہے؟ اہل بدعت ان انتظامی امور کو شرعی امور پر قیاس کرتے ہیں یا ذرائع کو مسائل کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ ہم یہاں ان کے اس قسم کے شبہات کا اُصولی جواب دیتے ہیں۔ تراویح وغیرہ جیسے جزئی مسائل کا جواب ہم آگے دیں گے۔

جواب

(۱) یاد رکھیے کہ بدعت کی جو تعریف مذکور ہوئی اس میں اس کا پتہ چل گیا کہ جو قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کیا جائے اور اُسے آپ کی تعلیم سمجھ کر عمل میں لایا جائے مگر درحقیقت نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے منقول ہو ایسے سب اعمال بدعات شمار ہوں گے۔

لائٹ۔ موٹر۔ پنکھا اور عینک وغیرہ وغیرہ کا تعلق ضروریاتِ زندگی سے ہے عہدِ صحابہؓ سے نہیں۔ ضروریاتِ زندگی دُنیوی اُمور ہیں۔ اُن میں سے کسی کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سارے کام سنت سمجھ کر عمل میں نہیں لائے جاتے اور نہ ہی اس کے منکر کو گستاخ اور مردود کا فتوےٰ نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے استعمال کو بدعت نہیں کہا جاتا اور نہ یہ اُمور مذموم اور حرام ہوں گے۔ جناب احمد رضا خاں صاحب کے ممدوح مولانا عبدالسمیع رامپوری انوارِ ساطعہ میں شرح جواہر توحید سے نقل کرتے ہیں:۔

وہ لوگ جاہل ہیں جو ہر اس چیز کو جو حضراتِ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ تھی بدعتِ مذمومہ قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کی قبح پہ کوئی دلیل قائم نہ ہوسکی ہو اور وہ جاہل یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ایاکم و

و محدثات الامور ، وہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ محدثات الامور کا مطلب
یہ ہے کہ دین میں ایسی چیز ایجاد کی جائے جو اس میں نہ ہو[1]

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعثِ ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے
نہ امورِ دین میں۔ تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے[2]

مولانا احمد رضا خاں نے بات تو صحیح کہی تھی لیکن اُن کے پیروؤں نے اس کا بہت غلط
ب لے لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کھانے پینے کے لیے بدعات اختیار کرنے کی اعلیحضرت نے
ازت دی ہے اعلیحضرت نے اپنی وفات سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پہلے خود بھی لذیذ کھانوں
ایک نئی فہرست مرتب فرمائی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ اعلیحضرت نے اس نازک وقت میں جلدی جلدی یہ فہرست مرتب فرمائی
ن اس سے آپ کا مقصد کوئی مسئلہ بنانا نہیں تھا صرف ان چیزوں کا منگوانا تھا۔ آپ نے
نہیں کہا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ ہے یا یہ کوئی دین کی بات ہے۔ صرف یہ کہا تھا کہ یہ چیزیں مجھے بھیج دیا کریں۔

(۲) جہاں تک دینی مدارس و مکاتب کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے اس کا ثبوت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے ملتا ہے اور تعلیم دین کے لیے تاکید وارد ہے
سی طرح رسائل و جرائد کے ذریعہ دین کی تعلیم و تبلیغ بھی حضورؐ کے خطوط اور صحابہ کرامؓ کی تحریرات
سے ثابت ہے اور یہ سب انتظامی امور ہیں سو یہ تعلیم و تبلیغ ! یہ تو محمود اور منشاء اسلام ہے
اس کو نہ تو کسی نے بدعت قرار دیا اور نہ کبھی ان پر بدعت کا فتوے لگا کر اسے رد کیا گیا ہے
اسے ہمیشہ ذرائع میں سے سمجھا گیا ہے مسائل میں سے نہیں۔

(۳) اسی طرح صرف و نحو کی تعلیم ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علوم و قواعد عربیہ
کی تعلیم کا دینا اس کی اصل بھی موجود ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس کی تعلیم و ترغیب دے کر حضرت

---

[1] ماخوذ از المنہاج الواضح صہ ۸۲ [2] احکام شریعت حصہ سوم صہ ۱۲۸

ابوالاسود دئلی کو اس کے سیکھنے کا امر فرمایا تھا۔[1]

ظاہر بات ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ تو عربی تھے۔ عربی زبان سے واقف تھے۔ نہ تو وہاں
ابتدائی کلاسوں کی ضرورت تھی نہ صحابہ کرامؓ کو قواعدِ عربی سکھائے جاتے تھے صحابہ کرامؓ تو مخزن
علم اور سرچشمۂ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم سے درس لیا کرتے تھے اور ان کے سینے اللہ نے اتنے کشادہ
ہو چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا صحیح مفہوم و مطلب اُن کے ذہن نشین
ہو جایا کرتا تھا۔

اُن کے ادوارِ مبارکہ کے بعد اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ قواعدِ عربی کی تعلیم دی جائے
تاکہ قرآن کریم بازیچہ اطفال نہ بن جائے اور اس پر زبر۔ زیر۔ پیش بھی اس دور میں لگائے گئے۔ تاکہ
غیر عربی حضرات بھی قرآن کریم کی صحیح تلاوت کر سکیں۔ صرف و نحو بھی پڑھائی جائے۔ تاکہ قرآن و
حدیث کو سمجھنا آسان ہو۔ اس لحاظ سے نہ تو کسی نے ان امور کو بدعت کہا ہے اور نہ ہی ایسا
کرنے والے کو بدعتی کہا ہے، یہ سب دین تک پہنچنے کے ذرائع تھے۔ انہیں کسی درجے میں مقصود بالذات
نہیں ٹھہرایا گیا۔ اہل بدعت کا انہیں عین دین بنانا کسی طرح درست نہیں۔

(۴) جہاں تک خلفائے راشدینؓ کے دورِ مبارک کا تعلق ہے۔ ان حضراتِ گرامی کے اقوال و
افعال تو از روئے حدیث سنّت ہی ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح
لفظوں میں اس کی طرف ارشاد فرمایا :۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین۔[2]

ترجمہ۔ تم پر میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے۔

علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ ھ) لکھتے ہیں :۔

والسنة ھی الطریق المسلوك فیشمل ذلك التمسك بما کان علیه ھو
وخلفائه الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وھذه

---

[1] دیکھئے البدایہ جلد ۸ صہ ۳۱۲ و اقتراح للسیوطی صہ ۸۲ منقول از المنہاج الواضح صہ ۳۷ [2] مشکوٰۃ ترمذی جلد ۲ صہ ۹۲

هی السنة الکاملة۔[1]

ترجمہ: سنّت اس راہ کا نام ہے جس پہ چلا جائے اور یہ اس راہ کا تمسک ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدینؓ عامل رہے قطع نظر اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اقوال و اعمال۔ اور یہی سنّتِ کاملہ ہے۔

حضرت علامہ تورپشتیؒ (ھ) لکھتے ہیں:۔

واما ذکر سنتهم فی مقابلة سنته لانه علم انه لا یخطئون فیما یستخرجونه ویستنبطونه من سنته بالاجتهاد ولانه عرف ان بعض سنته لا یشتهر الا فی زمانهم فاضاف الیهم لسان من ذهب الا رد تلك السنة مخطیٔ فاطلق القول باتباع سنتهم سد اللباب۔[2]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقہ کو بھی سنّت سے تعبیر فرمایا یہ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ میرے خلفاء جو استخراج و استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے یا پھر اس لیے اُن کے طریقے کو سنت فرمایا کہ آپ کی بعض سنتیں خلفاء راشدینؓ کے دور میں مشتہر ہونے والی ہیں [illegible] لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے ان تمام اعتراضات کو رد کر دیا اور ان کے پورا سدِ باب فرما دیا۔

سیدنا ملا علی القاری الحنفیؒ (۱۰۱۴ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فانهم لم یعملوا الا بسنتی فالاضافة الیهم اما بعملهم بها او لاستنباطهم واختیارهم ایاها۔[3]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے درحقیقت آپ کی سنت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل

---

[1] جامع العلوم والحکم ص۲۳۰ [2] الفتوحات الوہبیہ ص۱۹۸ [3] مرقات جلد ۱ ص۲۳

کیا یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس و استنباط سے کام لے کر اس کو اختیار کیا۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس و استنباط سے جو بات دریافت ہو وہ اصل کی طرف منسوب ہوتی ہے بدعت نہیں کہلاتی۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

پس ہرچہ خلفاء راشدینؓ بداں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنّت و اطلاق بدعت برآں نتواں کرد چنانکہ فرقہ ضالّہ کنند۔[1]

ترجمہ: جس چیز کے بارے میں خلفائے راشدینؓ نے حکم دیا ہے اگرچہ وہ حکم ان کے قیاس و اجتہاد سے صادر ہوا ہو۔ وہ بھی سنّت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ گمراہ فرقہ کرتا ہے۔

مشہور اہلِ حدیث بزرگ نواب صدیق حسن خاںؒ (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:۔

اما سنة الخلفاء الراشدون من بعد فالاخذ به لیس الا لامره صلی الله علیه وسلم بالاخذ به۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز خلفاء راشدینؓ میں مسنون ٹھہرائی ہے اس کو محض اس لیے اخذ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اخذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

عجب بات ہے کہ ان حضرات گرامی قدر کے افعال تو سنّت قرار پائیں اور اہلِ بدعت ان کے اقوال و اعمال کو بدعت کا نام دے کر ان سے اپنی خواہشات کی ترویج کریں اور ان سے بدعات کا جواز چاہیں۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک بھی ان حضرات گرامی کے افعال سنّت ہوا کرتے تھے آپؓ شراب نوشی کی سزا کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] اشعة اللمعات جلد ۱ ص۱۳۰ [2] الدین الخالص جلد ۲ ص۲۳۵

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابو بکرؓ اربعین وعمرؓ ثمانین و کل سنۃ[۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے شرابی کو چالیس کوڑے کی سزا دی اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے کی اور دونوں عمل سنت ہیں۔

امام حاکمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی ذکر فرمایا ہے :۔

واتمّھا عثمان ثمانین وکل سنۃ۔[۲]

ترجمہ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کوڑے پورے کئے اور یہ سب سنت ہیں۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ اہل بدعت صحابہ کرامؓ کو بھی بدعتی کہنے سے نہیں ڈرتے۔ فالی اللہ المشتکی۔ اور یہ محض اس لیے کہ اپنی بدعات کو فروغ دے سکیں۔

نوٹ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد بتلا رہا ہے کہ آپ حضرات شیخینؓ کے آثار کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے اس عمل کو سنت اور امر حق کہتے تھے۔ اس سے شیعہ فرقہ کے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے معاند و مخالف تھے۔ امام نووی (۶۷۶ھ) اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

ھذا دلیل ان علیًا کان معظمًا لآثار عمرؓ وان حکمہ وقولہ سنۃ و امر حق وکذٰلک ابو بکرؓ خلاف ما یکذب بہ الشیعۃ علیہ۔[۳]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سیدنا مجدد الف ثانیؒ کا ایک ارشاد نقل کر دیا جائے جس سے ان تمام شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ آپ میر محمد نعمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

[۱] مسلم جلد ۲ صـ۷۲، ابو داؤد جلد ۲ صـ۲۶۰، ابن ماجہ صـ۱۸۸ [۲] معرفۃ علوم الحدیث صـ۱۸۱ [۳] نووی شرح مسلم جلد ۲ صـ۷۲

آپ نے پوچھا یہ حضرت ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ باوجودیکہ یہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ۔ حضرت مجدد صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اے میرے مخدوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر۔ آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور اس کے روکنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو ہم بدعت نہیں سمجھتے نہ اس کے روکنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر ـــــ ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف بعض شہروں کے خلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ اس بات کے باوجود بھی اگر عادی سنت کو مدنظر رکھیں تو بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔[۱]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس قول پر غور کیجئے اور اہل بدعت کے اس طرح کے مغالطوں کا بھی اندازہ لگائیے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت

[۱] مکتوبات دفتر اول حصہ دوم صـ۸۵ اردو ترجمہ

ہی بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور دل ڈر گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے آخری وصیت ہوتی ہے۔ آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی گزاریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصائح فرمائے۔ اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة[1]

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیینؓ کی سنت کو لازم پکڑنا، اور اس کو مضبوط تھامنا اور دین میں نئی نئی ایجادات سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی امر میں جب اختلاف واقع ہو جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا یا نہیں؟ اس کا حکم دیا یا نہیں؟ داعیہ کی موجودگی کے باوجود وہ کام سرانجام پایا یا نہیں؟ اگر خیر القرون سے اس کی اصل ثابت ہو جائے تو ارشاد مبارک ہے کہ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اس کے مطابق عمل کرنا۔ اگر وہاں سے کوئی چیز نہ ملے اور لوگ اسی کو دین کا جُزء بنا کر اس پر اصرار کرتے ہیں تو ارشاد مبارک یہ ہے کہ اس سے بچو۔ اس لیے کہ یہ نیا کام ہے اور دین میں ہر نیا کام بدعت کہلاتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ [2] نسائی شریف۔ مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷

فرمایا کرتے تھے:۔

ویحدث لکم فکل محدثة ضلالة وکل ضلالة فی النار[1]

ترجمہ: عبادت کی نئی نئی صورت دین میں پیدا کی جائے گی اور تمہارے سامنے آئے گی۔ لیکن یاد رکھو ہر مُحدَث گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اس لیے ہمیشہ بدعات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہمارا کوئی عمل ناپسندیدہ نہ بن جائے۔

کیا کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے؟

بعض اہل بدعت اپنی بدعات کو ترویج دینے کے لیے بدعت کی قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتِ حسنہ ہے اور ایک بدعتِ سیئہ۔ اور جن پر ہم عامل ہیں وہ بدعتِ حسنہ ہے نہ کہ سیئہ؟

جواب

اہل بدعت نے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم سے جو اپنا مطلب اخذ کرنے کی سعی فرمائی وہ لاحاصل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز شرعی بدعت ہو اور اس میں حُسن و نُورانیت ہو؟

ایں خیال است و محال است و جنوں

یاد رکھیئے بدعت میں کبھی حُسن پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف سنت کی شان ہے کہ اس میں حُسن ہی حُسن ہے۔ نُورانیت ہی نُورانیت ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

گذشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حُسن دیکھا ہوگا تو بدعت کی بعض قسموں کو انہوں نے اچھا سمجھا۔ لیکن فقیر کو اس مسئلہ میں اُن سے اتفاق نہیں

[1] کتاب الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۷۶

وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل بدعۃ ضلالۃ[1]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

سنت سنیہ کی پیروی کریں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی نور و روشنی نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کو اٹھانے والی ہوگی یا سنت کو اٹھانے سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پہ زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پہ زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دین کامل اور پسندیدہ اسلام میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی، بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے) اگر یہ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پہ دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پہ دلیری نہ کرتے۔[2]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پہ ہے "حسنہ اور سیئہ"، حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانے کے بعد پیدا

[1] مکتوبات دفتر دوم ص ۶۶ [2] ایضاً ص ۵۷

ہوا اور وہ سنت کو رفع نہ کرے (اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو)

یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور ظلمت و کدورت کے ساتھ کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب نظر تیز ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت　　　کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور[1]

اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔ تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی۔[2]

آپ کی دعا بھی یہی ہے کہ:۔

(فقیر) عاجزی اور زاری۔ التجاء و محتاجی۔ ذلت و انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہری طور پہ حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نیا پیدا ہوا ہے اور نیا ایجاد ہوا ہے۔ جو زمانہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہو۔ اس ضعیف بندے کو اس گروہ کے ساتھ جس نے اس بدعت کو اختیار کیا ہے اس نئے عمل کا گرفتار نہ کرے اور اس نئی ایجاد شدہ چیز کے حسن پہ فریفتہ نہ کرے بحرمت سید المختار و آلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام[3]

ان عبارات و ارشادات کا حاصل یہ ہے کہ بدعت شرعیہ میں حسن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کو بدعت حسنہ کا نام دے کر بدعات کی ترویج کی جائے ——— اور جہاں

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص ۳۱۰ [2] ایضاً ص ۳۱۱ [3] ایضاً ص ۳۰۹

تک بدعت لغوی کا تعلق ہے وہ صرف الفاظ کا ہی اختلاف ہے ورنہ حقیقت میں اس کی اصل موجود ہے، جیسا کہ نماز تراویح کے بیان میں گزر چکا ہے۔

الحاصل بدعت اور اہل بدعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس قدر بُرے ہیں کہ اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اس پر آپڑے گا بلکہ اس بدعت پر جتنے لوگ عمل کریں گے سب کا وبال اس کی گردن پر ہوگا، اس لیے کہ اس نے دین میں ایک ایسی چیز جاری کی جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ تھی۔

دوسرے کسی بزرگ نے اگر کہیں بدعت حسنہ ذکر کی ہے تو بقول حضرت امام ربّانی یہ اس وقت کی بات ہے جب روشن سنّتوں کا غلبہ تھا اور بدعت کے اندھیرے ان کے نیچے دُب جاتے تھے۔ سو بدعتِ حسنہ کا اندھیرا انہیں نظر نہ آیا، سو وہ بزرگ اپنی جگہ معذور ہیں۔ مجدد کا مقام دوسرے علماء سے کہیں آگے ہوتا ہے۔ مجدد آکر جس غلطی کی اصلاح کرے اس سے اہلِ سعادت فائدہ پاتے ہیں اور اہلِ شقاوت اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۲۵ھ) کے کارِ تجدید میں سب سے نمایاں اور ممتاز بات آپ کی بدعت کے اندھیروں کے خلاف ایک دہائی ہے۔ بدعتِ حسنہ کا ابہام مدت سے چلا آرہا تھا آپ نے اس کے خلاف تجدیدی کام کیا اور اس طرح اسے بیخ و بُن سے اکھاڑا کہ آج اہلِ حق میں کوئی عمل نہیں جو بدعتِ حسنہ کے نام سے جاری ہو۔ بدعت کیا اور حسن کیا؟

ہاں کوئی بدعت صرف اس وقت تک حسنہ کہلا سکتی ہے جب تک اس کا سبب خارج میں موجود ہو۔ جب وہ سبب جاتا رہے تو یہ بدعتِ حسنہ بدعت مطلقہ ہو جائے گی اور کل بدعة ضلالة میں داخل ہوگی۔

جیسے دُعا میں اصل اخفاء اور اس کا آہستہ ہونا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تعلیماً دعا جہراً کرے اور نیت یہ ہو کہ لوگوں کو آجائے تو یہ بدعتِ حسنہ ہوگی اور جب لوگ سیکھ جائیں تو پھر یہ بدعت حسنہ نہ رہے گی۔ بدعت حسنہ کسی مصلحت کے لیے ہوتی ہے اور اس میں دوام نہیں ہوتا۔

بدعات کے سیاہ سائے

① بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں

آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا یقبل اللہ لصاحب بدعة صوماً ولا صلاةً ولا صدقةً ولا حجاً ولا عمرةً ولا جهاداً ولا صرفاً ولا عدلاً يخرج من الاسلام كما تخرج الشعرة من العجين[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج، نہ عمرہ اور نہ جہاد اور کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی تو اسلام کے مطابق گزارے اور نماز، روزہ، حج، صدقہ وغیرہ بھی کرتا رہے۔ لیکن بدعت کا عمل بھی ساتھ جاری رکھے تو بدعت اس کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور وہ بیچارہ بزعمِ خویش اپنی عبادات کو مقبول سمجھ رہا ہے۔ مگر اس بدعت کی وجہ سے نہ تو اس کا کوئی نیک عمل مقبول بنتا ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی قدر وقیمت بلکہ اس بدبختی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین کہ اسلام سے ایسا خارج ہو جاتا ہے جیسے گندے

[1] سنن ابن ماجہ صـ۶

ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا ہے کہ یہ کام بھی ہونا چاہیئے مگر پیغمبر نے نہیں تبلایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے یہ کہا تھا۔ (معاذ اللہ)

ہاں اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کرے اور بدعت کا عمل ترک کرے تو پھر قبول کیا جاتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتیٰ یدع بدعتہ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کے ہر عمل کو رد کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت ترک کر دے۔

(۲) بدعتی کو پناہ دینے کا انجام

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں۔

المدینۃ حرم ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیہا حدثاً او اوی محدثاً فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلاً۔[2]

ترجمہ۔ مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک مقام حرم ہے سو جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، نہ تو اس کا کوئی فرض قبول نہ نفل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ بدعت کا انجام اس قدر خطرناک ہے کہ تمام کائنات اس پر لعنت برساتی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ کسی بدعتی کو پناہ بھی نہ دو۔ کیونکہ جب وہ ملعون ہے تو اس کو پناہ دینے والا بھی ملعون ہی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک پر غور کریں کہ آپ کو بدعت اور بدعتی سے کتنی نفرت تھی؟ اس کی وجہ یہ ہی ہے

[1] سنن ابن ماجہ صـ۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۱۰۸۴ صحیح مسلم جلد ۱ صـ۴۴۲

ہے کہ بدعتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خائن سمجھتا ہے کہ آپ نے رسالت میں خیانت کی اور اس کام کو نہ تبلایا۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث سے سبق حاصل کرنے کی بجائے علماء اہلِ بدعت اسے اپنے اس استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ بدعت پیدا کرنا صرف مدینہ میں ممنوع ہے دوسری جگہوں پہ مقامی حالات کے تحت بدعات پیدا کی جا سکتی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں حدودِ حرم کی قید محض تقبیح اور تشنیع کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ حرم مدینہ میں تو بدعت بُری ہو اور خارج از حرم بُری نہ ہو۔ جو چیز بدعت اور بُری ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت بدعت اور بُری ہی ہوگی۔ ہاں البتہ شرفِ مکان یا فضیلت کی وجہ سے اس کی قباحت اور بُرائی بڑھ جائے گی۔ بدعت اور بدعتی کی مذمت کے لیے اس سے بڑھ کر اور سخت الفاظ کیا ہو سکتے ہیں جو جناب رؤف رحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلے ہیں۔[1]

علامہ ابن البطالؒ بھی اسی کو ذکر فرماتے ہیں۔

خصت المدینۃ بالذکر لشرفہا لکونہا مہبط الوحی وموطن الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ومنہا انتشر الدین فی اقطار الارض فکان لہا مزید فضل علی غیرہا۔[2]

ترجمہ۔ مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ اس کی شرافت و بزرگی ہے کیونکہ مدینہ منورہ مہبطِ وحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہے اور یہیں سے سارے عالم میں دین پھیلا۔ اس لیے اس کو دوسرے مقامات پر فضیلت حاصل ہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس جگہ کو حضورؐ اور حضرات خلفائے راشدینؓ کے مرکز ہونے

[1] المنہاج الواضح صـ۱ [2] فتح الباری جلد ۲ صـ۸۴

شرف ، حاصل ہے ۔

مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ موطن الرسول ثم صارت موضع الخلفاء الراشدین ہے [1]

معلوم ہوا کہ بدعت ، ہر جگہ ہی بُری اور قابلِ رد ہے لیکن مدینہ منورہ میں اس کی قباحت بڑھ جائے گی. جیسے کوئی شخص کسی جگہ ایک گناہ کا کام کرے اور وہی کام حرمین شریفین میں کرے تو ظاہر ہے کہ وہ کام تو ہر جگہ بُرا ہی ہے. لیکن حرمین میں اس کی قباحت اور بڑھ جائے گی. اس لیے کہ وہ نہایت ہی مکرم و معظم مقامات ہیں. یہ اسی طرح ہے جیسے رمضان شریف میں بُرائی کرنے کا گناہ دوسرے دنوں کے گناہ سے کہیں زیادہ بھاری ہوگا ۔

الحاصل بدعت اور بدعتی کا کتنا خطرناک انجام ہے. ملاحظہ کریں کہ ایک تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت اس پر ہوتی ہے. کیا یہ عذاب کچھ کم ہے ؟

(۳) بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانا ہے

حضرت ابراہیم بن میسرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام [2]

ترجمہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد کی ۔

بدعتی کی تعظیم میں اس کی اعانت و مدد ، اس کی خدمت سب کچھ شامل ہے معلوم ہوا کہ بدعتی کی تعظیم و تکریم کرنا اسلام کو ڈھانے میں مدد دینا ہے یا پھر سنت کو ختم کرنے میں اس کا ہاتھ بٹانا ہے. (معاذ اللہ) اسی طرح اس کے برعکس بدعتی کی تنقیص اور

[1] فتح الباری جلد ۲۸ ص۴۴ [2] مشکوٰۃ ص۳۱

اس کی مذمت کرنا اسلام کو قوت پہنچانا اور دین کی تائید کرنا ہے. قالہ الطیبی [1]

حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ووجه ذلك ظاهر لان المشي اليه والتوقير له تعظيم له لأجل بدعته وقد علمنا ان الشرع يأمر بزجره واهانته واذلاله بما هو اشد من هذا كالضرب والقتل. فصار توقيره صدودا عن العمل بشرع الاسلام. واقبالا على ما يضاده وينافيه. والاسلام لا ينهدم الا بترك العمل به والعمل بما ينافيه.

وايضا فان توقير صاحب البدعة مظنة لمفسدتين تعودان على الاسلام بالهدم :

احداهما : التفات الجهال والعامه الى ذلك التوقير فيعتقدون في المبتدع انه افضل الناس وان ما هو عليه خير مما عليه غيره فيودى ذلك الى اتباعه على بدعته دون اتباع اهل السنّة على سنتهم.

الثانية : انه اذا وقر من اجل بدعته صار ذلك كالحادي المحرض له على انشاء الابتداع في كل شيء.

وعلى كل حال فتحيا البدع وتموت السنن. وهو هدم الاسلام بعينه. [2]

ترجمہ. اور اس کی یہ وجہ ظاہر ہے کہ اس کے پاس جانا اور اس کی عزت کرنا اس کی بوجہ اس کی بدعت کے تعظیم کرنا ہے اور یہ بات ہم جان پائے ہیں کہ شریعت ایسے آدمی کو جھڑکنے اس کی اہانت کرنے اور اسے اس درجہ ذلیل کرنے کا حکم دیتی ہے جو اس سے بھی سخت ہے (جیسے مارنا اور قتل کرنا) سو اس کی عزت کرنا شریعت کے تقاضے پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہوگا اور یہ اس بات

[1] مرقات جلد ۱ ص۲۵۷ [2] کتاب الاعتصام جلد ۱ ص۸۴

پر ہے جو تقاضائے شریعت سے ٹکرائے اور اس کی نفی کرے اور اسلام
کی عمارت اسی طرح گرتی ہے کہ شریعت کے تقاضوں پر عمل نہ ہو اور اس پر عمل ہو
جو اس کے منافی ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ بدعتی کی تعظیم کرنے میں دو ایسی برائیوں کا اندیشہ ہے جن سے
بنیادِ اسلام گرتی ہے۔

اوّلاً : جاہل اور عوام جب اس عزت افزائی کو دیکھیں گے وہ بدعتی کے بارے
میں سمجھیں گے کہ یہ سب پر فضیلت لے جانے والا ہے اور جو بات وہ اختیار کئے
ہوئے ہے وہ اس سے بہتر ہے جو دوسروں کا موقف ہے۔ سو یہ بات اس کی
اس بدعت کی پیروی کی طرف لے جائے گی اور اس سے اہل سنت کے طریقے
کی پیروی نہ ہونے پائے گی۔

ثانیاً : بدعتی جب اپنی بدعت کی وجہ سے عزت پائے گا تو وہ گویا ہر عمل میں
بدعات پیدا کرنے کی ترغیب دینے والا داعی الی البدعۃ ہے اور بات کچھ بھی
ہو اس سے بدعات زندگی پاتی ہیں اور سنتیں مرتی ہیں اور یہ بعینہٖ ہدم الاسلام ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں :۔

جو شخص بدعتی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے گا جو اس کی خوشی کا باعث ہو تو اس نے
اُس نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔[1]

سو بدعتی کی تعظیم کرنا گویا دینِ اسلام کو حقیر سمجھنا ہے اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ بہت
ی بُرا ہو گا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے بدعت اور اہلِ بدعت سے نفرت کرے اور اس کو خدا اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تصور کرے

جو شخص کسی مسجد کے لیے بدعتی امام کے لیے ووٹ دیتا ہے وہ اس تمام مسجد کے نمازیوں

[1] غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۷۶

کے گناہ اپنے سر ڈالتا ہے اور وہ بدعتی مولوی جہاں جہاں بدعات پھیلائے گا۔ یہ سارا وبال اس
شخص پر بھی آئے گا جس نے اسے امام بنانے میں ایک بدعتی کی تکریم بخشی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السامی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں :۔

جو شخص اللہ کے لیے بدعتی کو اپنا دشمن جانے اُس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان سے
بھر دیتا ہے اور جو شخص انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر اس پر ملامت کرتا ہے اللہ
تعالیٰ قیامت کے دن اسے امن و امان میں رکھے گا اور جو ایسے لوگوں کو ذلیل
کرے اُسے بہشت کے سو درجے ملیں گے۔[1]

شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

بدعتی کی تعظیم ہرگز نہ کر کیونکہ اس سے اسلام کی ذلت ہوتی ہے۔[2]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ارشاد ہے :۔

اہلِ بدعت (کو سلام نہ کرو کیونکہ ان) کو سلام کرنے والا ان سے دوستی رکھتا ہے۔[3]

حضرت فضیل بن عیاضؒ (۱۸۷ھ) کا ارشاد ہے :۔

اہل بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے اور جو شخص اہلِ
بدعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے خواہ اس کے
نیک اعمال تھوڑے ہوں۔[4]

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے مصافحہ کیا اس نے
اسلام کو نقصان پہنچایا۔[5]

بدعت اور اہل بدعت اکابرین کی نظر میں کیا ہیں۔ اس کے لیے آپ اُن کے بہت سے
ارشادات ملاحظہ کریں گے۔

[1] غنیۃ الطالبین ص ۱۸۶ [2] البلاغ المبین ص [3] غنیۃ ص ۱۸۵ [4] غنیۃ ص ۱۸۶ تلبیس ابلیس ص ۱۵ [5] ایضاً ص ۱۳

غور فرمایئے ایک شخص خود تو بدعتی نہیں مگر ایک بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اسے خوش آمدید کہتا ہے اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے، اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے، اسے مسجد کا امام بناتا ہے اسے وعظ کہنے کے لیے بلاتا ہے تو چونکہ اس نے بدعتی کو اتنی اہمیت دی اس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے اسلام کے قلعہ کو پاش پاش کرنے میں اس کی مدد کی، اور اسلام کا قلعہ پاش پاش کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، بلکہ کافروں اور منافقوں کا وطیرہ وطریقہ رہا ہے۔ ایک مسلمان جو وحدہ لاشریک لہ کی توحید اور خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہو سنت کا شیدائی ہو، کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اسلام کو گرانے میں کسی کی مدد کروں۔ ہاں جو مسلمان ہی نہیں اس سے ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ کسی بدعتی کو اپنے ہاں جگہ نہ دیں۔ اس کی تعظیم و توقیر نہ کریں اور جانیں کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت ہے۔

(۴) بدعت کی مخالفت نہ کرنے کا انجام

حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل فرماتے ہیں:۔

اذا احدث فی امتی البدع وشتم اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملآئکۃ والناس اجمعین [۱]

ترجمہ جب میری امت میں بدعت شائع ہو جائے اور میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا جائے اس وقت عالم کی ذمہ داری ہے کہ اپنے علم کو کام میں لاکر اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

[۱] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صد ۵۸

سابقہ احادیث میں بدعتی کی تعظیم واہانت اور بدعتی کو پناہ دینے پر شدید وعید ملاحظہ میں آئی۔ اب اس حدیث پاک میں ان لوگوں پر لعنت کا ذکر آیا ہے جو بدعت کی ترویج وتشہیر پر خاموش بیٹھے رہیں اور صحابہ کرامؓ کو سب وشتم کرنے پر بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب بدعت پیدا ہو اور دین میں نئی نئی باتوں کو داخل کیا جائے اور محدثات کا پودا سر نکالنے لگے تو اس کو وہیں کچل دو تاکہ اُگنے نہ پائے۔

آج ذرا اپنے گرد وپیش پر نظر دوڑایئے۔ کیا بدعات و محدثات کی بھرمار نہیں؟ کیا آپ نے صحابہؓ پر سب وشتم کرنے والے کی زبان اور اس کے قلم کو روکنے کی کوئی خدمت سرانجام دی ہے؟ سوچئے! غور کیجئے اور حدیث پاک کو پھر سے ایک مرتبہ پڑھ لیجئے اور اپنی فکر کیجئے۔

سو بدعت کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو اپنانا تو درکنار اس کی مخالفت نہ کرنے کا بھی یہ خطرناک انجام ہے۔

(اللّٰھم احفظنا من ظلماتہم ومن ظلم اھلہا)

(۵) بدعت میں دوسروں کا بھی بوجھ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولا ینقص من اجورہم شیء۔ ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعمل بہا بعدہ کتب علیہ مثل وزر من عمل بہا ولا ینقص من اوزارہم شیء [۱]

ترجمہ جس نے اسلام میں نیک طریقہ جاری کیا پھر اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب کہ جس قدر سب عمل کرنے والوں

[۱] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۱۸ مسلم شریف جلد ۲ صد ۳۴۱

کہ اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو اسے اپنے اس عمل کا بھی گناہ ہو گا اور پیروی کرنے والے کے گناہوں کے برابر بھی اس کے گناہوں میں لکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کے گناہ میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

کسی اچھے اور نیک طریقہ سے اس عمل کا قائم کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مبارکہ اور آپ کی شریعت مطہرہ سے قولاً عملاً یا اشارۃً ثابت ہو۔ جیساکہ دوسری احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ:۔

من احیا سنتہ من سنتی قد امیتت بعدی۔ (الحدیث)[1]

ترجمہ: جس نے میری کسی ایسی سنّت کو زندہ کیا جو میرے بعد مُردہ ہو چکی تھی ..... الخ

من احیا سنۃ من سنتی فعمل بہا الناس.... الحدیث[2]

ترجمہ: جس نے میری سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوئے...

اس سے معلوم ہوا کہ وہ طریقہ جس کا صراحتہً یا اشارۃً دینِ اسلام میں ذکر تک نہ ہو، اس سے وہ مراد لینا صحیح نہیں۔ ورنہ سنت و بدعت کی تمیز ختم ہو جائے گی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام اچھے ہیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور اس کی ظاہری شکل بھی صالح نظر آتی ہے، پھر کیا حرج ہے؟ حالانکہ ایسا سمجھنا صحیح نہیں کسی چیز کی شکل وصورت کا صالح ہونا اور عوام کا اس کو پسند کرنا شریعت تو نہیں بن سکتی۔ شریعت کی نظر میں تو اچھا طریقہ سے مراد وہی ہے جس کی اصل کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رجال اللہ (اصحاب کرامؓ) سے ثابت ہو۔ ورنہ ہزار خوبیوں کے باوجود وہ اچھا طریقہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے خود ساختہ طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم بھی اس کے پیچھے ہوتا ہے تو کیا وہ "اچھا طریقہ" کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اچھا طریقہ ہونے کے

[1] ترمذی جلد ۲ صد ۹۲ ابن ماجہ صد ۱۹ [2] ابن ماجہ صد ۱۹

یہ ضروری ہے کہ اس کی اصل حضورؐ یا صحابہؓ کی سنت میں موجود ہو۔

بُرا طریقہ سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جس کی اصل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے خواہ اس کی شکل حسین ہو یا قبیح۔ بہرحال وہ بُرا ہے اور اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اس پر آپڑے گا، بلکہ اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے۔ سب کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لادا جائے گا۔

(۶) حوضِ کوثر سے محرومین

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اتدرون ما الکوثر فقلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ نہر وعدنیہ ربی عزوجل علیہ خیر کثیر وھو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ آنیتہ عدد النجوم فیختلج العبد منہم فاقول رب انہ من امتی فیقال ماتدری ما احدثوا بعدک۔[1]

ترجمہ: تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا میرے ربّ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے۔ وہ بہت ہی خیر وبرکت والی ہے، وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت کو لایا جائے گا، اس حوض پر اتنے گلاس ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے (مراد کثرت) پس ایک آدمی کو وہاں سے بھگا دیا جائے گا۔ اس وقت میں کہوں گا کہ اے اللہ! یہ میری امت سے ہیں ان کو کیوں ہٹایا گیا۔ ارشاد ہوگا۔ ماتدری ما احدثوا بعدک۔ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں (دین میں) ایجاد کی تھیں۔

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صد ۱۷۲

ایک اور روایت میں ہے :-

ناقول یارب ھٰؤلآء من اصحابی فیجیبنی ملك فیقول وھل تدرون ما احدثوا بعدك [1]

ترجمہ. سو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میرے لوگ ہیں. اس پر فرشتے کہیں گے کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں ایجاد کیں.

یہاں ساتھی سے مراد آپ کے امتی ہیں. جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے (کتاب الاعتصام جلد ۱ ص۹۴) کیونکہ صحابہؓ بدعت کا موضوع نہیں ہیں. وہ تو خود آسمان ہدایت کے ستارے ہیں جن کے قدموں پر ہمیں چلنے کا حکم ہے. بدعت ان میں راہ نہیں پا سکتی. وہ خیر امت ہیں جو لوگوں کے لیے نمونہ ہیں.

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عرض کریں گے :-

(ناقول کما قال عبد الصالح) وکنت علیھم شھیدًا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیء شھید. [2]

ترجمہ (آپ فرماتے ہیں کہ میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ اے اللہ) میں ان پر مطلع رہا جب تک میں ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں.

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے اور آپ کوثر کے پینے سے محرومی ہوگی.

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے :-

سُحقًا سُحقًا۔ [3] ترجمہ. دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ.

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۲۶ [2] ایضاً جلد ۲ ص۳۸۴ [3] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص۱۲۶

غور فرمایئے. اس نازک اور کٹھن مرحلے میں اہل بدعت کا کیسا افسوسناک حشر ہوگا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے سے دور فرمانے کا حکم دے دیں گے.

حضرت علامہ ابو عمر بن عبد البرؒ (۴۶۳ ھ) فرماتے ہیں :-

کل من احدث فی الدین فھو من المطرودین عن الحوض کالخوارج والروافض وسائر اصحاب الھوٰی. [1]

ترجمہ. جس نے بھی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی وہ حوض سے دھتکارے ہوئے ہوں گے جیسے خوارج و روافض اور تمام اہل ہویٰ (یعنی خواہشات نفسانی کا اتباع کرنے والے).

کتنا بڑا بدقسمت ہے وہ انسان جو بدعات کی ترویج و تشہیر کرتا اور اپناتا ہے اور آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو رہا ہے. حضرت بکر بن عبد اللہ المزنیؒ سے روایت ہے.

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعة. [2]

ترجمہ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شفاعت میری امت کے لیے ثابت ہوگی مگر اہل بدعت کے لیے نہیں.

کاش! کہ اہل بدعت ان روایات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اہل سنت کے گروہ میں شامل ہو کر دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کریں.

⑦ بدعت کی نحوست

حضرت غضیف بن الحارث الثمالیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلھا من السنة فتمسك بسنة خیر من احداث بدعة. [3]

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص۱۲۶ [2] البدع والنہی عنہا ص۳۶ الاعتصام جلد ۱ ص۸۹ [3] مشکوٰۃ ص۳۱ مسند احمد ص۱۰۵

ترجمہ. کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں اُن سے سنّت اُٹھالی جائے گی. اس لیے سنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

بدعت کی نحوست کا اندازہ لگائیے کہ اس کی وجہ سے سنّت جیسی مبارک نعمت اُٹھا لی جائے تو آپ ہی سوچیں انسان کس طرح کامیابی کے مراحل طے کر سکے گا. کیونکہ کامیابی و کامرانی تو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے اور پھر بدعت کی نحوست اتنی ہے کہ انہیں قیامت تک سنّت مبارکہ واپس نہیں دی جاتی. سیدنا حسان تابعیؒ (۱۳۰ھ) فرماتے ہیں:۔

ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الی یوم القیامة [1]

ترجمہ. کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سنّت اُن سے اٹھالے گا اور پھر قیامت تک اُن کو وہ سنّت واپس نہیں کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو بھی کوئی مقام و مرتبہ ملا ہے وہ محض اور محض اتباعِ سنّت اور اجتنابِ بدعت سے ملا ہے اور اگر کسی کو باوجود ریاضت و مجاہدہ کے کچھ نہ ملا تو اس کی واحد وجہ یہی ہوگی کہ اس میں بدعت کا کوئی نہ کوئی اثر ہے جس کی نحوست کی بناء پر وہ نورانیت نہیں حاصل کر سکا۔

حضرت حسن بن الحسین البارسی النیشاپوریؒ فرماتے ہیں:۔

لا یظهر علی احد شیء من نور الایمان الا باتباع السنة و مجانبة البدعة وکل موضع تریٰ فیه اجتهادا ظاهرا بلا نور فاعلم ان ثمه بدعة خفیة [2]

۱؎ مشکوٰۃ ص۳۱ کتاب الاعتصام جلد ۱ ص۸۵ ۲؎ نفحات الانس از مولانا جامیؒ ص۱۵۸

ترجمہ. جس کسی پر بھی نورِ ایمان سے کچھ ظاہر ہوا وہ محض اتباعِ سنّت اور بدعت کی مخالفت و اجتناب سے ہوا اور جس جگہ تم ظاہری مجاہدہ، محنت اور کوشش زیادہ دیکھو مگر اس میں نورانیت ظاہر نہ ہو تو سمجھ کہ یہاں کوئی چھپی ہوئی بدعت ہے (جس کی وجہ سے وہ شخص نورانیت سے محروم رہ رہا ہے).

آج ذرا اپنے گرد و پیش پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی سنّتوں کو ترک کر دیا گیا ہے. ان سنّتوں کی جگہ بدعات نے لے لی ہے. اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان بدعات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اس کا نہ صرف یہ کہ مذاق اُڑایا جاتا ہے بلکہ اسے بدنام کرنے، سبّ و شتم کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا. انا للہ وانا الیہ راجعون.

پھر اس سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ان بدعات کی دلدل سے نکلنا چاہتا ہے اور سنّت کا پابند ہونا چاہتا ہے تو اس پر آواز اس انداز میں کسی جاتی ہے کہ اس نے سنّت کو ترک کر دیا، یہ رسول کا منکر ہو گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

حضرت حذیفہؓ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ تو نے سنّت ترک کر دی [1] (معاذ اللہ)

یہ درحقیقت ان بدعات کی نحوست ہے جو اہلِ بدعت نے سنّتوں کی جگہ اپنالی ہے اور جن کی نحوست کی بناء پر انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں پر عمل کریں اور کسی کو سنّت پر عمل کرتا دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ بدعات اور اہلِ بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین

۱؎ الاعتصام جلد ۱ ص۹۱

(۸) جہنّمیوں کے کتّے

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اصحاب البدع کلاب اھل النّار۔[1]

ترجمہ. بدعتی جہنّمیوں کے کتّے ہیں۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی لکھتے ہیں:۔

بدمذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتّے سے بھی بدتر و ناپاک تر ہے کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے. کتّے پر عذاب نہیں ہے اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے میری نہ مانو، سیّد المرسلینؐ کی حدیث مانو ابوحاتم خزاعیؒ اپنی جزء حدیثی میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے راوی ہیں کہ حضورؐ فرماتے ہیں. اصحاب البدع کلاب اھل النّار. بدعتی دوزخیوں کے کتّے ہیں۔[2]

نہایت افسوس ہے کہ بریلوی علماء اس حدیث کا بوجھ اپنے سر لینے کی بجائے بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پر ڈالتے ہیں. جناب احمد رضا خاں کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے بزرگوں سے پُوچھا گیا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائداعظم کہنا کیسا ہے. اس کے جواب میں مولانا محمد میاں قادری برکاتی مارہروی لکھتے ہیں:۔

بدمذہب جہنمیوں کے کتّے ہیں. کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتّے کو اور وہ بھی دوزخیوں کے کتّے کو اپنا قائداعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا. حاشا وکلّا ہرگز نہیں۔[3]

بریلویوں نے اس حدیث کو قائداعظم مرحوم پر چسپاں کرنے میں گو غلطی کی ہے لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً انہوں نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ اصحاب بدعت آخرت

---

۱ جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ۲ ۲ فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۰۴ ۳ مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری صفحہ ۲۶ مطبوعہ ۱۹۳۹ء

میں دوزخ کے کتے بنائے جائیں گے اور جس طرح یہ آج کل اہل حق کو بھونکتے ہیں آخرت میں اپنے آپ پر بھونکنا ان کا نصیب ہوگا۔ وہاں اُن کی بھونک قائداعظم تک ہرگز نہ جاسکے گی.

سو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے دین میں زیادتیاں کی ہیں شریعتِ مطہرہ کا منور چہرہ مسخ کرنے کی سازش کی، دینِ حنیف میں بدعات کو جگہ دی سنّت پر عمل کرنے کی بجائے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی اور اس کو دین کا نام دیا. تو چونکہ انہوں نے یہ ہی گمان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) پُورا پُورا دین نہیں پہنچایا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں توہین و گستاخی کی سو ان کو جہنّمیوں کے کتّے سے تشبیہ دینا بالکل صحیح ہے۔

قرآن کریم نے بھی ایک مقام پر ان لوگوں کو کتّے سے تشبیہ دی ہے جو خواہشاتِ نفسانی کا اتّباع کرتے ہیں. ارشادِ ربانی ہے:۔

ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولٰکنہ اخلد الی الارض واتّبع ھوٰہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الّذین کذّبوا بآیٰتنا۔ (پ ۹ : الاعراف)

ترجمہ. اور اگر ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رُتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور اتّباع کیا اس نے اپنی خواہش کا تو اس کا حال ایسا ہے جیسے کتا. اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے. یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا.

غور فرمائیے اسلام کی نظر میں بدعت کتنا بُرا عمل اور اہلِ بدعت کتنے بدنصیب و بے مراد لوگ ہیں. ان کے ایجاد کا وبال کہاں کہاں آپڑتا ہے. کس کس طرح ان پر لعنت آتی ہے. اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہمیشہ بدعات سے اجتناب کریں اور اہلِ بدعت سے دُور رہیں اور ہمیشہ سنّتِ مطہرہ کا دامن تھامیں. اسی میں خیر و برکت، فلاح و سعادت ہے اور اسی سے دونوں

جہاں کی کامیابی نصیب ہوگی ۔

محال است کہ سعدی راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

⑨ بدعت ایک فتنہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

سیکون فی امتی دجالون کذابون یاتونکم ببدع من الاحادیث لم تسمعوہ انتم ولا اباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔[1]

ترجمہ۔ آخری زمانہ میں کچھ ایسے دجّال و کذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی نئی نئی باتیں پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا نہ تمہارے آباء و اجداد نے پس تم ان سے بچنا۔ ان کو اپنے قریب نہ آنے دینا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ بدعات تمہیں کہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں بتلاتا ہے کہ بدعت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ آج کل مسلمانوں میں جو جھگڑے اور مسجدوں میں جو سر پھٹول ہو رہی ہے۔ آپ اگر ان کی تہہ میں جائیں تو بدعت کی چنگاریوں کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آئے گا۔ مسلمانوں نے پہلے اپنی مسجدوں میں بدعتیں گوارا کیں۔ پھر بدعتی امام رکھے۔ اس کے نتیجہ میں زوالِ امت شروع ہوا۔ فتنوں کی یہ ایسی سیاہ رات ہے جس کی تہہ میں بدعات کے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں۔ سو بدعت کا دوسرا نام فتنہ ہے اور حدیث کی رُو سے اہلِ فتن کا مقابلہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس فتنہ کا مقابلہ کرنے والے بہت زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن علاء الحضرمیؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۰

انہ سیکون فی اٰخر ھٰذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن۔[1]

ترجمہ۔ اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کا نیکیوں کا اجر پہلے لوگوں کے اجر کی مثل ہوگا۔ وہ لوگ ہوں گے جو معروف کا حکم کریں گے، منکرات سے روکیں گے اور اہلِ فتن سے ٹکر لیں گے (ان کا مقابلہ کریں گے)۔

اس حدیث پاک میں اہلِ فتن کن کو کہا گیا ہے؟ انہی اہلِ بدعت کو جن میں اسلامی خلافت کے باغی، خارجی، شیعہ اور بدعتیوں کے تمام گروہ شامل ہیں۔ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں :۔

اھل الفتن ای من البغاۃ والخوارج والروافض وسائر اھل البدع۔[2]

ترجمہ۔ اہلِ فتن سے مراد باغی، خارجی، رافضی اور تمام بدعتی گروہ ہیں۔

سو چاہیئے کہ اہلِ بدعت سے شدید نفرت کا اظہار کیا جائے اور آدمی اہلِ سنّت و الجماعت کا دامن پکڑے رکھے۔

⑩ سوئے خاتمہ کا اندیشہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک لمبی لکیر کھینچی، پھر فرمایا :۔

ھٰذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ و عن شمالہ وقال ھٰذہ سبل علی کل سبیل منھا شیطان یدعوا الیہ و قرأ وان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الاٰیۃ۔[3]

ترجمہ۔ یہ اللہ کی راہ ہے پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں خطوط کھینچے اور

[1] مشکوٰۃ ص۵۸۴ [2] مرقات جلد ۱ ص۱ [3] مشکوٰۃ ص۳۰ والآیۃ پ

فرمایا یہ غلط راہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک راہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بُلا رہا ہے۔ اور آپ نے اس پر یہ آیت پڑھی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) اور یہ میری سیدھی راہ ہے (صراطِ مستقیم ہے) تم اس پر چلتے رہو۔

دائیں بائیں کے ان خطوط سے مجتہدین کے مختلف اجتہادات مراد نہیں۔ یہ سب ائمہ مجتہدین اہلِ حق میں سے ہیں۔ یہ شیطان نہیں شیاطین کی راہوں سے مراد بدعتی فرقوں کی راہیں ہیں جیسے معتزلہ، قدریہ۔ خوارج۔ روافض اور دیگر اہلِ بدعت وغیرہا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو گمراہی کے راستے پر لے جانے کے لیے شیطانی وطاغوتی قوتیں پوری طرح سرگرمِ عمل ہیں۔ اس پر چہار جانب سے حملہ آور ہیں۔ لیکن جب انسان قریب المرگ ہو جاتا ہے اور اس پر عالمِ آخرت کے بعض اُمور کھلنے لگ جاتے ہیں تو شیطان اپنی پوری شیطانیت کے ساتھ اس کے پاس آ بیٹھتا ہے۔ یہ ایک مومن کے ایمان و اعمال کی کڑی آزمائش کی گھڑی ہے۔ اہل اللہ اور سنّتِ مبارکہ کی پابندی کرنے والے سنّت کی برکت سے شیطان کی شیطانیت سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو سنّت کے مقابلے میں بدعات کو محبوب جان بنائے ہوئے تھے اور اسی یقین پر تھے کہ ان اعمال میں نُورانیت ہے۔ عین اس لمحے ان کو وہ اعمال انتہائی سیاہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اس پر اس کے ذہن کو عجیب جھٹکا لگتا ہے کہ اوہ۔ میں تو ان اعمال کو نیکیاں سمجھ کر کرتا رہا اور دوسروں کو اس کی تلقین و تائید کرتا رہا۔ مگر یہاں تو معاملہ اس کے اُلٹ نکلا۔ اس وقت شیطان آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ ابھی تو یہاں (اس دُنیا میں) ہے مرا نہیں۔ ابھی مرنے پر تجھ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام جس کو تو سچا دین سمجھ رہا تھا اور اور اسے اپنائے ہوئے تھا وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول نہیں۔ (استغفر اللہ)

پہلے ناکامی اور بدعات کے اندھیرے تو اس کے سامنے آ چکے ہوں گے۔ لیکن اب وہ

بنیادِ اسلام میں بھی شک میں پڑ جائے گا۔ ادھر شکوک وشبہات کا اظہار ہوا —— اُدھر روح اس کے بدن سے کھینچ لی گئی اور شیطان اپنی کامیابی کے نعرے اس تیزی سے لگانے لگا جس طرح یہ بدعتی اپنے بدعتی پیروں اور مولویوں کے گرد حلقہ بنا کر زور زور سے نعرے لگایا کرتا تھا —— یہ ہے بدعت کی ظلمت جو اس کے ایمان تک کو لے گئی۔ اور شیطان اب بھاگ گیا۔ قرآن کریم میں ہے :

كمثل الشيطان اذ قال للانسان اكفر فلما كفر قال انى برئ منك .

(پ ۲۸، الحشر ع ۲)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ جب اس نے انسان سے کہا، کہ کفر کر۔ جب انسان نے کفر کر لیا تو شیطان کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں۔

شیطان اور شیطانی طاقتیں چاہتی ہیں کہ ہر شخص کی موت کفر وشرک پر ہو اور وہ اس کے لیے ہر حربہ آزماتے ہیں۔ فروعی مسائل کو قطعیت کا درجہ دینے والا بھی بالآخر اس خطرے میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین فروعی مسائل میں زیادہ شدت اختیار کرنے سے ہمیشہ اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ کہ ان میں ایسی شدت اختیار نہ کرو کہ اُسے اس یقین تک لے جاؤ جو یقین ایک مومن کو خدا اور اس کے رسولِ خاتم کے بارے میں حاصل ہوتا ہے —— فقہی مسائل کے بارے میں بھی یہ نصیحت مدنظر رکھنی چاہیئے کہ :

مذهبنا صواب و يحتمل الخطاء

ومذهب مخالفنا خطأ و يحتمل الصواب

یہ تو فقہی مسائل کی بات تھی جن کی اصل کسی نہ کسی درجے میں شریعت میں موجود ہوتی ہے جب ان میں احتیاط کا یہ حال ہے تو بدعت جن کی سرے سے اصل ہی نہیں اس پر عمل اور اصرار کتنا خطرناک ہوگا۔ اور پھر اس کو قطعیت اور کفر و اسلام کا فاصلہ ٹھہرا دینا، جیسا کہ آج کل اہلِ بدعت نے کر رکھا ہے کس قدر خطرناک ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہرحال بدعت ایک ایسا خبیث عمل ہے کہ اس کا مرتکب عین موت کے وقت شیطان کی آخری واردات کا شکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات معاملہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوتی ہے۔

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

واما انه يخاف، على صاحبها سوء الخاتمة والعياذ بالله فلان صاحبها مرتكب اثما. وعاص لله تعالى حتما ولا نقول الآن . هو عاص بالكبائر أو بالصغائر بل نقول هو مصر على ما نهى الله عنه. والاصرار يعظم الصغيرة إن كانت صغيرة حتى تصير كبيرة وان كانت كبيرة فاعظم. ومن مات مصرا على المعصية فيخاف عليه. فربما اذا كشف الغطاء وعاين علامات الآخرة استفزه الشيطان و غلبه على قلبه. حتى يموت على التغيير والتبديل۔[1]

ترجمہ۔ اور بہرحال بے شک بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اس لیے کہ بدعتی ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ حتمی طور پر اللہ کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے۔ ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ وہ صغیرہ گناہ کے ذریعہ نافرمانی کر رہا ہے یا صغیرہ کے ذریعہ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز سے منع کیا ہے اس پر بدعتی اصرار کرتا ہے اور صغیرہ گناہ پر اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے اور جو شخص کسی معصیت پر اصرار کرے تو اس کے لیے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے جب حقیقت کا پردہ کھلے گا اور عالم آخرت کے امور اس کے سامنے آئیں گے تو شیطان بھی آدھمکے گا اور (وسوسہ دے کر) اس کے قلب پر اپنا غلبہ حاصل کرلے گا یہاں تک وہ اپنے دین سے اس تبدیلی پر آکر مرجائے۔

[1] کتاب الاعتصام جلد ۱ ص

علامہ موصوفؒ آگے جاکر لکھتے ہیں :-

لان المبتدع مع كونه مصرا على ما نهى عنه يزيد على المصر بانه معارض للشريعة بعقله. غير مسلم لها في تحصيل أمره. معتقدا في المعصية أنها طاعة. حيث حسن ما قبحه الشارع. وفي الطاعة انها لا تكون طاعة الا بضميمة نظره. فهو قد قبح ما حسنه الشارع ومن كان هكذا فحقيق بالقرب من سوء الخاتمة الا ما شاء الله. وقد قال تعالى في جملة من ذم أفأمنوا مكر الله فلا يأمن مكر الله الا القوم الخاسرون (الاعراف) والمكر جلب السوء من حيث لا يفطن له وسوء الخاتمة من مكر الله اذ يأتي الانسان من حيث لا يشعر به. اللهم انا نسألك العفو والعافية۔[1]

ترجمہ۔ بدعتی باوجودیکہ اُس بات پر مصر ہے جس سے اللہ نے روکا ہے۔ اس شخص سے آگے ہے جو گناہوں پر اپنی عقل سے عمل پیرا ہے اور تحصیل امر میں اس کا قائل نہیں۔ لیکن وہ بدعتی گناہ کو طاعت سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے جس چیز کو شارع علیہ السلام نے بُرا جانا اُسے اچھا کہہ رہا ہے اور اپنی بات کو نیکی سمجھنے والا ہے (اور نیکی سمجھنا تو محض اس کی اپنی اختراع ہے) اس چیز کو قبیح سمجھ رہا ہے جسے شارع نے اچھا کہا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو تو وہ سوئے خاتمہ کے واقعی بہت قریب ہے مگر یہ کہ اللہ کسی کو بچالے ــــ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اجمالاً یہ کہا ہے "کیا بے ڈر ہوگئے اللہ کے داؤ سے۔ سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر وہی لوگ جو خسارے میں پڑنے والے ہیں" یہ مکر (تدبیر) بُرائی کو اس طرح لانے میں ہے کہ وہ سمجھ

[1] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۱ ص ۹۴

بھی نہ پائے اور خاتمہ تدبیر الٰہی سے بُرا ہونا یہ ہے کہ انسان پر یہ اس طرح آئے کہ وہ اسے جان نہ سکے۔ اے اللہ! ہم آپ سے اس میں معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔

حضرت علامہ شاطبیؒ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اگر کوئی بدعتی سوئے خاتمہ سے بچ جائے تو یہ محض ایک استثناء ہے۔ ورنہ عام طور پر بدعتی سوئے خاتمہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنتِ مطہرہ کی اتباع کی توفیق دے اور بدعت اور اہل بدعت سے بچائے۔ آمین۔

تردّد کے فتنے سے بچنا

بدعتی بدعت پر عمل تو کئے جاتا ہے لیکن تحت الشعور میں وہ تردّد کے فتنے میں بُری طرح گھرا ہوتا ہے علم اور سمجھ کی رُو سے وہ اس میں کوئی روشنی نہیں دیکھتا لیکن جذبات اور ماحول کے زیر اثر وہ اپنی بدعات پر نہایت اکڑ کر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک فکری جنگ ہوتی ہے جس سے وہ پوری عمر نکل نہیں پاتا سچائی پر آنے میں وہ سوچتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اور بدعات پر عمل پیرا ہونے میں اسے آخرت کی کوئی چمک دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ساری عمر اس تردد کا شکار رہتا ہے اور اسی تردد میں اس کا آخری وقت آجاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس کے انتظار میں شیطان لعین مدت سے گھات لگائے ہوئے تھا۔

اب یہ تردد بڑھ کر قطعیاتِ اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جونہی وہ اسلام کی صداقت میں شک میں پڑتا ہے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔

حسرت ہے اس مسافرِ بے بس کے حال پر
جو تھک کے رہ جائے ہے منزل کے سامنے

چند شُبہات کا ازالہ

اس راہ میں اُٹھنے والے چند شبہات کا اصولی جواب ہم پہلے دے آئے ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں کچھ اور وضاحت کی جاتی ہے۔

کیا اقامت تراویح بدعت ہے؟

(۱) اہل بدعت کی جانب سے اکثر یہ بات سُنی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز جو باجماعت مقرر کی اس کے لیے وہ خود فرماتے ہیں کہ ان کانت ھٰذہ بدعۃ فنعمۃ البدعۃ۔ اگر یہ نیا طریقہ ہے تو اچھا طریقہ ہے

الجواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی شرعی حد صحابہ کرامؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدینؓ کا عمل تو ہمارے لیے خود حجت ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ (الحدیث)

رومی گوید کہ اصحابی نجوم   للسری قدوۃ وللطاغی رجوم

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ۔[1]

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۸۵

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لیے میں تمہیں اپنے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنے کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

(۲)۔۔۔ جب صحابی اپنے کسی عمل کو بدعت کہے تو اس سے مراد بدعتِ شرعی نہیں بلکہ بدعت لغوی ہے۔ علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلك فی البدع اللغوية لا الشرعية فمن ذلك قول عمر رضی الله عنه لما جمع الناس فی قيام رمضان علی امام واحد فی المسجد وخرج ورآهم يصلون كذلك فقال نعمة البدعة هذه۔

ترجمہ: بزرگوں کے کلام میں جو بدعت کے استحسان کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بدعت لغوی ہے بدعت شرعی نہیں۔ اسی میں سیدنا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے جب انہوں نے لوگوں کو رمضان میں باجماعت نماز تراویح پر جمع کیا اور دیکھا تو فرمایا کہ یہ اچھا طریقہ ہے۔

علامہ موصوفؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

ومراده ان هذا الفعل لم يكن علی هذا الوجه قبل هذا الوقت ولكن له اصل فی الشريعة يرجع اليها۔[1]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کی اس قول سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنا اس کیفیت سے پہلے نہ تھا لیکن اس کی اصل شریعت میں ضرور موجود تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی مسجد میں اقامت کرکے اس کی راہ خود بنا چکے تھے۔

علامہ موصوفؒ نے اس کی چند مثالیں ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات گرامی کا یہ عمل دراصل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستفاد تھا اور ہم بتا چکے ہیں کہ ان

۱؎ جامع العلوم والحکم صـ۲۳۴

حضرات کے کام بھی سنت ہیں جس کی تائید سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ارشاد سے بھی بتلا دی گئی ہے۔ اس لیے ان پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

هذا الذی فعله سنة لكنه قال نعمة البدعة هذه من حيث المعنی اللغوی لكونهم لم يفعلونه فی حياة الرسول صلی الله عليه وسلم يعنی من الاجتماع علی مثل هذه وهی سنة من الشريعة۔[1]

ترجمہ: یہ جو آپ نے کیا وہ سنت تھا لیکن اس میں اسے نعمۃ البدعۃ کہا۔ ایسا کیا لغوی اعتبار سے تھا کیونکہ صحابہؓ اس طرح (ایک جماعت سے تراویح) حضورؐ کے زمانے میں نہ پڑھتے تھے یعنی اس طرح کا اجتماع نہ ہوتا تھا اور تراویح پڑھنا شرعاً سنت ہے بدعت نہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) کہتے ہیں:۔

سألت اباحنيفة رحمة الله عن التراويح وما فعله عمر رضی الله عنه فقال التراويح سنة مؤكدة ولم يخترعه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به الا عن اصل لديه وعهد من رسول الله صلی الله عليه وسلم۔[2]

ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہؒ سے حضرت عمرؓ اور تراویح کے فعل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا اور نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے انہوں نے جو کچھ حکم دیا وہ کسی اصل کی بنا پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

۱؎ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جلد ۲۲ صـ۲۳۴ ۲؎ الاختیار لتعلیل المختار جلد ۱ صـ۷۰ للشیخ موصلی الحنفیؒ ۶۸۳ھ۔

مشکوٰۃ شریف کے شارح حضرت مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

حق یہ ہے کہ جو کچھ کہ خلفائے راشدینؓ نے کیا سنت ہے۔ پس معنی بدعت کے یہاں باعتبار لغت کے ہیں نہ اصطلاح فقہاء کے۔[1]

خلاصہ کلام یہ کہ جو حضرات سیدنا حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر اپنے مروجہ بدعات (جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں) کی ترویج و تشہیر چاہتے ہیں وہ درحقیقت ان حضرات گرامی قدر پر بہت بڑا بہتان باندھتے اور یہ کہتے نہیں ڈرتے کہ معاذ اللہ صحابہؓ بھی بدعتی تھے۔ (معاذ اللہ)

اس کی مزید تفصیل علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ کی جامع العلوم والحکم ص۲۳۳، علامہ ابن تیمیہؒ کی تصنیف اقتضاء الصراط المستقیم میں، صلوٰۃ التراویح لیست بدعۃ شرعیۃ ص۲۵ پر اور علامہ ابن حجر مکیؒ کی فتح المبین بشرح الاربعین ص۱۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محمد بن نصر مروزی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سوال کے جواب میں الزاماً یہ بات کہی تھی کہ اگر یہ بدعت ہے تو اچھی بدعت سہی اور اچھی بدعت وہ ہے جس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اسے آپ نے وقتی طور پر چھوڑا ہو وہ متروک عن اصلہ نہ ہو۔ اس پر نئے سرے سے عمل کرنا نعمت البدعۃ ہے یہ شرعی بدعت نہیں ہے۔[2]

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں؟

اہل بدعت کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے:۔

ما راٰہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ: جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے اہل بدعت کا کہنا ہے کہ ہمارے اکثر اعمال کو مسلمان

[1] مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ [2] دیکھئے فتح الملہم جلد ۲ ص

اچھا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ سو یہ اعمال بدعات کے زمرے میں نہیں آتے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ تمام مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں ہو سکتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل بدعت کو حدیث پاک کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بدعات میں چونکہ بہت سے مسلمان شامل ہو جاتے ہیں اور ان کو اچھا سمجھتے ہیں، اسی لیے یہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہونگی۔ حاشا حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جسے عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ اچھی بن کر دین بن جائے ـــــ علماء اسلام نے اس کا مطلب واضح کر دیا ہے جس سے یہ شبہ دفع ہو جائے گا۔ صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ ان بدعتوں کے جواز میں جن کے وہ عادی ہیں اس حدیث سے سند لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں ..... الخ تو کیا ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ ـــــ (جواب یہ ہے کہ) ان کا یہ استدلال جیسا کہ بعض فضلاء نے کہا ہے ٹھیک نہیں ہے اور یہ روایت ان کو مفید نہیں، بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جو عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور اس کو احمد اور بزاز، طبرانی، طیالسی، ابو نعیم نے اس طرح روایت کیا ہے[1]:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، پھر آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، پھر اس نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو ان میں سے آپ کے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان کو دین اسلام کا مددگار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مؤمنین اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس چیز کو یہ مؤمنین برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

[1] علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر اور علامہ صلاح الدین علائی نے بھی اس کو ابن مسعودؓ پر موقوف بتلایا ہے۔

(۱) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المسلمون میں الف لام مطلق جنس کے لیے نہیں ہے (اگر مطلق جنس کے لیے ہو تو) اس صورت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہوں گے. سو امت کا ہر فرقہ اپنے ہی مذہب کو اچھا اور سچا سمجھتا ہے. تو لازم آئے گا کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو (حالانکہ ایسا نہیں ہے).

(۲) اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا تو لازم آتا ہے کہ حُسن و قبح میں کوئی تمیز نہ رہے.

(۳) یا تو الف لام عہد کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر افتخار صحابہؓ میں ہے. پس المسلمون سے مراد فقط صحابہؓ ہیں.

(۴) یا خصائص جنس کے استغراق کے لیے ہے. پس المسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں. تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جس بات کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے.

(۵) اور ممکن ہے کہ لام استغراقِ حقیقی کے لیے ہو. اس صورت میں معنی ہو گا کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے اور جس بات میں ان کا اختلاف ہو جائے تو اب اس میں قرونِ ثلاثہ کا اعتبار ہو گا جس کی نسبت خیر کی شہادت ہے۔ مجالس الابرار مترجم ص۱۰۱

اہلسنت وہی ہیں جو اپنا دین پہلوں سے لیں. صحابہ کرامؓ اور قرونِ ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر کی پیروی کریں. نہ وہ لوگ کہ اپنی پسند کو صحابہؓ کی پسند کے درجہ میں رکھیں اور اپنے آپ کو ان کے برابر سمجھیں.

نوٹ

○ مجالس الابرار کتاب کی امام ہمام حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے تعریف و توصیف فرمائی ہے اور اس کے مصنف کو عالم، متدین، متورع اور علوم شرعیہ کے فنونِ مختلفہ پر حاوی بتایا ہے۔ اسی طرح "کشف الظنون" اور "اتحاف النبلاء" میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے[۱].

مندرجہ بالا تفصیلی عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جسے اہلِ بدعت بار بار بطورِ دلیل کے پیش کرتے ہیں درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے. لہٰذا صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو وہ بُرا سمجھیں اس کی قباحت کا انکار ممکن نہیں اب آپ ہی سوچیں کہ وہ تمام بدعات جن پہ اہلِ بدعت کو بڑا ناز ہے (اور نہ کرنے والوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں) صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں یا نہیں؟ ائمہ مجتہدین سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہوتا تو ہرگز ہرگز صحابہ کرامؓ اسے ترک نہ کرتے. اس لیے کہ ان کا علم بھی وسیع تھا اور عمل بھی بے نظیر، عشق بھی درجۂ کمال تک پہنچا ہوا تھا اور جذبۂ اطاعت بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا. نیکی اور بھلائی کے حریص بھی تھے اور ہر نیکی و بھلائی کو حاصل کر کے اس پر عمل بھی فرمایا کرتے تھے. مگر آپ دیکھتے ہیں کہ (ان تمام بدعات پر) نہ تو ان مبارک ہستیوں نے عمل کیا نہ انہوں نے اس کی تاکید کی. لہٰذا یہ روایت اہل بدعت کے لیے دلیل نہیں بلکہ ان کی مخالفت و تردید پہ صریح ہے. اسی لیے صاحب "مجالس الابرار" نے فرمایا کہ "ان کو مفید نہیں بلکہ مُضر ہے."

؎ چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پہ ہے بجلی بنا یا تھا جس پہ آشیانہ

[۱] دیکھئے مقدمہ کتاب ص۳۶ مجالس الابرار

(۲) حضرت امام عبداللہ الحاکم (۵۰۴ھ) سند صحیح کے ساتھ اس روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

ماراہ المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن و ماراہ المسلمون سیئًا فهو عند الله سیئ وقد رای الصحابة جمیعًا ان یستخلفوا ابابکر۔ [1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روایت درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے اور انہی کے قول وعمل پر حسن کا دارومدار ہے۔

(۳) احناف کی مشہور کتاب "شامی" میں ہے:۔

لاشك ان فعل الصحابة حجة وماراہ المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن۔ [2]

ان عبارات کا حاصل یہ کہ صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھا سمجھیں وہی اچھی اور جس کو بُرا سمجھیں وہ بُری ہوگی، آج کل کے عوام کا کسی چیز کو اچھا سمجھ لینا دین و شریعت نہیں بن سکتا — کہ جس کو اہلِ بدعت تائید میں پیش کریں، وہ شریعت بن جائے۔

عامۃ النّاس کے عمل سے سند

اہلِ بدعت کی جانب سے یہ دلیل اکثر وبیشتر پیش کی جاتی ہے کہ اس میں بہت لوگوں کا تعاون ہے اور ان بدعات میں لوگوں کی رغبت ہے۔ اس لیے لوگوں کا تعامل و تعاون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک مستحسن ہوگی اور بدعت نہیں کہلا سکتی؟ اتنے مسلمانوں کی بات کو اللہ تعالیٰ کیسے رد کرے گا۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت بدعت ہی ہے مخلوق کا تعامل یا ان کا تعاون بدعت کو سنت نہیں بنا سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اب یہ بدعت نہیں رہی۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں:۔

[1] المستدرک للحاکم جلد ۳ صہ ۷۸ [2] شامی جلد ا صہ ۲۰

بے شک ابن عباسؓ نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں دین پر قائم نہ رہے بلکہ مخلوقات کے ساتھ جس میں وہ لگے ہوں لگ جائے اور جس میں وہ مصروف ہوں یہ بھی مصروف ہو جائے، جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہوں یہ بھی ڈوب جائے تو وہ بھی ان کی طرح ہی ہلاک ہوگا۔ [1]

صاحب مجالس الابرار بھی لکھتے ہیں:۔

حق کو اختیار کرو اور اس پر عمل کرو اگرچہ اس پر عمل کرنے والے کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔ اس لیے کہ وہ حق ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ ہوں اور بعد صحابہؓ کے انبوہ باطل کا کچھ اعتبار نہیں۔ [2]

حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی فرماتے ہیں:۔

ہدایت کی راہ مضبوطی سے اختیار کرو۔ اس پر چلنے والوں کی کمی کا کچھ ضرر نہیں اور گمراہی کے راستے سے بچتے رہو۔ اس میں مبتلا ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بعض سلفؒ کا مقولہ ہے:۔

جب تم شریعت کے مطابق ہو جاؤ اور حقیقت کو سمجھ لو تو کچھ پرواہ نہ کرو اگرچہ ساری خلقت تمہاری رائے کے خلاف ہو جائے۔ [3]

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اعتبار کتاب و سنت کا ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ نے بھی بہت خوب لکھا ہے:۔

اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں، شائع اور پھیلی ہوئی بدعات کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر

[1] مجالس الابرار صہ ۱۷۳ [2] ایضاً صہ ۱۷۲ [3] ایضاً صہ ۱۷۳

گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں، تعامل جو معتبر ہے وہ وہی ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ فتاوے غیاثیہ میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام شہیدؒ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ایک شہر کا تعامل جواز پہ دلالت نہیں کرتا، وہ تعامل جواز پہ دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہو۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پہ دلیل ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اس کا مشروع ہونا ثابت ہو اور اگر اس قسم کا تعامل نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔[1]

حضرت مجدد صاحب کے ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ مخلوق کا تعامل جواز کی دلیل و حجت نہیں وہی بات حجت اور معتبر ہے جو صدرِ اول یعنی کتاب و سنت، صحابہ کرامؓ اور اسلاف عظام سے ثابت و واضح ہو۔ فافہم

صُوفیہ کے عمل سے کیا بدعات کو سند مل سکتی ہے؟

اہل بدعت، بدعات کے جواز میں حضرات صوفیہ کرام و مجذوبین کا قول و عمل پیش کر کے کہتے ہیں کہ ان کا قول و عمل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدعت نہیں اور بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر ایسے ہی اقوال و اعمال پہ بدعات کی عمارت استوار کی جاتی ہے، لوگ اپنے پیر خانوں کے نام سے چلنے لگتے ہیں۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضراتِ صُوفیہ بے شک بزرگوں میں سے ہیں لیکن اُن کا

---

[1] مکتوبات دفتر دوم ص۵۴

قول و عمل جب تک کتاب و سنت کے ترازو پہ نہ تولا جائے گا معتبر نہ ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صوفیہ کرام و مجذوبین سے بعض اوقات حالتِ وجد میں یا حال کے وارد ہونے پہ ایسے اعمال و اقوال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا تعلق صرف ان کے اس حال سے مخصوص ہوتا ہے اور ان کے اس حال کو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے اس قول و عمل کو شریعت نہیں قرار دیا جا سکتا سیدنا مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

صوفیاء کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس معاملہ (یعنی حلت و حرمت) میں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلیؒ، ابوالحسن نوریؒ کا عمل۔ اس زمانہ کے صوفیاء عظامؒ نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنے دین و ملت کے طور پہ اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت بنا لیا ہے۔ اتخذوا دینھم لھوًا ولعبًا (انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے)۔[1]

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

احکامِ شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام حلت و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا۔ ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں۔[2]

سیدنا مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں کسی نے ایسے ہی کسی بزرگ کا عمل پیش کر کے حجت بنانا چاہا تو آپ اس کی تاب نہ لا سکے اور آپ کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے:۔

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۰۲ [2] ایضاً دفتر دوم ص۱۶۱

مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سُننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل خواہ شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین ابن عربیؒ و صدر الدین قونویؒ و شیخ عبدالرزاق کاشیؒ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات میں ائمہ مجتہدین کا قول تو معتبر ہو سکتا ہے صوفیہ کرام کا نہیں (اگر کتاب وسنت سے ثابت ہو تو پھر اور بات ہے) اس لیے کہ وہ محض صوفیہ ہیں، اہل اجتہاد میں سے نہیں۔ حضرت امام ترمذی (۲۷۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وکذلک قال الفقہاء وھو اعلم بمعانی الحدیث[2]

ترجمہ۔ اور اسی طرح فقہاء نے فرمایا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

حضرت امام وکیعؒ (۱۹۷ھ) بھی فرماتے ہیں:۔

وحدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ الشیوخ[3]

ترجمہ۔ اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہیں اس سے زیادہ بہتر ہے جس کو صرف شیوخ بیان کرتے ہوں۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقہاء[4]

ترجمہ۔ حلال و حرام کا علم (اور مسائل) تو فقہاء ہی سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

پتہ چلا کہ دینی معاملات میں یا کسی چیز کی حلت و حرمت میں نرے صوفیہ و شیوخ کے اقوال

۱ مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۳۵ ۲ ترمذی جلد ا ص۱۸ ۳ معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱ ۴ فتح الباری ص۳۱ ج۹ بحوالہ مقام ابی حنیفہ

واعمال کو بطور حجت پیش کرنا درست نہیں، اعتبار و اعتماد فقہاء کرام کا ہے اس لیے کہ وہ دین کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور دین کی لم سے واقف ہے اور بات اصل سے کہتے ہیں محض جذبے سے نہیں۔

صاحب مجالس الابرار بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

دلیل مخصص وہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو اور قرآن و حدیث اور ان لوگوں کے اجماع سے جو اہلِ اجتہاد ہیں ماخوذ ہو ـــــ اور جو عابد زاہد اہلِ اجتہاد نہیں ہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہو گی۔ خلاف قرآن و حدیث کسی عابد و زاہد کی بات نہ ماننا خود حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے اور ساتھ ہی قرآن میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔[1]

مشائخ اور صوفیہ سے کوئی ایسی بات دیکھیں جو بظاہر قرونِ ثلٰثہ (اسلام کے بہترین زمانوں) میں نہ پائی گئی تو یہی بس ہے کہ ہم اس پہ انہیں ملامت نہ کریں اور اسے منکرات میں نہ سمجھیں۔ لیکن یہ نہیں کہ اس کی سند پکڑیں اور اسے نیکی کا کام سمجھ کر آگے عمل میں لائیں۔ فقہاء جو بات کہیں گے وہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہو گی اور اجتہاداً انہوں نے دریافت کی ہو گی اور مشائخ اگر کوئی ایسی بات کریں یا کہیں، تو ہو سکتا ہے کہ ان پر کوئی حال وارد ہو یا وہ یہ بات فقط علاً کہہ رہے ہوں ـــــ پیرانِ کرام کے عمل سے نہ کسی اصل شرع کی تخصیص جائز ہے نہ اس میں امت کے لیے کوئی راہ عمل ہے۔ اپنے پیروں کے عمل کے بہانے سے کسی عمل کو مسجد میں سند بنانا جائز نہیں۔

صحابہؓ خود بدعت کا موضوع نہیں

صحابہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر صحبت سے اس درجہ تزکیہ قلب ہو چکا تھا کہ اُن کے سینوں میں رضاء الٰہی کے خلاف کسی نفسانی خواہش کی دھڑکن تک نہ سنی جاتی تھی۔ بدعت کا سرچشمہ ذہنی

۱ مجالس الابرار ص۱۶۶

رماندگی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں یہیں سے بدعات کے سوتے پھوٹتے ہیں جب یہ ان حضرات
ین منتفی ہوئیں تو یہ ناممکن ہوا کہ کوئی صحابی اپنے طور پہ دین میں کوئی نیا کام پیدا کرے اور دین میں وہ
دین میں وہ چیز لے آئے جو دین میں سے نہ ہو۔

اُدھر حضورؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کروگے تم راہ ہدایت پالوگے اب ظاہر ہے کہ ستاروں سے روشنی ہی ملے گی — روشنی تیز ہو مدھم — لیکن ملے گی روشنی ہی۔ اندھیرا کسی سے نہ ملے گا۔ سو صحابہؓ دین کا کوئی کام گو وہ نصاً اور صراحۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی منقول ہو، وہ بدعت نہ سمجھا جائے گا ہم یقین رکھیں گے کہ اس صحابی کے پاس اس باب میں حضورؐ سے کوئی اصل ضرور پہنچی ہوگی۔

صحابہؓ کا یہ مقام کسی بڑے سے بڑے شیخ طریقت کو حاصل نہیں۔ شیخ طریقت اپنے متوسلین کو کسی ایسی چیز کا پابند کرے جو پابندی شریعت نے نہیں لگائی یا جو چیز شرعاً لازم نہیں اس کا التزام کرے اسے اگر کسی درجے میں گوارا کیا جا سکتا ہے تو صرف اس تاویل سے کہ ایسا کرنا عقیدت مندوں کے لیے صرف علاجاً تجویز کیا جا رہا ہے۔ یہ صرف صحابہ کا مقام ہے کہ ان کی دین کی بتلائی ہر بات شریعت سمجھ کر قبول کی جائے۔ اگر کوئی بات ان کی اجتہاداً درست نہ بھی ہو تو بھی اس پہ بدعت کا اطلاق ہرگز نہ ہوگا۔ بدعت کی حد یہ ہے کہ صحابہؓ کے عمل میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو — بدعت کا دور ان کے بعد شروع ہوا ہے۔ حضرت حذیفہؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں:-

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله فلا تعبدوها۔

ترجمہ۔ رضاء الٰہی کے ارادے سے کی جانے والی ہر نیکی جسے صحابہؓ نے دین کی بات نہیں سمجھا تم ہرگز اسے دین نہ سمجھنا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ لکھتے ہیں:

① سنّت و بدعت باہم متقابل ہیں۔ جب کہا جائے کہ فلاں چیز سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ "بدعت" نہیں۔ اور جب کہا جائے کہ یہ چیز "بدعت" ہے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ چیز خلافِ سنت ہے۔

② میرا، آپ کا اور تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک طرف گذشتہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں، تو دوسری طرف آئندہ قیامت تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ایک آپؐ ہی کی ذات گرامی ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہٗ کی پسند و ناپسند معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسند و ناپسند کا جو آئین دیا اسی کا نام دین و شریعت ہے۔ جس کی تکمیل کا اعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تین مہینے پہلے میدانِ عرفات میں کر دیا گیا۔ اب نہ اس دین میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ کسی اضافے کی گنجائش ہے۔

③ سنّت طریقہ کو کہتے ہیں۔ پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا وہ "سنت" ہے اور اس کے خلاف "بدعت" ہے۔ طریقۂ نبویؐ کا علم ہمیں قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، (یہ حدیث میں اس مضمون کی تمہید میں نقل کر چکا ہوں) اس لئے خلفائے راشدین رضؓ کی سنت بھی سنت نبویؐ کا حکم رکھتی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں، ان کو دین کے معاملہ میں ثقہ اور امین فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، ثم یظھر الکذب، الحدیث (مشکوٰۃ ص۵۵۴)	میرے صحابہ کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم میں سب سے پسندیدہ لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد جھوٹ کا ظہور ہوگا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ میرا جو صحابی کسی زمین میں فوت ہوگا وہ قیامت کے دن لوگوں کا قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔ (حوالہ بالا)

یہ مضمون بہت سی احادیث میں ارشاد ہوا ہے، ادھر قرآنِ کریم نے جماعت صحابہؓ کو "المؤمنین" اور "خیر امت" کا خطاب دیکر ان کے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ اور جو شخص ان کے راستے سے ہٹ جائے اُسے گمراہ قرار دیکر اس کو جہنم میں جھونکنے کی وعید سنائی ہے۔ اور بہت سی آیاتِ کریمہ میں صحابہ کرام رضؓ کو رحمت و رضوان کے مژدے سنائے ہیں۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضؓ کی سنت ہی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کا آئینہ ہے۔ جو کام ان اکابر نے بالاتفاق کیا ہو یا جس کام کو بالاتفاق ترک کر دیا ہو وہ قطعی ہے۔ اور اس سے انحراف کسی کے لئے جائز نہیں۔ اور جو کام بعض صحابہؓ نے کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہ کی وہ بھی بلاشبہ حق و صواب ہے۔ اور

اس میں کسی شک و ارتیاب کی گنجائش نہیں،

الغرض کسی چیز پر صحابہ کرام رضؓ کا تعامل اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانے کے لوگوں کو خیر القرون کے لوگ فرمایا ہے، یعنی صحابہ کرامؓ۔ ان کے شاگرد، اور ان کے شاگردوں کے شاگرد (ان کو تابعین اور تبع تابعین کہا جاتا ہے) اس لئے ان تین زمانوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے جس چیز پر مسلمانوں کا عمل درآمد رہا وہ سنت کے دائرے میں آتی ہے۔

⑤ "سنت" کی اس تشریح سے "بدعت" کی حقیقت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں معمول و مروج نہ رہی ہو اُسے دین کی بات سمجھکر کرنا "بدعت" کہلاتا ہے۔ مگر اس کی مزید تشریح کیلئے چند چیزوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ جس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سے زیادہ صورتیں منقول ہوں، وہ سب سنت کہلائیں گی۔ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے دوسری کو "بدعت" کہنا جائز نہیں، الا یہ کہ ان میں سے ایک منسوخ ہو، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین بالجہر بھی ثابت ہے اور آہستہ بھی ——— لہٰذا یہ دونوں سنت ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کو "بدعت" کہکر اسکی مخالفت جائز نہیں۔

دوم: ایک کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معمول تھا، مگر دوسرا کام آپ نے کبھی ایک آدھ مرتبہ کیا، اس صورت میں اصل "سنت" تو آپؐ کا اکثری معمول ہوگا، مگر دوسرے کام کو بھی، جو آپؐ نے بیانِ جواز کے لئے کیا، "بدعت" کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اُسے "جائز" کہیں گے اگرچہ اصل سنت وہی ہے جس پر آپؐ نے ہمیشہ عمل فرمایا

سوم: ان تین زمانوں کے بعد جو چیزیں وجود میں آئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کو خود مقصود سمجھا جاتا ہے۔ دوسری وہ جو خود مقصود بالذات

نہیں، بلکہ کسی مامور شرعی کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر ان کو کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبوی میں دین کا علم سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے بے شمار فضائل آئے ہیں اور اس کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب حصولِ علم کے وہ ذرائع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوئے" ان کو اختیار کرنا بدعت نہیں کہلائے گا۔ (بشرطیکہ وہ بذاتِ خود جائز ہوں) کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ مامور شرعی کا ذریعۂ محض ہیں۔

اسی طرح مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبوی میں جہاد کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ تو جن ذرائع سے جہاد کیا جاتا ہے اور جو ہتھیار جہاد میں استعمال کئے جاتے ہیں ان کو اختیار کرنا محض اس لئے "بدعت" نہیں کہلائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کے مبارک دور میں یہ آلات و ذرائع نہیں تھے کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں نہ ان کو بذاتِ خود دین سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سفرِ حج بہت بڑی عبادت ہے۔ مگر سفر کے جدید ذرائع اختیار کرنا بدعت نہیں، کیونکہ ہوائی جہاز یا بحری جہاز میں بیٹھنے کو بذاتِ خود عبادت نہیں سمجھا جاتا، بلکہ حصولِ عبادت کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

الغرض جو چیزیں ماموراتِ شرعیہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا استعمال جائز ہے، لیکن کسی چیز کو بذاتِ خود دین کے کام کی حیثیت سے ایجاد کرنا بدعت ہے۔

چہارم: قرآن کریم اور حدیث نبوی میں بہت سے مسائل شریعت کے اصول و قواعد ارشاد فرمائے گئے ہیں، اور اہلِ استنباط کو ان اصول و قواعد کی روشنی میں ان نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو بعد میں رونما ہونے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل میں ائمہ ہدیٰ نے جو مسائل قرآن و سنت سے نکالے ان کو بھی

بدعت نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ سب قرآن کریم اور حدیث نبوی سے ہی ثابت ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم، سنتِ نبوی، تعاملِ صحابہ و تابعین کے بعد ائمہ اجتہاد کے اجتہادی مسائل کو بھی دین کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اور "اجتہاد" بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک غیر مستقل شرعی دلیل ہے؛

پنجم: جو بات نہ قرآن کریم سے ثابت ہو، نہ حدیث نبوی سے، نہ تعاملِ صحابہ و تابعین سے۔ اور نہ فقہائے امت کے اجتہاد و قیاس سے، وہ دین سے خارج ہے، اس کو نہ کسی بزرگ کے کشف والہام سے "دین" بنایا جا سکتا ہے۔ اور نہ کسی پڑھے لکھے کی قیاس آرائی سے ——— کیونکہ شریعت کے دلائل یہی چار ہیں جو میں نے اوپر ذکر کئے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو شرعی دلیل کی حیثیت سے پیش کرنا بجائے خود "بدعت" ہے، چہ جائیکہ اس سے دین کی کسی چیز کو ثابت کیا جائے۔

(٦) "بدعت" کی دو قسمیں ہیں ایک اعتقادی، دوسری عملی ——— اعتقادی بدعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات رکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے خلاف ہوں۔ "ظلمات بعضها فوق بعض" کے مطابق آگے ان کی بہت سی قسمیں بن جاتی ہیں۔ بعض صریح کفر ہیں۔ جیسے قادیانیوں کا یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ——— نعوذ باللہ ——— نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ یا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ وغیرہ۔ اور بعض اعتقادی بدعتیں کفر تو نہیں، مگر ان کو ضلالت و گمراہی کہا جائے گا۔

عملی بدعت یہ کہ کسی عقیدے میں تو تبدیلی نہ ہو۔ مگر بعض اعمال ایسے اختیار کئے جائیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں ———

(٧) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "بدعت" کی جتنی مذمت فرمائی ہے شاید کفر و شرک کے بعد کسی اور چیز کی اتنی برائی نہیں بیان فرمائی ——— اس سلسلہ

کی ایک دو حدیثیں مَیں مضمون کے شروع میں نقل کر چکا ہوں اور اگر مزید نقل کردں گا تو یہ مضمون زیادہ طویل ہو جائے گا، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے مردود و ملعون اور ضلالت وگمراہی فرمایا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرے یا اس میں مبتلا ہو وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نظر میں کسقدر ذلیل آدمی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرض ونفل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی صاحبِ بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص "الجماعت" سے ایک بالشت بھی دور ہٹا اس نے اسلام کا جُوا اپنی گردن سے اتار پھینکا ——— (مشکوٰۃ شریف ص۳۱)

ان ارشادات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر معمولی سی بدعت سے بھی کسقدر نفرت تھی۔

رہا یہ کہ "بدعت" اسقدر مبغوض چیز کیوں ہے؟ اکابرِ امت نے اسپر بہت طویل کلام کیا ہے۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ یہاں چند وجوہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

اوّل: یہ کہ دینِ اسلام کی تکمیل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکی اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہٗ کا قرب ورضا حاصل ہو سکتی تھی ان کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرما دیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑکر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دین نعوذ باللہ ناقص ہے، اور قرب ورضائے خداوندی کا جو راستہ اس احمق کو معلوم ہوا ہے وہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) معلوم نہیں ہوا۔ یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس مبتدع کو ہوا وہ نہ تو آنحضرت صلّی اللہ کو ہوا اور نہ صحابہؓ وتابعینؒ کو ——— نعوذ باللہ۔

الغرض جو کام آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وتابعینؒ نے نہیں کیا آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف صالحین پر بلکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر حملہ کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے مردود ہونے میں کیا شبہ ہے؟

دوم: بدعت کے علاوہ آدمی جو گناہ بھی کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں، وہ اس گناہ پر پریشان ہوتا ہے اور اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ مگر "بدعت" ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اسکو غلطی سمجھکر نہیں بلکہ ایک "اچھائی" سمجھ کر کرتا ہے، اور شیطان اس گناہ کو اس کی نظر میں ایسا خوبصورت بناکر پیش کرتا ہے کہ اسے اپنی غلط روی کا کبھی احساس ہی نہ ہو پائے اور وہ مرتے دم تک توبہ سے محروم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گنہ گاروں اور پاپیوں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی، اِلّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اسکی دستگیری کرے اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے۔

سوم: آدمی کو بدعت کی نحوست اور تاریکی سنّت کے نور سے محروم کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما احدث قومٌ بدعةً الّا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خيرٌ من احداث بدعة۔ (رواہ احمد۔ مشکوٰۃ ص۳۱)	جب کوئی قوم کوئی سی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اس کی مثل سنّت اس سے اٹھالی جاتی ہے۔ اس لئے چھوٹی سے چھوٹی سنّت پر عمل کرنا بظاہر اچھی سے اچھی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

ما ابتدع قومٌ بدعةً فی دینهم	جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت

الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا يعيدها اليهم الى يوم القيامة (رواه الدارمی عن حسان موقوفا
گھڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی بقدر سنت اس سے چھین لیتے ہیں اور پھر قیامت تک اسے انکی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔

مشکوٰۃ ص۳۱)

اور سنت سے اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ بدعت میں مبتلا ہونے کے بعد قلب کی نورانیت و صلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔ آدمی حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، اس کی مثال اس اناڑی کی سی ہو جاتی ہے جس کو کسی نوسرباز نے روپیہ بڑھانے کا جھانسہ دیکر اس سے اصلی نوٹ چھین لئے ہوں، اور جعلی نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھما دی ہو۔ وہ احمق خوش ہے کہ اسے ایک کے بدلے میں سو مل گئے مگر یہ خوشی اسی وقت تک ہے جب تک وہ انھیں لیکر بازار کا رخ نہیں کرتا۔ بازار جاتے ہی اس کو نہ صرف کاغذ کے ان بے قیمت پرزوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، بلکہ جعلی کرنسی کے الزام میں اسے ہتھکڑی بھی لگا دی جائے گی ——— خوب سمجھ لیجئے کہ آخرت کے بازار میں صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا سکہ چلے گا۔ اور جن لوگوں نے بدعتوں کی جعلی کرنسیوں کے انبار لگا رکھے ہیں وہاں ان کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ ہوگی، بلکہ سکۂ محمدی کے مقابلے میں جعلی کرنسی بنانے اور رکھنے کے الزام میں پابند سلاسل کر دیئے جائیں گے ——— حدیث نبوی میں ارشاد ہے کہ

"میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا۔ جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا۔ اور جو ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں ہوگی۔ کچھ لوگ میرے پاس وہاں آئیں گے، جن کو میں پہچانتا ہوں گا۔ اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی جائے

گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ مجھے جواب ملے گا کہ "آپ نہیں جانتے انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا" یہ جواب سنکر میں کہوں گا:

سحقاً سحقاً لمن غيّر بعدی
پھٹکار پھٹکار ان لوگوں کے لئے جنھوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل ڈالا۔

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص۴۸۸)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟ یہی سبب ہے کہ اکابر امت کو "بدعت" سے سخت تنفر تھا۔ امام غزالی رح امور عادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سنت کی تاکید کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امورِ عادیہ میں اتباعِ سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا تھا، اور جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں بلاعذر اتباعِ سنت چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی" ———

(تبلیغ دین ترجمہ اربعین ص۴۲)

اور امام ربانی مجدد الف ثانی رح لکھتے ہیں:

از حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بتضرع و زاری والتجاء و افتقار و ذُل و انکسار در ستر و جہار مسألت می نماید کہ ہرچہ در دین محدث شدہ است و مبتدع
بندہ، حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے تضرع اور زاری، التجاء و افتقار اور ذلت و انکسار کے ساتھ، خفیہ اور علانیہ درخواست کرتا ہے کہ دین میں جو

گفتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفا ئے راشدین او نبودہ ـــــ علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات ـــــ اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ باو مستمند اند گرفتارِ آں عمل محدث نگردانا ، و مفتونِ حسن آں مبتدع نکناد ۔ بحرمۃ سید المختار و آلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام ـــــ

(دفتر اوّل مکتوب ۱۸٦)

بات بھی نئی پیدا کی گئی ہے، اور جو بدعت بھی گھڑ لی گئی ہے جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھی اگرچہ وہ چیز روشنی میں سپیدۂ صبح کی طرح ہو اللہ تعالیٰ اس بندۂ ضعیف اور اس کے متعلقین کو اس نئے ایجاد شدہ کام میں گرفتار نہ فرمائے ۔ اور اس کے حسن پر فریفتہ نہ کرے ۔ بطفیل سیّد مختار اور آلِ ابرار کے ۔علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔

یہ ناکارہ حضرت مجدّدؒ کی یہ دعا ، اپنے لئے ، آپ کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دہراتا ہے ـــــــــ

چہارم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادِ گرامی سحقاً سحقاً لمن غیّر بعدی (پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل دیا) سے "بدعت" کے مذموم ہونے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہو گئی ۔ اور وہ یہ کہ "بدعت" سے دین میں تحریف و تغیّر لازم آتا ہے ۔

شرح اسکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ دین قیامت تک کے لئے نازل کیا ہے ، اور قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کو اس کا مکلّف کیا ہے ، یہ تکلیف اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب کہ یہ دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ بھی ہو ۔ اور جس طرح پہلے دین لوگوں کی آراء و خواہشات کی نظر ہو کر مسخ ہو گئے ، اور ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا اِس دین کو یہ حادثہ پیش نہ آئے ۔ پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دینِ اسلام کے چہرے

کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف اور تغیر و تبدّل کا راستہ کھولتے ہیں ، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اس لئے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرما دیا ہے کہ یہ دین ہر دور میں انسانی خواہشات کی آمیزش اور بدعات کی ملاوٹ سے پاک ہے اور اہل بدعت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گرد و غبار ڈالنے کی کوشش کریں ، علمائے ربّانیین کی ایک جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

یحمل ھذا العلم من خلف عدولہٗ . ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین (مشکوٰۃ ص۳٦)

ہر آئندہ نسل میں اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف ، باطل پرستوں کے غلط دعوؤں اور جاہلوں کی تاویلوں کو صاف کرتے رہیں گے

اس لئے الحمد للہ اس کا تو اطمینان ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے ۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا خودکار نظام پیدا فرما دیا ہے ۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ نئی نئی گھڑ کر بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کرتے ہیں ، بلکہ بہت سے جاہلوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔

(۸) شاید آپ دریافت کریں گے کہ یہ لوگ دین میں نئی نئی جدّتیں کیوں نکالتے ہیں ؟ اور ان کو خدا کا خوف اس سے کیوں مانع نہیں ہوتا ؟ اس کو سمجھنے کے لئے مناسب ہوگا کہ ایجادِ بدعت کے اسباب و محرکات کا مختصر سا جائزہ لیا جائے ۔

اوّل : ایجادِ بدعت کا پہلا سبب جہل ہے ، شرح اسکی یہ ہے کہ بدعت میں ایک ظاہری اور نمائشی حسن ہوتا ہے ، اور آدمی اسکی ظاہری شکل و صورت

نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "زین لھم الشیطان اعمالھم" کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے۔

الغرض دینِ حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور نئی نئی نظریاتی اور عملی بدعتوں کو ان کی نظر میں مزیّن کر دینا یہ شیطان کا وہ کاری حربہ ہے جس سے وہ اللہ کی مخلوق کو بلاخوف وخطر گمراہ کر سکتا ہے۔ یہ نکتہ ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ اور امام غزالیؒ، امام ابن جوزیؒ اور امام شعرانیؒ جیسے اکابر نے اسپر مستقل رسائل اور کتابیں لکھی ہیں ——————

سوم: بدعات کی ایجاد کا تیسرا سبب حُبّ جاہ اور شہرت پسندی کا مرض ہے، یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ لوگ جدّت پسندی میں دلچسپی لیتے ہیں، اور ہر نئی چیز کو (بشرطیکہ اسپر کوئی خوشنما غلاف چڑھا دیا جائے) دوڑ کر اچکتے ہیں، اس لئے شہرت پسندی کے مریض دین کے معاملہ میں بھی نئی نئی جدّتیں تراشتے رہتے ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے دجّال (فریبی) ہوں گے۔ وہ تمھیں ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ ان سے بچتے رہو، وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں، اور فتنے میں نہ ڈال دیں —————— (مشکوٰۃ صـ۲۸)

چہارم: بدعات کی اختراع وایجاد کا ایک اہم سبب غیر اقوام کی تقلید ہے، تمدّن ومعاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک دوسری کو متاثر کرتی ہیں، جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے —— خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح ومغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے۔ مسلمان جب تک غالب و فاتح تھے، اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے

تحفظ کی تب وتاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے لیکن جب انکی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہوگئی، دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑگئیں اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے۔ دورِ جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے —— اس اجنبی اثر پذیری کا نتیجہ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ غیر اقوام کے رسوم ورواج کو دینی حیثیت دیدی گئی، اور اس کے جواز واستحسان کے ثبوت پیش کئے جانے لگے۔ یہی راز ہے کہ ہر علاقے کے مسلمانوں میں الگ الگ بدعات رائج ہیں، ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں، اور مصر وشام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں ہو سکیں۔

ہندوستان میں اسلام بڑی کثرت سے پھیلا مگر افسوس ہے کہ ان نومسلموں کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہ ہو سکا، اس لئے وہ لوگ جو ہندو مذہب چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اپنے سابقہ رسم ورواج سے آزاد نہ ہو سکے، بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاط کی بناء پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی یہ چیزیں در آئیں جو باہر سے آئے تھے —— چنانچہ شادی اور مرگ کے موقعہ پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلافِ شرع رسمیں رائج ہیں، اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں، جیساکہ ایک نومسلم عالم مولانا عبید اللہ نے "تحفۃ الہند" میں تحریر فرمایا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ خدانخواستہ ہندوستانی مسلمان کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں، بلکہ میری مراد ان رسوم وعادات سے ہے جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں، بلکہ ہندو معاشرے میں ملتا ہے، بہت

سے ایسے علاقے جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی ۔ مسلمان وہاں بہت ہی قلیل تعداد میں تھے، اور ان کو اسلامی تعلیم و تربیت کا موقعہ میسر نہیں آتا تھا ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے ۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کر بھی کیا سکتے تھے ۔ اس سے دوسرے ممالک کے مغلوب مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور پھر چونکہ یہ رسوم و عادات گویا انکی فطرت ثانیہ بن گئی ہیں اس لئے وہ اسلامی تعلیم کو ایک نئی چیز سمجھتے ہیں، بہت سی عورتوں اور ناواقف مردوں کو جب اسلامی مسائل سے مطلع کیا جائے تو انھیں یہ کہتے سنا گیا ہے "نئے نئے مولوی، نئے نئے مسئلے"، گویا وہ رسم و رواج جو ہند و معاشرے سے وراثت میں ملا ہے وہ تو ایک مستقل دین کی حیثیت رکھتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، جن سے وہ ہمیشہ غافل اور ناواقف رہے ہیں ان کے نزدیک ایک نیا دین ہے ۔

یہ تھے وہ چند اسباب جو اسلامی معاشرے میں بدعات کے فروغ کا سبب بنے، اور مجھے افسوس ہے کہ اس میں قصور عوام سے زیادہ ان اہل علم کا ہے جنہوں نے اسلام کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے اور دین قیم کو بدعات کی آلائش سے پاک رکھنے کے بجائے سیلاب بدعات میں بہ جانے کو کمال سمجھ لیا ۔

دوم : جو عمل بذاتِ خود مباح ہو مگر اس میں بدعت کی آمیزش ہو جائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں ۔

حدیث و فقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ائمہ احناف نے نمازوں کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے ۔ (عالمگیری ص۱۳۶ ج ۱، شامی ص۱۲۰ ج ۲)

در مختار (قبیل صلوٰۃ المسافر) وغیرہ میں ہے

سجدة الشكر مستحبة . به يفتى، لكنها تكره بعد الصلاة، لان الجهلة يعتقدونها سنة او واجبة، وكل مباح يؤدي اليه فهو مكروه.

سجدۂ شکر مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے، کیونکہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں گے، اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہو وہ مکروہ ہے ۔

علامہ شامی رح اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات کو، جو دین نہیں، دین میں ٹھونسنے کے مترادف ہے ۔

(ردّ المحتار ص۱۲۰ ج ۲)

سوم : ایک چیز بذات خود مستحب اور مندوب ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اسکو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے ۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اکثر و بیشتر داہنی جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ لگالے کہ دائیں جانب سے گھومنے ہی کو ضروری سمجھنے لگے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بسا اوقات بائیں جانب سے گھوم کر متوجہ ہوا کرتے تھے (مشکوٰۃ ص۸۵)

چہارم : جس فعل میں کفار و فجار اور اہل بدعت کا تشبہ پایا جائے اس کا ترک لازم ہے، کیونکہ بہت سی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و فجار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے ۔

ایک حدیث میں ہے :

من تشبه بقوم فهو منهم۔ (مشکوٰۃ ص۳۷۵)

جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہوگا۔

اسی قاعدے کے تحت علمائے اہل سنّت نے محرّم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے "تذکرۂ شہادت" سے منع کیا ہے۔ اصول الصفار اور جامع الرموز میں ہے:

سئل رضی اللہ عنہ عن ذکر مقتل الحسین فی یوم عاشورا أیجوز ام لا، قال لا، لان ذٰلک من شعار الروافض (بحوالہ الجنۃ لاهل السنۃ ص۱۴۰)

آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا دس محرّم کو شہادت حسین رضؓ کا تذکرہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا، جائز نہیں کیونکہ یہ رافضیوں کا یہ شعار ہے۔

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ وہ تمام افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے۔

پنجم: جب کسی فعل کے سنّت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترک سنّت فعل بدعت سے بہتر ہے۔ (البحر الرائق ص۲۱ ج ۲)

اور ردّ المحتار ص۶۴۲ ج ۱ میں ہے:

اذا تردد الحکم بین سنّۃ و بدعۃ کان ترک السنّۃ راجحًا علی فعل البدعۃ۔

جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنّت ہے یا بدعت؟ تو سنّت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کرنے کے راجح ہے۔

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنّت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اسے سنّت بتاتے ہوں اور بعض بدعت۔ سنّت و بدعت کے سلسلہ میں جو نکات میں نے ذکر کئے ہیں اگر ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقّت پیش

نہیں آئے گی کہ اہل سنّت کون ہیں۔ میں اس بحث کو حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحؒ کی وصیّت پر ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

"و آں راہ دیگر بزعم فقیر التزام متابعت سنّتِ سنیّہ است علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام و التحیّۃ و اجتناب از اسم و رسم بدعت ــــــــ تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جانِ او نرسد وایں معنٰی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، و با حیائے سنت لب کشاید۔

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنّت۔ بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتوای می دہند۔ و مردم را ببدعت دلالت می نمایند۔ (مکتوبات امام ربّانی دفتر دوم مکتوب۵۴)

ترجمہ: وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے وہ) اس فقیر کے نزدیک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام و رسم سے بھی اجتناب کرنا ہے، آدمی جب تک بدعتِ سیّئہ کی طرح بدعتِ حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی بُو بھی اس کے مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج کل از بس دشوار ہے۔ کیونکہ جہان کا جہان دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم مارے، یا کسی سنّت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔

اس دور کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے اور سنّت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتوای دیتے ہیں، اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں"

حق تعالیٰ شانہٗ مجھے، آپ کو، آپ کے رفقاء کو اور تمام مسلمانوں کو حضرت مجدد رح کی اس وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بحث محفل میلاد و قیام میلاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ایک کامل و اکمل نمونہ ہیں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ؎۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ ؎۳

اے نبی! آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو جس کے نتیجہ میں اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

؎۱ الاعتصام جلد اول ص۴۹، ؎۲ سورۃ الاحزاب ۲۱ ؎۳ سورۃ آل عمران : ۳۰

ان دونوں آیات سے معلوم ہوگیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آپ کو کامل ترین نمونہ کے مطابق بنالیں ۔ اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ کریں ۔ اگر ہم نے اس نمونہ کی مکمل اتباع کرلی تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے اور وہ ہمارے گناہوں کو معاف کردے گا ۔ ورنہ سوائے دنیا و آخرت کے گھاٹے اور بدبختی کے کچھ حاصل نہ ہوگا ۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ مبارک اور درود وسلام

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی	قسم ہے پروردگار عالم کی کہ اللہ
الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ	تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا	فرمایا کہ ان میں ایک رسول انہی
عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ [1]	میں سے مبعوث فرمایا ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ایک بہت بڑا احسان قرار دیا ہے اور احسان کا فطری تقاضا ہے کہ اس پر محسن کا شکریہ ادا کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں ۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ	اگر تم میری نعمتوں پر شکر ادا
لَاَزِیْدَنَّکُمْ [2]	کروگے تو میں اس نعمت میں
	ضرور اضافہ کروں گا ۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

[1] سورۃ آل عمران : ۱۶۴ [2] سورۃ ابراہیم : ۷

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ	اپنے رب کی نعمتوں کو لوگوں
فَحَدِّثْ ۔ [1]	کے سامنے بیان کرو ۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کونسی نعمت ہوگی جنہیں رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے ۔ یعنی آپکی ذات اقدس سراپا نعمت ورحمت ہے اور چونکہ نعمت کا شکریہ اس میں مزید اضافہ کا موجب ہے ۔ لہٰذا ہمارے نزدیک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ایمان کی پختگی ، ثابت قدمی اور اتباعِ سنت کا سبب ہے ۔ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کن حالات میں اس دنیا میں تشریف لائے ؟ ماحول کیا تھا ؟ خاندان کون اور کیسا تھا ؟ کب نبوت ملی ؟ پیغمبرانہ زندگی کیسے گزری ؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا مقام عطا فرمایا ؟ اور آپکو کن معجزات سے نوازا گیا ؟ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو آپ کے ذکر جمیل کے ذیل میں آتے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس وقت یا اس سے پہلے اور بعد میں ظاہر ہونے والے معجزات کے بیان کے لیے ہمارے اکابر نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب " نَشْرُ الطِّیْبِ فِیْ ذِکْرِ النَّبِیِّ الْحَبِیْبِ " حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان کے لیے لکھی گئی ہے ۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا ذکر مبارک ہمارے لیے باعث سعادت ہے ۔ قصہ مختصر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خواہ قبل از ولادت کے ہوں یا اس کے بعد کے نیز خود ولادت باسعادت کا

[1] سورۃ والضحیٰ : ۱۱

تذکرہ باعث خیر و برکت و نیک بختی و سعادت کی علامت ہے اور اس سے روگردانی و اعراض باعثِ محرومی و خسران، اور شقاوت و بدبختی کی نشانی، ۔ رہا درود و سلام کا معاملہ تو اس کے فضائل اس کثرت سے احادیث میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کے تفصیلی ذکر کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات درکار ہیں۔

جس مجلس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جائے اس وقت نہ صرف نام لینے والے پر بلکہ ہر سننے والے پر ضروری ہے کہ آپ پر درود بھیجے۔

ہمارے اکابرؒ نے درود شریف کے فضائل پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "زاد السعید" شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی مشہور عالم کتاب "فضائل درود شریف" نیز درود شریف کی ایک مشہور زمانہ کتاب "دلائل الخیرات" کی ایک منزل روزانہ پڑھنا ہمارے بے شمار بزرگوں کا معمول ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے درود شریف کی بدولت ہی حاصل کیا ہے الغرض یہ کوئی نزاعی چیز نہیں ہے۔

اسی طرح منظوم کلام کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرنا اور بجائے نثر کے نظم میں آپ کے حالات و کمالات اور معجزات وغیرہ کا بیان بھی باعث ازدیاد محبت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منظوم کلام میں آپ کی نعت بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں نزاع صرف مروجہ محفلِ میلاد میں ہے۔ اس لیے اب ہم مروجہ محفل میلاد

کی حقیقت مختصراً ذکر کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں اس کے جواز و عدم جواز پر بحث کریں گے۔

مروجہ محفل میلاد کی حقیقت

عوام سے چندہ جمع کر کے ایک مجلس منعقد کی جاتی ہے جس میں ضرورت سے زیادہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے بلکہ مسجد وغیرہ کی بیرونی دیواروں کو دلہن کی طرح بجلی کے چھوٹے چھوٹے قمقموں (جنہیں مرچوں سے تعبیر کیا جاتا ہے) سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ نیز مسجد کے اندر جھنڈیاں کثیر تعداد میں لگائی جاتی ہیں۔ غرض عام حالات کی بہ نسبت کہیں زیادہ اہتمام کے ساتھ اور کثیر رقم خرچ کر کے اس جگہ کو آراستہ کیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے اسلام جیسے سادے اور فطری مذہب میں اس قسم کے فضول اور غیر ضروری اخراجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے سوائے نمود و نمائش کے اس کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ پھر انتہائی اہتمام کے ساتھ لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ پھر اردو کا درود شریف جو احمد رضا خان صاحب نے نظم کیا ہے بلند آواز سے سب لوگ مل کر پڑھتے ہیں یعنی

ع مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

نیز ایک شخص کچھ مخصوص اشعار پڑھتا ہے۔ کچھ دیر بعد اشعار ہی میں سب سے کہتا ہے کہ اب اٹھ کھڑے ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ پھر سب اس عقیدے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں

مچی ہے دھوم پیمبر کی آمد آمد ہے — حبیبِ خالقِ اکبر کی آمد آمد ہے
خوشی کے جوش میں ہیں بلبلیں بھی نغمہ کناں — چمن میں آج گُلِ تر کی آمد آمد ہے
دو زانو ہو کے ادب سے پڑھو صلوٰۃ و سلام — عزیزو خلق کے مصدر کی آمد آمد ہے
جمیلؔ قادری کہہ دے کھڑے ہوں اہلِ سنت
ہمارے حامی و یار کی آمد آمد ہے

ایضاً

نبیؐ آج پیدا ہوا چاہتا ہے — یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے
خریدے گا عصیاں کو رحمت کے بدلے — خریدار پیدا ہوا چاہتا ہے
یہ عالم بنایا ہے جس کا براتی — ہویدا وہ دولہا ہوا چاہتا ہے
خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم — شہِ دین و دُنیا ہوا چاہتا ہے
اٹھو بہرِ تعظیم اے اہلِ محفل — نبی جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے [1]

اس کے بعد بزعمِ خویش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلند آواز سے سب لوگ مل کر لَے سے لَے ملا کر (کھڑے کھڑے) اُردو کا درود شریف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس مخصوص شکل کے ساتھ جو محفلِ میلاد رائج ہے بریلوی حضرات اس کو واجب اور فرض کفایہ قرار دیتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں

———— ان عبارات اور فتاویٰ علماء سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ پہلے زمانے میں مولود شریف کا کرنا صرف مستحسن یا مستحب اور مسنون تھا لیکن اب اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے۔ [2]

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر ۴۰

[1] قبالۂ بخشش ص۹۲-۹۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد [2] انوار آفتاب صداقت ص۳۹۸

بریلوی علماء نے کی ہے ———— اس محفل میں ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات اس قدر ضروری خیال کرتے ہیں کہ جو شخص اس موقعہ پر کھڑا نہ ہو اسے یہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج سمجھتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں :-

" اگر کوئی شخص ذکر ولادت باسعادت کے وقت مولود شریف میں تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑا نہ ہو وہ آیت قرآنی کا منکر شقی القلب (بدبخت دل والا) مہین (اہانت کرنے والا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ [1]

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر ۴۰ بریلوی علماء نے کی ہے۔

ایک اور مقام پر قاضی فضل احمد صاحب ایک عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں

ترک کرنا قیام کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استخفاف اور توہین ہے جو کفر ہے۔ [2]

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب نے کی ہے۔

مُروّجہ محفلِ میلاد کے بارے میں ہمارا مؤقف

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خیر امتی — سب سے بہتر زمانہ میرا ہے
قرنی ثم — (یعنی صحابۂ کرام کا زمانہ) پھر وہ

[1] انوار آفتاب صداقت ص۴۲۶ [2] ایضاً ص۴۳۴

الذین یلونھم	لوگ جو ان کے ساتھ متصلاً بعد میں آئیں گے (یعنی تابعین عظام)
ثم الذین یلونھم [1]	پھر وہ لوگ جو متصلاً ان کے بعد آئیں گے (یعنی تبع تابعین)

ہمارا مؤقف مروجہ محفلِ میلاد کے بارے میں یہ ہے کہ نہ اس کا تذکرہ قرآنِ پاک میں ہے اور نہ ہی اس کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملتا ہے اور نہ صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

باوجودیکہ ربیع الاوّل کا مہینہ اس کی مخصوص تاریخیں اور قرآن و سنت کا تمام وہ ذخیرہ ان حضرات کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ جسے آج فریقِ مخالف مروجہ محفلِ میلاد کے اثبات کے لیے پیش کرتا ہے اور ان میں عشقِ رسولؐ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ اور فراواں مقدار میں پایا جاتا تھا اور اس عمل کو انجام دینے سے کوئی رکاوٹ بھی اس دور میں موجود نہ تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بدعت ہے جس کا ذکر احادیث میں انتہائی مذمت کے ساتھ آیا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ مروجہ محفلِ میلاد قرآن و سنت سے ثابت نہیں اور صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں اس کا وجود نہ تھا اور اہلسنت والجماعت کے چاروں ائمہ کرام۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

ا۔ مشکوٰۃ ج دوم ص ۵۵۳، بخاری ج ا ص ۳۶۲، مسلم ج ۲ ص ۳۰۹

کے ہاں اس کا سُراغ نہیں ملتا۔ تو پھر یہ رسم شروع کب ہوئی؟ کون اس کو شروع کرنے والا تھا؟ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی ابتدائی تاریخ ذکر کر دیں۔

مُروّجہ محفلِ میلاد کی ابتدا کب ہوئی؟ اور کس نے کی؟

بجائے اس کے کہ ہم اپنی جانب سے اس کے متعلق کچھ لکھیں بریلویوں کے مشہور علماء کی تحریرات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بریلویوں کے مفتی احمد یار خان صاحب ایک عربی عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور (عمر) ابن دحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں"۔ [1]

بریلویوں کے ایک اور عالم جناب قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں:

"یہ امر بھی مسلّمہ ہے کہ اس ہیئت کذائیہ (مخصوص شکل) سے یہ عمل خیر و برکت و نعمت و رحمت ۶۰۴ھ سے بحکمِ بادشاہ اولی الامر .... جاری ہے۔ [2]

اس کتاب کی بریلویوں کے امام احمد رضا خاں صاحب سمیت اہم بڑے بڑے علماء نے تصدیق کی ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ بریلوی علماء کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اس مخصوص شکل کے ساتھ میلاد کی ابتداء حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۶۰۰ سال بعد ساتویں صدی میں ہوئی

ا۔ جاء الحق ص ۲۳۶ ج اوّل ۲۔ انوارِ آفتابِ صداقت ص ۳۹۳

ہے اور شاہِ اَربل اور عمر بن دحیہ نے مل کر اس کو ایجاد کیا ہے اور بریلویوں کے اقرار سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اَربل کے بادشاہ (ابوسعید مظفر الدین) کے لیے سب سے پہلے میلاد کی کتاب ایک سرکاری و درباری مولوی عمر بن دحیہ نے لکھی اور بادشاہ سے بطور انعام ایک ہزار اشرفیاں حاصل کیں۔ اِس عالم کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں۔

"کان ظاہری المذہب — یعنی وہ مذہباً ظاہری تھا (اہلسنت کے علاوہ یہ ایک
کثیر الوقیعۃ فی الائمۃ — باطل فرقہ ہے) ائمہ اہلسنت اور
و فی السلف من العلماء — دوسرے متقدمین علماء پر اعتراض
خبیث اللسان احمق — کیا کرتا تھا، گندی زبان والا، بیوقوف
شدید الکبر" — اور بہت متکبر تھا۔ ؎۱

نیز محدث ابن نجار مروجہ محفل میلاد کے بانی مولوی عمر بن دحیہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"میں نے سب لوگوں کو اس کے جھوٹے ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے پر متفق پایا ہے۔" ؎۲

ایک اور محدث اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"ایسی ایسی باتوں کا دعویٰ کیا کرتا تھا جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تھی"۔ ؎۳

اس محفل میں جو شاہِ اَربل اور عمر بن دحیہ جیسے مولوی نے ایجاد کی تھی اس میں ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑا ہونا داخل نہ تھا۔ کھڑے ہونے

؎۱ لسان المیزان ج ۴ ص ۲۹۶، ؎۲ ایضاً ج ۴ ص ۲۹۵ ؎۳ ایضاً ج ۴ ص ۲۹۴

کو قیام کہتے ہیں۔ یہ قیام مزید ڈیڑھ سو سال بعد میں ایجاد ہوا تھا۔ چنانچہ زمانۂ حال کے مشہور بریلوی عالم جناب احمد سعید شاہ صاحب کاظمی لکھتے ہیں۔

"مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہمعصر مشائخ و علماء کی اقتداء کافی ہے"۔ ؎۱

جناب تقی الدین سبکی کا انتقال ۷۵۶ھ میں ہوا ہے۔ بریلویوں کے احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کی عبارت بالا سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کے وقت کھڑا ہونا تقی الدین سبکی المتوفیٰ ۷۵۶ھ کے دور سے شروع ہوا ہے۔ رہا ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبیؐ قرار دینا تو یہ تو ابھی اسی صدی کی بات ہے۔ سب بڑی عمر کے لوگ اس دن کو بارہ وفات کہا کرتے تھے۔

اس کو عید میلاد النبی قرار دینا محمد نور بخش توکلی کا کام ہے چنانچہ زمانۂ حال کے ایک بریلوی عالم محمد عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں۔

"آپ (محمد نور بخش توکلی) ہی کی مساعیٔ جمیلہ سے متحدہ ہندو پاک میں بارہ وفات کی بجائے "عید میلاد النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی"۔ ؎۲

یاد رہے کہ محمد نور بخش توکلی کا انتقال ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا تھا۔

ایک دوسرے بریلوی عالم علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے موصوف کے حالات میں رقم طراز ہیں کہ:۔

"آپ کی دینی خدمات سے ایک نہایت اہم خدمت یہ ہے کہ

؎۱ کتاب میلاد النبی ص ۵۸ ؎۲ تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۵۹

آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات"
غلط العمومی اصطلاح کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرانے کی
جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ
سے اس مقدس دن کی تعطیلِ عام منظور کرائی۔ آج یہی تعطیل خدا
کے فضل سے اسلامیانِ پاکستان کی ایک اہم تقریب میں تبدیل
ہوگئی ہے۔" [1]

بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ جو مشہور قول کے مطابق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ہے اس کو نور بخش توکلی صاحب نے عید میلاد النبی بنا دیا۔ باوجودیکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت بروز پیر ہوئی اور تقویمی اصول کے مطابق پیر کا دن ۲ ربیع الاوّل یا پھر ۹ ربیع الاوّل کو آتا ہے ازروئے حساب بارہ ربیع الاوّل کو پیر کا دن درست بنتا ہی نہیں۔[2]

بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ گویا اس فارسی ضرب المثل کا مصداق ہے کہ "ابتدائے ظلم در جہاں اندک بود ہر کہ آید براں مزید کرد"، یعنی ظلم کی ابتدا جہان میں معمولی سی ہوتی ہے لیکن جو بھی آتا ہے اس پر اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

مروجہ محفل میلاد میں بدعت ہونے کے علاوہ دیگر کئی شرعی خامیاں موجود ہیں۔ مروجہ محفل میلاد کی اس حیثیت کو تو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی موجودہ ہیئت و صورت صحابہ اور فقہاء کے دور میں کسی تاریخی حوالے

[1] مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم ص۸، [2] حوالہ کے لیے دیکھئے رحمۃ للعالمین ج اول ص۴۷ مصنفہ قاضی سلیمان منصورپوری (۲) اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص۱۳۲۸ (۳) سیرۃ النبی ج ۱ ص۱۰۹ مصنفہ علامہ شبلی نعمانی۔

سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور یہ بعد کی پیداوار اور بدعت ہے، لیکن بدعت ہونے کے علاوہ اس میں کئی شرعی خامیاں ایسی ہیں جو اس کے ناجائز ہونے کے لیے بجائے خود بہت کافی ہیں۔

مروّجہ محفل میلاد میں پائی جانے والی شرعی خرابیاں

پہلی شرعی خرابی

ایک غیر ضروری کام کو ضروری سمجھنا! شریعت کی نظر میں یہ چیز انتہائی مذموم ہے کہ جس چیز کو اس کے اپنے مقام سے گھٹا یا بڑھا دیا جائے مثلاً کسی فرض و واجب چیز کو اس کے اپنے مرتبہ سے گھٹا کر محض سنت و مستحب کے درجہ میں لے آیا جائے۔ یا کسی مستحب و مباح کام کو اس کے اپنے درجہ سے بڑھا کر فرض یا واجب قرار دے دیا جائے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"لا یجعل احدکم	تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں
للشیطان شیئا من	شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے کہ"
صلاتہ یُریٰ ان حقا	وہ نماز سے فراغت کے بعد
علیہ ان لا ینصرف	دائیں جانب مُڑنے کو ہی ضروری
الا عن یمینہ لقد رأیت	سمجھ لے۔ کیونکہ میں نے حضور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں جانب
کثیراً ینصرف عن یسارہ [1]	مُڑتے دیکھا ہے۔"

[1] مشکوٰۃ ص۸۷، بخاری ج اول ص۱۱۸

بریلوی حضرات بھی اس شرعی اصول کے ماننے میں ہمارے ساتھ پوری طرح متفق ہیں چنانچہ بریلویوں کے علاّمہ سیّد محمود احمد رضوی مہتمم مدرسہ حزب الاحناف لاہور رقمطراز ہیں :-

" فقہاء احناف بہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض واجب سمجھنے لگے، یا کسی امر مستحب کو فرض و واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا ۔ علامہ طیبیؒ شرح مشکوٰۃ میں (حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بالا کے ذیل میں) لکھتے ہیں کہ " اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا " (کہ شیطان نے اسے گمراہ کردیا) جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکرہ (بری بات) کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا ۔ [1]

بہر حال حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فقہاء احناف کے اس بیان سے جو بریلویوں کے علامہ سیّد محمود احمد رضوی نے نقل کیا ہے ۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ کسی غیر ضروری کام کو ضروری کام سمجھ کر کرنے والا شخص شیطان کے پھندے میں پھنس کر گمراہ ہوجاتا ہے ۔ اگر کوئی شخص غیر ضروری کام کو ضروری نہیں سمجھتا لیکن اتنی پابندی سے کرتا ہے کہ دیکھنے والا شخص اس کو ضروری سمجھ لیتا ہے تو وہ بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل ہوگا جو غیر ضروری کام کو ضروری سمجھ کر کرنے والے ہیں ۔ اسی وجہ سے علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ کسی نماز میں کوئی مخصوص سورت ہمیشہ اور مسلسل پڑھنا منع ہے چنانچہ

۱؎ بصیرت از سیّد محمود احمد رضوی ص ۲۳۷ بحوالہ مرقات ج ۲ ص ۳۵۳

بریلویوں کے مفتی محمد خلیل صاحب رقمطراز ہیں :-

" سورتوں کا معین کرلینا کہ اس نماز میں ہمیشہ وہی سورتیں پڑھا کرے مکروہ ہے ۔ مگر جو سورتیں احادیث میں وارد ہیں ان کو کبھی کبھی تبرکاً پڑھ لینا مستحب ہے مگر ہمیشہ نہ پڑھے کہ کوئی واجب گمان کرلے " [1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی غیر ضروری کام کو ضروری سمجھنا یا اس کو اتنے اہتمام اور پابندی کے ساتھ کرنا، جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ گزرے کہ یہ کام ضروری ہے شرعاً منع ہے اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص پر شیطان کا داؤ چل گیا اور اس نے اس شخص کو گمراہ کردیا ہے ۔

دوسری شرعی خرابی

ایک غیر ضروری کام کے لیے لوگوں کو دعوت دینا اور جمع کرنا ۔

فرائض و واجبات کے لیے دعوت دینا اور لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری اور فرض ہے لیکن نفلی کاموں کے لیے فرائض و واجبات کا سا اہتمام کرنا شرعاً ناجائز ہے ۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نماز چاشت کو مسجد میں اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ ان لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا، پر ہے ۔ مطلب یہ کہ یہ نماز (چاشت کی نماز) حدِّ ذات میں (یعنی بذات خود) تو مشروع (جائز) ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع و اظہار جیسا کہ فرائض میں ہے بدعت ہے اس لیے کہ نوافل میں سنت (طریقہ) اور اس کی فضیلت

۱؎ ہمارا اسلام ص ۶۹ حصہ چہارم

"چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے"۔ [1]

اسی طرح نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا گو جائز ہے مگر لوگوں کو بلا کر اور اکٹھا کر کے اہتمام کے ساتھ نوافل کی جماعت کرنا مکروہ ہے اور اتفاقیہ طور پر اگر چار یا پانچ آدمی جمع ہو جائیں تو بھی نفل نماز با جماعت پڑھنا منع ہے کیونکہ اگرچہ یہاں اہتمام کے ساتھ نفل کی جماعت کے لیے بلایا نہیں گیا ہے لیکن پھر بھی اہتمام کی سی شان خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اس لیے چار یا پانچ آدمیوں کا نفل نماز با جماعت پڑھنا منع ہے خواہ بلا کر ان کو جمع کیا گیا ہو یا بلا دعوت خود بخود جمع ہو گئے ہوں۔

چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

"ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی (لوگوں کو بلا کر اکٹھا کر کے) مکروہ ہے .... تداعی (جمع کرنے کے لیے بلانا) مذہب اصح میں (زیادہ صحیح مذہب کے مطابق) اس وقت متحقق ہو گی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں"۔ [2]

مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہوئے جو مسجد میں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں:-

"نماز تہجد کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اطراف و جوانب سے اس وقت لوگ نماز تہجد کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور خاص اہتمام سے اس کو ادا کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل (نفل نماز کے لیے لوگوں کو بلانا اور اہتمام کرنا) مکروہ تحریمی ہے"۔ [3]

---

[1] مدارج النبوت اردو جلد اول صفحہ ۶۸ مطبوعہ کراچی [2] فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۴۸۰، [3] مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ سوم صفحہ ۱

بہرحال ان حوالجات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نوافل کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا اور کسی مقام پر جمع کر کے باجماعت ادا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اتفاقیہ طور پر اگر چار آدمی جمع ہو جائیں تو بھی نوافل جماعت کے ساتھ ادا نہیں کیے جا سکتے کیونکہ اس میں بھی اہتمام کی سی شان پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچوں نمازوں کی سنتوں اور نوافل کو گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ بقول شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

"نوافل میں سنت طریقہ اور اس کی فضیلت چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے"۔ [1]

اور بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں

"تراویح اور تحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل، سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ، گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثواب اکمل ہے"۔ [2]

اس کے بعد دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت کر کے لکھتے ہیں۔

"اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائما سب سنتیں مسجد ہی میں پڑھیں ہوتیں۔ تاہم بعد اس کے حضورؐ ہم سے ارشاد فرما چکے۔ "فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمہیں گھر میں پڑھنا چاہئیں"۔ اور فرمایا ماورائے فرائض (فرائض کے علاوہ) اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد مدینہ طیبہ (مسجد نبوی) میں پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے" [3]

---

[1] مدارج النبوت اردو ج اول صفحہ ۶۸، [2] فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۴۷۸۔

[3] فتاوی رضویہ ج سوم صفحہ ۴۷۹

سے یہ عقیدہ مسلمانوں نے اپنا لیا ہے کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جو مجلس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر منعقد کی جاتی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے ہیں چنانچہ بائبل میں مذکور ہے

"جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں" ؎۱

مسلمانوں کے لیے تو کسی طرح بھی جائز نہیں کہ وہ یہ عقیدہ قائم کرلیں کہ جو محفل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر منعقد کی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ضرور تشریف لاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ عقائد کی خرابی اعمال کی خرابی سے کہیں زیادہ بُری اور نقصان دہ ہے۔

چوتھی شرعی خرابی

اس قدر اہتمام سے یہ محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے کہ جس سے ناواقف عوام کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ نماز روزہ وغیرہ فرض امور سے زیادہ محفل میلاد کی شرکت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعہ کی نماز بھی نہ پڑھنے والے لوگ اس محفل میلاد میں ضرور شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر بریلویوں کے مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں۔

"بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے"۔ ؎۲

؎۱ انجیل متی باب ۱۸ آیت ۲۰

؎۲ جاء الحق حصہ اول ص ۲۳۷

عوام کو غلط عقائد و نظریات سے بچانا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اگر کسی غیر ضروری کام کرنے کے باعث لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہوں تو وہ غیر ضروری کو اپنی جگہ اچھا ہی کیوں نہ ہو ترک کر دیا جاتا ہے۔

اس اصول کو بریلوی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ جناب احمد رضا خان صاحب سے ایک بار پوچھا گیا کہ بعض علاقوں میں لوگ نماز عید اور نماز استسقاء کو جاتے ہوئے علم (جھنڈا) لے کر عیدگاہ تک جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے تو انہوں نے اس کو جائز اور مباح قرار دینے کے بعد لکھا۔

"ہاں جہاں اس سے کوئی محذور شرعی (شرعی طور پر کوئی غلط بات) پیدا ہوتا ہو مثلاً جن بلاد (شہروں) میں محرم کے علم (جو شیعہ نکالتے ہیں) رائج ہیں عوام اس کو ان سے سمجھیں یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھانے کی ضرورت پڑے وہاں اس سے احتراز ہی کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمال فتنہ وفساد عقیدہ ہے نہ ہر ایک کو سمجھا سکیں اور نہ ہر ایک سمجھانے سے سمجھے گا تو ایسی بات کرنی کیا ضروری ہے؟ حدیث میں ارشاد ہوا "ایاك وما یعتذر منه" (یعنی جن چیزوں کے کرنے سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہو ان سے پرہیز کرو تاکہ بعد میں عذر نہ کرنا پڑے)" ؎۱

اسی طرح عوام میں ایک نماز صلاۃ الرغائب کے نام سے رائج تھی جب رجب کے مہینہ میں لوگ جماعت کے ساتھ معراج کی رات میں پڑھا کرتے تھے۔ نیز شب برات اور شب قدر میں بھی لوگ صلاۃ البراءۃ اور صلاۃ القدر

؎۱ عرفان شریعت حصہ دوم ص ۴۷

بڑے اہتمام اور جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ فقہاء کرام نے اس اہتمام اور جماعت کے ساتھ ان نفل نمازوں کو پڑھنے سے روک دیا۔ بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

" متاخرین کا اُن (صلاۃ الرغائب، صلاۃ البراءۃ اور صلاۃ القدر) پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام ان نمازوں کو سنت نہ سمجھیں" [۱]

احمد رضا خان صاحب کی اس عبارت نے بتا دیا کہ علماء کرام نے ان نمازوں کے پڑھنے سے محض اس لیے روکا ہے کہ ان کے پڑھنے سے عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ نمازیں سنت ہیں اور عوام کو اس غلط نظریہ (کہ یہ نمازیں سنت ہیں) سے بچانے کے لیے علماء کرام نے ان نمازوں کو اہتمام وغیرہ سے پڑھنے سے روک دیا۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ فریقین کے نزدیک یہ اصول صحیح اور مسلم ہے کہ

" ان تمام غیر ضروری کاموں کو چھوڑ دینا ضروری ہے جن سے عوام کسی غلط نظریہ اور فاسد عقیدہ میں ملوث ہو جاتے ہوں۔ گو وہ غیر ضروری کام اپنے مقام پر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ عوام کے عقائد و نظریات کی حفاظت بڑا اہم فریضہ ہے۔"

لیکن بریلوی حضرات نامعلوم "مروجہ محفل میلاد" پر اس اصول کو لاگو کرنے سے کیوں راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ مروجہ محفل میلاد کو اگر تھوڑی دیر کے لیے جائز بھی فرض کر لیا جائے تو بھی جب لوگ اس کو فرض و واجب کا درجہ دینے لگ گئے ہیں اور یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے اور اس پر اتنا اصرار ہے کہ نوبت مقدمات تک پہنچ رہی ہے

[۱] فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۸۵

تو ان حالات میں مذکورہ بالا شرعی اصول کی رُو سے اس محفل کو بند کر دینا چاہیئے۔

پانچویں شرعی خرابی

ایسے اشعار محفل میلاد میں پڑھے جاتے ہیں جو از روئے شریعت قطعاً صحیح نہیں ہوتے ہیں

مثلاً جو اشعار ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے۔

نبی آج پیدا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کو آج ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ گزر رہا ہے اور آفتاب رسالت کے ترسیٹھ [۶۳] سال کا عرصہ گزار کر پردہ فرما جانے کو بھی آج تقریباً چودہ سو سال بیت رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ولادت و وفات کا ایک دن مقرر ہے۔ کسی بھی فرد بشر کی ولادت ایک سے زائد بار نہیں ہوتی لیکن بریلوی حضرات آئے دن محفل میلاد میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے ہیں جو شدید قسم کی ایک گستاخی ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر جو پہلے درج کیا جا چکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم
شہ دین و دنیا ہوا چاہتا ہے

اس شعر کو سُن کر ہر ناواقف اور جاہل شخص یہ عقیدہ بنا لے گا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مختار و حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم بن چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے اور اس شعر میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر خدا تعالیٰ کے خزانوں کا مختار و حاکم بتایا جا رہا ہے۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ آج کل کی مروجہ محفل میلاد نہ صرف یہ کہ تکمیل دین اسلام کے چھ سو سال بعد کی پیدا شدہ ایک بدعت ہے بلکہ اس قسم کی بیشمار شرعی خرابیوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک خرابی اس رواجی محفل میلاد کے ناجائز ہونے کے لیے تن تنہا کافی ہے۔

مروجہ محفل میلاد پر بریلویوں کے دلائل کے جوابات

ہم باحوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ "مروجہ محفل میلاد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سو سال بعد پیدا ہوئی ہے اس لیے بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مروجہ محفل میلاد کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید یا حدیث پاک یا صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر مروجہ محفل میلاد قرآن وسنت یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوتی تو بریلوی حضرات یہ کبھی نہ فرماتے کہ اس مخصوص محفل میلاد کا ایجاد کرنے والا بادشاہ اور مولوی عمر بن دحیہ ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عوام کو مغالطہ دینے کے لیے وہ قرآن پاک کی چند آیات اور کچھ احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان آیات و احادیث پاک کے صحیح معانی اور ان کا اصل مطلب واضح کر دیں۔

بریلویوں کے قرآن پاک سے استدلال کا جواب

پہلی آیت:- اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ — اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی

یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ — اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں
یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا — اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا — وسلام بھیجو۔ [1]

اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی مخصوص رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور فرشتے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء رحمت کرتے ہیں (یعنی اے اللہ! ان پر تو اپنی رحمتیں نازل فرما) لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو اس بات میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔ بریلویوں کا یہ قول کہ تمام عبادات میں صرف درود شریف ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شریک ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بندے درود شریف یوں پڑھا کرتے ہیں۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرما تو کیا اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح درود شریف پڑھتے ہیں۔ یقیناً اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا خدا کوئی اور تو ہے نہیں جس کے سامنے وہ یہ دعا کرے کہ اے اللہ اپنی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما۔ درحقیقت یہ مغالطہ اس لیے لگ گیا کہ لفظ صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور عام مؤمنین کی طرف کی گئی ہے جس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ تینوں طرف نسبت کے وقت معنی ایک ہی رہیں گے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ علماء کرام اور قرآن پاک کے مفسرین نے یہ بیان فرمایا کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو

[1] سورۃ الاحزاب: ۵۶

رحمت بھیجنا مراد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں نبی پر اور جب اس کی نسبت فرشتوں یا مؤمنین کی طرف ہو تو اس سے مراد دعاءِ رحمت ہوتی ہے۔ یعنی فرشتے اور مؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعاءِ رحمت کرتے ہیں لہٰذا آیت مذکورہ بالا سے یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور مسلمان سب درود پڑھنے میں شریک ہیں غلط ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا مروجہ محفل میلاد ثابت ہوگیا تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ بات ہی بالکل بے جوڑ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے ہی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مروجہ محفل میلاد ثابت ہوتا ہے تو پھر ہر مسلمان کا میلاد ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس رکوع میں آیت مذکورہ موجود ہے اس سے پہلے والے رکوع میں عام مسلمانوں پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس کا ترجمہ فریق مخالف کے سب سے بڑے عالم احمد رضا خان صاحب نے یہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهُ	ترجمہ: (اے ایمان والو) وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے [1]

اسی طرح حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے ص ۹۸ پر ۳ حدیثیں بالکل انہی لفظوں (ان اللہ وملئکتہ یصلون) کے ساتھ آئی ہیں جن میں زیر زبر کا بھی فرق نہیں ہے ملاحظہ فرمائیے۔

[1] سورۃ الاحزاب ۴۳ ترجمہ قرآن پاک از احمد رضا خان بریلوی۔

(۱) ان اللہ وملئکتہ یصلون علی الذین یلون الصفوف الاولیٰ [1]	یعنی خدا اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو پہلی صفوں کے قریب ہوں۔
(۲) ان اللہ وملئکتہ یصلون علی میامن الصفوف [2]	یعنی خدا اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں صفوں کے اندر دائیں جانب والے لوگوں پر۔
(۳) ان اللہ وملئکتہ یُصلّون علی الصف الاوّل [3]	یعنی اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں پہلی صف والے لوگوں پر۔

جب ان تمام مقامات پر خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے پہلی صف والے لوگوں یا دائیں جانب والے لوگوں پر صلوٰۃ بھیجنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم اب ان لوگوں کا میلاد کرنا شروع کر دیں۔

بعینہٖ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا میلاد مخصوص طریقے سے شروع کر دیا جائے۔ ان تمام عبارات کا سیدھا سا اور صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر اپنی مخصوص رحمتیں نازل فرماتا ہے اور فرشتے انکے لیے "دعاءِ رحمت" کرتے ہیں۔ اور جو جسقدر رحمت کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ اسی کے درجہ کے مطابق اس پر اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

دوسری آیت

وَرَفَعْنَا لَكَ	یعنی ہم نے آپ کے ذکر کو

[1] ابوداؤد ص ۹۷ ، [2] ابوداؤد ص ۹۸ ، [3] مسند احمد

ذِكْرَكَ [1] — بلند کیا ہے ۔

فریق مخالف اس آیت کو بھی مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتا ہے ۔ لیکن اس آیت شریفہ کو مروجہ محفل میلاد سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس آیت کی تشریح کے بارے میں سوال کیا توانہوں نے جواباً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

اذا ذُكِرتُ ذُكِرتَ معی — یعنی جب میرا ذکر ہوگا تو آپ کا ذکر لازمی میرے ذکر کے ساتھ ہوگا ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا : یرید الاذان والاقامۃ والتشھد والخطبۃ علی المنابر ۔[2] یعنی اس سے مراد کلمہ طیبہ وکلمہ شہادت اذان واقامت ، تشہد اور خطبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالےٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے ۔

غرض اس آیت شریفہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور بلندیٔ مرتبہ معلوم ہوتی ہے ۔ جس سے کسی کو انکار نہیں اور نہ ہی یہ بات محل نزاع ہے ۔ اس آیت کا مروجہ محفل میلاد سے کوئی تعلق نہیں ۔

تیسری آیت

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ — سلامتی ہو ان (حضرت یحییٰ علیہ السلام) پر ولادت کے

[1] سورۃ الانشراح پ۳۰ ، [2] تفسیر مظہری ج۱۰ ص۲۹۲

وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا — دن ، وفات کے دن اور جس دن (دوبارہ) زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے [1]

بریلوی حضرات اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ۔ لیکن بجائے اس کے کہ اپنی طرف سے اس آیت کی شرح وتفسیر کے لیے عرض کریں فریق مخالف کے علماء کرام سے اس آیت کی تفسیر نقل کردیتے ہیں تاکہ اصل مطلب اس آیت کا واضح ہوجائے ۔ چنانچہ بریلویوں کے صدر الافاضل مولوی نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں ۔

" یہ تینوں دن (ولادت ، وفات اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا دن یعنی قیامت) بہت اندیشہ ناک ہیں کیونکہ ان میں آدمی وہ دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا ۔ اس لیے ان تینوں موقعوں پر امن وسلامتی عطاء کی " ۔ [2]

بریلویوں کے مفتی جناب احمد یار خان صاحب اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

" معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی ولادت ، زندگی ، وفات قبر ، حشر غرض یہ کہ ہر جگہ اللہ کی امان میں رہتے ہیں ۔ یحییٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت شیطان نے نہ چھوا جیسا کہ عام بچوں کو چھوتا ہے " [3]

یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمہ وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نگرانی وحفاظت میں رہتے

[1] سورۃ مریم : ۱۵ [2] تفسیر مولوی نعیم الدین مرادآبادی ص۴۴۳ طبع تاج کمپنی

[3] تفسیر نور العرفان ص۴۸۷ ۔ طبع ادارہ کتب اسلامیہ گجرات ۔

ہیں ۔ نہ شیطان کا بس اُن پر چل سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا خوف انہیں لاحق ہوگا اس آیت میں یوم ولادت، یوم وفات اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا دن محض اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ یہ دن ہر انسان کے لیے انتہائی اہم ہوتے ہیں ۔ اگر ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان مل جائے تو باقی ایام میں تو بطریق اولیٰ امن و سلامتی حاصل ہو جائے گی ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا بھی مروجہ محفلِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں ۔

بریلویوں کا ایک حدیثِ پاک سے استدلال اور اسکا جواب

بریلوی حضرات عام طور پر کہتے ہیں کہ جن جن امور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف لفظوں میں نام لے کر منع نہیں فرمایا تو ایسی سب چیزیں جائز ہیں ۔ اور استدلال میں یہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں :-

ما اَحلّ فهو حلال	حلال وہ ہے جس کو اللہ نے
وما حَرّمَ فهو	حلال کر دیا اور حرام وہ ہے
حرام وما سكتَ	جس کو اللہ نے حرام کر دیا،
عنه فهو عَفوٌ ۔	اور جس سے خاموشی اختیار کی
؎۱	ہے وہ "عَفوٌ" ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث مبارک کا یہ مطلب ہرگز نہیں جو بریلوی حضرات لیتے ہیں کہ جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے صرف وہ حرام ہے باقی سب چیزیں حلال ہیں ۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

؎۱ مشکوٰۃ شریف صـ۳۶۲ ـ ابو داؤد ج دوم صـ۱۸۳

والسلام ایسے ہی فرما دیتے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چیزوں کی ۳ قسمیں کر کے حلال کو علیحدہ بیان کرنا ، حرام کو الگ ذکر کرنا اور پھر ان دونوں سے علیحدہ کر کے ان چیزوں کو ذکر کرنا جن کا صاف صاف حکم قرآن سے معلوم نہیں ہوتا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ تیسری قسم کی چیزیں نہ حلال میں شمار کی جا سکتی ہیں اور نہ حرام میں ۔ چنانچہ دوسری حدیث شریف میں اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

الامر ثلثةٌ امر	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
بيّن رشده	فرمایا کہ کام تین طرح کے ہیں ۔
فاتبعه وامر بيّن	۱ وہ کام جس کا ہدایت ہونا
غيه فاجتنبه	واضح ہے سو اس کی اتباع کرو
وامر اختلف	۲ وہ کام کہ اس کی گمراہی ظاہر
فيه فكله الى	ہو تو اس سے پرہیز کرو ۳
الله عزّ وجلّ	وہ کام جس میں اشتباہ ہو (یعنی
؎	صاف طور پر اس کا حکم قرآن
	وسنت سے معلوم نہ ہوتا ہو)
	سو اس کا معاملہ خدا تعالےٰ
	کے سپرد کر دو ۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں بیان کرتے ہیں : " پس بسپار او را بخدا و توقف کن در آن ،، ؎۲

"سو اس کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو یعنی اس میں توقف کرو"۔

؎ مشکوٰۃ شریف صـ۳۱ ، ؎۲ اشعۃ اللمعات ج اول صـ۱۲۶

فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ ایسے تمام امور میں توقف کیا جائے گا جن کا حکم واضح اور صاف طور پر قرآن وسنت سے معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام علاء الدین محمد بن علی الحصکفیؒ المتوفی ۱۰۸۸ھ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"علی ما ھو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف" یعنی وہ مسلک جسے دلائل کی نصرت وامداد حاصل ہے یہ ہے کہ تمام چیزوں میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ توقف کیا جائے تاوقتیکہ کسی دلیل سے اس کا حلال یا حرام ہونا معلوم ہو جائے۔ [۱]

درمختار حنفی فقہ کی وہ مایہ ناز کتاب ہے جس کی تعریف بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب نے بایں الفاظ کی ہے۔

"درِّ مختار سحرِ علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق ومغاربِ ارض میں فتوائے مذہبِ حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقاتِ عالیہ وتدقیقاتِ غالیہ پر ہو گیا۔" [۲]

بہرحال حدیث پاک سے اور فقہ حنفی سے ثابت ہو گیا کہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ

"ایسے تمام امور میں توقف کیا جائے گا جن کا واضح اور صاف حکم قرآن وسنت میں ہمیں نہ ملتا ہو۔"

لہٰذا بریلوی حضرات کا یہ کہنا باطل ہو گیا کہ جس کا حرام ہونا قرآن وسنت میں مذکور نہ ہو ایسی تمام چیزیں اور ایسے تمام کام حلال ہیں۔

اس اصول کے باوجود جو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں ہم کہتے ہیں کہ "میلاد

[۱] درمختار ج اول ص۲۰ ، [۲] فتاویٰ رضویہ ج سوم ص۴۰۱

کی مروجہ محفل" ان امور میں داخل نہیں ہے جن کا حکم قرآن وسنت سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے بارے میں شریعت کا وہ اصول ہے جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ

ہر وہ کام جو کارِ ثواب سمجھ کر کیا جائے اور قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو ایسا کام شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہلاتا ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ

كل بدعة ضلالة [۱] "ہر بدعت گمراہی ہے"

البتہ وہ نیا کام جو دین سمجھ کر اور کارِ ثواب سمجھ کر نہ کیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں بدعت نہیں کہلاتا گو لغوی طور سے وہ بھی ایک بدعت (نئی ایجاد) ہے لیکن محض نو ایجاد ہونا مضر نہیں ہے۔ بریلوی حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بدعت وہی مضر ہے جو دین کے کاموں میں ہو چنانچہ بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب تمباکو کو حلال قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

"رہا اس (تمباکو) کا بدعت ہونا یہ کچھ باعثِ ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امورِ دین میں"۔ [۲]

جناب احمد رضا خان صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ وہی بدعت مضر ہے جو امورِ دین میں ہو۔ اور وہ بدعت جو دنیاوی چیزوں میں ہو یعنی اس کو کوئی شخص دینی کام سمجھ کر نہ کرے تو ایسی بدعت مضر نہیں ہے ہمیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ لغوی بدعت ۲۔ شرعی بدعت

لغوی بدعت ہر وہ چیز ہے جو نئی ایجاد کی گئی ہو۔

[۱] مشکوٰۃ شریف ص۳۰ ، ابوداؤد ج ۲ ص۲۷۹ ، ترمذی ج ۲ ص۹۲ ، ابن ماجہ ص۵

[۲] احکام شریعت حصہ سوم ص۱۶۸

شرعی بدعت صرف وہ نئی ایجاد شدہ چیز ہے جسے دین اور کارِ ثواب سمجھ کر کیا جائے اور اس کا ثبوت قرآن و سنت سے نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "کہ ہر بدعت گمراہی ہے"۔ اس سے بدعتِ شرعیہ مراد ہے۔

حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ کا جواب

بریلوی حضرات کے استدلالات کی حیثیت مزید واضح کرنے کے لیے ہم حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب نقل کرتے ہیں اور زیرِ بحث مسئلہ میں وہی جواب ہم اپنے لیے مستعار لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی منکرِ تقدیر نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور اپنے عقیدہ انکارِ تقدیر پر یہ دلیل پیش کی کہ قرآن پاک کی بعض آیات سے تقدیر کی نفی ثابت ہوتی ہے اس لیے تقدیر کا عقیدہ رکھنا مسلمان ہونے کے لیے نہ ضروری ہے اور نہ ثابت بلکہ تقدیر کا انکار ہی بعض آیاتِ قرآنیہ کے موافق ہے تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اس بے بنیاد شبہ کو دُور کرنے کی غرض سے یہ ارشاد فرمایا۔

لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من
تاویله ما جهلتم وقالوا بعد ذلك كله [1]

"حضرات صحابہ و تابعین نے قرآن پاک کی یہ آیتیں بھی پڑھی ہیں جو تم پڑھتے ہو لیکن وہ ان آیتوں کی مراد کو سمجھے ہیں اور تم نہیں سمجھے۔ انہوں نے یہ تمام آیات (جن کو تم انکارِ تقدیر پہ دلیل کے طور پہ پیش کرتے ہو) پڑھنے کے باوجود تقدیر کا اقرار کیا ہے"۔

---

[1] ابو داؤد جلد دوم ص۲۷۷

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام آیات صحابہ و تابعین کے مقدس دور میں موجود تھیں اور پڑھی بھی جاتی تھیں اور وہ ان آیات کے حقیقی معانی اور تقاضے تم سے زیادہ جانتے تھے اس لیے کہ انہوں نے براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تو جب انہوں نے ان آیات و احادیث سے یہ مفہوم مراد نہیں لیا تو تمہارا ان آیات سے انکارِ تقدیر ثابت کرنا ضلالت و گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہی جواب ہم بریلوی حضرات کو پیش کرتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے جو آیات و احادیث آپ پیش کرتے ہیں وہ سارا علمی ذخیرہ صحابہ و تابعین کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب اور آپ کی رفعتِ شان و بلندیٔ مرتبت سے وہ ہم سے کہیں زیادہ واقف تھے اور عشقِ رسول کا جذبۂ فراواں اور عقیدت و محبت نبوی ہم سے بہت زیادہ ان کے سینوں میں موجزن تھی۔ اور ربیع الاوّل کا مہینہ اور اس کی بارہ تاریخ بھی ہر سال ان کے سامنے آتی تھی۔ اور اس مروجہ محفل میلاد سے کوئی مانع بھی ان کے دور میں موجود نہ تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس طرح کے میلاد کا سُراغ نہیں ملتا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ان آیات و احادیث کا وہ مطلب قطعاً نہیں ہے جو بریلوی حضرات بزور نکالنا چاہتے ہیں :-

بریلوی حضرات کی قیاس آرائی کا جواب

افسوس کہ جب بریلوی علماء مروجہ محفل میلاد کو قرآن و حدیث سے ثابت

کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر حق بات کو تسلیم کرنے کی بجائے غلط بات پر محض ملمع چڑھانے کے لیے کہتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

۱ صلوٰۃ وسلام ۲ تلاوت قرآن پاک ۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت ومعجزات وغیرہ کا بیان ۴ دعاء وغیرہ۔

اور پھر یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب مروجہ محفلِ میلاد کے یہ سب اجزاء جائز اور درست ہیں تو پھر مجموعہ بھی جائز ہو گیا۔

لیکن یہ اندازِ استدلال انتہائی غلط اور بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اپنی رائے اور قیاس سے نئی عبادات ایجاد نہیں کی جا سکتیں کیونکہ عبادات میں قیاس اور رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اتبعوا اثارنا ولا	تم ہمارے نقشِ قدم پر چلو اور
تبتدعوا فقد	نئی نئی بدعات مت ایجاد کرو
کفیتم ۱	کیونکہ دین تمہارے لیے کافی
	یعنی مکمل کر دیا گیا ہے۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:-

کل عبادۃ لم یتعبدھا	ہر وہ عبادت جو صحابۂ کرام
اصحاب رسول اللہ صلی	نے نہیں سر انجام دی وہ تم
اللہ علیہ وسلم فلا	اپنی طرف سے نہ پیدا کرو۔
تعبدوھا ۲	

۱ الاعتصام جلد اول ص۵۴ ۲ الاعتصام جلد اول ص۱۱۳

بہر حال عبادات کے معاملہ میں قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ جو عبادت جس طرح کی گئی تھی وہ عبادت بالکل اسی طرح سر انجام دینی ہو گی۔ جو عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہے وہ ادا کرنی ہو گی اور جو آپ نے ادا نہیں کی وہ عبادت بدعت ہو گی۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں دے کر ہم اس بات کو واضح کر دیتے ہیں۔

(۱) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے۔

"ویکرہ ان یتنفل	ترجمہ: "صبح صادق کے طلوع
بعد طلوع الفجر	ہونے کے بعد ۲ رکعت سنت
باکثر من رکعتی	فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز پڑھنا
الفجر لانہ علیہ	مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ حضور
السلام لم یزد	صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا انتہائی
علیہما مع حرصہ	شائق ہونے کے باوجود ۲ رکعت
علی الصلوٰۃ" ۱	سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے"۔

(۲) ولا یتنفل فی المصلی	"نماز عید سے پہلے عید گاہ
قبل صلاۃ العید	میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے
لان النبی صلی اللہ	کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم لم	نے باوجود نماز کا انتہائی شائق
یفعل ذلک مع حرصہ	ہونے کے نوافل عید سے
علی الصلوٰۃ ۲	قبل نہیں پڑھے ہیں"۔

(۳) اسی طرح رجب کے مہینہ میں ایک نماز پڑھنا لوگوں میں رائج تھا جسے

۱ ہدایہ جلد اول ص۵۳ ۲ ہدایہ ج اول ص۱۱۸

لا يضيع من حسناتكم شئ و يحكم يا امة محمد صلى الله عليه وسلم ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة بينكم متوافرون وهذا ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر ...... او مفتحي باب ضلالة له

تم پر اے امتِ محمد! کیا اتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو؟ ابھی تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود اور ابھی تک جناب رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے تم ان حالات میں بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو!

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کا جواب ان الفاظ میں منقول ہے کہ :-

" میں عبداللہ بن مسعود ہوں ۔ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا پھر تم علم میں جناب نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضہ سے بڑھ گئے ہو۔" ٢ـه

(٣) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کسی ختنے کی دعوت میں شرکت کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا ۔ جب انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا :

انا كنا لا ناتی

ہم لوگ زمانہ رسالتمآب ﷺ میں

له مسند دارمی ج ا ص ٦٨ طبع بیروت ٢ـه مجالس الابرار ص ١٦٥

الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له له

ختنوں میں نہیں جایا کرتے تھے اور نہ اس کے لیے دعوت دی جاتی تھی ۔"

ان تمام شواہد کے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں قیاس اور رائے کو کوئی دخل نہیں ۔ جہاں حضور ﷺ کا عمل ثابت ہے وہاں عمل کرنا ضروری ہے اور جہاں عمل ثابت نہیں وہاں ترکِ عمل میں حضور ﷺ کی اتباع ضروری ہے ۔ جیسا کہ ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

والمتابعة كما تكون في الفعل تكون في الترك ايضا فمن واظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع ٢ـه

" حضور کی متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترکِ فعل میں بھی ہوتی ہے ۔ تو جو شخص کسی ایسے کام پر مداومت (ہمیشگی) کرے جو حضور ﷺ نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے ۔

اکابرین و بزرگانِ دین کے واقعات سے بریلویوں کا استدلال اور اس کا جواب

جب بریلوی حضرات قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مروجہ محفل میلاد کو ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر بعض بزرگوں کے واقعات کا سہارا لیتے ہیں ۔

اس سلسلے میں یہ اصولی بات مدنظر رہنی چاہیئے کہ بزرگوں اور مشائخ کے

له مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ٢١٧ ٢ـه مرقات شرح مشکوٰۃ ج اول ص ٢١

اقوال و افعال شرعی طور پر حجت نہیں ہوتے اور نہ ان سے کوئی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے جلیل القدر خلیفہ مولانا نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے ان لوگوں سے فرمایا جو حضرت خواجہ صاحب کے کسی فعل کو بطور استدلال پیش کرتے تھے۔

”شیخ کا قول حجتِ شرعیہ (شرعی دلیل) نہیں۔ قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے“ ۱ه

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:-

”صوفیاء کرام کا عمل کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں سند اور دلیل نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم انہیں معذور قرار دے کر ملامت نہ کریں اور ان کے معاملے کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس جگہ (حلال وحرام ہونے میں سند اور دلیل کے لیے) امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول درکار ہے۔ ابوبکر شبلیؒ اور ابو الحسن نوریؒ کا عمل معتبر نہیں ہے“ ۲ه

اس اصولی جواب کے بعد عرض ہے کہ جن بزرگوں کے واقعات کا بریلوی حضرات سہارا لینا چاہتے ہیں ان میں کسی بزرگ سے بھی ماہانہ محفلِ میلاد کا ثبوت اس انداز میں نہیں ملتا جس انداز سے بریلوی حضرات التزام کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی بزرگ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مروجہ محفلِ میلاد مسجد میں کسی بزرگ نے منعقد کی ہو یا مسجد میں محفلِ میلاد منعقد کرنے کا حکم دیا ہو۔

۱ه اردو ترجمہ اخبار الاخیار صـ۱۷۹

۲ه مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ دفتر اول حصہ چہارم صـ۱۷

شاہ ولی اللہؒ کی ایک عبارت سے بریلویوں کا استدلال اور اسکا جواب

بریلوی حضرات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی استدلال کرتے ہوئے مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الحدیث الثانی والعشرون - بائیسویں حدیث

أَخْبَرَنِي سَيِّدِي الْوَالِدُ قَالَ كُنْتُ أَصْنَعُ فِي أَيَّامِ الْمَوْلِدِ طَعَامًا صِلَةً بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يُفْتَحْ لِي سَنَةً مِنَ السِّنِينَ شَيْءٌ أَصْنَعُ بِهِ طَعَامًا فَلَمْ أَجِدْ إِلَّا حِمَّصًا مَقْلِيًّا فَقَسَمْتُهُ بَيْنَ النَّاسِ فَرَأَيْتُهُ صلى الله عليه وسلم وَبَيْنَ يَدَيْهِ هٰذِهِ

میرے والد نے مجھے خبر دی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بناء پر ان کی ولادت کے ایام میں کھانا تیار کرتا تھا۔ ایک سال مجھے کچھ میسر نہ ہوا کہ کھانا تیار کر سکوں سوائے بھنے ہوئے چنوں کے تو میں نے وہی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ وہ چنے آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ خوش و خرم ہیں۔

وبامثالِ هذه المجالسِ　　اور انوارِ رحمت دونوں ملے
ورأیت یخالطہٗ انوار　　ہوئے ہیں۔
الملائکۃ انوار الرحمۃِ لہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اس عبارت سے مروجہ محفل میلاد ثابت بھی ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس عبارت ے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دت باسعادت کے روز آپ کی جائے پیدائش میں جہاں آج کل ایک بنا ہوا ہے جمع ہو گئے تھے۔ یہ جمع ہونا مروجہ محفل میلاد منعقد کرنے لیے نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مقدس و متبرک ام کی زیارت کے لیے لوگ آجا رہے تھے۔ اسی طرح ایک اتفاقیہ اجتماع وگیا اور اس مناسبت سے کہ وہ متبرک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے یدائش ہے۔ لوگ ولادت باسعادت کے واقعات کا ذکر کر رہے تھے ر درود شریف بھی ہر شخص اپنے طور پر پڑھ رہا تھا۔ اتنی بات میں کسی کا اختلاف یں ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک بہت بڑے عالم مولانا اشرف علی تھانویؒ رشاد فرماتے ہیں :-

"وہ محفل میلاد جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ۔ سب قیود سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے۔ کسی نے ان کو اہتمام کر کے نہیں بلایا کسی اور (دوسری) مباح (جائز) ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پُرنور سرورِ عالم فخرِ آدم صلی اللہ

لہ فیوض الحرمین صفحہ

علیہ وسلم کے حالات شریفہ (ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات وغیرہ) اور دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مبارکہ صحیح صحیح روایات سے بیان کیے گئے اور اثنا بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جاوے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ یا اصل اجتماع استماع وعظ و احکام (وعظ سننے کے لیے) اور اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ (ولادت باسعادت کے واقعات) و فضائل کا بیان بھی آگیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلا نکیر (بلا انکار) جائز بلکہ مستحب و سنت ہے"۔ لہ

یہ اجتماع جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت فرمائی تھی، مروجہ محفلِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا کیونکہ

(۱) دعوت دے کر اور بلا کر لوگوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔
(۲) اس میں بصورتِ اشعار کچھ نہیں پڑھا گیا۔
(۳) اس میں کسی قسم کی اسراف و فضول خرچی کا ارتکاب نہیں کیا گیا تھا۔
(۴) اس میں قیام بھی نہ تھا کہ سب لوگ کچھ دیر بعد یہ سمجھتے ہوئے کھڑے ہو گئے ہوں کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔
(۵) اس میں کھانے، پینے، شیرینی وغیرہ کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا تھا۔
(۶) محفل میلاد منعقد کرنے کے لیے لوگوں کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپ کی پیدائش کی متبرک و مقدس جگہ کی زیارت کے لیے بغیر بلائے ہوئے از خود لوگ جمع ہو گئے تھے گویا مروجہ محفل میلاد کی کوئی بات بھی اس میں نہیں پائی جاتی ہے۔ صرف دھوکہ دینے اور مغالطہ میں مبتلا

لہ اصلاح الرسوم صـ ۱۲۱

کرنے کے لیے ایسے حوالجات پیش کیے جاتے ہیں۔

بریلوی حضرات کا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت سے استدلال اور اسکا جواب

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کی عبارت کو بھی بریلوی حضرات مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے آخر میں مروجہ محفل میلاد کی بدعتوں پر جو تنقید فرمائی ہے اس کو بریلوی حضرات گول کر جاتے ہیں۔ حضرت شیخ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

" ولا یزال اھل الاسلام یحتفلون بشھر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالہ بانواع الصدقات ویظھرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم ومما جرب

ترجمہ:۔ " اور ہمیشہ ہی سے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت کے مہینہ میں محفلیں کیا کرتے ہیں اور کھانے پکاتے ہیں، اور اس ماہ کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات کرتے ہیں۔ اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور ان لوگوں پر اس عمل کی برکت سے ہر قسم کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس عمل کے مجرب خواص میں سے یہ ہے کہ وہ لوگ پورے سال امن

من خواصہ انہ امان فی ذلک العام وبشری عاجل بنیل البغیۃ والمرام فرحم اللہ امرءً اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیاداً لیکون اشد غلبۃ علی من فی قلبہ مرضٌ وعناد ولقد اطنب ابن الحاج فی المدخل فی الانکار علی من احدثہ الناس من البدع والاھواء والغناء بالآلات المحرمۃ عند عمل المولد الشریف فاللہ تعالیٰ یثیبہ علی قصدہ الجمیل ویسلک بنا سبیل السنۃ فانہ حسبنا ونعم الوکیل"[1]

میں رہتے ہیں اور حاجت روائی اور مقصود برآری کی بڑی بشارت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ایام میں خوشی کی تاکہ جس شخص کے دل میں روگ اور عناد ہے وہ اس میں اور سخت ہو جائے بیشک امام ابن الحاج نے اپنی کتاب "مدخل" میں بڑا شدید انکار کیا ہے۔ ان بدعتوں اور نفسانی خواہشوں اور حرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر جو لوگ محفل میلاد میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امام ابن الحاجؒ کو ان کے نیک ارادہ کا بدلہ دے اور ہمیں سنت کے طریقہ پر چلائے بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی اور بہترین کارساز ہے۔"

[1] ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ ص۱۰۳

چونکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۵۸ھ اور وفات ۱۰۵۲ھ کی ہے۔ اور محفل میلاد کی ابتدا ۶۰۴ھ میں ہوئی تھی جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اور اس چار، ساڑھے چار سو برس کے عرصہ میں یہ چیز کافی پھیل چکی تھی، اس لیے حضرت شیخ عبدالحق رح نے ماہ ربیع الاول کو خوشی کا ایک مہینہ اور صدقہ و خیرات اور دوسری نیکیوں میں اضافہ کرنے کا مہینہ قرار دیتے ہوئے اس سے زائد تمام باتوں کو بدعت اور ناجائز ثابت کرنے کے لیے فرمایا۔

"بیشک امام ابن الحاج رح نے اپنی کتاب "مدخل" میں ان بدعتوں نفسانی خواہشوں اور حرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر شدید انکار کیا ہے جو لوگ محفل میلاد میں کرتے ہیں"۔ ۱؎

اور اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن الحاج رح کو دعا دیتے ہوئے اور اپنے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع و پیروی کی دعا مانگتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ امام ابن الحاج کو ان کے نیک ارادہ (بدعتوں اور ناجائز چیزوں کو ختم کرنے کا ارادہ) کا بدلہ دے اور ہمیں سنت کے طریقہ پر چلائے"۔ ۲؎

یہ تمام عبارت آپ کے سامنے ہے۔ اس کے کسی لفظ سے بھی مروجہ محفل میلاد کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ لیکن بریلوی حضرات پھر بھی محض دھوکہ دہی اور مغالطہ آفرینی کے لیے ان عبارتوں کو مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ حضور

۱؎ ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۰۲   ۲؎ ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۰۲

صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت کی بنا، پر ماہ ربیع الاول میں صدقہ و خیرات کرنا اور نیکیوں میں اضافہ کرنا اور اظہار خوشی وغیرہ باتوں میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس مروجہ محفل میلاد میں ہے جس کی حقیقت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور اس میں جو جو شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو بھی قدرے تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رح کی عبارت سے استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت بھی بریلوی حضرات بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ پہلے ہم پوری عبارت مع ترجمہ ذکر کرتے ہیں پھر ثابت کریں گے کہ اس عبارت کا مروجہ محفل میلاد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ انکی اصل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اکثر محافل میلاد جو ہمارے ہاں رائج ہیں ان میں اچھی اور بری دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خیر کی باتیں مثلاً صدقہ و خیرات ذکر و درود، وسلام، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، اور بری باتوں میں سے عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا بھی ہے۔ البتہ بعض محفل میلاد ایسی بھی ہیں جن میں کوئی عیب اور شرعی خرابیاں نہیں پائی جاتی۔ لیکن ایسی محفلیں بہت کم اور نادر ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی محفلیں ممنوع اور ناجائز ہیں۔ کیونکہ شریعت کا یہ قاعدہ بڑا مشہور ہے کہ " فوائد حاصل کرنے سے نقصانات کا دور کرنا مقدم ہے"۔ لہٰذا جو شخص جانتا ہے کہ کسی

محفل میلاد میں ایک بھی شرعی خرابی پائی جاتی ہے بایں ہمہ وہ اس میں شرکت کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرنے والا اور گناہگار ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ اس شخص نے اس محفل میلاد میں خیر کے کام بھی کئے تو بھی یہ خیر اس شر کا تدارک نہیں کر سکتا جو اس میں پایا جاتا ہے ۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلائی کے نفلی کاموں میں تو بقدرِ استطاعت اور جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا ہی کام کرنے کا حکم دیا ہے ۔ لیکن اسکے برعکس برائی کی تمام قسموں اور تمام صورتوں سے مکمل بچنے کا حکم دیا ہے ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ بُرائی گو تھوڑی ہو اس کے کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور اس کے برعکس ثواب کا (نفلی) کام جتنا ہو سکے اتنا کرے ۔ اور دوسری قسم کی محفل میلاد جس میں کوئی برائی اور شرعی خرابی نہ پائی جاتی ہو بلاشبہ سنت ہے اور ان احادیث کے ذیل میں آتی ہے جو ذکر کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو قوم اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے فرشتے انکو ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور سکینہ (سکون و اطمینان وغیرہ) ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں"۔ [1]

شیخ ابن حجرؒ کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ مروجہ محفل میلاد کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ

[1] فتاوی حدیثیہ ص ۱۲۹

ذکرِ ولادت جس محفل میں ہوتا ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہے ۔

۱۔ وہ محفل جس میں ناجائز امور پائے جاتے ہیں ایسی محفل تو قطعاً ناجائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اکثر محفل میلاد اسی زمرے میں شامل ہیں کیونکہ وہ ناجائز امور پر مشتمل ہوتی ہیں۔

۲۔ وہ محفل جو ہر قسم کی بری باتوں اور ناجائز امور سے پاک ہو یہ بلاشبہ جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری قسم کی محفل وہی ہو سکتی ہے جس میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور آپؐ کے معجزات کا ذکر ہو اور اس سے زائد کچھ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اس حد تک کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے ۔

شیخ ابن حجرؒ اپنی اسی کتاب "فتاوی حدیثیہ" میں ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ۔

"بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت محفل میں کھڑے ہوتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وغیرہ نہیں آئی ہے (اس لیے یہ گناہ ہے) البتہ عوام معذور سمجھے جا سکتے ہیں کہ انہیں علم نہیں ہے لیکن اس کے برعکس خواص (یعنی جاننے والے لوگ) معذور نہیں ہیں"۔ [1]

شیخ ابن حجرؒ محفل میلاد میں کھڑے ہونے کو بدعت قرار دے رہے ہیں ۔ حالانکہ آج کل کی مروجہ محفل میلاد میں کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات نے فرض و واجب کا درجہ دے رکھا ہے ۔ جیسا کہ سابقہ مضمون میں ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں ۔

قارئین کرام آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بریلوی حضرات کس قدر حوالجات

[1] فتاوی حدیثیہ ص ۶۹

میں قطع و برید کرنے کے عادی ہیں کیونکہ اسی کتاب "فتاوی حدیثیہ" میں لکھا ہوا ہے کہ محفل میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت کھڑا ہونا بدعت اور گناہ ہے۔ لیکن بریلوی حضرات اسی کتاب سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مروجہ محفلِ میلاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا جزِ اعظم ہی "قیام" ہے۔ اس قیام کے بغیر آج کل محفل میلاد کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بریلویوں کے ان تمام حوالوں کا جواب عرض کرنے کے بعد ہم جناب کی توجہ درج ذیل امور کی طرف متوجہ کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

مساجد میں اشعار پڑھنا ممنوع ہیں

(۱) مروجہ محفل میلاد میں اشعار پڑھے جاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يُستقاد في المسجد وان يُنشد فِيهِ الاشعارُ وان تُقامَ فيه الحدودُ ۔ ؎۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر قصاص لینے اور اشعار پڑھنے اور حد (چوری زنا وغیرہ کی شرعی سزا) قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تناشد الاَشعارِ في

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر شعر پڑھنے اور خرید و فروخت کرنے اور نماز

۱؎ مشکوٰۃ شریف ص ۶۰ ؛ ابوداؤد ج دوم ص ۲۶۱

المسجد وعن البيع والاشتراء فيه وان يتحلّق النّاسُ يوم الجمعة قبل الصّلوٰة في المسجد ۔ ؎۱

جمعہ سے پہلے حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا تھا، اس لیے دوسرے خلیفۂ راشد حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی سے باہر ایک جگہ بنا دی تھی اور حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص شعر وغیرہ پڑھنا چاہے تو مسجد سے باہر اس جگہ آ کر پڑھے۔ حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وعن مالك قال بنىٰ عمرؓ رحبة في ناحيةِ المسجدِ تسمى البُطَيحاءَ وقال من كان يريد ان يلغطَ او ينشد شعرًا او يرفع صوتهٗ فليخرج الى هذه الرَّحبة ۔ ؎۲

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد (نبوی) کے کنارے ایک کھلی جگہ بنائی تھی جس کا نام "بطیحاء" تھا اور فرمایا جو شخص باتیں کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا زور سے بولنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اس کھلی جگہ "بطیحا" میں آ جائے۔ ؎۲

اس حدیث کی شرح میں ایک شافعی عالم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد سے باہر شعر پڑھنے کے لیے جگہ اس لیے بنائی تھی تاکہ مذموم (برے) اشعار لوگ مسجد میں نہ پڑھیں

۱؎ ایضاً ص ۷۰، ابوداؤد ج اول ص ۱۵۴، ترمذی ج اول ص ۴۳، ۲؎ مشکوٰۃ ص ۷۱،

لیکن گیارھویں صدی کے مجدد ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

وقول ابن حجر ای شعراً مذموماً لیس فی محلہ لانہ لایباح مطلقاً ۔ ؎

ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ اس حدیث میں شعر سے شعر مذموم مراد ہے صحیح نہیں کیونکہ شعر مذموم کا پڑھنا تو بالکل جائز نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مذموم اشعار کا پڑھنا تو سرے سے جائز ہی نہیں خواہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر اس لیے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذموم اشعار پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر جگہ بنائی تھی تاکہ لوگ وہاں جا کر مذموم اشعار پڑھ لیا کریں۔

بہرحال اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ مسجد میں ان اشعار کا پڑھنا بھی ممنوع ہے جو شریعت کے مطابق ہوں اور ان میں کوئی خلافِ شرع مضمون بھی نہ ہو۔

"ایک شبہ اور اسکا جواب"

اس موقعہ پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو مسجد نبوی میں شعر پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور ان کے حق میں دعا فرمائی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو چونکہ

؎ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور خصوصی اجازت تھی اس لیے ان کا مسجد میں شعر پڑھنا ناجائز نہ ہوگا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع و پیروی کے باعث قابلِ اجر و ثواب ہوگا لیکن دوسروں کے لیے حکم وہی ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر یہ دریافت فرمایا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا ہے کہ تم میری طرف سے کفار کو (اشعار میں) جواب دو۔ ؎

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصدیق فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی اجازت دے دی لیکن دوسرے عام لوگوں کے لیے مسجد سے باہر ایک کھلی جگہ بنائی اور فرمایا کہ جو شخص شعر پڑھنا چاہیے وہ مسجد سے باہر اس جگہ آکر پڑھے کیونکہ عام لوگوں کے لیے مسجد میں اشعار پڑھنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات انکے سامنے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی مزید ملاحظہ فرما لیا جائے آپ نے فرمایا کہ

من رأیتموہ ینشد فی المسجد شعرًا

جس شخص کو مسجد میں شعر پڑھتے ہوئے دیکھو اس کو کہو خدا

؎ ملاحظہ ہو مرقات ج دوم ص ۲۱۶

فقولوا فضَّ اللہ فاك تیرا مُنہ توڑ دے ۔ تین بار آپ
ثلاث مرّاتٍ [1] نے فرمایا ۔

خلاصۂ کلام

ہم کہتے ہیں کہ " مروجہ محفل میلاد " اگر عقائد میں سے ہوتی تو ضرور عقائد کی کتابوں ـــ شرحِ عقائد نسفی ۔ شرحِ عقائد جلالی ۔ شرحِ مواقف ، مسامرہ اور امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی کتاب " العقیدۃ الطحاویۃ "، وغیرہ میں اس کا ذکر ہوتا ۔ اور اگر مروجہ محفل میلاد کا تعلق " اعمال وعبادات " سے ہوتا تو ضرور فقہ کی کتابوں فتاوی عالمگیریہ ، فتاوی شامی ، ہدایہ ، البحر الرائق ، البدائع والصنائع وغیرہ میں اس کا ذکر ہوتا ۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ عقائد کی کتابوں میں " مروجہ محفل میلاد "، کا ذکر ہے نہ فقہ کی کتابوں میں ۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " نماز تسبیح "، " استخارہ "، " حفظ قرآن کی دعا "، وغیرہ امور کا مفصل طریقہ ذکر فرمایا اور امت کو اس طریقہ کے مطابق ان اعمال کو سرانجام دینے کا حکم دیا تو کیا وجہ ہے کہ " مروجہ محفل میلاد "، اس طریقہ اور کیفیت کے ساتھ جس طرح بریلوی حضرات کرتے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت نہیں ہے ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طریقہ اور کیفیت کا نہ ملنا صاف بتلا رہا ہے کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے ۔

---

[1] مرقاۃ ج دوم ص۲۱۶

عید میلاد النبیؐ :

۱۲ ، ربیع الاوّل کو آنحضرت سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کا " جشن عید " منایا جاتا ہے ۔ اور آج کل اسے اہل سنّت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے ۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں ۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمان ہے ۔ آپؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشم بصیرت ہے ۔ آپؐ کی ولادت، آپؐ کی صغر سنی ۔ آپؐ کا شباب ۔ آپؐ کی بعثت ، آپؐ کی دعوت، آپؐ کا جہاد ، آپؐ کی قربانی ۔ آپؐ کا ذکر وفکر ، آپؐ کی عبادت ونماز ، آپؐ کے اخلاق وشمائل ، آپؐ کی صورت وسیرت ، آپ کا زہد وتقوای ، آپؐ کا علم وخشیت آپؐ کا اٹھنا بیٹھنا ، چلنا پھرنا ، سونا جاگنا ، آپؐ کی صلح وجنگ ، خفگی وغصہ ، رحمت وشفقت ، تبسم ومسکراہٹ ، الغرض آپؐ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت وسکون اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ اور اکسیرِ ہدایت ہے ، اور اس کا سیکھنا سکھانا ، اس کا مذاکرہ کرنا ، دعوت دینا امّت کا فرض ہے ۔ صلّی اللہ علیہ وسلم ۔

اسی طرح آپؐ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے ۔ آپؐ کے احباب واصحاب ، ازواج واولاد ، خدام وعمّال ، آپؐ کا لباس وپوشاک آپؐ کے ہتھیاروں ، آپؐ کے گھوڑوں ، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے کیوں کہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپؐ کی نسبت کا تذکرہ ہے ۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔

(۲) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ کے دو حصّے ہیں ۔ ایک ولادت شریفہ

سے لیکر قبل از نبوّت تک کا ۔ اور دوسرا بعثت سے لیکر وصال شریف تک کا پہلے حصّہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیاتِ طیّبہ کا دوسرا حصّہ ـــــ جسے قرآن کریم نے امّت کے لئے "اسوۂ حسنہ" فرمایا ہے ـــــ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث و سیرت کی شکل میں محفوظ ہے ۔ اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپؐ باہمہ خوبی وزیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں ، اور آپؐ کے جمال جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے ۔ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس اُمّت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے ۔ اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے ؟ ـــــ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو ـــــ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے ، اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفاء کرتا ہوں ۔

(۳) آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں ۔ ایک یہ کہ آپؐ کی سیرتِ طیّبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپؐ کے ہر اُمّتی کی صورت و سیرت ، چال ڈھال ، رفتار و گفتار ، اخلاق و کردار آپؐ کی سیرت کا مرقع بن جائے ۔ اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا غلام ہے ـــــ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقعہ ملے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے ۔ آپؐ کے فضائل و کمالات اور آپؐ کے بابرکت اعمال و اخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے ۔ اور آپؐ کی زندگی کے ہر نقشِ قدم

پر مرٹنے کی کوشش کی جائے ۔ سلف صالحین صحابہ وتابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے ۔ وہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی ایک ایک سنّت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل ومجلس میں آپؐ کی سیرتِ طیّبہ کا تذکرہ کرتے تھے ۔ آپؐ نے سیّدنا عمر فاروق رضی اللّٰہ عنہٗ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے آیا ۔ واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا : برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے ۔ اور یہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی سنّت کے خلاف ہے ـــ ان کے صاحبزادے سیّدنا عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما کو آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی سیرت طیّبہ کے اپنانے کا اسقدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے اپنے سفرِ حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے" جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے ۔ اور جہاں آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فطری ضرورت کے لئے اُترے تھے ، خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اترتے ، اور جس طرح آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بیٹھے تھے اسکی نقل اتارتے ـــــ رضی اللّٰہ عنہٗ یہی عاشقانِ رسول تھے (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) جن کے دم قدم سے آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی سیرت طیّبہ صرف اوراق وکتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی ۔ اور اس کی بوئے عنبریں نے مشام عالَم کو معطّر کیا ۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظام رہ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے ۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے ، مگر ان کی شکل وصورت اخلاق و کردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھکر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدیؐ کے غلام بے دام بن گئے ۔ یہ سیرتِ نبوی کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا ۔ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ۔

(۴) سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کئے ، اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں ۔ اس لئے کہ وہاں "ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات" کا قصہ

تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی "سیرت النبی" کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا۔ اور جب ان کا ہر قول و عمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آ سکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دَور سے بُعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکّہ چلنے لگا ——— الحمد للہ یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گذرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو و کاکل سنوارتے ہیں، اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنّت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ ایسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو بار سیرت النبی کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ قرض انھوں نے پورا ادا کر دیا، اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے۔ مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انھوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے۔ اور روز مرہ نہیں بلکہ ہر لمحہ اسکی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنّتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذّیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوّالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

⑤ میلاد کی محفلوں کے وجود سے اُمت کی چھ صدیاں خالی گذرتی ہیں اور ان چھ

صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ مسلمانوں نے کبھی "سیرت النبی" کے نام سے کوئی جلسہ یا "میلاد" کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ "محفلِ میلاد" کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید منظفر اور ابو الخطاب ابن دحیہ نے کیا۔ جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

① بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ کا تعیّن۔

② علماء و صلحاء کا اجتماع۔

③ اور ختم محفل پر اطعام طعام کے ذریعہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحِ پُر فتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذّاب لکھا ہے۔ اور بعض نے عادل و ثقہ۔ واللہ اعلم۔

——— جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کی بحث چلی۔ علامہ فاکہانی رح اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بناء پر اس میں شرکت سے عذر کیا، اور اسے "بدعتِ سیئہ" قرار دیا۔ اور دیگر ——— علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی۔ اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف "علماء و صلحاء کے اجتماع" تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختۂ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلّی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

⑥ سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں۔ آج وہ "اسلام کا شعار" کہلاتا ہے۔ اس شعارِ اسلام کو زندہ کرنے والے "عاشقانِ رسول" کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس نو ایجاد شعارِ اسلام سے نا آشنا ہوں ان کو ———

شمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط
کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس
خود تراشیدہ شعارِ اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟
کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنانِ رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہوتا
کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوگیا تھا۔ اس کے بعد وہ کونسا
پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنا دیا جس سے چھ
صدیوں کے مسلمان ناآشنا تھے۔؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے
کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ
کر ڈالو؟

(۷) دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی
برسی منانے کا معمول ہے، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ ولادت
پر "عید میلاد" منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم
کر دیا تھا، اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے
وہ اسلام کی دعوت اور اسکی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام
اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب
اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائد
حقہ، اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے "انسان سازی" کا کام کرتا ہے۔
اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جن کے
بارے میں کہا گیا ہے ع "جگمگاتے در و دیوار دل بے نور ہیں"
دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں
برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرہ طوبیٰ ہے، جس کا پھل اور سایہ
دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں "اکلہا دائم و ظلہا"

کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہونِ منّت نہیں بلکہ
آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہونگی جن کی سالگرہ مناکر وہ
فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں
ایسی قدآور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے
آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گرد راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش
سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے۔ جو انسانیت کے ہیرو ہیں، اور جن میں سے ایک ایک
کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرامؑ کے بعد صحابہ کرامؓ کا قافلہ
ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں
اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رُشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے۔ اور
جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام
شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس امت کو سال بھر
میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟ ———
چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس
کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہو
گا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی
جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالمِ اسلام کو روند ڈالا،
ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا
تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالمِ اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا
سا احساسِ کہتری پیدا ہوا، اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے
مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے "یومِ ولادت" کا جشن منانے لگی، یہ قوم کے

کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ امّت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لیکر آج تک علمائے امّت نے اسے "بدعت" قرار دیا، اور اُسے "ہر بدعت گمراہی ہے" کے زمرے میں شمار کیا۔

(۸) اگرچہ "میلاد" کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی، اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے "عید" کا نام دیتا۔ کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ "میری قبر کو "عید" نہ بنانا"۔ اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ "عید" بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو "عید میلاد النبیؐ"، کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہو گا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کے لئے "عید"، کے دو دن مقرر کئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یومِ ولادت کو بھی "عید" کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خود ہی اس کو "عید" قرار دے سکتے تھے، اور اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپؐ نہ سہی، آپؐ کے خلفائے راشدینؓ ہی آپؐ کے یومِ ولادت کو "عید"، کہکر "جشن عید میلاد النبیؐ"، کی طرح ڈالتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو "عید" کہنے میں غلطی پر ہیں۔ یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یومِ ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرامؓ خصوصًا خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپؐ سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے ——— ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بعض ۸ ربیع الاول، اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو ہوئی ——— گویا ہم نے "جشنِ عید" کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے، اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ "جشنِ عید" آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادتِ طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہو گا۔

بہر حال میں اس دن کو "عید" کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے۔ اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خودرائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

(۹) اور پھر یہ "عید" جس طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں۔ موضوع اور منگھڑت قصے کہانیاں، جن کا حدیث و سیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں۔ بیان کی جاتی ہیں، شور و شغب ہوتا ہے۔ نمازیں غارت ہوتی ہیں، اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے، کاش! آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نام پر جو "بدعت" ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپؐ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان خرافاتی محفلوں میں بنفسِ نفیس تشریف بھی لاتے ہیں ——— فیاغربتہ الاسلام!

(۱۰) اب میں اس "عید میلاد النبی" کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں، کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی میں "عید میلاد النبی" کے موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بناکر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

اور "بیت اللہ" کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں ـــــ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے۔ فیا اسفاہ!

"جشنِ عید میلاد" کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اوّل، اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاری رحؒ کے حوالے سے سُن چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچئے! جو مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد اِس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہو گا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی کپڑا مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں اجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جا سکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی ـــــــــ

کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے، دین کے بارے میں کیا تاثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "اخوان الشیاطین" فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

ع "ببوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست"

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقعہ پر تعزیہ، علم، دُلدُل وغیرہ نکالا کرتے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ حسینؓ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔ انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دُلدُل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

تیسرے، اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آجاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضۂ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس و برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضۂ شریف اور بیت اللہ

شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ دینا کیا ان کی توہین نہیں ؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی ماہر کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے، لیکن آج روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے، جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں۔ اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد "بدعت" کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضۂ اطہر کی شبیہ پر درود وسلام پیش کیا جاتا ہے۔ اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے ـــــ گویا مسلمانوں کو حج وعمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے، اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے۔ اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعا و تضرع، گریہ وزاری اور توبہ و استغفار میں گذارتے ـــــ اس رسم کا نام "تعریف" یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا ـــــ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار

کی توفیق ہو جایا کرتی۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی، اور فرمایا:

التعریف لیس بشئٍ۔ یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے

شیخ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

"چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔" (ص ۱۷۶ ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ "میری قبر کو عید نہ بنا لینا" اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اور انھیں حج کی طرح عید اور موسم بنا لیا تھا۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمہ اللہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف، کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء و اولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں۔" (بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ)

اور بحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ۔ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ "جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔ اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔"
(الجنۃ لاہل السنۃ ص)

ان تصریحات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روضۂ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بناکر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں

اسکی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ "جشنِ عید میلاد" کے نام پر جو خرافات رائج کر دی گئی ہیں۔ اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے ــــ یہ اسلام کی دعوت۔ اسکی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئداد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپؐ پر کیا گذرتی ہوگی؟ اور اگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہر حال میں اس کو نہ صرف "بدعت" بلکہ "تحریف فی الدین" تصور کرتا ہوں۔ اور اس بحث کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحؒ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مُرشد خواجہ باقی باللہ رحؒ کے بارے میں فرمایا ہے:

"بہ نظر انصاف بہ بینند کہ اگر فرضاً حضرت ایشان دریں زمان در دنیا زندہ می بودند۔ وایں مجلس واجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند، وایں اجتماع را پسندیدند یا نہ، یقینِ فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنیٰ را تجویز نمی فرمودند۔ مقصود فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند ہیچ مضائقہ نیست وگنجائش مشاجرہ نہ۔"

ترجمہ: انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ اگر بالفرض حضرت ایشان اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا آیا آپ اس پر راضی ہوتے، اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے ــــ فقیر کا مقصود صرف امرِ حق کا اظہار ہے۔ قبول کریں یا نہ کریں کوئی پرواہ نہیں۔ اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔ (دفتر اول مکتوب ۲۷۳)

مسئلہ ایصالِ ثوابؒ

فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں سہ ماہی، برسی وغیرہ

ایصالِ ثواب:

(۱) ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کوئی نیک عمل کریں اور وہ حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے تو اس پر جو ثواب آپ کو ملنے والا تھا آپ یہ نیت یا دعا کر لیں کہ اس عمل کا ثواب فلاں زندہ یا مرحوم کو عطا کر دیا جائے۔ ایصالِ ثواب کی یہ حقیقت معلوم ہونے سے آپ کو تین مسئلے معلوم ہو جائیں گے۔

ایک یہ کہ ایصالِ ثواب کسی ایسے عمل کا کیا جا سکتا ہے جس پر آپ کو خود ثواب ملنے کی توقع ہو، ورنہ اگر آپ ہی کو اس کا ثواب نہ ملے تو آپ دوسرے کو کیا بخشیں گے؟ پس جو عمل کہ خلافِ شرع اور خلافِ سنت کیا جائے وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ اور ایسے عمل کے ذریعہ ثواب بخشنا خوش فہمی ہے۔

دوم: یہ کہ ایصالِ ثواب زندہ اور مردہ دونوں کو ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب اپنے والدین کو یا پیر و مرشد کو ان کی زندگی میں بخش سکتے ہیں، اور ان کی وفات کے بعد بھی ــــ عام رواج مُردوں کو ایصالِ ثواب کا اس وجہ سے ہے کہ زندہ آدمی کے اپنے اعمال کا سلسلہ جاری ہے جب کہ مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کے سوا آدمی کے ــــ اپنے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے مرحوم کو ایصالِ ثواب کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ یوں بھی زندوں کی طرف سے مُردوں کے لئے کوئی تحفہ اگر ہو سکتا ہے تو ایصالِ ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں مردے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو اور لوگوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ اسی طرح مرنے والا اپنے ماں باپ بہن بھائی اور دوست احباب کی طرف سے دعاء کا منتظر رہتا ہے۔ اور جب وہ دعا اس کو پہونچتی ہے تو اسے دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ زمین والوں (یعنی زندوں) کی دعاؤں کی بدولت اہل قبور کو پہاڑوں برابر رحمت عطا فرماتے ہیں۔ اور مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ استغفار ہے ——— (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص۲۰۶)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں تو وہ عرض کرتا ہے یا الٰہی! مجھے یہ درجہ کیسے ملا؟ ارشاد ہوتا ہے، "تیرے لئے تیرے بیٹے کے استغفار کی بدولت" (رواہ احمد، مشکوٰۃ ص۲۰۶)

امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ زندہ لوگ کھانے پینے کے جتنے محتاج ہیں مُردے دعاء کے اس سے بڑھ کر محتاج ہیں۔ (شرح صدور سیوطیؒ ص۱۲۷)

بہرحال ہمارے وہ بزرگ، احباب اور عزیز و اقارب جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان کی مدد و اعانت کی یہی صورت ہے کہ ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے یہی ان کی خدمت میں ہماری طرف سے تحفہ ہے۔ اور یہی ہمارے تعلق و محبت کا تقاضا ہے۔

سوم: تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس عمل کا ثواب کسی کو بخشنا منظور ہو یا تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کی نیت کر لی جائے یا عمل کرنے کے بعد دعاء کر لی جائے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس عمل کو قبول فرما کر اس کا ثواب فلاں صاحب کو عطا فرمائیں۔

(۲) میت کو ثواب صرف نفلی عبادات کا بخشا جا سکتا ہے، فرائض کا ثواب کسی دوسرے کو بخشنا صحیح نہیں۔

(۳) جمہور امت کے نزدیک ہر نفلی عبادت کا ثواب بخشنا صحیح ہے۔ مثلاً دعا و استغفار، ذکر و تسبیح، درود شریف، تلاوتِ قرآن مجید، نفلی نماز و روزہ، صدقہ و خیرات، حج و قربانی وغیرہ۔

(۴) یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ایصالِ ثواب کے لئے جو چیز صدقہ و خیرات کی جائے وہ بعینہٖ میت کو پہونچتی ہے۔ نہیں، بلکہ صدقہ و خیرات کا جو ثواب آپ کو ملنا تھا ایصالِ ثواب کی صورت میں وہی ثواب میت کو ملتا ہے۔

تیجہ، دسواں وغیرہ

علماء اہل سنت نے تیجا، ساتواں، نواں، چالیسواں کرنے کی رسم کو بدعت کہا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفرالسعادت میں لکھتے ہیں:

عادت نبوی نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند، و قرآن خوانند و ختمات خوانند، نہ بر سر گور و نہ غیر آں۔ و ایں مجموعہ بدعت است و مکروہ۔ نعم تعزیت اہل میت و تسلیہ و صبر فرمودن سنت و مستحب است، امّا ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام (ص۲۷۳)

عادت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تھی کہ میت کے لئے وقتِ نماز کے علاوہ جمع ہوں۔ اور قرآن خوانی کریں۔ اور ختم پڑھیں، نہ قبر پر اور نہ کسی دوسری جگہ —— یہ ساری چیزیں بدعت اور مکروہ ہیں۔ ہاں اہل میت کی تعزیت کرنا، ان کو تسلی دلانا اور صبر کی تلقین کرنا سنت و مستحب ہے لیکن یہ تیسرے دن کا خاص اجتماع اور دوسرے تکلفات۔ اور مردہ کا مال جو یتیموں کا حق بن چکا ہے۔ بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں جو "رسم قل" کی جاتی ہے۔ برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ختم پڑھا جاتا ہے۔ اور دیگر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ یہ رسمیں خلافِ شریعت اور بدعت ہیں۔ اپنی اپنی جگہ ذکر و تسبیح، تلاوت، درود شریف اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ میت کو ایصالِ ثواب جتنا چاہے کرے، اور میت کو ثواب بخشے، یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے، لیکن میت کے گھر جمع ہونا، اور اس کے مال سے کھانا تیار کرا کر خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا شریعت کے خلاف ہے ———

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند و حرام ساختہ اند۔ (مالابد منہ صفحہ ۱۶۰)

میرے مرنے کے بعد دنیوی رسمیں، جیسے دسواں، بیسواں، ششماہی اور برسی، کچھ نہ کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کو جائز نہیں رکھا۔ بلکہ حرام قرار دیا ہے۔

علامہ شامیؒ فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ویکرہ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت، لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت و

اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ ہے، اس لئے یہ تو خوشی کے موقعہ پر مشروع ہے نہ کہ غمی کے موقعہ پر ——— امام احمد اور ابن ماجہ حضرت جریر بن عبد اللہ صحابیؓ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ ہم میت کے گھر جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے

صنعھم الطعام من النیاحۃ (رد المحتار صفحہ ۲۴۱ ج ۲)

کو نوحہ میں سے شمار کرتے تھے

نیز علامہ شامی فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مکروہ ہے کھانا تیار کرنا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد، اور تہوار کے موقعہ پر قبر کی طرف کھانا لے جانا۔ اور قرأتِ قرآن کے لئے دعوت کا اہتمام کرنا، اور ختم کے لئے یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص کی قراءت کے لئے بزرگوں اور قاریوں کو جمع کرنا حاصل یہ کہ قرأتِ قرآن کے وقت کھانا کھلانا مکروہ ہے"

آگے چل کر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"ہمارے اور شافعیہ کے مذہب میں یہ افعال مکروہ (تحریمی) ہیں خصوصاً جب کہ وارثوں میں نابالغ یا غیر حاضر لوگ بھی ہوں۔ قطع نظر ان بہت سے منکرات کے، جو اس موقعہ پر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً بہت سی شمعیں اور قندیلیں جلانا، ڈھول بجانا، خوش الحانی کے ساتھ گیت گانا، عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا جمع ہونا۔ ختم اور قرأتِ قرآن کی اُجرت لینا، وغیر ذٰلک، جن کا ان زمانوں میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور ایسی چیز کے حرام اور باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں" (حوالۂ مذکورہ)

باب چہارم

میت کے گھر سے کھانا

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ کسی گھر میں جب میت ہو جائے تو وہ صبح سویرے گاؤں کے میراثی کو اطلاع دے گا اور وہ گاؤں سے بڑے بڑے دیگ لائیں گے جس میں کئی من چاول اور مونگ آ سکتا ہو۔ تو وہ جلدی جلدی پکانے کا انتظام شروع کرتا ہے، اور ادھر گھر میں گندم کی روٹی کافی مقدار میں پکاتے ہیں اور ترکاری گوشت اور سالن وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہیں اور جب تمام لوگ مردہ کی تدفین وغیرہ کے انتظام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آواز دے گا۔

تعالوا الی الارز۔ چاول تیار ہے آجاؤ۔ کوئی مہمان نہ جائیں۔ تو تمام مہمان اور گاؤں والے میت کے گھر آتے ہیں کوئی چاول ترکاری کوئی پلاؤ گوشت کوئی روٹی یخنی وغیرہ کھا کر پھر چلے جاتے ہیں۔ اور گاؤں کی عورتیں اور باہر دیہاتوں کی عورتیں بھی میت کے گھر میں کھانا کھاتی ہیں۔

بہرحال کھانے سے تمام حضرات فارغ ہو کر کچھ تبصرہ شروع کرتے ہیں بعض کہیں گے بہت بہترین صدقہ کیا اور بہت اچھا پلاؤ تھا۔۔۔ اور بعض کہیں گے فلاں خبیث کو دیکھو جب صدقہ نہیں کر سکتا ہے تو کیوں کرتے ہیں گھی خراب گوشت خراب اور فلاں فلاں چیز خراب تھی۔ تو گھر والا جیسا کہ اپنے مردے کیلئے پریشان ہوتا ہے ایسا ہی اسقاط اور روٹی اور دیگر اخراجات اور رسومات کے لئے پریشان ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر غریب ہو گھر میں کچھ نہ ہو تو یہ ضرور ہی کسی شخص سے قرضہ لے گا تاکہ اس رسم و رواج کو پورا کرے اور بدنامی کے دھبے سے

بچ جائے۔ اگر کوئی عالم دین اس رسم و رواج کی تردید کرے، اگر وہ امام مسجد ہے تو اس مسجد میں اس کے لئے اللہ اکبر کہنا دشوار ہے۔ کیونکہ جن حضرات کے پاس فتووں کی مشینری ہے وہاں سے وہابی کی گولی بنا کر اس کے سر کو اس کا نشانہ بنا کر مارتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اسے لازمی طور پر مسجد سے نکلنا پڑ جاتا ہے۔

اگر وہ عالم دین تردید کے لئے تیار نہ ہو تو پھر خوف خدا پیش نظر ہے کہ رب العالمین کے سامنے قیامت کے دن حاضر ہو کر کیا جواب دے گا۔ اسی نظریہ کے پیش نظر میں تردید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پوچھ لیں کہ تم نے ان غلط بدعات کو دیکھتے ہوئے کیوں نہ رد کیا، اور خاموش رہے ہو۔ اس طرح اگر امام مسجد نہ ہو تو اس پر جب وہاں سے فتویٰ وہابی کا آجائے تو اس کو اپنے گاؤں کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے سخت نفرت کرتے ہیں اور ان کی نظر میں مرتد ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی سچ فرمایا ہے۔

یأتی علی الناس زمان الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر (الترمذی ص ۵۲)

لوگوں پر ایک وقت آئے گا جس میں دین پر صبر کرنے والا انگارے کو پکڑنے والے کی طرح ہوگا۔

حقیقت میں یہی وقت آج موجود ہے جس سے آج کل ہمیں سابقہ پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میّت کے گھر سے اوّل سوم روز روٹی کھانا

(احادیث کی روشنی میں)

چونکہ باب سوم میں مفصل گذر چکا ہے کہ دین کامل ہے اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دین میں کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جو نیکی کا کام ہو انہوں نے نہ کیا ہو۔ یا کیا ہو لیکن ہم سے پوشیدہ رکھا ہو۔

لہٰذا جب ہم احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو گھر والوں سے روٹی کھانا تو درکنار بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میّت کے گھر والوں کو روٹی کھلانے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام علی بن عمر الدارقطنی متوفی سنہ ۳۸۵ھ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں

لما جاء نعی جعفر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فانہ قد اتاھم ما یشغلھم او امر یشغلھم[1]	جب حضرت جعفرؓ کی موت کی خبر پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جعفرؓ کے گھر والوں کیلئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جس نے ان کو مشغول کیا ہے یا (یہ فرمایا ہے) ایسا امر آیا ہے جس نے انکو مشغول کیا ہے۔ (کھانا پکانے سے)

اور حضرت الامام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ھ[2] اور حضرت الامام سلیمان بن الاشعث متوفی سنہ ۲۷۵ھ[3] اور حضرت الامام البیہقی متوفی سنہ ۴۵۸ھ[4] اور حضرت الامام

---

[1] سنن الدارقطنی ص ۷۹ ج ۲ [2] الترمذی ص ۱۱۹ ج ۱ [3] ابوداؤد ص ۱۶۴ ج ۳ مع شرح عون المعبود، دہرانسخہ ص ۹۱ ج ۲ ، [4] السنن الکبریٰ ص ۶۱ ج ۴

النووی متوفی سنہ ۶۷۶ھ[1] اور حضرت الامام الحافظ ابن العربی متوفی سنہ ۵۴۳ھ[2] وغیرہ محدثین حضرات نے اس حدیث کو نقل کیا ہے تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس گھر میں میّت ہو جائے ان کے لئے کھانا کھلانے کا انتظام چاہیئے۔ کیونکہ ان کے گھر میں مصیبت آئی ہے اور وہ مردہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوں گے تو جب احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین یہ ہے کہ گھر والوں کو روٹی کھلائیں اور ہمارا طرز عمل اور طرز زندگی یہ ہو کہ میّت والے کے گھر سے روٹی کھائیں تو یہ ظاہر ہے کہ ہمارا طرز عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کے مخالف ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر اس فعل کو ہم کار خیر اور کار ثواب سمجھیں تو یہ دین پر الزام ہوگا کہ دین ناقص ہے یہ نیکی کا کام تھا اس میں رہ گیا تھا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آئے گا کہ یہ نیکی کا کام اس نے ہم سے پوشیدہ رکھا تھا دونوں خلاف شریعت اور دونوں باتیں کفر صریح۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ میت کے گھر والوں سے روٹی کھانا ناجائز ہے اور نیکی کا کام نہیں۔ اس لئے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

کنا نعد الاجتماع الی اھل البیت وصنیعۃ الطعام من النیاحۃ[3]	کہ ہم (صحابہ کرامؓ) میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ (جیسے حرام) سمجھتے تھے۔

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ (میت پر چیخ مار کر رونا) جیسے حرام سمجھتے تھے اور ہمارے لوگ اس کھانے کو ولیمہ (شادی) کی

---

[1] المجموع شرح المہذب ص ۳۱۷ ج ۵ ، [2] عارضۃ الاحوذی ص ۲۱۹ ج ۴ ۔ [3] علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھئے المجموع شرح المہذب ص ۳۲۰ ج ۵

روٹی کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ اور حلال کرنا بھی ایک حکم شرعی ہے۔ اس کے لئے دلیل شرعی چاہیئے۔ اور دلیل شرعی تو نہیں تو اس کے یہی دو مطلب ہو سکتے ہیں یا تو یہ چیز حلال تھی لیکن صحابہ کرامؓ نے ہم کو نہیں بتائی یا یہ چیز حرام تھی لیکن ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔ ایک میں تو صحابہ کرامؓ پر الزام آتا ہے دوسرے میں مستقل طور پر تشریع کا دعوی کرنا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز حلال ہو وہ حرام نہیں ہو سکتی اور جو حرام ہو وہ حلال نہیں ہو سکتی۔ حلال کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا دونوں ناجائز اور حرام لہٰذا میت کے گھر سے روٹی انہی دنوں میں کھانا بھی ناجائز اور حرام، اور تو نہ بن جا پیٹ کا غلام۔

میّت کے گھر سے روٹی کھانا

فقہاء اور محدثین کی نظر میں

حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب ابن البزاز الحنفی متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا وانہا شرعت للسرور ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل مکروہ[1]

حرام ہے (میّت کے گھر سے) مہمانی کرنا اور کھانا تین دن کیونکہ یہ (چیزیں) خوشی کے وقت ہوتی ہیں نہ کہ غمی کے دن اور حرام ہے مہمانی کرنا پہلے دن تیسرے دن اور ہفتہ کے دن اور عیدوں کے موقع پر اور موسم میں قبر کو طعام لے جانا حرام ہے اور قرآن کے پڑھنے کے واسطے دعوت دینا حرام۔ اور ختم کلام پاک یا سورۃ انعام اور سورۃ اخلاص پڑھنے کے لئے صلحاء اور قاریوں کو جمع کرنا حرام ہے۔ حاصل یہ ہے کہ طعام تیار کرنا کھانے کی خاطر قرآن پڑھنے کے وقت حرام ہے۔

---

[1] فتاوی بزازیہ ط۸ہ برحاشیہ عالمگیری۔

فقیہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید ابن الہمام الحنفی متوفی ۸۶۱ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ قبیحۃ [1]

میت کے گھر سے کھانا تیار کرنا حرام ہے کیونکہ کھانا کھلانا (مہمان کو) تو خوشی کے موقع پر پڑتا ہے نہ کہ غم اور مصیبت میں اور یہ قبیح بدعت ہے۔

اور علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ

میت کے گھر والوں سے مہمانی کی روٹی کھانا حرام ہے کیونکہ یہ خوشی کے موقع میں ہوتی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ قبیح بدعت ہے۔

پھر حدیث حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلیل میں پیش کر کے عبارت فتاوی بزازیہ کے بعد فرماتے ہیں:

ولا سیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالبا من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی توجد فی الافراح ... واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرۃ علی الذکر وقراءۃ القرآن وغیر ذلک مما ہو مشاہد فی ہذہ الازمان

خاص کر جب ورثاء چھوٹے بچے ہوں یا کوئی وارث غائب ہو علاوہ ان منکرات سے جو اس وقت میں ہوتی ہیں جیسا کہ چراغ اور لالٹینیں (موجودہ گیس یا بجلی رنگا رنگ کی) جلانا کہ خوشیوں میں بھی اتنے نہیں ہوتے اور مرد اور عورتوں کو جمع ہونا اور ذکر اور قرآن پڑھنے پر اجرت لینا یا اس کی مانند دیگر چیزیں جو اس زمانہ میں چشم دید ہیں اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں اور اسکے

[1] فتح القدیر صفحہ ۱۰۲ ج ۲

وماکان ذلک فلا شک فی حرمتہ وبطلان الوصیۃ بہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم [1]

وصیت کرنا باطل ہے۔ لا حول الخ) ان چیزوں سے خلاصی بغیر رب کی طاقت کے سوا ممکن نہیں۔

المحدث الامام النووی متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

واما اصلاح اہل المیت طعاما وجمع الناس علیہ فلم ینقل فیہ شیء وہو بدعۃ غیر مستحبۃ ہذا کلام الشامل ویستدل بحدیث جریر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ [2]

میت کے گھر والے جو کھانا تیار کرتے ہیں اور لوگ ان کے لئے جمع ہوتے ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں اور یہ بدعت ہے کار ثواب نہیں یہ شامل نے بیان کیا ہے اور دلیل میں حضرت جریر بن عبد اللہ رض کی حدیث پیش کرتے ہیں جو پہلے گذر چکی ہے)

تو ان معتبر فقہاء اور محدثین حضرات نے تصریحات فرمائی ہیں کہ جو مہمان نزدیک سے نزدیک گاؤں سے آئے ہیں یا اپنے گاؤں والے مہمان بن رہے ہیں ان کو روٹی کھانا میت کے گھر حرام ہے۔ کیونکہ مہمانوں کو تو روٹی اور کھانا جو کھلاتے ہیں تو شادیوں اور دیگر خوشیوں کے اوقات میں اور یہ وقت ان کے غم کا ہے تو اس لئے چاہیئے کہ ان کے لئے کھانا تیار کریں نہ کہ ان سے کھائیں۔

جیسا کہ شیخ الاسلام ابو الحسن علی بن الحسین متوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں۔

[1] رد المحتار ص ۶۰۳/۱۔ دیکھئے مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۹۲/۱ اور مجالس الابرار ص ۳۳۴ مجلس ۵۵
[2] فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۱۶۷/۲۔ فتاوی عالمگیری ص ۱۶۷/۱، المجموع شرح المہذب ص ۳۲۰/۵، بذل المجہود شرح ابی داؤد مولانا خلیل احمد متوفی ۱۳۴۶ھ ص ۹۹/۱۴ کہ یہ طریقہ قبیح بدعت ہے۔ اسمیں تفصیل دیکھیں جو قابل دید ہے۔

ویستحب ان یجعل شیئا من الطعام لاولیاء المیت ویبعث الیھم لانھم قد شغلوا عن ذلک [1]

مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کو کھانا تیار کر کے بھیجدیں کیونکہ وہ کھانا تیار کرنے کے دھندوں سے غافل ہیں (بوجہ مرگ کے)

اور اسمٰعیل بن یحیی المزنیؒ [2] اپنے استاد مجتہد امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔

قال الشافعی واحب لقرابۃ المیت وجیرانہ ان یعملوا لاھل المیت فی یومھم ولیلتھم طعاما یسعھم فانہ سنۃ وفعل الخیر [2]

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کے رشتہ داروں اور ہمسایوں کو مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کو اتنا کھانا بھیجدیں کہ ان کے لئے پیٹ بھر دن رات کے لئے کافی ہو اور یہ سنت ہے اور بھلائی اور نیکی کا کام ہے۔

اور حافظ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں کہ

سنت طریقہ یہی ہے کہ جس دن ان کے گھر میں میت ہوگئی ہے تو ان کیلئے کھانے کا انتظام کریں کیونکہ یہ غم اور مصیبت کی وجہ سے کھانے تیار کرنے سے غافل ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے تو چاہیئے کہ ان کے لئے اس دن کھانے کا انتظام کریں [3]

علامہ ابن نجیمؒ حنفی متوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں کہ

تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے میں مضائقہ نہیں۔ لیکن اس شرط پر کہ ممنوع اور ناجائز چیزوں کا ارتکاب اس میں نہ ہو۔ اور ممنوع اور ناجائز بتاتے ہیں - فرماتے ہیں۔

۱؎ النتف فی الفتاوی ص ۱۳۱/۱ ، ۲؎ مختصر المزنی ص ۳۹

۳؎ عارضۃ الاحوذی ص ۲۱۹/۴

من فروش البسط والاطعمۃ من اھل البیت لانھا تتخذ عند السرور ولا بأس بان یتخذ لاھل البیت طعام [1]

چٹائی اور قالین بچھانا اور روٹی کھانا میت کے گھر والوں سے کیونکہ یہ چیزیں خوشی کے وقت ہوتی ہیں اور میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے میں مضائقہ نہیں۔

خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرما رہے ہیں اور محدثین اور فقہاء میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کو سنت سمجھتے ہیں اور صحابہ کرامؓ میت کے گھر والوں سے کھانا کھانے کو نوحہ کی مانند حرام سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء اور محدثین بھی میت کے گھر والوں سے کھانے کو حرام سمجھتے ہیں اور ہمارے ملک میں اس فعل کو کار ثواب سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی اور نیچری اور مخالف دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔ ابھی خود ہی فیصلہ کریں کہ

حق پر ان دونوں میں سے کون ہے ایک شخص اس کامل دین کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے جانی اور مالی قربانیاں دے کر تمام عالم میں پھیلایا تھا بیان کر رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد کے بے سروپا اقوال و اعمال عوام کے سامنے نہ صرف یہ کہ بیان کر رہا ہے بلکہ عوام پر فرض سا لازم قرار دیتا ہے۔ تو کیا دوسرا شخص جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تمام محدثین و فقہاء کے اقوال کے مخالف بھی ہے تو یہ گمراہ اور دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف نہیں ہوگا اور پہلا شخص جو دینی سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کا طرز عمل پیش

۱؎ بحر الرائق ص ۲۰۷/۲

کر رہا ہے وہ گمراہ ہوگا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اور پھر تعزیت میں جو حالات ہیں کہ قالین بچھا کر اور سرہانے لگا کر لوگ آتے ہیں اور پندرہ بیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، اور روٹی پلاؤ، گوشت کھلاتے ہیں۔ اور بعض لوگ یخنی اور بعض روٹی ترکاری اور بعض دودھ کی چائے اور بعض قہوہ چائے کے مطالبے کر رہے ہیں۔

اور دو تین مرتبہ چائے پیتے ہیں اور پھر بعض جگہوں میں جب ان سے فارغ ہوتے ہیں پھر سگریٹ اور حقہ سے دھواں نکال دیتے ہیں۔ اور دور دراز کی باتیں ہو رہی ہیں یا کوئی کیا بات کرے گا کوئی کیا بات کرے گا۔ اور میت کے گھر والے ایک دوڑ گھر کی طرف لگائے گا تاکہ یخنی، ترکاری، چاول اور روٹی وغیرہ کم نہ ہو جائے اور دوسری طرف مہمانوں کی جانب دوڑے گا تاکہ مہمان ناراض نہ ہو جائیں۔

کیا کوئی عالم دین بشرطیکہ خوفِ خدا رکھتا ہو اس فعل کو بھی جائز سمجھے گا یا بطور حیلہ صدقہ یا اور کوئی بناوٹی دلیل بنا کر۔ اور حقیقت یہی ہے کہ جب کوئی عالم دین اس فعل کو دیکھے گا تو اس کا دل غم سے لبریز ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا ایک مسلسل تانتا بندھ جائے گا کہ ان سادہ لوح مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، اور نہایت بے جگری سے ان غریبوں اور مسکینوں کے مال کو لوٹا جا رہا ہے۔ اور جو ان کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ظاہر کرے انہیں بدنام کر کے کئی قسم کے الزامات لگا کر دہابی، پنج پیری کہہ کر لوگوں کو متنفر کر رہے ہیں علاوہ ازیں ان پر حقیقت پنہاں ہی رہے اور کسی طرح سے بھی عوام کو حق کی خبر تک نہ لگے۔ اسی طرح ان کا مال کھاتے رہیں۔ قاتلھم اللہ انی یؤفکون

ضروری تنبیہ

ہم نے بفضلہ تعالیٰ یہ ثابت کر دیا ہے کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء رح سے واضح کر دیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ موجودہ دور میں جو رواج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض، ائمہ مجتہدین اور تمام فقہائے کرام کے طرز عمل کے بالکل خلاف ہے۔

لیکن یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جو حضرات لکیر کے فقیر ہیں وہ اس طرز عمل کے لئے کیا دلیل پیش کرتے ہیں یا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ویسے ہی کئے جا رہے ہیں۔ تو یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ ان کے پاس دلیل شرعی میں سے کوئی ثبوت نہیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں اور نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رض کا طرز عمل ایسا بتا سکتے ہیں اور نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کا قول بتا سکتے ہیں ہاں البتہ اتنا تو ضرور ہے کہ ایک شخص نے الحمد للہ کی بجائے الجمد للہ (جیم کے ساتھ) پڑھا تو کسی نے دریافت کیا کہ بھائی صاحب یہ الحمد للہ ہے حاء کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ بھائی میرے پاس تو یہ جیم کے ساتھ ہے۔ تو وہاں مکھی نے نیچے داغ لگایا تھا بس وہی مکھی کا داغ ان کے پاس ہے۔ وہ یہ ہے کہ

علامہ ولی الدین تبریزی صاحب مشکوۃ متوفی سنہ نے ایک حدیث بیان کی ہے، جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ۔

عاصم اپنے باپ کلیب سے روایت کرتا ہے اور وہ ایک انصاری سے

روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔

فلما رجع استقبله داعی امرأته — جب وہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو کسی عورت کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے آیا

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مع صحابہ کرامؓ) تشریف لائے اور طعام حاضر کیا اور صحابہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھے کہ آپؐ ہی ابتدا کریں تب ہم ابتدا کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ اٹھایا تو فرمایا کہ مجھے ایسے معلوم ہوا کہ بکری کا گوشت بلا اجازت لیا گیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان قیدیوں کو کھلا دو۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہ کھایا......

چونکہ اس حدیث میں امرأته ذکر ہے تو امرأة.. کا معنیٰ عورت ہے اور جو اس کے ساتھ ھا ضمیر ہے۔ یہ کس طرف راجع ہے۔ یعنی کس کی بیوی تھی تو حضرت ملا علی القاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے فرمایا۔ ای امرأة المیت یعنی میت کی بیوی۔ گویا کہ ملا علی قاریؒ نے ضمیر کی تعیین فرمائی۔ لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ میت کے گھر سے اول روز کھانا جائز ہے۔

جواب: اس سے استدلال کرنا بچند وجوہ باطل اور مردود ہے۔

اول صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے ابوداؤد سے اور فرمایا ہے رواہ ابوداؤد لہٰذا اصلی ماخذ مشکوٰۃ کا ابوداؤد ہے وہاں امرأة کا ذکر ہے اور ھا کا ضمیر نہیں [1]

---

[1] ابوداؤد مع شرح عون المعبود ص ۲۴۹/۳

اور یہ کاتب سے غلطی ہو گئی ہے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دعوت کے لئے کسی شخص کی بیوی نے قاصد بھیجا۔ اور ملا علی قاریؒ کی تشریح اسی ضمیر پر موقوف تھی جب ضمیر ہی غلط تو تشریح ہی غلط۔ تو اس سے دعویٰ کیسا ثابت ہو گا۔

دوم: حضرت امام ابوبکر البیہقیؒ متوفی ۴۵۸ھ نے اسی عاصم بن کلیب کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ جس میں صاف تصریح موجود ہے۔ کہ یہ کسی دیگر شخص کی بیوی تھی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

قال صنعت امرأة من المسلمین من قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما فدعته واصحابه [1] — کہ قریش کے مسلمانوں کی ایک عورت نے طعام پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دعوت دی تھی۔

اگر میت کی بیوی ہوتی صنعت امرأة المیت کیوں نہ فرماتے۔ لہٰذا جیسا کہ امام بیہقیؒ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ھا کی ضمیر غلط ہے، اسی طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔

سوم: حاکم ابوعبداللہ متوفی ۴۰۵ھ نے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابه مروا بامرأة فذبحت لهم شاة واتخذت لهم طعاما فلما رجع قالت یارسول اللہ انا اتخذنا لکم طعاما الخ [2] — (حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک عورت کے پاس سے گذرے تو اس نے بکری ذبح کر کے ان کیلئے طعام بنایا جب آپؐ واپس تشریف لا رہے تھے تو عورت نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے طعام کا انتظام کیا ہے الخ

---

[1] السنن الکبریٰ ص ۹۷/۶ ، [2] المستدرک ص ۲۳۵/۴

تو اس حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ راستہ سے گزر رہے تھے کہ عورت نے جب دیکھا تو کھانے کا انتظام کیا ... واپسی میں ان کو دعوت دی۔

تو اس سے بھی جیسا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ھا کی ضمیر حدیث میں نہیں تو اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔ کیونکہ یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کے گھر سے کھانے کو نوحہ کی طرح حرام سمجھتے تھے، اگر یہ میت کی بیوی ہوتی تو پھر یہ اس کے چشم دید واقعات تھے پھر یہ تو ممکن نہیں کہ ایسے کہتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی بیوی سے دعوت قبول کر لیتے تو اس فعل کو صحابہؓ سنت ہی سمجھ لیتے پھر تو تمام زندگی میں کبھی کوئی صحابی تو اس سنت کو بجا لاتے حالانکہ کسی صحابی سے اس کا ثبوت نہیں۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔

چہارم : عاصم کی روایت میں صرف رجل کا ذکر ہے معلوم نہیں کہ کون تھا کون نہیں اور دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کر لیں پھر بھی دوسری روایت کو ترجیح ہوگی۔

پنجم : اگر بالفرض ہم نے یہ بھی تسلیم کیا جیسا کہ لکیر کے فقیر کہتے ہیں پھر بھی ان کے لئے استدلال اس حدیث سے صحیح نہیں کیونکہ - یہ طعام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے نہیں کھایا - بلکہ جیل میں جو کفار قیدی تھے انہیں بھیجا[1]۔

تو ان حضرات کو چاہیئے کہ ابھی کوئی حدیث پیش کریں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ نے میت کی بیوی کے گھر سے اول سوم وغیرہ خصوصی دنوں میں ایک مرتبہ روٹی کھائی ہو

هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين -

---

[1] دیکھئے المحلی ص ۴۱۶ ، السنن الکبریٰ ص ۹۷/۶ - المستدرک ص ۳۵/۴

ششم : حضرت الامام المجتہد نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے اسی عاصم بن کلیب کی روایت نقل کی ہے جس میں لفظ امرأة کی جگہ رجل ہے جیسا کہ فرماتے ہیں

ابو حنيفة عن عاصم بن كليب عن ابيه عن رجل من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قال صنع رجل من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم طعاما للنبى صلى الله عليه وسلم[1]

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ عاصم سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طعام کا انتظام کیا تھا۔

تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانے کا انتظام فرمایا تھا لیکن واپسی کی صورت میں شاید وہ شخص گھر میں نہ ہوں گے تو اس کی بیوی نے ایک قاصد بھیجا ہوگا کہ آج ہماری دعوت ہے۔ اور دعوت میں یہ ماجرا پیش آیا کہ بکری بلا اجازت مالک ذبح کی گئی تھی۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر والوں نے عذر بیان کیا کہ ہم نے ایک آدمی بکری خریدنے کے لئے بھیجا لیکن وہاں نہ ملی پھر لونڈی کے پاس بھیجا وہاں بھی نہ ملی پھر ایک عورت کو خبر بھیجی اس نے یہ بھیج دی۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے دوسری میں دیگر کیفیت ہے۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو معمولی شبہات سے بھی اجتناب فرماتے تھے اس لئے آپ نے یہ کھانا نہ کھایا اور قیدیوں کو بھیجا۔ تو لکیر کے فقیر حضرات تو اگر امام ابو حنیفہؒ کی روایت کی طرف نظر کریں تو شاید پھر یہ حدیث استدلال میں پیش ہی نہ کریں کیونکہ اس میں امرأة کا لفظ نہیں بلکہ رجل کا ہے۔ تو سارا مسئلہ حل ہو گیا لیکن عشق تو بری بلا ہے۔

---

[1] جامع مسانید الامام الاعظم ص ۶۹/۲

جو پیٹ کا عاشق ہو۔ وہ کہاں حق بات تسلیم کرتا ہے۔

ہفتم : تعجب کی بات ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۰ھ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ امام الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، امام ابن العربی ۵۴۳ھ، امام نووی متوفی ۶۷۶ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مسنونہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کو کھانا کھلائیں۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع صحابہ کرامؓ میت کے گھر والوں سے کھانے کو نوحہ کی طرح حرام جانتے ہیں۔

اور محدث امام نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ اور فقیہ محمد بن شہاب ابن البزاز صاحب فتاوی بزازیہ متوفی ۸۲۷ھ اور فقیہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر متوفی ۸۶۱ھ اور فقیہ ابن نجیم صاحب البحر متوفی ۹۷۰ھ اور فقیہ ابن عابدین صاحب ردالمحتار متوفی ۱۲۵۲ھ میت کے گھر والوں سے کھانے کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ صرف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ سے مرقات شرح مشکوٰۃ میں غلطی ہوگئی ہے کہ مطلق عورت سے میت کی عورت بنادی تو متبدعین کے لئے یہ نص قطعی بن گئی (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرات یہ حقیقت تھی جو میں نے تمہارے سامنے واضح کردی کہ ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں اور قیامت تک نہیں لاسکتے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)۔ باقی ماننا اور نہ ماننا یہ ہر ایک شخص کی اپنی مرضی پر موقوف ہے، جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت کے دن ملنا ہے وہاں حساب کتاب ہوگا۔ تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ ان مضبوط اور وزنی دلائل کو دیکھ کر خود بخود مطمئن ہوجائے گا اور خواہ مخواہ غریب اور مسکینوں کے مالوں کو نہیں لوٹے گا۔ کیونکہ ان غریبوں کا نقصان بھی ہوتا ہے اور ثواب سے بھی عاری اور محروم رہ جاتے ہیں تو خسر الدنیا والآخرۃ۔ البتہ چند دن کے بعد جتنی طاقت ہو صدقہ کرلیں اور ثواب بھی ملے گا اور میت کو بھی

فائدہ پہنچے گا۔

اور جو شخص ضد اور عناد پر کمر بستہ ہو تو ان کو حق بات ماننے سے کیا تعلق وہ تو اپنی ضد کو پورا کرنا جانتا ہے خواہ اسلام سے دور ہی کیوں نہ نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور تعصب سے محفوظ رکھے۔ آمین

محمدؐ نے فرمایا صحابہؓ کو ۔۔۔ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ[1]
کیونکہ وہ ہیں مشغول ! ۔۔۔ کھانے کے انتظام سے از حادثہ امر[2]
اگر تم امتی ہو عمل کرو اے فہیم! ۔۔۔ اس کے قول پر جو ہے خیر البشر
ورنہ کیا کہو گے محشر کے دن میں ۔۔۔ جب کہا جائے ماجاءکم نذیرمن[3] کمثل
تم کہو گے اس وقت بلیٰ[4] ۔۔۔ لیکن فائدہ نہیں ہوگا از صدق خبر
دلائل تمہارے سامنے ہیں موجود ! ۔۔۔ ذرا خوف کر از عذاب قبر!
مال لٹانے والوں کی بات نہ ماننا ۔۔۔ ورنہ ارمان کرو گے یوم حشر
نہ بن جا پیٹ کا غلام ! ۔۔۔ سن لیں میری طرف سے سچی خبر
جب قیامت جاکر خود کہو گے ! ۔۔۔ لقد اضلنی الشیطن عن الذکر[5]
لوکنا نسمع او نعقل کہے گا[6] ۔۔۔ نجات نہیں دے گا از اصحٰب السعر
آج ہی سے توبہ کر نادان نہ بن جا ! ! ۔۔۔ اس میں ہے کفر کا خطر

---

[1] جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو

[2] ان کو حادثہ موت پیش آیا ہے جس نے ان کو کھانے کے انتظام سے روک رکھا ہے۔

[3] قیامت میں فرشتے کہیں گے کیا تم کو (تمہارے پاس) ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

[4] قیامت کے دن کہے گا کیوں نہیں بلکہ آیا تھا لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں نازل کی ہے۔ پھر ان کو جواب ملے گا کہ تم تو بڑی گمراہی میں مبتلا تھے۔

[5] شیطان کم بخت نے مجھ کو نصیحت کے بعد بہکا دیا [6] کاش کہ ہم سنتے یا سمجھتے اھ۔

کھانے پر ختم

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا دیتے ہیں اسپر میاںجی سے کچھ پڑھواتے ہیں۔ اور اس کو بعض لوگ "فاتحہ شریف" اور بعض "ختم شریف" کہتے ہیں۔ بادی النظر میں یہ عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اور لوگ اس کے اسی ظاہری حُسن کے عاشق ہیں، مگر اس میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

اوّل: آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور سلفِ صالحین میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے بلاشبہ یہ طریقہ خلافِ سنّت ہے اور آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحؒ کے حوالے سے سُن چکے ہیں کہ جو چیز خلافِ سنت ہو وہ مذموم اور قابلِ ترک ہے اگر شریعت کی نظر میں یہ طریقہ مستحسن ہوتا تو سلفِ صالحین اس سے محروم نہ رہتے۔

دوم: عام لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے میّت کو ثواب نہیں پہنچتا، بہت سے لوگوں سے آپ نے یہ فقرہ سنا ہوگا "مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود"، یہ خیال ایک سنگین غلطی ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسول کے مقابلے میں گویا نئی شریعت بنانا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ ایصالِ ثواب کا نہیں بتایا، اور نہ سلفِ صالحین نے اس پر عمل کیا، اب دیکھئے کہ جو حضرات یہ فقرہ دہراتے ہیں "مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" اس کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے ۔۔۔ پس یہ کیسی دینداری ہے کہ ایک نئی بدعت گھڑ کر ایسے فقرے چست کئے جائیں جن کی زد میں سلفِ صالحین آتے ہوں، اور ان اکابر کے حق میں ایسے ناروا الفاظ استعمال کئے جائیں۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ، آپ کی سنّت اور شریعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہلِ سنّت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو

بے ادبی تصوّر کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحؒ کے فتاویٰ میں ہے:

"**سوال:** کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید بر طعام خواند چہ حکم است؟ شخصے میگوید کہ کلام اللہ بر طعام آنچناں است کہ کسے در جائے ضرور بخواند۔ نعوذ باللہ منہا ـــــ **جواب:** بایں طور گفتن روا نیست بلکہ سوءِ ادبی است، اگر ایں چنیں گفت کہ در ہمچوں اینجا خواندن سوءِ ادبی است مضائقہ ندارد۔ وایں ہم وقتے است کہ بطریق وعظ و پند نہ خواند، واما بطور وعظ و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در ہر جا روا است، بلکہ برائے ردّ بدعت گاہ واجب می شود۔" (فتاوٰی عزیزی ص۹۲)

ترجمہ: **سوال:** کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ پر پڑھے۔ نعوذ باللہ۔

جواب: ایسا کہنا روا نہیں بلکہ بے ادبی ہے، ہاں اگر یوں کہے کہ "اسی طرح کھانے پر قرآن پڑھنا بھی بے ادبی ہے" تو مضائقہ نہیں۔ اور یہ بے ادبی بھی اس وقت ہے جب کہ بطور وعظ و نصیحت نہ پڑھے، لیکن وعظ و نصیحت کے طور پر اور شرک و بدعت سے منع کرنے کے لئے پڑھنا ہر جگہ درست ہے۔ بلکہ ردِّ بدعت کے لئے بسا اوقات واجب ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید پڑھنا ایک طرح سے بے ادبی ہے۔

چہارم: میاںجی کو بلا کر جو کھانے پر ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ میاںجی اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں۔ اور گھر والے اپنے کھانے کے بدلے میں میاںجی سے ختم پڑھوا لیتے ہیں۔ اگر میاںجی ختم نہ پڑھے تو وہ کھانے سے محروم رہتا ہے اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو میاںجی ختم کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، گویا میاںجی کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسری کا معاوضہ

بن جاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم معاوضہ لیکر پڑھا جائے تو ثواب پڑھنے والے کو بھی نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضے کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لئے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا. مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہرا ثواب بھی جاتا رہا ——————

پنجم : میں نے بعض جگہ دیکھا ہے کہ جب تک کھانے پر ختم نہ دلایا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی. بعض اوقات اگر میانجی صاحب کی تشریف آوری میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بلبلاتے رہیں —— حالانکہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ثواب تو اس کھانے کا ملے گا جو کسی غریب محتاج کو خدا واسطے دیدیا گیا، پھر آخر اس پابندی کی کیا وجہ ہے کہ جب تک ختم نہ پڑھ لیا جائے کھانا بچوں تک کے لئے ممنوع قرار پائے.

ششم : دراصل تیجا، ساتواں، دسویں، گیارہویں، اور ختم کا رواج ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندو معاشرے سے منتقل ہوا، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان (اور اب پاک و ہند) کے علاوہ دوسرے کسی ملک میں ان رسموں کا رواج نہیں، ہندؤں کے ایصال ثواب کا طریقہ اور اس کی خاص خاص تاریخوں کو ہمارے مشہور سیاح البیرونی نے "کتاب الہند" میں بہت تفصیل سے لکھا ہے. اور مولانا عبید اللہ نو مسلم نے، جو پہلے ہندوؤں کے پنڈت تھے، بعد میں حق تعالیٰ نے ان کو نورِ ایمان نصیب فرمایا، "تحفۃ الہند" میں بھی ہندوانہ ایصال ثواب کے طریقوں کی نشاندہی کی ہے. وہ لکھتے ہیں:

"برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں دن، اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرہواں دن، اور دیش یعنی بنیے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں یا سولھواں دن اور شودر یعنی بالدھی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن ہے —— ازانجملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے، یعنی مرنے کے چھ مہینے بعد —— ازاں جملہ برسی کا دن ہے، اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں —— ازاں جملہ

اسوج کے مہینے کے نصف اوّل میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے، اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اوّل اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے تو وہ ان کی زبان میں "ابھشرمن" کہلاتا ہے، اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں." (ص۹۱ - بحوالہ راہِ سنّت)

ان چند در چند قباحتوں کی بناء پر میں کھانا سامنے رکھکر قرآن کریم کی آیات کا ختم پڑھنے کو ایک بے کار رسم سمجھتا ہوں، اور اسے ایصال ثواب کا اسلامی طریقہ سمجھنے اور اسکی پابندی کرنے کو "بدعت" سمجھتا ہوں —— تاہم ختم پڑھنے سے کھانا حرام نہیں ہوجاتا، اور نہ اس کو شرک کہنا صحیح ہے. البتہ "بدعت" کہنا چاہیئے. میں ایصالِ ثواب کا سنّت طریقہ اوپر عرض کر چکا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے:

الف : اپنے مرحوم بزرگوں اور عزیزوں کے لئے دعاء واستغفار کی پابندی کی جائے.

ب : جتنی ہمّت ہو درود شریف، تلاوتِ قرآن مجید، کلمہ شریف اور تسبیحات پڑھ کر ان کو ایصال ثواب کیا جائے. اگر ہر مسلمان روزانہ تین مرتبہ درود شریف، سورۂ فاتحہ، سورہ اخلاص پڑھ کر بخشدیا کرے تو مرحومین کا جو حق ہمارے ذمہ ہے کسی درجے میں وہ ادا ہو سکے.

ج : نفلی نماز، روزہ، حج، قربانی سے بھی حسب توفیق ایصال ثواب کیا جائے.

د : صدقہ وخیرات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے. مگر اس کے لئے نہ کوئی وقت مقرر کیا جائے. نہ کھانا پکانے ہی کا اہتمام کیا جائے. نہ میانجی کی ضرورت سمجھی جائے. بلکہ وقتاً فوقتاً جب بھی توفیق ہو روپیہ، پیسہ، غلّہ کپڑا، یا جو چیز بھی میسّر ہو مرحومین کی طرف سے راہِ خدا میں صدقہ کر دی جائے. یہ ہے ایصالِ ثواب کا وہ طریقہ جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں بتایا ہے اور جس پر ہمارے اکابر اہل سنّت سلف صالحین عمل پیرا رہے ہیں.

○

(۱۱)

گیارہویں شریف

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلے کی عملی صورت کیا ہے اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے. اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں. گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پر بسنے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پر دیا جائے گا —— اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص سمجھ میں دی جانے والی گیارہویں نہیں. اس میں عامۃ الناس کے عمل و دخل کو دیکھا جائے گا. جو مسئلہ عام طور پر رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیئے نہ چند خواص کا جو ظاہر طور پر اس کی حدود و ممنوعہ کا کسی درجے میں سدباب کر دیتے ہیں.

علماء کو چاہیئے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں. اپنی فقہی موشگافیوں سے عوام کو بدعات میں نہ لے جائیں. عوام کے مبلغ علم ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ و عمل کو سامنے رکھیں. علماء کرام اپنی مقتدار حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق انہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں. محض اپنے فائدے یا آئے دن کچے پکائے کھانے ملنے کی سہولت میں اپنی اور اپنے مقتدیوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی چھوٹی غلطی نہیں ہے [illegible] سے آخرت میں [illegible] کے بارے میں کوئی سوال نہ ہو. سہ

تو ادھر ادھر کی بات نہ کر — تو بتا لٹا کہاں قافلہ
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں — تری راہبری کا سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر عملی صورت حال اور عرفی پیرایہ عمل ہی [illegible] امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہو گی. اس کی شرعی

حیثیت چوتھے درجہ میں زیر بحث آنی چاہیئے. بلکہ ان چاروں سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیئے.

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ اُمور پر ترتیب سے گفتگو کریں گے. واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ. اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں منبر پہ آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات لپٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف کرنا اور اسے (گیارہویں شریف کو) ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور ظلم بالائے ظلم ہے.

گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) چھٹی صدی میں ہوتے ہیں. ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں) حضرت سرکار بغداد کے نام ایصالِ ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی. اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی. اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے. دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدۃ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا —— اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی کے نصف اوّل تک اہل السنۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی.

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پر کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے.

بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن وحدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اُٹھتے ہیں لیجئے گیارہویں ثابت ہوگئی. مولانا محمد عمر اچھروی قرآن کی اس آیت سے گیارہویں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا. مولانا عبدالغفور ہزاروی والفجر ولیالٍ عشر (قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی) سے گیارہ کا مجموعہ بناتے تھے.

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پہ اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہویں قرآن کریم سے ثابت ہوئی یا نہ؛ حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا نہ ہوئے تھے. نہ کسی نے ان دنوں ان آیات پہ گیارہویں شریف کا عمل کیا تھا —— پھر جب یہ حدیث سے اپنا مسئلہ ثابت کرنے پہ آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ کے دس صحابہؓ کو ملا کر گیارہویں ثابت کرتے ہیں.

گیارہویں تو گیارہ کا نام نہیں نہ یہ گیارہ کے مجموعے کا نام ہے. گیارہواں یا گیارہویں ایک تاریخ کا نام ہے. یہ گیارہ دنوں یا گیارہ راتوں یا گیارہ افراد کا نام نہیں. جس طرح دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں ایک ایک فرد کا نام ہے. گیارہواں یا گیارہویں ایک عدد ہے اور وہ عدد ترتیبی ہے. حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں نے سجدہ کیا تھا. (ایک) گیارہویں ستارے نے نہیں والفجر ولیالٍ عشر میں بھی دس راتوں کا ذکر ہے دسویں ایک رات کا نہیں عشرہ مبشرہ بھی دس اصحاب تھے ایک نہیں کہ اس کی وجہ سے چاند کی گیارہ تاریخ کو متبرک بنا دیا جائے.

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارہویں چلی کہاں سے ہے اور ہندوستان میں انگریز کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا —— ہم تو اس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئے. مگر افسوس کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے بھی اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں

کوئی مستند حوالہ ہمیں نہیں دکھا سکے.

ہندوستان میں محدثین دہلی (حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) کے خلاف اُٹھنے والے پہلے بزرگ مولانا فضل رسول بدایونی ہیں. آپ اپنے ہم ذوق احباب و تلامذہ کو جمع کرکے ایک مجلس کیا کرتے تھے جس میں وہ ان محدثین دہلی کے خلاف دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے اس کے لیے آپ کو روزانہ گیارہ روپے ملتے تھے. مؤرخ اسلام جناب محمد یعقوب قادری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولے نے خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو آخر اس جستجو پہ بارادہ ریاست گوالیار گھر سے قصد سفر کیا.[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

> حکام وقت نے قدردانی اور مرتبہ شناسی کے دست طلب بڑھانا شروع کر دیے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے مانگنا چاہا.[2]

اس وقت اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ سرکاری کام کیا تھے؛ اس وقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں کے نواب محی الدولہ نے ان کی راہ معاش قائم کرا دی. جناب یعقوب قادری صاحب آپ کی سرکاری خدمات کی یہ تنخواہ بیان کرتے تھے.

> اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی تعداد سرکاری سکہ سے دو سو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوئی.[3]

یہ گیارہ روپے روزانہ صرف مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۲۱ھ) کے ہاں ہی متبرک نہ تھے. مولانا احمد رضا خاں بھی گیارہ روپے کے اس تبرک کے قائل تھے. آپ نے جب مولانا کچھوچھوی کو اپنے

---

[1] اکمل التاریخ جلد ۲ صہ ۳۸ [2] اکمل التاریخ جلد ۲ صہ ۱۵ [3] ایضاً

ہاں افتاء کے لیے بُلایا تو آپ نے اسی رقم سے نیک فال لی۔ مولانا کچھوچھوی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

مجھے کارِ افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھے بٹھا کر۔ ؎۱

اپنے پلنگ پر کیوں بٹھایا؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی تو نواب رامپور نے اپنے خاص پلنگ پر بٹھایا تھا۔ رامپور کے نواب کلب علی خاں شیعہ حلقوں میں اس پہلو سے بہت معروف تھے۔

انہیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کرلی ہو۔ جب حضرت (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور بہت لطف وکرم سے باتیں کرتے رہے۔ ؎۲

نواب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص پلنگ پر لے جانا اور لطف ومحبت ں باتیں کرنا یہ اس وقت زیرِ بحث نہیں دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے بتبرک وزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا فضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد رضا خاں نے بھی اس عدد متبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہویں کی لس ہوگیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی عملداری میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں ے مخالف حلقوں میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگِ عظیم اوّل انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس یزوں کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف مکہ کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیوبند کی

؎۱ سالہ ضیائے حرم ۸۳ ماہ اوّل ص۱۵ ؎۲ المیزان امام احمد رضا نمبر ص۳۳۲

ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں ظاہر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھا کہ بریلوی مولوی گیارہویں شریف کے عنوان سے بریلوی حمایت کی صفیں بچھا رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں محفل دیوانگان مشہور کر دیا اور اب تک یہ محفل دیوانگانِ جرمنی میں بڑے احترام سے منائی جاتی ہے۔

نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۸ نومبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ۱۱ نومبر کی یہ خبر ص۳ پر اس عنوان سے شائع کی :-

پاگلوں کی عید لیکن مذاق اُڑانا منع ہے

واشنگٹن (انٹرنیشنل ڈیسک) جرمنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی گئی۔ تقریب کے شرکاء کو اختیار تھا کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جو جی میں آئے کر گزریں۔ شرکاء نے عجیب وغریب لباس پہن رکھے تھے اور انٹ شنٹ حرکتیں کر رہے تھے۔ میلے میں شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنا اور مذاق اُڑانا منع تھا۔

نوائے وقت نے اپنی ۲۴ نومبر کی اشاعت میں سرراہے میں یہ بھی لکھا ہے :-

جرمنی میں ہر سال گیارہویں مہینے یعنی نومبر کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ امسال بھی گیارہ نومبر کو پاگل عید کا تہوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکاء کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جیسا لباس چاہیں پہنیں اور جیسی حرکتیں چاہیں کریں چنانچہ لوگ عجیب وغریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے جنہیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا مشکل تھا ......

جرمنی میں تو یہ عید سال کے بعد منائی جاتی ہے مگر پاکستان میں ہر ماہ یہ سلسلہ چلتا ہے جرمنی میں پاگلوں

کی اس عید میں دیگوں کی کوئی چہل پہل نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں اس میں منہ کا مزا بدلنے کا پورا سامان ہوتا ہے۔ نوائے وقت کے سپورٹس ایڈیشن میں اس خبر کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے۔

> ہمارے ہاں بھی اس قسم کے میلے منعقد ہوتے رہتے ہیں بلکہ جرمنی کے برعکس ہمارے ہاں سال بھر پاگل میلے کا سا سماں جاری رہتا ہے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ہم کبھی ایک آدھ روز سنجیدگی سے کام لیتے ہیں

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ گیارہویں شریف پر جمع ہونے والے لکھنؤ کے یہ بانکے سب ہوشمند بزرگ ہیں یا یہ واقعی اپنے فکری اور علمی حواس کھو چکے ہیں۔ ہمیں اس کی تاریخ اس سے پہلے کی نہیں ملتی۔ جب انگریزی سرکار کی طرف سے اس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو گیارہ روپے یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔

یاد رکھیے گیارہویں شریف کی اس رسم یا پاگلوں کی اس عید کا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے بدعات کی آلائش کے بغیر جو کارِ خیر سرانجام پائیں اس کا تقدس پاگلوں کی ان محفلوں سے ہرگز مجروح نہیں ہوتا۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ان کے کھانے پینے کے سامان اور خوشبو سے مہکتی دیگیں ہی تو وہ سامان جذب ہے جس پہ ہر طرف سے جہلا کھچے چلے آتے ہیں

جرمنوں کو ایک طرف رکھئے صرف مسلمانوں کو لیجئے ان کے عوام جس حسنِ عقیدت سے ان دیگوں اور حلووں کے جلووں پہ ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے نکلنے کی راہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن زبوں حالی ان عوام کی قابلِ رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں مبادا گیارہویں والے پیر صاحب ہماری بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کر دیں۔

مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پہ کتابی حوالے کی بات نہیں چلتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوئے۔ اس اہلیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں بیٹھیں گے سو اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ وہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں نہیں دیتا اسے وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گویا گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیروی کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہلِ علم غور فرمائیں۔ کیا یہ نذر لغیر اللہ نہ ہوئی؟ کیا ان جاہلوں کا یہ عقیدہ نہ ٹھہرا کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہماری بھینس مر جائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ تو ضرور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہے ہیں۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوث اعظم کا
تحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا[1]

اس عقیدے سے کہ حضرت پوری دنیا میں متصرف الامور ہیں بلائیں وارد کرنا اور ٹالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایصالِ ثواب کا عمل نہیں رہ جاتا۔

[1] ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۳ء

حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک عاجزانہ صدا ہے۔

اب یہ مسئلہ تو فقہاء سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز ہے؟ اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں:۔

والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لا تکون للمخلوق۔[1]

ترجمہ۔ اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں۔

اور آگے جا کر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ واعتقاده ذلك كفر۔[2]

ترجمہ۔ اگر اس نے گمان کیا کہ مرحوم بزرگ دنیوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا۔

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

ان کا حکم جہاں میں نافذ   قبضہ کل رکھاتے یہ ہیں
قادر کل کے نائب اکبر   کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں[3]

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے، ان کا تصرف بدوں اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ چل ہی نہیں سکتے۔ یہ اعتقاد و تصرف ہی ہے جو انہیں خانقاہوں اور مقبروں پر جمع کئے رکھتا ہے۔

؎ ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر[1]

[1] رد المحتار جلد ۲ ص ۱۳۱ [2] ایضاً [3] حدائق بخشش حصہ ۳ ص ۵۲

اب اگر ماہنامہ رضائے مصطفےٰ نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

؎ فحکمی نافذ فی کل حالٍ سے ہوا نافذ
تصرف انس و جان سب پر ہے آقا غوث اعظم کا

اس عربی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے:۔

سو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے تصرف کو روک سکے۔

عوام حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس طرح مدبر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر لغیر اللہ ہے جو شرک کی سرحد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ گیارہ بجے ختم دلائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر گیارہ قسم کے کھانے بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر زیب دسترخواں ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ کے تصور میں اتنے کھو چکے ہیں کہ بسا اوقات ان کے علماء بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ آ جاتے ہیں۔ جب تک کھانا سامنے نہ لا کر رکھیں۔ ختم خواں کا گلا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہو رہی تھی۔ اب بریلوی خواص کی بات سن لیں انہیں اپنے ان اعمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔

مولانا ابو البرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی نے اپنے والد کی زندگی میں گیارہویں کے بارے میں اعلان کیا تھا:۔

نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں[۱]. جو شخص حضور غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے.[۲]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

۱. دن معین کرنا بھی ہمارے ہاں ضروری نہیں، ۲. کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے. ۳. غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کرکے ثواب پہنچایا جائے ۴. یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے.[۳]

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے متبرک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں. کیا وہ سب کی سب بیکار نہ ہو گئیں.

ہاں مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے. یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی مولانا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے. یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی صریح بے ادبی نہیں. کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیئے اور یہی سنت ہے.

مولانا نے ۳ میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھلانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھلا کر بھی ایصالِ ثواب کی نیت کی جا سکتی ہے ـــــ کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصالِ ثواب کیا جا

---

[۱] یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں. اگر کوئی کہے کہ ٹرین سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا. جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے. اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا لفظ استعمال کرتے ہیں شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو نہ یہ کہ کوئی اسے کارِ ثواب سمجھے). [۲] ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی.

[۳] ایضاً شمارہ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

سکتا ہے ـــــ گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے.

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں مسئلہ گیارہویں پر بالکل دو متضاد ذہن کام کر رہے ہیں. ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا ـــــ یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی.

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجدوں میں جو آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے کیا وہ اتنے کمزور موضوع کی بات ہے جو مستحب یا مباح سے کچھ آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال یکسر چھوڑ دیئے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا. بریلویوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح کے آگے کسی درجے میں نہ ہوں. یکسر چھوڑ دیں.

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جس طرح کھل کر بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے. اس طرح جمعیت علمائے پاکستان کے متقدر رہنما شاہ فرید الحق نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے. روزنامہ جنگ راولپنڈی نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے:۔

جو چیزیں فرائض اور واجبات میں شامل نہیں انہیں ختم کر دینا چاہیئے

بریلوی اپنے ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں. تاہم ہم یہ عرض کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصالِ ثواب کو نہیں چھوڑنا تو کم از کم اتنا تو کیجیئے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دیگر اغنیاء کو کھلائیں. اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں. پھر دیکھیئے اس نیک قدم سے

مسلمانوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ۔

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ حلوہ اور کھیر تو ان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں۔ کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں :۔

مُردہ (مرحومین) کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :۔

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔[2]

عوام و خواص کے اختلاف کی صورت میں راہِ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ آئے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام و خواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورتِ حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہوگا خواص کا نہیں۔ عوام کو شرک و بدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو یکسر ختم کرنا ہوگا۔ رہے علماء تو ان کو نقصان صرف ان طرح طرح کے کھانوں سے محرومی کا ہوگا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں۔ عوام کا دین و ایمان تو بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جن عوام کی دولت پہ پلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عملِ ناجائز نہیں مباح ہے۔ لیکن عوام اسے سنت

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص۵۳ [2] فتاوے رضویہ جلد دوم ص۱۴۹

یا واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خواص کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہوگا خواص کا نہیں۔ جلیل القدر حنفی فقیہ علامہ حلبی لکھتے ہیں :۔

وما يفعل عقيب الصلوٰة فمكروه لان الجهال يعتقد ونها سنة او واجبة وكل مباح يودی اليه فمكروه۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو (عوام کی نظر میں) اس درجہ پر سمجھا جانے لگے وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام اور بریلوی جاہل اس عمل گیارہویں کو اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیئے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں تنہائی میں کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے ایسی باتیں لکھتے ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اصل عقیدے ایسے ہوں۔ اصل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا خلوا الی شیاطینهم قالوا انا معكم انما نحن مستهزءون۔

یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے ہدایت کے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے۔

اولٰئك الذين اشتروا الضلالة بالهدٰی فما ربحت تجارتهم وما كانوا مهتدين۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ سو نہ فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے اور نہ ہیں وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات اندر سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصالِ ثواب نہیں جانتے نذر سمجھتے ہیں۔ اسے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فرید الحق کے مشورے پر اسے چھوڑ دیتے۔

[1] غنیۃ المتملی ص۶۱۷

اب اگر بریلوی مولوی اتحادِ ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو سوا اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے۔ حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی عظمت و سطوت کے آگے نذر مانتے ہیں۔ مبادا حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر لغیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحب کی تعظیم ساتھ نہیں اور کیا یہ گیارہویں دلانے والے حضرت پیر صاحب کے جلال کے آگے جھکے نہیں جا رہے۔ ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہوگا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور ڈوبے بیڑے ترتے ہیں۔ یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں۔

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصالِ ثواب نہیں یہ پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے۔ ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کو دیکھیے:-

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔[1]

یہ ختم گیارہویں پیر صاحب کی ایک منت ہے۔ اس کے لیے قصور کے مولوی عبید اللہ صاحب کے رسالہ نذر اولیاء کا ص۸ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں:-

سرکار بغداد کی نذریں مانی جاتی تھیں۔[2]

اب آپ ہی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحب کی منت ہے کہ آپ کہیں ہماری بھینس کو نہ مار دیں اس لیے یہ نذرانہ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے:

---

[1] احکام شریعت ص۶۷ [2] نذر اولیاء ص۸

نذر کرنا تو دینے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر نذر ماننا دینے کے معنی میں نہیں آتا۔ نذر ماننا ان بزرگوں کے تقرب کی تلاش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ پیشکش اس کے لیے ایک نذرانہ —— جو اُن کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گراتا ہے۔ ہے کوئی خوش نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے۔

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر چڑھائی گئی نذروں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی ہو ہوتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیران پیر رحمہ اللہ کو تعظیماً ثواب ہدیہ کیا جاتا۔ کیا یہ ان کے نام کی نذریں نہیں؟ ایصالِ ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

ان کے ایک مولوی کرم حسین قادری ساکن بہاری پور تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر نے بتوں کے نام کی نذروں کو حلال قرار دینے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے:-

عمدۃ الکلام فی تحلیل منذورۃ الاصنام

نام پر غور فرمائیے اور ان لوگوں کی اس جرأت کی داد دیجیے۔ کس طرح کھلے بندوں بتوں کے نام کی نذروں کو حلال ٹھہرا رہے ہیں —— یہ کتاب پبلک پریس جالندھر میں ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں المتوفی (۱۹۲۰ء) کی زندگی میں طبع ہوئی۔ خان صاحب نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ جب مولوی کرم حسین کو بتایا گیا کہ قرآن کریم نے تو وما اھل بہ لغیر اللہ میں ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جس پر تعظیماً غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اب یہ چیز اس کی نذر ہو چکی۔ تو مولوی صاحب نے لکھا:

بہت سے علمائے دین نے صرف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی پیروی میں آیت وما اھل بہ لغیر اللہ کو بگاڑا۔[1]

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام بغیر شاہ کے لکھنا بریلویوں کی ان حضرات محدثین دہلی سے نفرت درون پردہ کا پتہ دیتا ہے۔ تاہم مولوی کرم حسین نے اس میں اتنا

---

[1] عمدۃ الکلام صفحہ ۲۴

تو تسلیم کر لیا کہ بہت سے علمائے دین بتوں کے نام کی نذروں کو حرام کہتے ہیں اور یہ چند بریلوی ہیں جو کسی بریانی کو ضائع نہیں جانے دیتے گو وہ دیوی بھوانی کے نام کی نذر کیوں نہ ہو بستیکے سوائے ہر کوئی کھا سکتا ہے۔

مولوی کرم حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی سید زکوٰۃ وغیرہ کھاتا ہے اور دیوی بھوانی کی نذر و نیاز مانتا ہے تو اس کو اس کی بریانی سے مطلع کرنا چاہیئے۔[1]

بریلویوں کے نزدیک گویا زکوٰۃ اور دیوی بھوانی کی نذر و نیاز سب حلال ہے۔ دیوالی کی مٹھائی دیوی بھوانی کی نذر و نیاز ہوتی ہے۔ اگر ہندو اسے مسلمانوں کے ہاں بھیجیں تو مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں اس دن نہ لیں اگلے دن لے لیں:۔

اس روز نہ لے ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے۔[2]

مولوی کرم حسین لکھتے ہیں:۔

میری تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کل نذریں خواہ کوئی شخص کسی کی نذر کرے حلال ہیں۔[3]

جب ان کے ہاں کوئی نذر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیران پیرؒ کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے نذر لغیر اللہ ہونے کا کوئی بوجھ نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے ایصالِ ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصلحت ہے لیکن اس مصلحت سے یہ نذر ایصالِ ثواب نہیں بن جاتی۔

شیخ سدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصالِ ثواب نہیں یہاں بزرگوں کی تعظیماً نذر

مانا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ سدو کے مزار پر بجرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں۔ مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ سدو کا ملحوظ ہوتا ہے۔ گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خاوند کو اس نذر کا پورا کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ۔ اب یہ ایصالِ ثواب ہوا یا نذر ماننا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ سدو کے بجرے۔ شیخ عبدالحق کی سہمنی ہو یا شاہ مدار کے مرغے یہ سب نذریں ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پانے کے لیے اس کا نام ایصالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:۔

جب گھر کی بی بی نے شیخ سدو کا بجرا یا مدار صاحب کا مرغا مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے۔[1]

ماننے کے لفظ پر غور کیجئے۔ یہ منت ماننا ہے یا ایصالِ ثواب کرنا۔ آپ ہی فیصلہ کریں۔ ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہو گی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھ رہا ہے۔ ہم کہیں گے،

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر جائز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دیگیں اور ختم کے کھانے اغنیاء اور مولویوں کے لیے جائز نہیں یہ خالصۃً غرباء اور مساکین و یتامیٰ کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ فقہ کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے شروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعتِ محمدی نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ یہ اصل ہے ہمارے پاس ختم اور ایصالِ ثواب کے چالیسویں کھانے کی یہ اصل موجود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت داؤدؑ کے ذکر میں موجود ہے،

---

[1] ...القلوب ص ۱۷۳

وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس
کے ساتھیوں کو مگر صرف کاہنوں کو۔[1]

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے روٹیوں اور ختم کے کھانے کو جائز نہیں کیا۔ آپ نے یہ بات ایک ناراض دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کہیں کہ بریلوی مولوی کس طرح غریبوں اور یتیموں کا حق بلا ڈکار ہضم کرتے ہیں۔ اس آیت سے اگلی آیت ملاحظہ ہو:۔

تم نے تورات میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی
کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان پروہتوں میں اور بریلوی مولویوں میں فرق ہے تو سبت اور جمعرات کا ـــــ وہ سبت کے دن نذر کی روٹیاں توڑتے تھے، اور یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزئیہ سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ کوئی جائداد خریدتا ہے۔ وہ اگر نذرانوں پہ گزر اوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ ایصالِ ثواب کا کھانا اور جمعرات کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تم نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشاۃ جدیدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا۔ تم کہاں کھو گئے۔ اس خلافِ مراد مسئلے پر اپنے اعلیٰحضرت کو بھی بھول گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

---

[1] انجیل متی باب ۱۲ آیت ۴ طبع ۱۹۵۸ء مشن پریس لدھیانہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

گیارھویں کی رسم

گیارہویں کی رسم: ہر قمری مہینے کی گیارھویں رات کو حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی شیخ المشائخ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ "گیارہویں شریف" کے نام سے مشہور رہے۔ اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اوّل: گیارہویں شریف کا رواج کب سے شروع ہوا؟ مجھے تحقیق کے باوجود اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، تاہم اتنی بات تو معلوم ہے کہ سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی (نور اللہ مرقدہ) جن کے نام کی گیارہویں دی جاتی ہے، ان کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہوئی اور نوّے سال کی عمر میں ان کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ گیارہویں کا رواج ان کے وصال کے بعد ہی کسی وقت شروع ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین، ائمہ دین خصوصاً امام ابو حنیفہؒ اور خود حضرت پیران پیرؒ اپنی گیارہویں نہیں دیتے ہوں گے، اب آپ خود ہی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں کیا اسے اسلام کا جز تصور کرنا اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دے ڈالنا صحیح ہوگا؟ اور آپ اس بات پر بھی غور فرما سکتے ہیں کہ جو لوگ گیارہویں نہیں دیتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ و تابعینؒ، امام ابو حنیفہؒ اور خود حضرت غوث پاک کے نقش قدم پر چل رہے ہیں یا وہ لوگ جو ان اکابر کے عمل کے خلاف کر رہے ہیں۔؟

دوم: اگر گیارہویں دینے سے حضرت غوث اعظمؒ کی روح پُر فتوح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو بلاشبہ یہ مقصد بہت ہی مبارک ہے، لیکن جس طرح یہ ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اس میں چند خرابیاں ہیں۔

ایک یہ کہ ثواب تو جب بھی پہنچایا جائے پہنچ جاتا ہے۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں فرمایا، مگر یہ حضرات گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں گویا یہی خدائی شریعت ہے ــــ اور اگر اس کے بجائے کسی اور دن ایصالِ ثواب کرنے کو کہا جائے تو یہ حضرات اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوں گے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔ الغرض ایصالِ ثواب کے لئے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے۔ جبکہ شریعت میں کوئی اصل نہیں، اور اسی کو ضروری سمجھ لینا خدا و رسول کے مقابلے میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسرے، گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم بھی صدقہ کی جاسکتی تھی۔ اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی۔ اور یہ عمل نمود و نمائش اور ریا سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہِ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے یا کھانا پکانے ہی کو ایصالِ ثواب کے لئے ضروری سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصالِ ثواب ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔

تیسرے، ثواب تو صرف اتنے کھانے کا ملے گا جو فقراء و مساکین کو کھلا دیا جائے، مگر گیارہوں شریف پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھا پی لیتے ہیں یا اپنے عزیز و احباب کو کھلا دیتے ہیں، فقراء و مساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا پورے کا ثواب حضرت پیران پیر رحؒ کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی قاعدۂ شرعیہ کے خلاف ہے، کیونکہ شرعاً ثواب تو اس چیز کا ملتا ہے جو بطورِ صدقہ کسی کو دے دی جائے۔ صرف کھانا پکانا تو کوئی ثواب نہیں۔

چوتھے، بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ جو کھانا خود کھا لیا گیا وہ صدقہ ہی نہیں، اور نہ حضرت پیران پیر رحؒ کے ایصالِ ثواب سے اس کو کچھ تعلق ہے اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا اس کا ثواب بلاشبہ پہنچے گا لیکن صدقہ کو تو حدیث پاک میں "اوساخ النّاس" (لوگوں کا میل کچیل) فرمایا گیا ہے، اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل کے لئے صدقہ جائز نہیں۔ پس جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "میل کچیل" فرما رہے ہوں اس کو "تبرک" سمجھنا، اور بڑے بڑے مالداروں کا اس کو شوق سے کھانا اور کھلانا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف نہیں؟ اور پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ ایصالِ ثواب کے لئے اگر غلہ یا کپڑا دیا جائے کیا اس کو بھی کسی نے کبھی "تبرک" سمجھا ہے؟ تو آخر گیارہویں تاریخ کو دیا گیا کھانا کس اصولِ شرعی سے تبرک بن جاتا ہے؟

پانچویں، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں نہ دینے سے ان کے جان و مال کا (خدانخواستہ) نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے، گویا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، مگر گیارہویں شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان و مال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک ایسی چیز جس کا شرع شریف میں اور امام ابو حنیفہ رحؒ کی فقہ میں کوئی ثبوت نہ ہو جب اس کا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کے ساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ۔

اور پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، ائمہ مجتہدینؒ، اور بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ میں سے کسی کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ اگر ان اکابر کے لئے ایصالِ ثواب نہ کیا جائے تو جان و مال کا نقصان ہو جاتا ہے، میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر حضرت پیرانِ پیر رحؒ کی گیارہویں نہ دینے ہی سے کیوں جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ہمارے ان بھائیوں نے اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا ہوتا تو ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے اس غلو سے حضرت پیران پیر رحؒ کی

توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سوم: ممکن ہے عام لوگ ایصال ثواب کی نیت ہی سے گیارہویں دیتے ہوں، مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں حضرت پیرانِ پیرؒ کے ایصال ثواب کے لئے نہیں دیتے۔ ایک بزرگ نے اپنے علاقے کے گوالوں کو ایک دفعہ وعظ کیا کہ دیکھو بھئی! گیارہویں شریف تو خیر دیا کرو، مگر نیت یوں کیا کرو کہ ہم یہ چیز خدا تعالیٰ کے نام پر صدقہ کرتے ہیں اور اس کا جو ثواب ہمیں ملے گا وہ حضرت پیران پیرؒ کی روح پُر فتوح کو پہنچانا چاہتے ہیں، اس تلقین کا جواب ان کی طرف سے یہ تھا کہ "مولوی جی! خدا تعالیٰ کے نام کی چیز تو ہم نے پرسوں دی تھی، یہ خدا کے نام کی نہیں، بلکہ حضرت پیران پیر کے نام کی ہے"! ان کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گیارھویں، حضرت شیخؒ کے ایصالِ ثواب کے لئے نہیں دے رہے، بلکہ جس طرح صدقہ وخیرات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح وہ خود گیارہویں شریف کو حضرتؒ کے دربار میں پیش کر کے آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہی راز ہے کہ وہ لوگ گیارہویں دینے نہ دینے کو مال وجان کی برکت اور بے برکتی میں دخیل سمجھتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی بے سمجھی کی وجہ سے بڑے خطرناک عقیدے میں گرفتار ہیں،

چہارم: جن لوگوں نے حضرت غوثِ اعظمؒ کی غنیۃ الطالبین اور آپ کے مواعظ شریفہ (فتوح الغیب) وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت شیخؒ امام احمد بن حنبلؒ کے پیرو تھے، گویا آپ کا فقہی مسلک ٹھیک وہی تھا جو آج سعودی حضرات کا ہے جن کو لوگ "نجدی اور وہابی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت شیخؒ اور ان کے مقتدا حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جو شخص نماز کا تارک ہو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اگر حضرت غوث اعظمؒ آج دنیا میں ہوتے تو ان لوگوں کو جو نماز روزہ کے تارک ہیں، مگر التزام سے گیارہویں دیتے ہیں، شاید اپنے فقہی مسلک کی بناء پر مسلمان بھی نہ سمجھتے، اور یہ حضرات، نجدیوں کی طرح، حضرت شیخؒ پر "وہابی" ہونے کا فتوای دیتے ——

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت پیران پیرؒ یا دوسرے اکابر کے لئے ایصالِ ثواب کرنا سعادتمندی ہے۔ مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا وجوہ سے صحیح نہیں، بغیر تخصیصِ وقت کے جو کچھ میسر آئے اس کا صدقہ کر کے بزرگوں کو ایصال ثواب کیا جائے ——

نمازِ جنازہ کے بعد دُعاء

مولانا عبدالرحیم راجپوری فتاویٰ رحیمیہ میں لکھتے ہیں :

سوال :۔ بعض جگہوں پر نمازِ جنازہ کے بعد متصلاً سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) اور تین یا گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھ کر میت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح دُعا مانگنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

بعضوں کا کہنا ہے کہ چودھویں صدی ھجری کے بعض علما مذکورہ طریقہ سے دعا مانگنے کی مخالفت کرتے ہیں' اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہے؟

جواب :۔ جنازہ کی نماز میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھی جاتی ہے دوسری تکبیر کے بعد درود شریف تیسری تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اُس میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کی اور زندہ لوگوں کے لئے سلامتی ایمان کی دعا ہوتی ہے اس کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ باقی یہ صورت یعنی نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو رکھ کر سب کے دعا مانگنے کا التزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد (یعنی) جو کوئی ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو (ہمارا دستور نہ ہو) تو وہ مردود ہے" (مسلم شریف ج۲ ص۷۷) اور حضرت حذیفہ کا فرمان ہے کہ کل عبادۃ لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا (الاعتصام ج۲ ص۳۱۰) (یعنی) ہر ایسی عبادت جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے نہیں کی تم بھی مت کرنا۔

اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ "جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی (زیادتی کی) اور اُس کو

اچھا سمجھا تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی احکام کی تبلیغ میں خیانت اور کمی کرنے والا ٹھیرایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا) تو جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج دین میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (الاعتصام ج۱ ص۴۹)

باقی یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ممانعت نہیں کی یہ صرف ناواقفیت ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس صدی سے نہیں بلکہ تقریباً گیارہ سو برس سے فقہاء کرام نمازِ جنازہ کے بعد کی دعاء کو خلافِ سنت اور ممنوع و مکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا فتوے دیتے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو :۔

(۱) تیسری صدی ھجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامدؒ معاصر ابوحفص الکبیر المتوفی ۲۶۴ھ (کذا فی فوائد البھیہ ص۵۲) فرماتے ہیں ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (برجندی ج۱ ص۱۸۰) یعنی بے شک نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

(۲) اور پانچویں صدی ہجری کے فقیہ شمس الائمہ حلوائیؒ المتوفی ۴۵۶ھ اور

(۳) بخاریٰ کے مفتی قاضی شیخ الاسلام علامہ شغدیؒ المتوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں لا یقوم الرجل بالدُّعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (قنیۃ ج۱ ص۵۶) یعنی نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دُعا کے لئے نہ کھڑا ہو یعنی دعا کے لئے نہ ٹھیرے۔

(۴) اور چھٹی صدی ھجری کے فقیہ امام طاہر بن احمد بخاری سرخسیؒ المتوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں لا یقوم بالدّعاء فی قراءۃ القرآن لأجل المیّت بعد صلوۃ الجنازہ وقبلھا۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۲۵) (ترجمہ، نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے میت کے لئے قرآن پڑھ کر دعا کے لئے نہ کھڑا رہے

(۵) اور مذکورہ صدی کے دوسرے فقیہ علامہ سراج الدین اوشیؒ (صاحب فتاوی سراجیہ سال تصنیف ۵۶۹ھ) فرماتے ہیں اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم داعیًا لہ (فتاوی سراجیہ

مع قاضیخان ص۱۴۱ ج۱) (ترجمہ) "جب نماز جنازہ سے فارغ ہوجائے تو دعا کرتے ہوئے کھڑا نہ رہے۔

(۶) اور ساتویں صدی ہجری کے فقیہ مختار بن محمد زاہدی المتوفی ۶۵۸ھ کی بھی یہی رائے ہے (فتاوی قنیہ ص۵۶ ج۱)

(۷) اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن الحاج رح المتوفی ۷۳۷ھ فرماتے ہیں کہ یہ رواج قابلِ ترک ہے (کتاب المدخل ص۲۲ ج۳)

(۸) نویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب کردری رح المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔ لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعاء (فتاوی بزازیہ مع ہندیہ ص۸۰ ج۴) نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھیرے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کرچکا ہے کیونکہ نماز جنازہ کا بڑا حصہ دعا ہی ہے۔

(۹) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ علی برجندی (صاحب برجندی سال تصنیف ۹۳۸ھ) بھی ممنوع ہونے کے قائل ہیں (فتاوی برجندی ص۱۸۰ ج۱)

(۱۰) نیز دسویں صدی کے دوسرے فقیہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی رح المتوفی ۹۶۲ھ فرماتے ہیں کہ لا یقوم داعیا له (فتاوی جامع الرموز ص۱۲۵ ج۱) دعا کرنے کے لئے نہ ٹھیرے)

(۱۱) اور دسویں صدی ہجری کے اور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری رح المتوفی ۹۶۹ھ فرماتے ہیں: لا یدعو بعد التسلیم (بحر الرائق ص۱۸۳ ج۲) یعنی سلام کے بعد دعا نہ کرے۔

(۱۲) دسویں صدی کے چوتھے فقیہ مفتی نصیر الدین رح (صاحب فتاوی برہنہ سال تصنیف ۹۹۶ھ) فرماتے ہیں" وبعد ایستادہ نماند برائے دعا" فتاوی برہنہ ص۳۶)

(۱۳) اور گیارھویں صدی ہجری کے مجدد علامہ علی قاری رح المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ص۳۱۹ ج۲) ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ [illegible] نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہوتی ہے۔

(۱۴) اور مجموعہ خانی میں ہے" دعا نخواند فتوی بریں قول است" (قلمی ص۲۴۹) یعنی بعد نماز جنازہ دعا نہ کرے اور اسی قول پر فتوی ہے۔

(۱۵) اور تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ قاضی مفتی محمد سعد اللہ رح المتوفی ۱۲۹۲ھ فرماتے ہیں " خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہا بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع می کنند" (فتادی سعدیہ ص۱۳) یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اکثر فقہاء امر مسنون پر زیادتی لازم آنے کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔

(۱۶) اور فقیہ مولانا قطب الدین (صاحب مظاہر حق سال تصنیف ۱۲۵۳ھ) فرماتے ہیں۔ اور دعا نہ کرے میت کے لئے بعد نماز جنازے کے اس لئے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں" (مظاہر حق ص۵ ج۲)

(۱۷) اور فقیہ علامہ عبد الحی لکھنوی رح المتوفی ۱۳۰۴ھ بھی مکروہ ہونے کے قائل ہیں دیکھئے (نفع المفتی ص۱۴۳ سال تصنیف ۱۲۹۹ھ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے علماء کرام پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ مذکورہ رواج کی مخالفت گیارہ سو سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔

صحیح اور معتمد طریقہ سے ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد جتنی دیر اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے اتنی دیر تک قبر کے پاس تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہیں یہ مستحب ہے اس سے میت کو اُنس و فائدہ ہوتا ہے اس صحیح اور ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر دُعائے مغفرت کا قیمتی وقت دنیاوی باتوں میں صرف کر دیا جاتا ہے اور برائے نام دُعا کرکے رخصت ہوجاتے ہیں یا خلافِ سنت طریقہ میں اپنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، حق تعالی تمام بھائیوں کو سنت طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واهل بیتہ اجمعین۔

فقط واللہ تعالی اعلم بالصواب

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :

شریعت نے نماز جنازہ کا ایک خاص طریقہ تجویز فرمایا ہے

مگر نماز جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنے کی تعلیم نہیں دی. اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین اس موقعہ پر اجتماعی دعاء کیا کرتے تھے۔ اس لئے جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء کرنا، اور اس کو ایک سنت بنا لینا بدعت ہوگا. جنازے کے بعد دعا کرنی ہو تو صفوں کی ترتیب کو توڑ دیا جائے۔ اور ہر شخص اپنے طور پر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرے تو مضائقہ نہیں ——— مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کی جو کیفیت منقول ہے اس میں ردّ وبدل کی اجازت نہیں.

قبروں کو پختہ کرنا، گنبد بنانا وغیرہ

پہلے گزر چکا ہے کہ جب کوئی مسئلہ قرآن کریم اور احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس میں کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ شدہ امر اور حکم سے خلاف کریں تو دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا.

اور جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس میں صاف فیصلہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو امر کرتا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے تم کو روکتا ہے اس سے رک جاؤ. جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا اٰتاکم الرسول فخذوہ	اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو
وما نہاکم عنہ فانتھوا	اور جس سے منع کریں (اس سے) باز
واتقوا اللہ، ان اللہ شدید	رہو اور خدا سے ڈرتے رہو بیشک خدا
العقاب) [1]	سخت عذاب دینے والا ہے

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے مقابلہ کریں تو ان کے واسطے سخت عذاب ہے. تشریح کے لئے

[1] الحشر ۷. آیات کریمہ کی تشریح مطالعہ کیجئے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۶/۴، تفسیر روح المعانی ص ۵۰/۲۸ اور علامہ حافظ محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے کتاب المجروحین ص ۸/۱ میں بہترین تفصیل فرمائی ہے، مطالعہ کیجئے۔

مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجیے۔

مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ ؎۱

جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے سو اس کے لئے ہے دوزخ اس میں رہیں گے ہمیشہ۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ؎۲

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ سیدھی راہ اس پر کھل چکی ہے اور سب مسلمان کے راستہ کے خلاف چلے تو اس کو ہم اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں جو بدترین جائے قرار ہے۔

وَمَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۔ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ؎۳

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرے تو اس کے واسطے ہے دوزخ کی آگ اس میں رہیں گے ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی رسوائی

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ؎۴

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ لوگ ہیں ذلیل لوگوں میں۔

؎۱ الجن ۲۳

؎۲ النساء ۱۱۵ ، ؎۳ التوبۃ ۶۳

؎۴ المجادلۃ ۲۰

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارات تعمیر کرنا اور چراغ جلانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا وغیرہ احادیث صحیحہ سے مخالف ہیں اور بعض امور کو منع فرمایا ہے اور بعض پر لعنت فرمائی ہے لہٰذا جو حضرات ان لغویات میں ملوث ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے مخالف ہی ہیں بلکہ چار مذاہب کے ائمہ مجتہدین، فقہاء اور مفسرین اور محدثین سے یہ لوگ خلاف کر رہے ہیں۔ تو جس طرح یہ اس دعوی میں کہ ہم اہل السنت والجماعۃ اور اکابر اور بزرگان دین کے مسلک پر ہیں جھوٹے ہیں تو اسی طرح یہ لوگ بالکل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر رہے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس سے تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو تم منع ہو جاؤ اور جب یہ لوگ منع تو خود نہیں ہوتے کہ ان چیزوں کو واجب ہی قرار دیتے ہیں تو یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کر رہا ہو وہ مندرجہ بالا وعیدات سے عبرت حاصل کر لیں اور ہمیں انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں تفصیل سے یہ ثابت کر دیں گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء اور مفسرین اور محدثین اور جمہور علماء ان چیزوں کو ناجائز کہہ دیتے ہیں باقی ہم غریب لوگ ہیں بات مانتے ہیں یا نہ لیکن اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عمیق نظر سے مطالعہ کریں اور تو انصاف تمہارے حوالہ کر دیتے ہیں۔ وباللہ استعین

قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا، احادیث کی روشنی میں

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر وان يقعد عليه وان يبنى عليه رواه مسلم ¹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور قبر پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم نے روایت کیا ہے)۔

۱؎ صحیح مسلم ص ۳۱۰/۴ برحاشیہ ارشاد الساری تالیف الامام مسلم بن الحجاج متوفی ۲۶۱ھ ۔

مسند امام احمد بن حنبل ص ۸۷/۸ بترتیب مؤلف الفتح الربانی تالیف الامام المجتہد احمد ابن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ۔

الترمذی ص ۱۲۵/ج۱ تالیف الامام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۰۴ھ

ابوداود ص ۲۰۹/۳ مع شرح عون المعبود تالیف الامام سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ

النسائی ص ۸۸/۴ مع شرح لجلال الدین السیوطی تالیف الامام احمد بن شعیب متوفی ۳۰۳ھ

محلی ابن حزم ص ۱۳۳/۵ تالیف علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ھ

السنن الکبری ص ۴/۴ تالیف احمد بن حسین البیہقی متوفی ۴۵۸ھ

شرح السنۃ ص ۴۰۵/۵ تالیف محی السنۃ حسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ

جامع الاصول فی احادیث الرسول ص ۱۴۵/۱۱ تالیف الامام مجد الدین مبارک بن احمد ابن الاثیر متوفی ۶۰۶ھ

زاد المعاد ص ۵۲/۱ تالیف الامام شمس الدین ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ

۲۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبنى على القبور او يقعد عليها او يصلى عليها رواه ابو يعلى ورجاله ثقات ¹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے اور ان پر بیٹھنے اور ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں۔

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبنى على القبر وان يجصص ²	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے اور قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ جس مرض میں وفات پاگئے تھے آپؐ نے اس مرض میں فرمایا تھا۔

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياءهم مسجدا ³	اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں پر مسجدیں بنائیں۔

۱؎ مجمع الزوائد ص ۶۱/۳ تالیف الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

۲؎ مسند الامام احمد بن حنبل ص ۸۷/۸ بترتیب مؤلف الفتح الربانی عبد الرحمٰن البنار

۳؎ بخاری ص ۶۳۹/۲، ارشاد الساری ص ۳۰۳/۲، روح المعانی ص ۲۳۷/۱۵، تفصیل دیکھ لیں۔

کتاب الام ص ۲۷۸/۱، ابوداؤد مع شرحہ ص ۲۱۰/۳، مسند احمد ص ۱۵۱/۸، منہاج السنۃ ص ۱۳۱/۱،

نیل الاوطار ص ۱۳۹/۲ ۔

۵۔ اور علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد يحذر ما فعلوا [1]

اللہ لعنت کرے یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں آپؐ تو ان کے فعل سے پرہیز کی تلقین فرماتے تھے۔

۶۔ علامہ آلوسیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نقل کرکے فرماتے ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله زائرات القبور [2] والمتخذين عليها المساجد والسرج [3]

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی لعنت ہو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور قبروں پر چراغ روشن کرنے والوں پر

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص۴۸۷ ج۳ [2] عورتوں کی زیارت پر بحث آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

[3] روح المعانی ص۲۳۷/۱۵، ابوداود ص۱۰۵/۲، الترمذی ص۱۲۵/۱ بروایۃ ابی ہریرہؓ نسائی ص۱۳۲/۱ بروایۃ عائشہؓ، السنن الکبری ص۸/۴، المغنی مع الشرح الکبیر ص۳۸۸/۲، عمدۃ القاری ص۸۹/۸۔ الاختیارات الفقہیہ ص۸۸،
الزواجر عن اقتراف الکبائر ص۱۶۵/۱
المعجم المفہرس لاحادیث النبوی ص۳۶۷/۲
بذل المجہود ص۱۹۵/۱۴

۷۔ اور بحوالہ مسلم فرماتے ہیں۔

الا وان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم مساجد فاني انهاكم عن ذلك۔

خبردار تم سے پہلے لوگوں نے انبیاءؑ کی قبروں پر مسجدیں بنائیں اور میں تم کو ان سے منع کرتا ہوں۔

۸۔ اور بحوالہ مسند عبدالرزاق فرماتے ہیں۔

من شرار امتي من يتخذ القبور مساجد [1]

میری امت میں شریر وہ لوگ ہیں جنہوں نے قبروں پر مسجدیں بنائیں۔

۹۔ اور امام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔

عن معاذ رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكره ان توطأ القبور اعظاما للمسلمين واكراما لهم ويكره ان يتخذ القبور مسجدا وقبلة يصلى اليها فان اهل الجاهلية كانوا يفعلون ذلك [2]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کو پامال کرنا مکروہ سمجھتے تھے مسلمانوں کے احترام اور عزت کی وجہ سے اور قبروں پر مسجد بنانا اور قبروں کو قبلہ بنانا کہ ان کی طرف نماز پڑھیں مکروہ سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔

---

[1] روح المعانی ص۲۳۷ ج۱۵

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول ص۲۴۲/۱

بما انزل علی محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) [1]

نوٹ: یہاں یہ بات فائدہ سے خالی نہیں ہوگی کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پہلے تمام کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر کچھ عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها (الحديث)

میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

اور دوسری حدیث میں آتا ہے۔

فانها تذكر الموت [2]

یہ قبر کی زیارت موت کو یاد دلاتی ہے۔

تو کیا اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں یا نہ۔ علامہ محیی الدین شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ تین اقوال نقل کرتے ہیں۔ حرام، مکروہ، مباح۔ پھر فیصلہ فرماتے ہیں کہ مختار قول یہی ہے کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں اور حدیث میں صرف مردوں کو اجازت فرمائی ہے۔ اس میں عورتیں داخل نہیں بنا بر مذہب مختار [3]

راقم الحروف کہتا ہے کہ حقیقت یہی ہے جو علامہ نوویؒ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ

[1] مسند احمد بن حنبل ص ۲/۷ [2] یہ بات یاد رکھیں کہ حدیث میں قبروں کی زیارت کی اجازت جو ہوئی ہے بنا بر مختار صرف مردوں کے لئے لیکن مقصود اس زیارت سے دو چیزیں ہیں ایک موت یاد آجائیگی دوسری چیز دعا کرنا اگر میت مؤمن ہو تیسری چیز حدیثوں میں نہیں۔ [3] النووی شرح مسلم ص ۳۱۳/۱ و ص ۳۱۶/۲ برحاشیہ ارشاد الساری۔

ایک حدیث ذکر کر کے پھر فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو قبروں کے لئے جانا ناجائز ہے [1]

اور اسی طرح مبارک بن احمد متوفی ۶۰۶ھ بحوالہ ابوداؤد ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک میت (کے جنازہ) کے لئے گئے تھے اور جب وہاں سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بھی واپس ہوگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازہ پر جا کر ٹھہرے۔ تو ہم نے ایک عورت دیکھی میرا گمان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا جب وہ چلی گئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھی۔

فقال لها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما اخرجك يا فاطمة من بيتك قالت اتيت يا رسول الله اهل هذا الميت .... عزيتهم به فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلك بلغت معهم الكدى (بكاف مضمومة اى المقابر) فقالت معاذ الله وقد سمعتك تذكر فيها

پس فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے کہ کس چیز نے تجھے گھر سے نکالا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں میت کے گھر والوں کی تعزیت کے لئے گئی تھی آپؐ نے فرمایا شاید تو ان کے ساتھ قبرستان گئی ہے اس نے عرض کی میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس سے کہ میں قبرستان جاؤں) اور تحقیق میں نے سنا ہے وہ جو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے آپ نے فرمایا

[1] السیر الکبیر ص ۲۳۶/۱

فقال لو بلغت معهم الكدى فذكر تشديدا فى ذلك[1]

اگر تو قبروں کو گئی ہو (راوی کہتا ہے) کہ آپ نے اس کے بارے میں سختی فرمائی۔

اور علامہ احمد بن محمد بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ بحوالہ ابوداؤد مندرجہ حدیث نقل کرکے پھر فرماتے ہیں۔

ورواہ النسائی الا انہ قال فی اخرہ او بلغتہا معہم ما رأیت الجنۃ حتی یراھا جد ابیک[2]

نسائی نے اس روایت کے اخیر میں یہ نقل کیا ہے اگر تو قبروں کو ان کے ساتھ گئی ہو تو جنت نہیں دیکھے گی جب تک تیرے باپ کا دادا نہ دیکھے گا۔

اور قاضی ابراہیم حنفی متوفی ۱۰۰۰ھ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کے لئے جانا ناجائز ہے[3]

اور علامہ آلوسی کا فرزند ارجمند سید نعمان خیرالدین الشہیر بابن آلالوسی فرماتے ہیں۔

ومن الکبائر زیارۃ النساء[4]

عورتوں کو قبروں کی زیارت کیلئے جانا گناہ کبیرہ ہے۔

لیکن پھر بھی اگر ان کو قبروں کی اجازت ہو جائے تو موجودہ دور میں جو دور دراز سفروں پر عورتیں جاتیں ہیں بلکہ بعض اوقات غیر محرم سے کابل تک جاتی ہیں یہ کس مسلمان کے نزدیک جائز ہے یہ تو ادنیٰ مؤمن بھی شاید اس کے جواز کا قول نہیں کرے گا اور اسی طرح موجودہ دور میں اولیاء کرام کی زیارتوں پر جو

---

[1] جامع الاصول فی احادیث الرسول ص ۱۵۱/۱۱۷ ، [2] الزواجر ص ۱۶۵/۱ ، [3] مجالس الابرار ص ۳۳۶ ، [4] جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین ص ۵۲۴

عورتوں کا حشر ہوتا ہے الامان والحفیظ یہ تو بالکل قطعاً حرام ہی ہے۔

حضرات!

قبروں کو پختہ بنانا ان پر گنبد اور مسجدیں تعمیر کرنا اور چراغ جلانا اور عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے کے لئے جانا نہایت مفصل اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں تمہارے سامنے پیش کئے گئے ہیں کہ یہ چیزیں خلاف شریعت ہیں۔

اور اس میں شک نہیں کہ جب کسی چیز کو احادیث سے ناجائز ثابت کریں تو پھر کسی کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی . . . کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وما ینطق عن الھوی ، ان ھو الا وحی یوحی (الآیۃ) وہ اپنی طرف سے بات نہیں کرتا مگر جس چیز کی وحی ہوتی ہے وہی جو کچھ ہو بیان کیا کرتا ہے اور دیگر حضرات کے اقوال میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اجتہاد میں مجتہد سے غلطی سرزد ہو جائے معصوم تو نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ تو معصوم کے اقوال سے ہم نے قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر عمارتیں بنانا وغیرہ امور کو ناجائز ثابت کر دیا۔ تو پھر کسی شخص کے قول کے لئے ضرورت نہیں

لیکن پھر بھی ہم صاحبزادگان اور ان کے معتقدین حضرات کی تسلی کے لئے ائمہ مجتہدین اور فقہاء اور مفسرین اور محدثین کے نظریات پیش کرتے ہیں تاکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات جیسا کہ صحیح احادیث سے مخالفت کر رہے ہیں ایسا ائمہ مجتہدین اور تمام علمائے دین سے ہی مخالفت کر رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ حضرات اپنے نظریات سے

اثبات کے لیئے ادلہ شرعیہ پیش نہیں کر سکتے اور نہ کر سکیں گے وللہ الحمد۔

قبروں کو پختہ کرنا اور گنبد بنانا وغیرہ

ائمہ مجتہدین کی نظر میں

مسلک الامام المجتہد نعمان بن ثابتؒ متوفی ۱۵۰ھ

حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہ نے کہا۔ کہ مجھے اپنے استاد نے حدیث بیان کی ہے۔

یرفعه الی النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی عن تربیع القبور وتجصیصها[1]

اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث پہنچائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مربع بنانے اور قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

مسلک الامام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ

حضرت امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

ان لا یبنی ولا یجصص فان ذلك یشبه الزینة والخیلاء ولیس الموت موضع واحد منهما۔

قبر پر نہ عمارت بنائی جائے گی اور نہ پختہ کیا جائے گا کیونکہ یہ تو زینت اور متکبرین کی عادت سے مشابہ ہے اور موت ان دونوں میں سے ایک کی جگہ نہیں۔

---

[1] کتاب الآثار۔ از نصب الرایۃ ص ۳۰۲/۲ تالیف علامہ جمال الدین حنفی متوفی ۷۶۲ھ

ولقد رأیت قبور المهاجرین والانصار مجصصة۔

اور میں نے مہاجرین اور انصار کی قبروں کو پختہ بنی ہوئی نہیں دیکھیں

عن طاؤس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان تبنی القبور او تجصص وقال الشافعیؒ وقد رأیت من الولاة من یهدم ما بنی فیها ولم ار الفقهاء یعیبون علیه ذلك[1]

حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت تعمیر کرنے اور قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ میں حکمین سے قبروں پر عمارت ڈھانے کو دیکھتا ہوں۔ اور میں نے کسی کو اس پر عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسلک الامام المجتہد مالک بن انسؒ متوفی ۱۷۹ھ والامام المجتہد احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ

ومسلک جمہور علماء

حضرت محی الدین یحیی بن شرف نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں کہ قبروں کو پختہ بنانا، اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنا اور قبروں پر لکھنا اس میں امام مالکؒ و امام احمدؒ اور داؤدؒ اور جمہور علماء متفق ہیں کہ یہ مکروہ ہیں[2]

مسلک الامام المجتہد نعمان بن ثابتؒ و مسلک الامام محمدؒ و مسلک الامام ابی یوسفؒ

حضرت ابو سلیمان جوزجانی متوفی ۱۸۰ھ اپنے استاد امام محمد سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے مجھے فرمایا تھا کہ جب میں کوئی مسئلہ ذکر کردوں ... اور اس میں اختلاف نہ ہو۔ تو یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور میرا تینوں کا اتفاقی مسئلہ ہوگا۔

---

[1] کتاب الام ص ۲۷۷/۲۷۰ [2] المجموع شرح المہذب ص ۲۹۸/۵۔

لہٰذا وہ قبروں کو پختہ نہ بنانا بغیر کسی اختلاف کے یوں ذکر کرتے ہیں۔

قلت أرأيت القبر هل تكره ان يجصص قال نعم[1]

میں (ابو سلیمان) نے امام محمد صاحب سے کہا کہ کیا آپ قبروں کو پختہ بنانا مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام محمد صاحب نے فرمایا۔ ہاں۔ (یعنی مکروہ ہے)

مسلک الامام علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ھ

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

ولا يحل ان يبنى القبر ولا ان يجصص ولا ان يزاد على ترابه شئ ويهدم كل ذلك - عن ابی الهياج قال قال لی علی بن ابی طالب الا ابعثك كما بعثنی رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته[2]

جائز نہیں قبر پر عمارت تعمیر کرنا جائز نہیں قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ قبر پر ڈالنا۔ ان تمام کو ڈھانا چاہیئے۔ ابو الہیاج الاسدیؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت علی نے کہا کیا میں تجھے اس چیز پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا کہ کوئی مجسمہ فوٹو بغیر مٹائے نہ چھوڑنا اور اونچی قبر نہ چھوڑنا مگر اس کو برابر کرنا۔

[1] کتاب الاصل ص ۴۲۲ ج ۱ تالیف الامام محمد متوفی ۱۸۹ھ

[2] المحلی ص ۳۳ ج ۵، ابوداؤد ص ۲۰۸ ج ۲ مع شرح عون المعبود

قبروں کو پختہ بنانا ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ

فقہائے احناف اور مفسرین کی نظر میں

حضرت امام شمس الدین سرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ قبروں کو مربع بنانے کو روافض کا مسلک بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولا تجصص لما روی ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن تجصيص القبور وتربيعها[1]

قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور مربع بنانے سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت امام فخر الدین حسن بن منصور قاضیخان متوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں۔

ولا يجصص القبر لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی عن التجصيص والتقضيض وعن البناء فوق القبر... لما روی عن ابی حنيفة انه قال ولا يجصص القبر ولا يطين ولا يرفع عليه بناء[2]

قبر پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے قبر کو پختہ بنانے اور چاندی کے پانی سے جڑاؤ کرنے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی گئی کہ اس نے کہا ہے کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور نہ اس کی لپائی کی جائے اور نہ اس پر عمارت بنائی جائے۔

[1] المبسوط ص ۶۲ ج ۲، معانی الآثار ص ۲۴۸ ج ۱ بھی ملاحظہ کریں۔ [2] فتاوی قاضیخان ص ۱۹۴ ج ۱ بر حاشیہ عالمگیری۔

اور حضرت حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب بن البزاز متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔

ولا یبنی علیہ ببیت ولا یجصص[1]

قبر پر مکان نہ بنایا جائے اور نہ قبر کو پختہ بنایا جائے۔

اور حضرت شیخ زین الدین محقق ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں۔

ولا یجصص لحدیث جابرؓ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یکتب علیہ[2]

قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے قبر کو پختہ بنانے اور قبر پر عمارت بنانے اور قبر پر لکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور علامہ محقق محمد امین ابن عابدینؒ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں۔

اما البناء علیہ فلم ار من اختار جوازہ و عن ابی حنیفہؒ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذلک لما روی عن جابرؓ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور

میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے قبر پر عمارت بنانے کو پسند کیا ہو اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے خواہ مکان ہو یا گنبد یا ان کی مانند دیگر چیز کیونکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے اور قبروں پر لکھنے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے

---

[1] فتاوی بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ص ۸۱ ج ۱ ، [2] بحر الرائق ص ۲۰۹ ج ۲ ، تفصیل کے لئے دیکھئے الکبیری ص ۵۹۹ و بدائع الصنائع ص ۳۲۰ ج ۱ ، فتح القدیر ص ۴۷۲ ج ۱ ، المستخلص ص ۳۲۵ ، فتاوی رشیدیہ ص ۲۳۸ ج ۱ ، زبدۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۲۶ ، حجۃ اللہ البالغہ ص ۵ ج ۲۷ ، فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۹۲ ج ۱ ، ص ۲۲۲ ج ۱

وان یکتب علیہا وان یبنی علیہا رواہ مسلم وغیرہ[1]

منع فرمایا ہے۔ اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت قاضی ابراہیم متوفی تقریباً ۱۱۰۰ھ .. مسجد ضرار کے گرانے کے بعد فرماتے ہیں کہ

جو چیز اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہو تو اس کو گرانا چاہیے۔

کالمساجد المبنیۃ علی القبور وکذا القباب التی بنیت علی معصیۃ الرسول ومخالفتہ وکل بناء اسست علی معصیۃ الرسول ومخالفتہ فہو بالہدم اولی[2]

جیسے وہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں اسی طرح وہ گنبدیں جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے خلاف بنائے گئے ہیں۔ اور ہر عمارت جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف تعمیر کی گئی ہو وہ گرانے کی مستحق ہے۔

اور فتاوی عالمگیری (مرتبہ در زمانہ سلطان اورنگ زیب متوفی ۱۱۱۸ھ) میں لکھتے ہیں۔

ولا یربع ولا یجصص ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ ویکرہ ان یبنی علی القبر مسجد او غیرہ ... ویکرہ

قبر کو مربع نہ بنایا جائے اور نہ پختہ کیا جائے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنا اور قبر پر بیٹھنا اور قبر پر سونا یہ تمام امور مکروہ ہیں۔ قبر پر مسجد بنانا یا اس کی مانند دیگر چیز (جیسا گنبد اور مکان) مکروہ ہے

---

[1] رد المحتار ص ۶۰۱ ج ۱ اور دوسری کتاب میں ختم کلام اجرت اور تیجہ اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ ذکر کر کے فرماتے ہیں کل ھذہ بدع منکرات۔ یہ تمام بدعات منکرہ ہیں (مجموعہ رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۲۲)

[2] مجالس الابرار ص ۱۲۹

عند القبر مالم يعهد من السنة والمعهود منها ليس الا زيارة والدعاء عنده قائما كذا في البحر[1]

اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ قبر کے پاس مکروہ ہے۔ اور جو سنت سے ثابت ہے وہ قبر کی زیارت اور اس کے پاس (اس کے لئے) دعا کرنا کھڑا ہو کر (بشرطیکہ موحد ہو) راقم بحر الرائق میں بھی ایسا لکھا ہے۔

اور علامہ محقق مفسر سید شہاب الدین آلوسیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ قبروں پر عمارت اور مسجدیں وغیرہ بنانے کی تردید احادیث سے کر کے بحوالہ زواجر ابن حجر مکی کہ وہ مندرجہ ذیل چیزوں کو گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہیں۔ قبروں کو مسجدیں بنانا۔ قبروں کی طرف نماز پڑھنا، قبروں کو بوسہ دینا۔ قبروں کا طواف کرنا۔ پھر کہتے ہیں

وكون هذا الفعل كبيرة ظاهر من الاحاديث[2]

ان چیزوں کا گناہ کبیرہ ہونا تو احادیث سے ظاہر (معلوم) ہوتا ہے۔

وكأنه قاس عليه كل تعظيم للقبر كايقاد السرج عليه تعظيما له وتبركا به والطواف به كك

گویا کہ اس نے ہر اس چیز کو اس پر قیاس کیا ہے جس میں قبر کی تعظیم ہوتی ہے جیسا کہ قبر کی تعظیم کے لئے چراغ جلانا اور اس سے تبرک حاصل کرنا اور قبر کے ارد گرد طواف کرنا

وقال بعض الحنابلة قصد

اور بعض حنبلی کہتے ہیں قبر کے پاس

[1] فتاوی عالمگیری ص ۱۶۶/۱۷۰، [2] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۷/۱۵۔

الرجل الصلوة عند القبر متبركا به عين المحادة لله تعالى ورسوله وابداع دين لم يأذن به الله عز وجل للنهي عنها ثم اجماعا فان اعظم المحرمات واسباب الشرك الصلوة عندها واتخاذها مساجد او بناؤها عليها وتجب المبادرة لهدمها وهدم القباب التي على القبور اذ هي اضر من مسجد الضرار لانها اسست على معصية رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه عليه السلام نهى عن ذلك وامر بهدم القبور المشرفة وتجب ازالة كل قنديل او سراج على قبر ولا يصح وقفه ولا نذره[1]

تبرک کے واسطے کسی شخص کو نماز پڑھنا یہ بعینہ اللہ تعالیٰ اور اس رسول سے مقابلہ کرنا ہے اور ایسے دین کی ایجاد ہے جس پر اللہ عزوجل نے اجازت نہیں فرمائی پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ حرام ترین اور اسباب شرک کی چیزوں سے قبروں کے پاس نماز پڑھنا ہے اور ان پر مسجدیں بنانا ہے یا عمارتیں بنانا ہے اور واجب ہے جلدی کرنا کہ قبروں پر عمارت کو اور جو ان پر گنبد بناتے ہیں گرا دیئے جائیں کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں تعمیر کئے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا اونچی قبروں کے گرانے کا اور واجب ہے کہ قبروں پر جو چراغ اور قندیل ہو اس کو دور کر دیا جائے اور اس کا وقف کرنا اور نذر کرنا ناجائز ہے۔

[1] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۸/۱۵۔

پھر کافی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

وقد افتی جمع بهدم کل ما بقرافة مصر من الابنیة حتی قبة الامام الشافعیؒ التی بناها بعض الملوك وینبغی لکل احد هدم ذلك مالم یخش منه مفسدة ۔[1]

علماء کی جماعت نے فتوی دیا تھا ان تمام عمارتوں کے گرانے پر جو مصر میں تھیں یہاں تک کہ امام شافعیؒ پر کسی بادشاہ نے گنبد بنایا تھا اس کو بھی گرایا اور ہر ایک ایسی چیز کا گرانا مناسب ہے، جب تک فساد کا خطرہ نہ ہو۔

پھر اخیر میں یوں الفاظ ذکر کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔

ویکفیك فی معرفة الحق تتبع ما صنع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی قبره علیه الصلوٰة والسلام وهو افضل علی وجه الارض ۔[2]

حق کے پہچاننے میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا فعل کافی ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے کیا تھا حالانکہ تمام سطح زمین پر اس کی قبر افضل ہے۔

نوٹ: علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ حق کے پہچاننے میں تمہارے لئے وہی طریقہ کافی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل قبر سے کیا تھا لہٰذا اس کے لئے مندرجہ ذیل تشریحات مطالعہ کیجئے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

(۱) حضرت الامام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ روایت نقل کرکے فرماتے ہیں

انه قیل لسعد بن ابی وقاص

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا

[1] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۸ / ۱۵ج ، [2] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۹ / ۱۵ج

نتخذ لك شیئًا کانه الصندوق من الخشب فقال اصنعوا بی ما صنعتم برسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انصبوا علی اللبن واهیلوا علی التراب ۔[1]

ہم تمہارے لئے کوئی چیز نہ بنائیں گویا ان کی مراد لکڑی سے (ان کے لئے) صندوق بنانا تھا۔ اس نے فرمایا کہ میرے لئے وہ طریقہ اختیار کرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کیا ہے۔ میری قبر کے اوپر کچی اینٹیں کھڑا کر دو اور میری (قبر) کے اوپر مٹی ڈال دو۔

امام المحدثین ابوبکر بن احمد بن الحسن البیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے ایک روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

عن القاسم بن محمد قال دخلت علی عائشةؓ فقلت یا اماہ اکشفی لی من قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم وصاحبیه فکشفت لی عن ثلاثة قبور لا مشرفة ولا لاطئة ۔[2]

قاسم بن محمد سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اس سے کہا کہ اماں جان بتا دیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ کے صاحبینؓ کی قبریں پس بتا دیں تین قبریں جو نہ زمین سے زیادہ بلند تھیں اور نہ زیادہ متصل۔

اور علامہ الحافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ بھی یہی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

قال القاسم دخلت علی عائشةؓ

قاسم کہتا ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا۔

[1] کتاب الام ص ۲۷۷ / ۲

[2] السنن الکبری ص ۳ / ۴

فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور لا مشرفۃ ولا لاطئۃ [1]

اور اسے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبینؓ کی قبریں بتا دیں تو آپ نے تین قبریں بتا دیں کہ زمین سے متصل نہیں تھیں۔

اور علامہ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ حضرت قاسمؒ کے قول میں پورے وہی الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو امام بیہقی نے نقل کئے ہیں۔

لا مشرفۃ ولا لاطئۃ [2]

کہ نہ زمین سے زیادہ بلند تھیں اور نہ زمین سے متصل

اور امام نوویؒ مقدار شرعی بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ویرفع نحو شبر [3]

قبر کو ایک بالشت مقدار بلند کیا جائے گا۔

اور علامہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ بھی یہی روایت قاسمؒ نقل کرتے ہیں [4]

اور علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ بحوالہ الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبروں کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عن عثمان بن فسطاس قال رأیت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتفعا نحوا اربعۃ اصابع وقبر ابی بکرؓ وراء قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبر عمرؓ اسفل منہ [5]

عثمان بن فسطاس سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے (عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھا کہ وہ چار انگلیاں زمین سے بلند تھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آپ کی قبر سے اس طرف تھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر سے عمر رضی اللہ عنہ کی قبر نیچے تھی۔

---

[1] عارضۃ الاحوذی ج۴ ص۲۶۹ ، [2] المجموع شرح المہذب ج۵ ص۲۹۵ ، [3] النووی شرح مسلم ج۱ ص۳۱۲ برحاشیہ ارشاد الساری
[4] نصب الرایۃ ج۲ ص۳۰۴ ، [5] عمدۃ القاری شرح بخاری ج۸ ص۲۲۵

قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ شوافع فقہاء اور محدثین کی نظر میں

امام ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنیؒ [1] اپنے استاد امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں -

قال ولا تبنی القبور ولا تجصص [1]

قبروں پر عمارت نہیں بنائی جائے گی اور نہ قبروں کو پختہ بنایا جائے گا -

اور علامہ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں -

قال الشافعی والاصحاب یکرہ ان یجصص القبر وان یکتب علیہ اسم صاحبہ وغیر ذلک وان یبنی علیہ وھذا لا خلاف فیہ عندنا ، وقال الشافعی فی الام ورأیت من الولاۃ من یھدم ما بنی فیھا ولم ار الفقہاء یعیبون علیہ ذلک [2]

امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک قبر کو پختہ بنانا اور قبر پر اس کا نام لکھنا وغیرہ اور قبر پر عمارت تعمیر کرنا (یہ تمام) مکروہ ہیں ہمارے نزدیک اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں فرمایا ہے کہ میں بچپن سے قبروں پر عمارت کے ڈھانے کو دیکھتا ہوں اور میں نے فقہاء میں سے کسی کو عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا -

اور امام نوویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبینؓ کی قبروں کی تشریح کرتے ہیں کہ نہ وہ زیادہ زمین سے بلند تھیں اور نہ زمین سے متصل پھر حضرت قاسمؒ کی روایت سے فرماتے

---

[1] مختصر المزنی ص۳۷
[2] المجموع شرح المہذب ج۵ ص۲۹۸

کو پختہ بنانے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور ان پر لکھنا یہ تمام بالاتفاق ناجائز ہیں۔ اس میں امام مالکؒ، امام احمدؒ اور داؤد اور جمہور علماء متفق ہیں۔ اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ قبر کا پر گنبد بنانا ہو یا عمارت تعمیر کرنا ہو یا اس کی مانند دیگر کوئی چیز یہ تمام مکروہ ہیں اس میں کوئی فرق نہیں۔ اگر عام مقبرہ میں ہو تو پھر ان کو ڈھانے میں بھی علماء کا اختلاف نہیں ہے[1]

اور علامہ تقی الدین ابوبکر بن محمد شافعیؒ فرماتے ہیں۔

کہ قبر پر عمارت نہیں تعمیر کی جائے گی اور نہ قبر کو پختہ بنایا جائے گا[2]

---

[1] المجموع شرح المہذب ص۲۹۸ ج۵

[2] کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ص۲۳۴ ج۱

قبروں کو پختہ بنانا وغیرہ

فقہاء حنابلہ کی نظر میں

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ البناء علی القبر وتجصیصہ والکتابۃ علیہ لما روی مسلم فی صحیحہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ وزاد الترمذی وان یکتب علیہ وقال ھذا حدیث حسن صحیح ولان ذلک من زینۃ الدنیا فلا حاجۃ بالمیت الیہ[1]

مکروہ ہے قبر پر عمارت بنانا اور قبر کو پختہ بنانا اور قبر پر لکھنا کیونکہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے سے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی نے ایک لفظ اور بڑھایا ہے کہ قبر پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ (قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر عمارت بنانا وغیرہ) دنیا کی زیب زینت کی اشیاء ہیں۔ میت (مردہ) کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اور دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] المغنی ص۳۸۶ ج۲ اور اسی طرح عبدالرحمن بن عمر محمد بن احمد بن قدامہ متوفی ... نے الشرح الکبیر ص۳۸۶ ج۲ میں ذکر کیا ہے۔

ولا يجوز ان يبنى عليه مسجد لقول النبي صلى الله عليه وسلم لعن الله اليهود اتخذوا قبور انبيائهم مساجد[۱]

قبر پر مسجد بنانا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ یہود پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنایا۔

اور پہلی کتاب میں فرماتے ہیں۔

ولو ابيح لم يلعن النبي صلى الله عليه وسلم من فعله ولان فيه تضييعا للمال و افراطا في تعظيم القبور اشبه تعظيم الاصنام ولا يجوز اتخاذ المساجد على القبور[۲]

اگر یہ (چراغ جلانا اور قبروں پہ مسجدیں بنانا اور عورتوں کو قبروں کی زیارت کیلئے جانا) جائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لعنت نہ فرماتے اور دوسری بات یہ ہے، کہ اسمیں مال کو فضول ضائع کرنا ہے اور قبروں کی تعظیم میں اتنی افراط اور زیادتی ہے کہ بتوں کی تعظیم سے مشابہ ہے اور قبروں پہ مسجدیں بنانا ناجائز ہیں۔

اور علامہ شیخ علاء الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عباس متوفی ۸۰۳ھ فرماتے ہیں

ويحرم الاسراج على القبور واتخاذ المساجد عليها وبينها وتتعين ازالتها قال ابو العباس ولا اعلم فيه خلافا بين العلماء المعروفين[۳]

قبروں پر چراغ جلانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہیں۔ ان چیزوں کا ڈھانا متعین ہے۔ ابو العباس (شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ) فرماتے ہیں کہ میں نے معروف علماء کے درمیان اختلاف کو (اس مسئلہ میں) نہیں دیکھا۔

---

۱ المغنی فی فقہ الامام احمد ص ۳۶۰ اور یہی بات المقنع فی فقہ الامام احمد ص ۲۸۵ میں ذکر کیا ہے۔
۲ المغنی ج ۲ ص ۳۶۶ ۳ الاختیارات الفقہیۃ ص ۸۸۔

شیخ الاسلام ابن قیمؒ متوفی ۷۵۱ھ

قبروں پر چادریں ڈالنا اور قبروں کو پتھروں اور پکی اینٹوں سے مضبوط بنانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فكل هذه بدعة مكروهة مخالفة لهديه عليه السلام وقد بعث علي بن ابي طالب الى اليمن... ان لا يدع تمثالا الا طمسه ولا قبرا مشرفا الا سواه[۱]

یہ تمام چیزیں مکروہ اور بدعت ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے مخالف ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا تھا کہ کوئی مجسمہ توڑے بغیر مٹائے نہ چھوڑدیں اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑدیں مگر اس کو برابر کردیں۔

خُلاصہ کلام

یہ ہوا کہ:

قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور مسجدیں بنانا اور چراغ جلانا وغیرہ، مروجہ امور کو احادیث سے غلط اور باطل ثابت کردیا گیا اور یہ بھی بتایا کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ائمہؒ ان چیزوں کے مخالف ہیں، اور فقہائے احناف، شوافع اور حنابلہ تمام ہی ان چیزوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

اور میں نے اجمالی تبصرہ مندرجہ ذیل کتابوں سے کردیا ہے۔

• صحیح مسلم • مسند احمد بن حنبل • ابو داؤد • ترمذی • النسائی • السنن الکبری

---

۱ زاد المعاد ص ۵۲۴ ج ۱ - اس حدیث کے متعدد حوالجات پہلے ذکر کئے گئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کریں۔

• شرح السنۃ[7] • جامع الاصول[8] • مجمع الزوائد[9] • صحیح بخاری[10] • ارشاد الساری[11] • منہاج السنۃ[12] • نیل الاوطار[13] • تفسیر ابن کثیر[14] • تفسیر روح المعانی[15] • المغنی[16] • الزواجر[17] • المعجم المفہرس[18] • بذل المجہود[19] • نوادر الاصول[20] • مستدرک[21] • تلخیص الذہبی[22] • عارضۃ الاحوذی[23] • السیر الکبیر[24] • جلاء العینین[25] • کتاب الآثار[26] • کتاب الام[27] • کتاب الاصل[28] • المحلی[29] • المبسوط[30] • معانی الآثار[31] • فتاوی قاضیخان[32] • فتاوی بزازیہ[33] • بحر الرائق[34] • الکبیری[35] • بدائع الصنائع[36] • فتح القدیر[37] • المستخلص[38] • خلاصۃ الفتاوی[39] • حجۃ اللہ البالغہ[40] • فتاوی رشیدیہ[41] • فتاوی دار العلوم دیوبند[42] • رد المحتار[43] • مجموعہ رسائل ابن عابدین[44] • مجالس الابرار[45] • فتاوی عالمگیری[46] • النووی شرح مسلم[47] • نصب الرایۃ[48] • عمدۃ القاری[49] • مختصر المزنی[50] • المجموع شرح المہذب[51] • کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار[52] • المغنی[53] • الشرح الکبیر[54] • الکافی[55] • المقنع[56] • الاختیارات الفقہیۃ[57] • زاد المعاد[58] •

حضرات! جو شخص حق کا طالب ہو تو اس کے لیے اپنا ضمیر اس سے آگے چلنے کی اجازت نہیں دے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ جو چیز قرآن و سنت کے خلاف ہو۔ تو اس کے باوجود اگر ایک شخص اس غلط کام پر ڈٹ جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک قرآن اور احادیث صحیحہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے کیا خوب ہی فرمایا ہے۔

کل ما جاء بہ نص قرآن	جس چیز پر قرآن کی آیات یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
او سنۃ فلا ینکرہ الا جاھل	کی سنت موجود ہو تو اس سے انکار نہیں کرے
او مغفل او ردی الدین[1]	گا مگر جاہل یا غافل یا مردود دین والا

[1] الفصل فی الملل والاھواء والنحل ص۷۲ ج۴

مسئلہ مذکورہ کو ہم نے احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ امور شریعت مطہرہ کے سراسر خلاف ہیں اور ساتھ ہی ائمہ مجتہدین، فقہاء، ائمہ دین، مفسرین اور محدثین کے اقوال سے واضح کر دیا کہ جو لوگ دن رات ان کے اثبات میں ہمہ تن سرگرم ہیں اور ان کے خلاف کرنے والوں پر وھابی، نجدی کے فتوے لگا رہے ہیں۔ یہ لوگ برائے نام اہل السنت والجماعت، بزرگان دین اور سلف صالحین کی طرف اپنے آپ کی نسبت کرتے ہیں بلکہ یہ حضرات احادیث صحیحہ کے جیسے کہ مخالف ہیں اس طرح اپنے مذہب کے بھی مخالف ہیں

غضب بالائے غضب یہ ہے کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور فقہائے احناف، شوافع، حنابلہ تمام کے مخالف ہیں۔ لہٰذا جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن ملنا ہے اور وہاں حساب کتاب ہوگا تو وہ گہری نظر سے مطالعہ کر کے نظریہ تبدیل کریں اگر اس تحقیق کے باوجود وہ کسی کے بے معنی حواشی سے دھوکہ میں مبتلا رہے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا	• نہ قبروں کو پختہ کرنا نہ ان پر عمارت بنانا
چار اماموں نے تصریحات ہی فرمائیں	• ناجائز ہے قبروں کو پختہ کرنا اور گنبد بنانا
محدثین فقہاء تمام اس کے ہیں قائل	• ناجائز ہی ہیں پھر کیوں حق کو نہ مانا
ایمان سے کہدو تم کبھی بھی![1]	• نفاہمت سے بات کرو گے یا ہمیشہ جاہلانا
یا تمہارا وظیفہ ہے وجدنا آباءنا[2]	• اور سنت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا
کیا ایمان نہیں ہے تمہارا خدا پر	• کہ ہم کو لوگوں کیلئے بنانے ہونٹ نا

[1] سمجھداری [2] کہ ہم نے باپ دادا کو اس پر پایا ہے ۔

کیا کروگے یوم جزا میں مالک کے سامنے • جب ہم صاف کریں گے اپنا دامن مظلومانا
نام رکھتے ہیں اپنا اہل السنت والجماعۃ! • صحیح ادلہ کی تردید کے لیے بناتے ہیں بہانا
ہم کو بناتے ہو ہنج پیری وہابی • یہ الزامات ہیں بری عادت مثل زنانا
اگر تم میں ہو ہمت یا دیانت • تو لاؤ کوئی دلیل برائے جواز گنبد بنانا
اگر محمدؐ کو اپنا نبی مانتے ہو تم بھی!! • تو قبروں کو نہ پختہ کرنا نہ ان پر گنبد بنانا
یا سچے ہو تم دعوی تقلید میں! • تو حرام سمجھو قبروں کو پختہ کرنا ان پر گنبد بنانا
حق سے تم ہو اعراض کرنے والے! • پھر کیوں ہم کو بناتے ہو طعنوں کو نشانا
خوف کرو اللہ تعالیٰ کی صفت قہار سے • جزا دے گا یوم جزا میں ہی حرکت مجرمانا

میں خان بادشاہ غریب گنہگار رہوں بے شک!

لیکن عوام کے مالوں کو نہیں بناتا ہوں بہانا

تمام دلائل ہیں تمہارے سامنے • ہم پر فرض تھا بیان ماننے نہ ماننا
انشاء اللہ دیکھو گے اگر تم نے قلم اٹھایا • غریب کے قلم میں بعد رعمدہ ہیں تمہا منکر کا ما
الزامات نہ لگاؤ خوف کرو خدا (تعالیٰ) سے! • ایسا نہ ہو کہ بن جائے تم کو جہنم ٹھکانا!

نوٹ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گنبد خضراء جو مکان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بنائی گئی ہے۔ اس پر اپنے حضرات کو قیاس کرنا جہالت ہے۔

(تدبروکن علی بصیرۃ)

○

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

"پختہ مزارات اور ان کے قبے": قبروں کو پختہ کرنے کی ممانعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اوپر نقل کر چکا ہوں، ہمارے ائمہ اہل سنت نے انہی ارشادات کی روشنی میں اس کے حرام ہونے کا فتوی دیا ہے۔ امام محمد رح (جو ہمارے امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد اور ان کے مذہب کے مدون ہیں) فرماتے ہیں:

ولا نری ان یزاد علی ما خرج منہ ونکرہ ان یجصص او یطین.... ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیٰ عن تربیع القبور وتجصیصھا قال محمد بہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ۔ (کتاب الآثار ص۹۶)

اور ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلے اس سے زیادہ ڈالی جائے۔ اور ہم قبریں پختہ بنانے اور انکی لپائی کو مکروہ جانتے ہیں... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبریں مربع بنانے اور انھیں پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہمارا یہی مذہب ہے۔ اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر اونچی قبر کو منہدم کرکے اسے برابر کرنے کا حکم دیا تھا۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق میں نے مکہ مکرمہ میں ائمہ کو قبروں پر بنائی گئی عمارتوں کے منہدم کرنے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے ——— (شرح مسلم نووی ص۳۱۲ ج۱)

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرات اولیاء اللہ کے مزارات پر جو گنبد اور قبے بنے ہوئے ہیں وہ اکابر اس سے بالکل بری ہیں۔ انھوں نے نہ اس فعل کو کبھی پسند فرمایا۔ نہ اسکی اجازت دی ہے۔ اور نہ اسکی وصیت فرمائی ہے، اسکی ذمہ داری ان دنیا دار امراء و سلاطین پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ کی مخالفت کرکے اس فعلِ شنیع کو روا رکھا، اور اب تو لوگوں نے قبر کے پختہ ہونے اور اسپر شاندار روضہ تعمیر ہونے ہی کو ولایت کا معیار سمجھ لیا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات آپ کے علم میں ہونگے کہ کسی تاجر

قبر نے خواب یا الہام کا حوالہ دیکر کسی جگہ جعلی قبر بنا ڈالی اور لوگوں نے اسکی پرستش شروع کر دی. اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا الیہ راجعون ط بہرحال حنفی مذہب کی قریباً تمام معتبر کتابوں. مثلاً عالمگیری، قاضی خان، بحر الرائق، درمختار، کبیری وغیرہ میں اس فعل کو ناجائز لکھا ہے. علامہ ابن عابدین شامی رح فرماتے ہیں:

اما البناء فلم ارَ من اختار جوازہٗ (ردّ المحتار صفحہ ۲۳۳ جلد ۲ طبع جدید مصر)

میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے جواز کو اختیار کیا ہو۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی رح فرماتے ہیں:

وآنچہ بر قبور اولیاء عمارتہائے رفیع بنا می کنند، وچراغاں روشن کنند و ازیں قبیل ہرچہ می کنند حرام است۔ (مالابدمنہ صفحہ ۸۴ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۱۱ھ)

اور یہ جو اولیاء اللہ کی قبروں پر اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں. چراغاں کرتے ہیں، اور اسی قسم کے اور کام جو کرتے ہیں، یہ سب حرام ہیں۔

قبروں پر غلاف چڑھانا:

قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، صحابہؓ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی. علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

فی الاحکام عن الحجۃ: تکرہ الستور علی القبور.

(ردّ المحتار صفحہ ۲۲۸ جلد ۲)

"الاحکام میں "الحجۃ" سے نقل کیا ہے کہ قبروں پر چادر ڈالنا مکروہ ہے۔

قبروں پر چراغ جلانا:

قبر پر چراغ اور قندیل روشن کرنے سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج.

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۷۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

علامہ علی القاری حنفی اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

والنہی عن اتخاذ السراج لما فیہ تضییع المال، لانہ لا نفع لاحد من السراج، ولانہا من آثار جہنم، واما للاحتراز عن تعظیم القبور کالنہی عن اتخاذ القبور مساجد (حاشیۂ مشکوٰۃ)

قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لئے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں، اور اس لئے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبروں سے دور رکھنا چاہیے)، یا یہ ممانعت قبروں کی تعظیم سے بچانے کے لئے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی فرماتے ہیں:

"قبور اولیاء بلند کردن، وگنبد براں ساختن، وعرس وامثال آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است، بعضے ازاں حرام است، و بعضے مکروہ، پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ، و فرمودہ کہ قبر مرا عید ومسجد نکنید۔ درمسجد سجدہ میکنند، وروز عید برائے مجمع روزے در سال مقرر کردہ شدہ۔ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم علی رضی اللہ عنہٗ را فرستاد کہ قبور مشرفہ را برابر کنند، وہر جاکہ تصویر بنبید اورا محو کنند"

(ارشاد الطالبین صفحہ ۲۰)

ترجمہ: "اولیاء اللہ کی قبروں کو اونچا کرنا، ان پر گنبد بنانا، ان کا

عرس وغیرہ کرنا، چراغ روشن کرنا، یہ ساری چیزیں بدعت ہیں۔ ان میں بعض حرام ہیں۔ اور بعض مکروہ۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر شمع جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید اور مسجد نہ بنالینا۔ مسجد میں سجدہ کیا کرتے ہیں، اور عید کا دن مجمع کے لئے سال میں ایک دن مقرر کیا گیا ہے ــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ اونچی قبروں کو برابر کر دیں۔ اور جہاں تصویر دیکھیں اُسے مٹا ڈالیں"

قبروں پر طواف اور سجدہ وغیرہ:

ناواقف لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں۔ ان کے آستانے کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ اور ہمارے ائمہ اہل سنّت نے ان کے حرام وناجائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس لئے کہ طواف، سجدہ، رکوع، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور ہماری شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کی اجازت نہیں دی ہے کہ پوجا کی حد تک پہنچ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ پہلی اُمتیں اسی غلو سے گمراہ ہوئی ہیں۔ اس لئے آپؐ نے اپنی اُمت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں فرماتے تھے:

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۹)

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ کی جگہ نہ بنانا میں

تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (حوالۂ بالا)

ایک اور حدیث میں ہے:

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔ اشتد غضب اللہ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد (مشکوٰۃ شریف ص۷۲)

اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنا جس کو پوجا جائے۔ اللہ کا غضب سخت بڑھکتا ہے اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنائے۔

قیس بن سعد صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد لہ؟ فقلت لا، فقال لا تفعلوا لوکنت آمر احدًا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من حق (مشکوٰۃ شریف ص۲۸۲)

دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گذرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر زندگی میں بھی، نہ کرو اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، بوجہ اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ان پر رکھا۔

ان احادیث طیبہ پر غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے میں قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدّت سے محسوس فرماتے ہیں اور پھر کس سختی کے ساتھ اس سے ممانعت فرماتے ہیں، جس قبر کو سجدہ کیا جائے اسے بُت قرار دیکر سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرماتے ہیں اور اسے غضب خداوندی کے بھڑکنے کا سبب ٹھہراتے ہیں:

ان احادیث کی بناء پر علمائے اہل سنت نے قبر پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا

ہے۔ ملا علی قاری رح حدیث " لعن اللہ الیہود و النصارٰی "، کی شرح میں فرماتے ہیں :
" یہود و نصارٰی کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے ——— یا اس لئے کہ وہ انبیاء کے مدفن میں اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھتے تھے۔ اور نماز کی حالت میں قبروں کی طرف منہ کرتے اور ان پر سجدہ کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ بیک وقت دو نیک کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی، اور انبیاء کرام کی تعظیم میں مبالغہ بھی۔ اور یہ شرکِ خفی تھا۔ کیونکہ یہ فعل مخلوق کی ایسی تعظیم کو متضمن تھا جس کی اجازت نہیں دی گئی ——— پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا یا تو اس لئے کہ یہ فعل یہودیوں کی سنت کے مشابہ ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں شرکِ خفی پایا جاتا ہے " (حاشیہ مشکوٰۃ ص۶۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح " الفوز الکبیر " میں فرماتے ہیں :
" اگر تم مشرکین کے عقائد و اعمال کی پوری تصویر دیکھنا چاہو تو اس زمانے کے عوام اور جہلاء کو دیکھو کہ وہ مزارات و آثار پر جاکر طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کس طرح کرتے ہیں۔ اس زمانے کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جس میں اس زمانے میں کوئی نہ کوئی قوم مبتلا نہیں۔ اور ان کے مثل اعتقاد نہیں رکھتی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ایسے عقیدوں اور عملوں سے بچائے ———

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں :
سجدہ کردن بسوئے قبور اولیاء و طواف گرد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است، بلکہ چیزہا ازان بکفر میرساند۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ، و ازان منع فرمودند، و گفتہ کہ قبر مرا بُت نہ کنند " (مالا بد منہ ص۸۵)

ترجمہ : اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعاء مانگنا، ان کے لئے نذر قبول کرنا حرام ہے، بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور ان سے منع کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بُت نہ بنا لینا "

اور ارشاد الطالبین (ص۱۸) میں فرماتے ہیں :
" و گرد قبور گردیدن جائز نیست، کہ طواف بیت اللہ حکم نماز دارد، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف البیت صلوٰۃ۔ طواف بیت اللہ حکم نماز دارد "

ترجمہ : " اور قبروں کے گرد چکر لگانا جائز نہیں۔ کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے "

فتاوٰی عالمگیری ص۳۵۱ ج۵ میں ہے :

قال برهان الترجمانی لا نعرف وضع الید علی المقابر سنة ولا مستحسنا، ولا نرٰی به بأسا، و قال عین الائمة الکرابیسی هکذا وجدناه من غیر نکیر من السلف، و قال شمس الائمة المکی بدعة. کذا فی القنیة. ولا یمسح القبر ولا یقبله، فان ذٰلك من عادة النصارٰی " ———

ترجمہ : " برہان ترجمانی کہتے ہیں کہ ہم قبر پر ہاتھ رکھنے کو نہ سنت سمجھتے ہیں اور نہ اچھی بات۔ لیکن اگر کوئی ہاتھ لگائے تو گناہ نہیں سمجھتے۔ عین الائمہ کرابیسی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو سلف سے نکیر کے بغیر

ایسا ہی پایا ہے۔ اور شمس الائمہ مکی فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ (قنیہ)
اور قبر پر ہاتھ نہ پھیرے، اور نہ اس کو بوسہ دے، کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادت ہے۔"

اس فتوی کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی قبر پر ہاتھ رکھا جائے تو مضائقہ نہیں، جب کہ اسے سنت یا اچھی بات نہ سمجھا جائے، لیکن اسپر ہاتھ پھیرنے کو باعث برکت سمجھنا، اس کو چومنا اور بوسہ دینا "بدعت" ہے۔ یہ سلف صالحین کا طریقہ نہیں تھا۔ بلکہ نصاریٰ کا معمول ہے۔

قبروں پر منتیں اور چڑھاوے:

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں، بلکہ انکی منتیں بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو جائے تو انکی قبر پر غلاف یا شرینی چڑھائینگے یا اتنی رقم ان کی نذر کریں گے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل معلوم کر لینا ضروری ہے۔

(۱) منت ماننا اور نذر و نیاز دینا عبادت ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔ ہمارے حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

"واعلم النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام۔ مالم یقصدوا صرفها لفقرأ الانام، وقد ابتلی الناس بذلک، لاسیما فی هذه الاعصار وقد بسطه العلامة قاسم فی شرح درر البحار"۔ (درمختار قبیل باب الاعتکاف)

ترجمہ: "جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے، اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے پیسے، شمع تیل وغیرہ، ان کے تقرب کی خاطر جو لائے جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں خصوصا اس زمانے میں۔ اور اس مسئلہ کو علامہ قاسمؒ نے "درر البحار" کی شرح میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔"

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی نذر کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں" ایک یہ کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے۔ اور مخلوق کے نام کی منت ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے۔ اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی ـــــ دوم یہ کہ جس کے نام کی منت مانی گئی ہے وہ میت ہے۔ اور مُردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ـــــ سوم یہ کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مرا ہو شخص بھی تکوینی امور میں تصرف رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے ـــــ (رد المحتار ص ۱۳۹)

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

"عبادت مر غیر خدا را جائز نیست، ونہ مدد خواستن از غیر خدا۔۔۔۔ پس نذر کردن برائے اولیاء جائز نیست کہ نذر عبادت است" (ارشاد الطالبین ص ۱۸)

ترجمہ: "عبادت غیر خدا کی جائز نہیں اور نہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہی جائز ہے۔۔۔ پس اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے۔"

الغرض یہ مسئلہ ہماری بڑی بڑی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ اس لئے اولیاء اللہ کے مزارات پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا بالاجماع حرام اور باطل ہے۔

(۲) اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں۔ اگر پورا کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ فتاوٰی عالمگیری، بحر الرائق اور دیگر فتاوٰی میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر کسی معصیت کی نذر مانی ہو تو وہ صحیح نہیں اور نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ (فتاوٰی عالمگیری ص ۲۰۸ ج ۱) بلکہ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ حضرت قاضی

ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں ؛

"واگر کسے نذر کرد وفائے نذر نکند، کہ احتراز از معصیت بقدرِ امکان واجب است" (ارشاد الطالبین صا۱۸)

اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے، کیونکہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

مطلب یہ کہ ایسی نذر ماننا ہی گناہ تھا، اب اس کو پورا کرنا ایک مستقل گناہ ہوگا۔ اس لئے پہلے گناہ سے توبہ کرے، اور دوسرے گناہ کی حماقت نہ کرے۔

(۳) اگر کسی شخص نے ایسی نذر مانی اور اسے پورا بھی کر دیا تو وہ چیز غیر اللہ کے لئے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی، اور اس کا استعمال کسی شخص کے لئے بھی جائز نہیں ہوگا ——— البتہ جس شخص نے یہ چڑھاوا چڑھایا ہے جب تک وہ چیز اپنی اصل حالت میں موجود ہو وہ اپنی منت سے توبہ کرکے اُسے واپس لے سکتا ہے۔ یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لئے چڑھاوے کے طور پر نامزد کیا گیا ہو، کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے منّت ماننے والا اپنی منت سے توبہ کرکے اس کو واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام ذبح کر دیا گیا، خواہ بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔ امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرّہ، مکتوبات شریفہ دفتر سوم، مکتوب ۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں ؛

"حیوانات را از مشائخ می کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں امر را نیز داخل شرک ساختہ اند و دریں مبالغہ نمودہ وایں ذبح را از جنس ذبائح جنّ انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرہ شرک"

"جو جانور کہ بزرگوں کے نام پر دیتے ہیں، اور ان کی قبروں پر جاکر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ فقہی روایات میں اس امر کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس سے بچنے کی بہت ہی تاکید کی ہے، اور اس ذبح کو ان ذبیحوں کی جنس میں سے شمار کیا ہے جو جنات کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اور جو شرعاً منع اور شرک کے دائرہ میں داخل ہیں"

(۴) اور اگر کسی شخص نے منّت اللہ تعالیٰ کے لئے مانی ہو، اور محض اس بزرگ کی روح کو ایصالِ ثواب مقصود ہو، یا وہاں کے فقراء کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو اس کو حرام اور شرک نہیں کہا جائے گا۔ مگر عوام اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے مسئلہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے، اس لئے اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رح کی اوپر جو عبارت لکھی گئی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ؛

"ازیں عمل نیز اجتناب باید نمود کہ شائبہ شرک دارد۔ وجوہ نذر بسیار است۔ چہ در کار ست کہ نذر ذبح حیوانے کنند وارتکابِ ذبح آں نمایند و بذبح جنّ ملحق سازند و تشبہ بعبدۂ جنّ پیدا کنندہ" (مکتوب ۴۱ دفتر سوم)

"اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ شرک کا شائبہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نام کی منّت ماننے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، کیا ضروری ہے کہ حیوان کے ذبح ہی کی منّت مانی جائے۔ اور اس کے ذبح کا ارتکاب کیا جائے۔ اور جنات کے نام ذبح کئے ہوئے جانور کے ساتھ اس کو ملحق کیا جائے اور جنات کی پرستش کرنے والوں سے مشابہت کی جائے"

(۵) اگر کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اتنے روپے کی شیرینی یا اتنا کپڑا، یا اتنا غلہ ——— خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی کی خانقاہ کے فقیروں میں تقسیم کروں گا۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ قدس سرّہ کو پہنچاؤں گا تو اس کی نذر صحیح ہے۔ لیکن اگر اس کا وہ کام پورا ہو جائے تو ضروری نہیں ہے کہ انہی فقیروں پر یہ چیز تقسیم کرے جن کا اس نے نام لیا تھا۔ بلکہ اتنی شیرینی، اتنا غلہ، اتنا روپیہ وغیرہ خواہ کسی بھی فقیر کو دے دے اسکی نذر پوری ہو

جائے گی۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ کو پورا ملے گا۔ اور اگر اس کا دل کسی اور فقیر کو دینے پر راضی نہیں ہوتا بلکہ حضرت خواجہ کی خانقاہ کے فقیروں کو دینا ہی ضروری سمجھتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ اس کے بغیر اسکی نذر پوری نہیں ہوگی تو اس سے ثابت ہوگا کہ یہ شخص دراصل اللہ تعالیٰ کی نذر نہیں مان رہا۔ بلکہ خود حضرت خواجہ کو چڑھاوا دینا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر یہ نذر محض اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوتی اور حضرت خواجہ کو محض ایصالِ ثواب مقصود ہوتا، اس نذر سے خود ان کا تقرب مقصود نہ ہوتا تو اس نذر کے پورا ہونے کا جو طریقہ ائمہ دین نے بتایا تھا اسپر اس کا دل ضرور راضی ہو جاتا ـــــــ لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مان رہا ہوں۔ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو منّتیں مانی جاتی ہیں اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو۔ اور یہ خیال ہو کہ ان نذروں کو قبول کر کے وہ ہمارا کام کر دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی منّت نہ دی تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور اس سے ہمارے کاروبار۔ جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو جیسا کہ اوپر دُرِّ مختار کی عبارت گذری ہے یہ بالاجماع حرام اور باطل ہے۔ اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر ان بزرگوں کی منّت نہیں مانی جاتی۔ بلکہ منّت صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جاتی ہے اور ان بزرگوں کی ناراضی و رضامندی کا اس منّت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کو صرف ثواب پہنچانا مقصود ہے تو یہ منّت بلاشبہ صحیح ہے، مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو لوگ بزرگوں کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور منّتیں مانتے ہیں، ان کی یہ نیّت ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ وہ یہ کہکر کہ "ہم خدا کی منّت مان رہے ہیں۔ اور بزرگوں کو صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے" اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ امام ربّانی مجدد الف ثانی رح اسی مکتوب ۴۱ دفتر سوم میں آگے لکھتے ہیں:

"اسی (نذر لغیر اللہ) کی قسم سے عورتوں کے وہ روزے بھی ہیں جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیّت سے رکھتی ہیں۔ اکثر ان کے نام اپنی طرف سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیّت کرتی ہیں، اور افطار کے وقت ہر خاص روزہ کے لئے ایک مخصوص طریقہ مقرر کرتی ہیں اور ان روزوں کے لئے دنوں کا تعیّن بھی کرتی ہیں، اپنے مقاصد و مطالب کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں۔ اور ان روزوں کے وسیلے سے ان پیروں اور بیبیوں سے اپنی مرادیں مانگتی ہیں اور اپنی مرادوں کا پورا ہونا انہی کی طرف سے سمجھتی ہیں۔ اور یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلے سے اس غیر اللہ سے اپنی مرادیں مانگنا ہے، اس فعل کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

جب اس فعل کی برائی ظاہر کی جائے تو بعض عورتیں جو کہا کرتی ہیں کہ "ہم یہ روزے خدا کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں" یہ نرا بہانہ ہے۔ اگر یہ اس بات میں سچی ہیں تو ان روزوں کے لئے دنوں کا تعیّن کس لئے؟ اور افطار کے لئے خاص قسم کے کھانے تخصیص اور طرح طرح کی شکلوں کی تعیین کیسی؟"

(۶) اسی نذر کے سلسلہ میں ایک اہم ترین مسئلہ، جو اس باب میں فیصلہ کن ہے اور جس سے عوام ہی نہیں، بلکہ بہت سے پڑھے لکھے بھی غافل ہیں۔ یہ ہے کہ دراصل کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منّت کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ نہ اس سے قضا و قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں۔ صحیحین میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مشہور ارشاد ہے:

"لا تنذروا، فان النذر لا یغنی من القدر شیئًا و انما یستخرج به من مال البخیل۔"

"منّتیں نہ مانا کرو، کیونکہ منّت، تقدیر کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتی اس کے ذریعہ سے تو بس بخیل کا مال نکالا

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ٢٩٦) جاتا ہے۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

"منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بناء پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو ٹال دیتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے منتیں مانا کرتے تھے۔ اور یہ بخیل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اس لئے ان کو روکا گیا۔ لیکن سخی لوگ بغیر واسطۂ نذر کے باختیار خود صدقہ دیتے ہیں، پس اس غرض سے منت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی۔ اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ منت تو مانی جائے مگر مخلصانہ طریقے پر" (حاشیہ مشکوٰۃ)

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ سے ردِّ بلا ہوتا ہے لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہوا تو صدقہ دیں گے ورنہ نہیں — بہر حال جو منت اللہ تعالیٰ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضاو قدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں ان سے خدا تعالیٰ کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہو تب تو لوگ تقدیر کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "بس قسمت میں یونہی لکھا تھا" اور اگر کام ہوگیا تو اس کو تقدیر کا کرشمہ نہیں سمجھتے بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم نے فلاں پیر کی منت مانی تھی، اس نے (نعوذ باللہ) یہ چیز ہم کو دیدی — یہ ہے وہ جڑ جس سے فسادِ عقیدہ کی کونپلیں پھوٹتی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندوں کا پجاری بناتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد میں اس جڑ پر تیشہ چلایا ہے کہ منت خدا کے نام کی مانی جائے وہ بھی اس کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی، چہ جائیکہ وہ منت جو اس کے عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے —

قبروں پر پھول ڈالنا

※※※

سوال:

روزنامہ جنگ ١٢ر دسمبر کی اشاعت میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ قبروں پر پھول چڑھانا خلافِ سنت ہے۔ ١٩ر دسمبر کی اشاعت میں ایک صاحب شاہ تراب الحق قادری نے آپ کو جاہل اور علم کتاب و سنت سے بے بہرہ قرار دیتے ہوئے اس کو سنت لکھا ہے جس سے کافی لوگ تذبذب میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ براہِ کرم یہ خلجان دور کیا جائے۔

جواب:

شریعت کی اصطلاح میں "سنت" اس طریقہ کو کہتے ہیں جو دین میں ابتداء سے چلا آتا ہو۔ پس جو عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا ہو وہ سنت ہے۔ اسی طرح حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم) نے جو عمل کیا ہو وہ بھی "سنت" ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ عمل خیر القرون میں رائج تھا یا نہیں؟ جو عمل صدرِ اول (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم کے بابرکت زمانوں) میں رائج رہا ہو وہ بلاشبہ سنت ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والے "اہلِ سنت" یا "سُنّی" کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کے برعکس جو عمل کہ ان بابرکت زمانوں کے بعد ایجاد ہوا ہو اس کو بذاتِ خود مقصد اور کارِ ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں وہ اہل بدعت یا بدعتی کہلاتے ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیکڑوں لاڈلے صحابہ کرامؓ کو دفن کیا ماشاء اللہ مدینہ طیبہ ومطہرہ میں پھولوں کی کمی نہیں تھی ۔ کیا آپؐ نے کسی قبر پر پھول چڑھائے؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کیا خلفائے راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس پر پھول چڑھائے ؟ کیا صحابہ کرامؓ نے حضرات خلفاء راشدین کی قبورِ طیبہ پر اور تابعینؒ نے کسی صحابی کی قبر پر پھول چڑھائے ؟ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے ۔ اور پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، کسی خلیفۂ راشدؓ ، کسی صحابیؓ یا کسی تابعیؒ نے قبروں پر پھول چڑھائے ہوں ۔ پس جو عمل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر کسی ادنیٰ تابعی تک سے ثابت نہ ہو اس کو " سُنّت " کون کہہ سکتا ہے ؟ ہاں اگر کوئی صاحب کسی ایسے کام کو بھی " سنّت " سمجھا کرتے ہیں جو معمولِ نبویؐ اور صحابہؓ وتابعینؒ کے معمول کے خلاف ہو تو اس ناکارہ کو اعتراف ہے کہ وہ " سنّت " کی اس نئی اصطلاح سے ناواقف ہے ۔

ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایک چیز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وتابعینؒ کے زمانوں میں وجود نہیں تھا ، بلکہ بعد میں وجود میں آئی اور کسی امام مجتہد نے کسی اصل شرعی سے استنباط کر کے اسے جائز یا مستحسن قرار دیا ، ایسی چیز کو سنت نبوی تو نہ کہا جائے گا ، مگر ائمہ اجتہاد کا قیاس واستنباط بھی چونکہ ایک شرعی دلیل ہے اس لئے ایسی چیز کو خلاف شریعت بھی نہیں کہا جائے گا ۔ بلکہ اسے بھی ثابت بالسّنہ سمجھا جائے گا ۔

زیر بحث مسئلہ میں یہ صورت بھی نہیں پائی جاتی ۔ کیونکہ اول تو پھول اور قبر ایسی چیزیں نہیں جو زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آئی ہوں ۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قبریں بھی تھیں ، اور پھول بھی تھے ۔ اور ان پھولوں کو قبروں پر آسانی سے ڈالا بھی جا سکتا تھا ۔ اگر یہ کوئی مستحسن چیز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قولاً یا فعلاً اس کو رواج دے سکتے تھے ۔

پھر فقہ حنفی کی تدوین ہمارے امام اعظمؒ کے زمانے سے شروع ہوئی اور دوسری صدی سے لیکر دسویں صدی تک بلا مبالغہ ہزاروں فقہی کتابیں لکھی گئیں ۔ ہمارے فقہاء نے کفن دفن اور قبر سے متعلق ادنیٰ ادنیٰ مستحبات اور سنن وآداب کو بڑی بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے ۔ لیکن دس صدیوں کا پورا فقہی لٹریچر اس سے خالی ہے کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی " سنّت " ہے ، اب اگر یہ عمل بھی سنت ہوتا تو دس صدیوں کے ائمہ احناف اس " سنّت " سے کیوں غافل رہے ؟ آخر یہ کیسی سنّت ہے جس کا سراغ نہ زمانہ خیر القرون میں ملتا ہے ، نہ ذخیرۂ حدیث میں ، نہ دس صدیوں کے فقہی ذخیرہ میں ۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے ہیں ۔ نہ خلفاء راشدین ۔ نہ صحابہ وتابعین ، نہ ائمہ مجتہدین ، اور نہ دس صدیوں کے علماء ۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ زمانہ مابعد کے متاخرین کے استحسان سے " سنت " تو کجا ؟ جواز بھی ثابت نہیں ہوتا ۔ امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کرتے ہیں :

قال الشیخ الامام الشھید	" شیخ امام شہید رحمہ اللہ فرماتے
رحمہ اللہ سبحانہ : لانأخذ	ہیں کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو
باستحسان مشائخ بلخ . وانما	نہیں لیتے ہم صرف اپنے متقدمین
نأخذ بقول اصحابنا المتقدمین	اصحابؒ کے قول کو لیتے ہیں ، کیونکہ
رحمھم اللہ سبحانہ . لان	کسی علاقے میں کسی چیز کا رواج
التعامل فی بلدۃ لایدلّ علی	چل نکلنا اس کے جواز کی دلیل نہیں .
الجواز وانما یدل علی الجواز	جواز کی دلیل وہ تعامل ہے جو صدر
ما یکون من الصدر الاول	اول سے چلا آتا ہے جس سے یہ
لیکون ذلک دلیلاً علی تقریر	ثابت ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ
النبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ و	علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس پر برقرار

السلام ایاھم علی ذلک فیکون	رکھا۔ اس صورت میں یہ آنحضرت
شرعا عنه علیه وعلی آله	صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تشریع
الصلوٰة والسلام۔ واما	ہوگی۔ لیکن جب کہ ایسا نہ ہو تو لوگوں
اذا لم یکن کذلک لا یکون	کا فعل حجت نہیں، الا یہ کہ تمام
فعلهم حجةً۔ الا اذا کان	ملکوں کے تمام انسان اس پر
ذلک من الناس کافةً فی	عمل پیرا ہوں تو یہ اجماع ہوگا۔
البلدان کلها۔ لیکون اجماعًا	اور اجماع حجت ہے۔ دیکھئے۔
والاجماع حجة۔ الا تری	اگر لوگ شراب فروشی اور سود
انهم لو تعاملوا علی بیع	پر عمل کرنے لگیں تو ان کے حلال
الخمر وعلی الربوا لا یفتی	ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔"
بالحل۔ (مکتوبات امام ربانی	
دفتر دوم مکتوب ۵۴)	

رہی وہ حدیث، جو شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ خرما کو دو حصوں میں چیر کر انہیں دو معذب اور مقہور قبروں پر گاڑ دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی روایت سے مروی ہے۔ امام نوویؒ اور قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ تمام روایات ایک ہی قصہ کی حکایات ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کی رائے ہے کہ یہ تین الگ الگ واقعات ہیں۔ اس امر کی تنقیح اگرچہ بہت دشوار ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے یا متعدد واقعات۔ لیکن قدر مشترک سب روایات کا یہ ہے کہ قبروں پر شاخیں گاڑنا عام معمول نبوی نہیں تھا۔ بلکہ مقہور و معذب قبروں پر شاخیں گاڑنے کے ایک دو واقعے ضرور پیش آئے۔

دوم: اس میں بھی کلام ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کافروں کی؟ ابوموسیٰ مدینیؒ کہتے ہیں کہ یہ کافروں کی قبریں تھیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جابرؓ میں بظاہر کافروں کی قبروں کا واقعہ ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں مسلمانوں کی قبروں کا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۶)۔

یہ قبریں کافروں کی ہوں یا مسلمانوں کی؟ اتنی بات واضح ہے اور حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ شاخیں گاڑنے کا عمل ان قبروں پر کیا گیا جن کا مقہور و معذب ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی قطعی یا کشف صحیح سے معلوم ہوگیا۔ عام مسلمانوں کی قبروں پر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخیں گاڑیں۔ اور نہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانے میں رواج عام ہوا۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ قبر پر شاخ گاڑنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ عامہ اور سنّت مقصودہ نہیں تھی۔

سوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کہ "امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی"۔ شارحین نے اس کی توجیہ و تعلیل میں کلام کیا ہے۔ مناسب ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ سے اس مقام کی تشریح بلفظہٖ نقل کردی جائے۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

> "اس حدیث کی توجیہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان شاخوں کے تر رہنے تک تخفیف عذاب کی امید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائی اس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟
>
> بعض لوگ اس پر ہیں کہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نباتات جب تک تر و تازہ رہیں حق تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہیں، اور آیت کریمہ: "اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کہتی ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ" میں شیئ سے زندہ شیئ مراد ہے۔ اور لکڑی کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ خشک نہ ہو۔ اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ یا خاص تسبیح زندہ کے

ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو تسبیح کہ ہر چیز کو عام ہے وہ اس کا وجود صانع پر اور اس کی وحدت اور صفات کمال پر دلالت کرنا ہے۔ اور یہ جماعت اس حدیث سے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے میں استدلال کرتی ہے۔

اور امام خطابیؒ نے، جو ائمۂ اہل علم اور قدوۂ شراح حدیث میں سے ہیں، اس قول کو رد کیا ہے۔ اور اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے سے انکار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بات کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور صدر اول میں نہیں تھی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔ پس آپؐ کی شفاعت شاخ کے خشک ہونے تک کی مدت کے لئے قبول کرلی گئی۔ اور ارشاد نبوی "لعلّ" کا لفظ اسی طرف ناظر ہے۔ واللہ اعلم (اور صحیح مسلم ص ۴۱۸ ج ۲ میں بروایت جابرؓ اس پر تصریح نبویؐ موجود ہے ــ ناقل)

اور علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ شاخ کے اندر دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں، بلکہ یہ عذاب میں تخفیف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔

اگر تو دست لسائی بگور مردہ دلاں
روان مردہ در ابد بعیش در بدنش

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا علم نبوت کے سپرد ہے کہ اس میں کیا راز ہوگا۔ اور جامع الاصول میں بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ دو شاخیں ان کی قبر میں گاڑ دی جائیں، تاکہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی راز ہو اور وہ سبب نجات ہو جائے۔

ع دل عشاق حیلہ گر باشد

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۰۰)

شیخ کی اس تقریر سے واضح ہوجاتا ہے کہ محققین اس کے قائل ہیں کہ تخفیف عذاب کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یا آپؐ کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔ ورنہ شاخ میں دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے شاخ تر کے تسبیح پڑھنے کو دفع عذاب کی علت قرار دیا اور پھر اس کو عام سبزہ و گل کی طرف متعدی کیا، ان کو اجتہاد و استنباط کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ نہ ان کا یہ قول اہل علم کی نظر میں کوئی قیمت رکھتا ہے۔ بلکہ "ائمۂ اہل علم اور قدوۂ شراح حدیث" نے ان کے اس تعلل کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے:

" ایں سخن اصلے ندارد ۔ و در صدر اول نبود "

کہ یہ بالکل بے اصل بات ہے اور صدر اول ــ خیر القرون ــ کے معمول کے خلاف ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ مشکوٰۃ کی عربی شرح "لمعات التنقیح" میں مشہور حنفی فقیہ و محدث اور عارف امام فضل اللہ تورپشتیؒ سے نقل کرتے ہیں:

"تورپشتی کہتے ہیں کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاخوں کے تر رہنے کی مدت تک ان قبروں سے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔

رہا ان لوگوں کا قول جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تر شاخ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے جب تک کہ اس میں تری باقی ہے، پس وہ عذاب قبر سے بچانے والی ہوگی۔ تو یہ قول بالکل بے مقصد اور لاطائل ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔"

(لمعات ج ۲ ص ۴۴)

حضرت شیخؒ کی تشریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ جن مجہول الاسم والرسم لوگوں نے اس حدیث سے قبروں پر سبزہ و گل ڈالنے کا استنباط کیا ہے ائمۂ اسلام نے ان کے قول کو بے اصل، بے مغز، غیر معتبر اور صدر اول کے خلاف بدعت قرار دیا ہے۔ اگر ان کے قول میں پرِ پشہ

کے برابر بھی وزن ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ اس سے محروم رہتے۔

چہارم : اور اگر ان حضرات کی تعلیل کو — جو اہل علم کے نزدیک بے اصل، لاطائل اور غیر معتبر ہے — علی سبیل التنزل تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس سے قبر پر شاخوں کا گاڑنا سنت قرار پاتا ہے۔ نہ کہ قبروں پر پھول بکھیرنا، یا پھولوں کی چادریں چڑھانا۔ چنانچہ علامہ عینیؒ، جو اس تعلیل کو قبول کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

وکذلك ما يفعله اكثر الناس	"اور اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ
من وضع ما فيه رطوبة من	کرتے ہیں۔ یعنی سبزہ و گل وغیرہ
الرياحين و البقول ونحوهما	رطوبت والی چیزوں کا قبروں پر ڈالنا۔
على القبور ليس بشيء و انما	یہ کوئی چیز نہیں۔ سنت ہے تو صرف
السنة الغرض ۔	شاخ کا گاڑنا۔"

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۷۹)

پنجم : نیز اگر ان حضرات کے اس تعلّل کو قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے کافروں اور فساق و فجار کی قبروں پر شاخ گاڑنے کا جواز ثابت ہوگا۔ نہ کہ اولیاء اللہ کی قبور طیبہ پر۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معذّب و مقہور قبروں کے سوا کسی قبر پر شاخ نہیں گاڑی۔ نہ اس کی ترغیب دی۔ اور نہ صحابہؓ و تابعینؒ نے اس پر عمل کیا۔ پس اس تعلّل سے صالحین اور مقبولان الٰہی کی قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ اسے سُنّت یا مستحب کہا جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ کافروں اور گنہگاروں کی قبروں کے ساتھ فرمایا وہ اولیاء اللہ کی قبور سے روا رکھا جاتا ہے۔

شارع علیہ السلام نے عام مسلمانوں کی قبروں پر شاخ گاڑنے کی جو سنت جاری نہیں فرمائی شاید واللہ اعلم اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہو کہ ایسی شاخوں کا گاڑنا قبر کے معذّب و مقہور ہونے کی بدشگونی ہے۔ اور شریعت ایسے کسی امر کو پسند نہیں کرتی جس میں کسی مسلمان

کے بارے میں سوء ظن یا بدشگونی کا پہلو پایا جائے۔ اس لئے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے اولیاء اللہ کی قبور پر پھول ڈالنا بے ادبی ہے۔

دراصل آج جو مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں وہ اس حدیث کی تعمیل کے لئے نہیں۔ بلکہ قبور کی تعظیم اور اہل قبور کے تقرب کے لئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب کے لئے پھول چڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور نہ اس حدیث میں دور دور تک ایسی اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، اس لئے اس کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں در آئی ہے۔ بدعت کی خاصیت یہ ہے کہ جب وہ عام اور شائع ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ علماء کے ذہن و دماغ بھی اس سے متأثر ہو جاتے ہیں۔ اور بدعت کی شناعت و قباحت ان کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے۔ اس لئے بعض علمائے زمانہ کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح اس کے جواز بلکہ استحسان کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ بجائے احیائے سنّت کے بدعت کی ترویج و اشاعت میں ممد و معاون بن جاتے ہیں۔

حدیث جریدہ کی اس مختصر تشریح کے بعد اب جناب شاہ تراب الحق صاحب کے نقل کردہ حوالوں کو لیتا ہوں۔

ان میں سے پہلا حوالہ تو حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی اشعۃ اللمعات کا ہے۔ اس کا پورا متن اوپر نقل کر چکا ہوں۔ اسے پڑھ کر معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز نقل کر رہے ہیں۔ یا اس کو "بے اصل بدعت" فرما رہے ہیں، اور جن لوگوں نے یہ جواز ناروا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حضرت شیخؒ ان کے قول کی تصدیق فرما رہے ہیں یا ان کے قول کو لا یعبأ بہ اور بے قیمت و غیر معتبر فرما رہے ہیں۔

شاہ صاحب نے دوسرا حوالہ یہ نقل کیا ہے کہ :

"ملا علی قاری نے مرقات میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنّت ہے۔"

شیخ علی قاریؒ نے اس حدیث کے ذیل میں پہلے تو امام نوویؒ کا طویل اقتباس نقل کیا ہے، جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

"یہ جو لوگ اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر کھجور وغیرہ کے پتے ڈالتے ہیں امام خطابیؒ نے اس پر نکیر کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔"

شیخ علی قاریؒ اس فقرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لیکن خطابیؒ کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں تو اس میں واضح بحث ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اس کے لئے اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ابن حجرؒ نے اس بحث کی تصریح کی ہے۔ اور کہا ہے "خطابی کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ممنوع ہے۔ بلکہ یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے۔ اسی بنا پر ہمارے متأخرین اصحاب میں سے بعض ائمہ نے فتویٰ دیا ہے کہ پھول اور شاخیں رکھنے کی جو عادت ہوگئی ہے یہ اس حدیث کی بنا پر سنت ہے۔"

ابن حجرؒ کا یہ قول نقل کرکے شیخ علی قاریؒ لکھتے ہیں:

"شاید خطابی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک واقعہ حال خاص ہے۔ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسی لئے اس کی گذشتہ توجیہات کی گئی ہیں۔ سوچ لو، کہ یہ بات محل نظر ہے۔" (مرقاۃ ص ۳۵۱/۲ مطبوعہ ملتان)

شیخ علی قاریؒ کے اس کلام سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے:

۱۔ پھول ڈالنے کو انہوں نے سنّت نہیں کہا۔ بلکہ ابن حجر شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بعض متأخرین شافعیہ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔

۲۔ شیخ علی قاریؒ کو ائمۂ احناف میں سے کسی کا قول نہیں مل سکا کہ یہ فعل سنّت ہو،

متقدمین کا اور نہ متأخرین حنفیہ کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ائمہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا۔

۳۔ ابن حجر نے جن متأخرین شافعیہ کا فتویٰ نقل کیا ہے نہ وہ مجتہد ہیں۔ اور نہ امام خطابیؒ اور امام نوویؒ کے مقابلہ میں ان کا قول کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ائمہ شافعیہ میں خطابی اور نووی کا علم وفضل، ورع وتقویٰ اور حدیث و فقہ میں جو مقام ہے ان متأخرین شافعیہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ شیخ علی قاریؒ خطابیؒ کے قول کی توجیہ صحیح کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کو محل نظر بتاتے ہیں۔ انہوں نے اس پر جو کچھ لکھا ہے وہ بطور فتویٰ نہیں۔ بلکہ بطور بحث ہے۔ ان تمام امور کو نظر انداز کرکے کہہ دینا کہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں مزارات پر پھول چڑھانے کو سنّت کہا ہے، علمی ثقاہت کے خلاف ہے۔

تیسرا حوالہ طحطاوی کے حاشیۂ مراقی الفلاح کا دیا ہے کہ:

"ہمارے بعض متأخرین اصحاب نے اس حدیث کی رُوح سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول قبر پر چڑھانے کی جو عادت ہے۔ وہ سنت ہے۔"

غالباً شاہ صاحب نے طحطاوی کا حاشیہ بچشم خود ملاحظہ نہیں فرمایا۔ ورنہ انہیں نظر آتا کہ یہ طحطاوی کی اپنی عبارت نہیں۔ بلکہ یہ بات انہوں نے ملا علی قاریؒ کی شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اور شرح مشکوٰۃ میں (جس کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے) ہمارے فقہائے حنفیہ کا فتویٰ نقل نہیں کیا۔ بلکہ ابن حجر شافعی کا حوالہ نقل کیا ہے۔ جس پر اوپر بحث ہو چکی ہے۔ شاہ صاحب کے حوالے میں یہ افسوسناک غلطی ہوئی ہے کہ متأخرین شافعیہ کے قول کو "ہمارے متأخرین اصحاب کا حدیث کی رُوح سے فتویٰ" بنا دیا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

شاہ صاحب نے ایک حوالہ علامہ شامی کا نقل کیا ہے کہ: "انہوں نے اسے مستحب کہا ہے۔"

یہاں بھی نقل میں افسوسناک تساہل پسندی سے کام لیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علامہ شامی نے بحر، درر اور شرح منیہ کے حوالے سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ قبرستان سے

ترگھاس اور سبزہ کا اکھاڑنا مکروہ ہے ۔ اور " امداد " سے اس کی تعلیل نقل کی ہے کہ وہ جب تک تر رہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے پس میت اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے ۔ اس کی دلیل میں حدیث جریدہ نقل کرکے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :

" اس مسئلہ سے اور اس حدیث سے قبر پر شاخ رکھنے کا استحباب اخذ کیا جاتا ہے بطور اتباع کے ۔ اور اس پر قیاس کیا جاتا ہے آس کی شاخیں وغیرہ رکھنے کو، جس کی ہمارے زمانہ میں عادت ہوگئی ہے ۔ اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اس کی تصریح بھی کی ہے ۔ اور یہ اولیٰ ہے بہ نسبت بعض مالکیہ کے قول کے کہ قبروں کے عذاب کی تخفیف بہ برکتِ دستِ نبویؐ یا آپؐ کی دعاء سے ہوئی تھی ۔ اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ۔"

علامہ شامیؒ کی اس عبارت میں پھول ڈالنے کا استحباب ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے بطور اتباع نبویؐ شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ کیا جاتا ہے ۔ اور اس کی علت وہی ذکر کی ہے جو امام تورپشتیؒ کے ارشاد کے مطابق قطعاً لاطائل اور " اہل علم کے نزدیک غیر معتبر " ہے ۔ اور اس بے مقصد اور غیر معتبر تعلل پر قیاس کرنا کس قدر بے مقصد اور غیر معتبر ہوگا اس کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے ۔ اور علامہ شامیؒ کا یہ کہنا کہ یہ تعلل بعض مالکیہ کے قول سے اولیٰ ہے کہ یہ تخفیفِ عذاب شاخ کھجور کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی ۔ بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت اور آپؐ کی دعاء و شفاعت کی کرامت تھی ۔ اوّل تو اس قول کو بعض مالکیہ کی طرف منسوب کرنا بہت عجیب ہے ۔ آپ سُن چکے ہیں کہ ائمہ شافعیہ میں خطابیؒ، مازریؒ، نوویؒ اور بعض دوسرے حضرات اسی کے قائل ہیں ۔ اور ہمارے ائمہ احناف میں امام تورپشتیؒ نے اس کو صاف صاف اہل علم کا قول کہا ہے ۔ اور اس کے مقابل قول کو " لاطائل تحتہ وغیر معتبر عند اہل العلم " فرمایا ہے ۔ امام تورپشتیؒ کے ارشاد سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے اہل علم اس تعلل کو (جسے علامہ شامی اولیٰ کہہ رہے

ہیں) غیر معتبر اور بے مغز سمجھنے پر متفق ہیں ۔

علاوہ ازیں جس قول کو علامہ شامیؒ ــــ بعض مالکیہ کی طرف منسوب کرکے ــــ غیر اولیٰ کہہ رہے ہیں اور جس کے مقابلہ میں ایک " غیر معتبر عند اہل العلم " توجیہ کو اولیٰ کہہ رہے ہیں، اس کی تصریح حدیث جابرؓ میں صراحتہً لسان نبوت سے منقول ہے ۔

فاحببت بشفاعتی ان یرفعہ ذٰلک عنہما مادام الغصنان رطبین ۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۸)

"پس میں نے چاہا کہ میری شفاعت کی بدولت ان کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک کہ شاخیں تر رہیں ۔"

اس لئے تسبیح جریدہ کی تعلیل بمقابلہ نص کے سرے سے مردود ہے ۔ نہ کہ اولیٰ ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ فرمودۂ نبویؐ کو غیر اولیٰ کہا جائے ۔ اور اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں کے بے مغز تعلل کو اولیٰ کہہ کر اس پر قیاسی تفریعات اٹھائی جائیں ۔

اور اگر بالفرض یہ بات حدیث میں منقول نہ ہوتی ۔ بلکہ بعض مالکیہ ہی نے کہی ہوتی تب بھی عُشاقِ رسولؐ کے لئے یہ بات کس قدر اذیت ناک ہے کہ تسبیح جریدہ کی تعلیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت اور آپؐ کی شفاعت کی کرامت سے اولیٰ کہا جائے ۔

الغرض علامہ شامیؒ نے اوّل تو قبروں پر پھول ڈالنے کو مستحب نہیں کہا ۔ بلکہ شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ فرمایا ہے ۔ اور پھر یہ استحباب بھی اسی لاطائل اور بے مغز تعلل پر مبنی ہے جسے اہل علم غیر معتبر کہہ کر رد کرچکے ہیں ۔

شاہ صاحب نے ایک حوالہ شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ کی کشف النور سے نقل کیا ہے ۔ یہ رسالہ اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گذرا تاکہ اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جاتا ۔ مگر اتنی بات واضح ہے کہ علامہ شامیؒ ہوں یا شیخ عبدالغنی نابلسیؒ یہ سب کے سب ہماری طرح امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں ۔ اور مقلد کا کام صاحب مذہب اور ائمہ مجتہدین کی نقل کی اتباع کرنا ہے ۔ تقلید خود رائی کا نام نہیں ہے ۔ علامہ شامیؒ نے شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے یا کسی اور بزرگ نے اگر ہمارے ائمہ متبوعین سے کوئی نقل پیش کی ہے تو سر آنکھوں پر،

ورنہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں یہی عرض کرسکتا ہوں :

اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است ۔ نہ عمل ابی بکر شبلی ، و ابی حسن نوری ۔

" یہاں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے ۔ نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل "

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۵)

جناب شاہصاحب قبلہ نے اس ہیچمدان کے بارے میں جو الفاظ استعمال فرماتے ہیں ان کے بارے میں یہی عرض کرسکتا ہوں کہ

بدم گفتی و خرسندم ، نکو گفتی عفاک اللہ
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

لیکن ان سے بہ ادب عرض کروں گا کہ جہال اور عوام کی اختراع کردہ رسموں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ بنائیں ۔ (فداہ ابی وامی وروحی صلی اللہ علیہ وسلم)

آج اولیاء اللہ کے مزارات پر جو کچھ ہو رہا ہے ۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ۔ نہ خیر القرون میں اس کا وجود تھا ۔ بلکہ یہ شر القرون کی پیداوار ہے ۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے بقول :

بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند آخر زمان از مستحبات گشتہ ۔ و اگر جہال و عوام چیزے کنند یقین کہ ارواح بزرگان ازاں راضی نخواہد بود ۔ و ساحت کمال و دیانت و نورانیت ایشاں منزہ است ازاں ۔

" بہت اعمال و افعال اور طریقے جو سلف صالحین کے زمانہ میں مکروہ و ناپسندیدہ تھے وہ آخری زمانہ میں مستحسن ہو گئے ہیں ۔ اور اگر جہال وعوام کوئی کام کرتے ہیں تو یقین رکھنا چاہیئے کہ بزرگوں کی ارواح طیبہ اس سے خوش نہیں ہوں گی ۔

اور ان کے کمال و دیانت اور نورانیت کی بارگاہ ان سے پاک اور منزہ ہے "

(شرح سفر السعادہ ص ۲۷۲)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

افسوس ہے کہ شاہصاحب انہی جہال وعوام کی اختراع کردہ رسوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت کرنے کے درپے ہیں ۔ جن کا کوئی وجود نہ زمانۂ سلف میں تھا ۔ اور نہ ہمارے دس صدیوں کے فقہی لٹریچر میں ۔ کیونکہ شاہصاحب کو اطمینان ہے کہ جہال و عوام کے غوغا کے سامنے کس کو مجال ہو سکتی ہے کہ ان مخترعہ رسوم کے بارے میں لب کشائی کرے ۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے صحیح لکھا ہے :

تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز ننماید بوئے ایں دولت بمشام جان او نرسد ۔ و ایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است ، و بظلمات بدعت آرام گرفتہ ۔ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند ۔ و بر احیائے سنت لب کشاید ۔ اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند ۔ و محو کنندہائے سنت ۔ بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آں فتوی میدہند و مردم را بہ بدعت دلالت میفرمایند ۔ (دفتر دوم مکتوب ۵۴)

" جب تک آدمی بدعت حسنہ سے بھی ، بدعت سیئہ کی طرح احتراز نہ کرے اس دولت (اتباع سنت) کی بو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی ۔ اور یہ بات آج بہت ہی دشوار ہے ۔ کیونکہ جہان دریائے بدعت میں غرق ہو چکا ہے ۔ اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے کس کی مجال ہے کہ کسی بدعت کے اٹھانے میں دم مارے ۔ اور سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے ۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں ۔ جو بدعات پھیل جاتی ہیں تو مخلوق کا تعامل جان کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی دے ڈالتے ہیں اور بدعت کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں ۔ "

اولیاء کے نام کی نذر ماننا

نذر کا بیان

نذر لغوی :- اپنے نفس پر غیر لازم چیز کو لازم کرنا۔ اِنذار کے معنی آگاہ کرنا علم دنیا (قاموس) عموماً خطرہ کے موقع میں استعمال ہوتا ہے۔

نذر شرعی :- کسی نیک کام کو خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، یا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ پر لازم کر لینا۔

پہلا نذر مطلق ہے، دوسرا معلق بشرطیکہ جو منت مانی ہے وہ کام شریعت میں فرض و واجب بھی ہو مثلاً نماز، روزہ، حج، خیرات، قربانی وغیرہ۔ کیونکہ نماز کی قسم میں پانچ نمازیں شریعت میں فرض موجود ہیں۔ اسی طرح روزہ بھی رمضان کا فرض ہے تو روزہ کی منت بھی صحیح ہوئی۔ خیرات حج قربانی وغیرہ سب کی منت صحیح ہے کیونکہ یہ سب چیزیں منت کے علاوہ بھی شریعت میں فرض، یا واجب کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن بیمار پرسی کی منت صحیح نہیں کیونکہ بیمار پرسی شریعت میں فرض و اجب نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی منت مانی ہے وہ عباد
چونکہ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو عزت کی نظر سے دیکھا ہے اور رہیں بھی
مقصودہ ہو وسیلہ نہ ہو، مثلاً وضو نماز کا وسیلہ ہے اس لئے اس کی منت لازم نہیں ہوتی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ منت اس چیز کی ہو جو فی الحال یا آئندہ اس پر فرض نہ ہو چوتھی شرط یہ ہے کہ جس بات کی منت کی ہے وہ گناہ کی بات نہ

ہو ورنہ نذر لازم نہ ہوگی (فتاویٰ عالمگیری وغیرہ)

نذر مطلق :- یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شوق سے اپنے آپ پر بشرائط مذکورہ کوئی عبادت لازم کرے مثلاً اتنے روزے رضاء الٰہی کے لئے ضرور رکھوں گا، یا اتنی رکعت نماز، یا اتنی خیرات وغیرہ۔

نذر معلّق :- یہ ہے، یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنی رکعت نماز یا روزہ، یا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا، یا فلاں گلی محلہ، یا فلاں مزار پر رہنے والے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اگر وہاں مسکین لوگ رہتے ہوں تو کھانا کھلانا جائز ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس بزرگ کو خوش کرنا، یا اس سے فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ بزرگ کا ذکر مسکینوں کی پہچان کے لئے ہو جیسے فلاں محلہ کے مسکین، فلاں مسجد کے درویش وغیرہ۔ اسی طرح فلاں مزار کے درویش کہدیا اگر بزرگ کو خوش کرنا اور اس سے تقرب مقصود ہو تو باطل، حرام اور شرک ہے۔

نذر عرفی :- یہ مولوی محمد عبداللہ صاحب کے لفظوں میں اس طرح ہے کہ :-

"اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو غوث کے نام کی دیگ دوں گا"۔ یہ حرام ہے اور ناجائز تفصیل آگے دیکھئے حنفی فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے غور سے پڑھئے۔

نذر کا فائدہ کیا ہے

عن ابی هريرة وابن عمر قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنذروا فان النذر لا يغني من القدر شيئا و انما يستخرج به من مال البخيل (متفق عليه)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ منت نہ مانا کرو کیونکہ منت تقدیر سے نہیں بچا سکتی یعنی تقدیر کو بدل نہیں سکتی اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ منت کے ذریعہ سے کنجوس کے ہاتھ سے کچھ مال نکل جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ منت تقدیر کو بدل سکتی ہے۔ اس خیال کی تردید میں فرمایا، اس خیال سے منت نہ مانو کہ منت سے تقدیر ٹل جاتی ہے۔ خدا کی تقدیر کو خدا کے نام کی منت بھی نہیں بدل سکتی۔ سخی تو ہر حال میں مال خرچ کرتا ہے اور کنجوس کی یہ حالت ہے کہ جب مصیبت نے اس کی گردن کو آدبوچا تو لگا منت ماننے پھر اگر خدا کی تقدیر سے اس مصیبت کا ٹلنا مقدر ہے تو ٹل جائے گی اور کنجوس کو مال بھی دینا پڑا۔ یہ فائدہ ہے اس منت کا جو اللہ رب العالمین کے نام کی مانی جائے۔ البتہ اولیاء اللہ کی منت سے تقدیر ٹل جانے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ چودھویں صدی میں جاہلوں کے عقیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی خدائی بزرگوں کو دے چکا ہے۔ خدائی کا نظام بدل چکا ہے۔ انقلاب! انقلاب! یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کی منتیں ماننے والے ہر مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی بے اولاد نہیں ہوتا۔ کوئی غریب نادار نہیں ہوتا ہر مصیبت کا علاج، ہر مرض کی دوا ڈھونڈ نکالی ہے۔ ادھر بیچارے خداوند تعالیٰ سے مانگنے والے خستہ حال ہیں، بے اولاد ہیں، فاقوں مرتے ہیں، کیونکہ خداوند تعالیٰ کو گرفت میں لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نذر معلق اگرچہ خداوند تعالیٰ کے نام کی ہو ایک سودا بازی ہے۔ دراصل مشکلات اور مصائب کے وقت اسلام کی اصلی تعلیم رجوع الی اللہ، استغفار، صبر، نماز اور دعا کے متعلق بھی بے نیازی سے فرما دیا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ۔ یعنی اگر خداوند تعالیٰ چاہیں تو تمہاری

دعا سے مصیبت ٹلوا دیں، نہ چاہیں تو نہ ٹلوائیں۔ نیز ایسے موقع پر صدقہ بہت مفید چیز ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جو مصیبت کے وقت رضائے الٰہی کے لئے نقد صدقہ کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ جو خداوند تعالیٰ سے سودا بازی کرتا ہے، یا اللہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو کام ہو جانے کے بعد تیرے نام پر اتنا صدقہ دوں گا۔ بندگی اور خدائی کے تعلق میں ناظرین غور کریں کہ کونسی صورت زیادہ بہتر ہے؟ پھر اگر منت بھی بزرگوں کے نام کی ہوئی تو مصیبت کے وقت شرک میں پھنسا۔

اب سنئے "مسئلہ نذر" فقہاء حنفیہ کی کتابوں سے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

والنذر الذی یقع للعوام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

ترجمہ:۔ اور وہ منت جو اکثر عوام الناس مانتے ہیں، اس طرح کہ کسی نیک بندے کے مزار پہ جا کر یہ کہتے ہوئے مزار کا غلاف پکڑ لیتے ہیں اے میرے آقا! فلاں بزرگ! اگر میرا یہ کام ہو جائے تو تیرے نام پر مثلاً اتنا سونا دوں گا، یا کچھ اور یہ نذر باطل ہے اجماعاً یعنی سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں۔ ہاں اگر یہ لفظ کہے، یا اللہ! میں نے تیری منت مانی ہے اگر تو میرے مریض کو شفا دیوے، یا میرا فلاں کام کر دیوے تو میں کھانا کھلاؤں گا ان مسکینوں کو جو سیدہ نفیسہؒ یا فلاں بزرگ کے دروازے میں رہتے ہیں، یا فلاں بزرگ کی مسجد میں چٹائیاں خرید کر لے جاؤں گا مثلاً حضرت ملہا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد، یا اس مسجد میں جلانے کے لئے تیل بھیجوں گا۔ یا شعائر ادا کرنے والوں کے لئے روپیہ بھیجوں گا۔ ایسی چیز جس میں مسکینوں کا فائدہ ہو، اور منت

اللہ کے ہے ہو، اور مسکینوں کا ذکر جگہ بیان کرنے کے لئے ہو تو جائز ہے۔ (کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے فلاں محلّہ کے مسکین)۔ اس نذر میں بزرگ کا نام صرف پہچان کے لئے ہے، لیکن اس منت کا خرچ کرنا مسکینوں کے سوا جائز نہیں۔ نہ تو کسی عالم پر بوجہ علم کے خرچ ہو سکتی ہے نہ اس بزرگ کے مجاوروں پر۔ لیکن اگر تنگدست اور مسکین ہوں تو جائز ہے۔ اور جب تو نے اس بات کو پہچان لیا تو جو چیزیں روپے پیسے وغیرہ لے کر اولیاء اللہ کی قبروں پر پہنچائی جاتی ہیں ان کو خوش کرنے اور تعلق بڑھانے کی غرض سے، پس یہ حرام ہے بالاتفاق یعنی سب علماء امت اس کو حرام فرماتے ہیں۔ کچھ اختلاف نہیں۔ ہاں اگر بزرگوں کی قبروں پر کچھ چیزیں جانے کا مقصد بزرگوں سے تعلق بڑھانا نہ ہو، بلکہ وہاں کے مساکین پر رحم کی وجہ سے کچھ لے جا کر تقسیم کرے تو جائز ہے بالاتفاق۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ختم ہوئی۔ اب دیکھئے بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد دوم صفحہ ۲۹۸۔

وقد قدمنا ان النذر لا يصح بالمعصية فقال الشيخ قاسم فی شرح الدرر و اما النذر الذی يقع للعوام علی ما هو مشاهد كان يكون لانسان غائب او مريض او له حاجة ضرورية فياتی بعض الصلحاء فيجعل سترة علی راسه فيقول يا سيدی فلان ان رد غائبی او عوفی مريضی او قضيت حاجتی فلك من الذهب كذا او من الفضة كذا او من الطعام كذا او من الماء كذا او من الشمع كذا او من الزيت كذا فهذا

النذر باطل بالاجماع لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق ومنها ان المنذور له ميت والميت لا يملك ومنها ان ظن ان الميت يتصرف فی الامور دون الله تعالی فاعتقاده ذلك كفر اللهم الا ان قال يا الله انی نذرت لك ان شفيت مريضی او رددت غائبی او قضيت حاجتی ان اطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة او الفقراء الذين بباب الامام الشافعی او الامام الليث او اشتری حصرا لمساجدهم او زيتا لوقودها او دراهم لمن يقوم بشعائرها الی غير ذالك مما يكون فيه نفع للفقراء والنذر لله عز وجل وذكر الشيخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه او مسجده او جامعه فيجوز بهذا الاعتبار اذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد المصرف ولا يجوز ان يصرف ذالك لغنی غير محتاج ولا لشريف منصب لانه لا يحل له الاخذ ما لم يكن محتاجا فقيرا ولا لذی نسب لاجل نسبه ما لم يكن فقيرا ولا لذی علم لاجل علمه ما لم يكن فقيرا ولم يثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنياء۔

ترجمہ :۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گناہ کی منت صحیح نہیں ہوتی، شیخ قاسم نے شرح درر میں فرمایا ہے لیکن وہ نذر جو عوام الناس مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے یعنی روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی شخص کا کوئی آدمی گم ہو یا بیمار ہو، یا اس کو کوئی ضروری حاجت درپیش ہو۔ پس وہ کسی نیک آدمی کے (مزار) پاس جائے اور غلاف کو سر پر اٹھائے رہنا سے ہاں ہاتھ میں پکڑنے کا رواج ہے یا ویسے

ہی کہہ دیتے ہیں) اے میرے آقا! فلاں بزرگ، ! اگر میرا گم شدہ واپس آجائے، یامیرا مریض تندرست ہو جائے، یامیری حاجت پوری ہو جائے تو آپ کو اتنا سونا، یا اتنی چاندی، یا اتنا کھانا، یا اتنا پانی، سبیل یعنی چھبیل لگاؤں گا، یا اتنی موم بتیاں قبر پر روشن کروں گا، یا اتنا تیل چراغی چڑھاؤں گا پس یہ منت باطل ہے یعنی ناجائز ہے۔ سب علماء کے اتفاق سے۔ یعنی اس مسئلہ میں کسی عالم کا اختلاف نہیں اور ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر ناجائز ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی خالق کی ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کی یعنی دنیا کی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ میت کام بناتی ہے نہ اللہ تعالیٰ تو یہ عقیدہ کفر ہے (جیسا کہ اکثر بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بزرگوں کو اختیار دے دیا ہے جو چاہیں کریں یہ عقیدہ کفر ہے) ہاں اگر یہ کہے کہ یا اللہ! میں تیری منت مانتا ہوں، اگر تو میرے مریض کو شفا دیدے، یا میرے گم شدہ کو واپس لائے، یا میری حاجت پوری کرے تو میں کھانا کھلاؤں گا ان غریبوں کو جو سیدہ نفیسہ کے یا جو امام شافعیؒ کے دروازہ میں رہتے ہیں، یا امام لیث کے دروازہ میں، یا ان بزرگوں کی مسجد کے لئے چٹائیاں اور روشنی کے لئے تیل خرید کر بھیجوں گا، یا ان مسجدوں کے خدمت گزاروں کو اتنے روپے دوں گا جس میں نفع ہو مسکینوں کا اور نذر ہو اللہ تعالیٰ کی، اور بزرگ کا ذکر صرف اس لئے کیا ہو، کہ مزار کے پاس جو مسجد یا مدرسہ، یا مسافر خانہ ہو اس میں رہنے والے مسکینوں پر منت خرچ کرنے کا نشان پہچان بیان کیا ہے پس اس اعتبار سے بزرگ کا نام لینا جائز ہے (یعنی منت میں بزرگ

کا لفظ صرف پہچان کے لئے آیا ہے۔ بزرگ کا منت سے کچھ تعلق نہیں) اگر بزرگ کے لحاظ سے اور بزرگ کو خوش کرنے کے لئے وہاں کے مسکینوں کو دے تو حرام ہے۔ کیونکہ نذر عبادتِ الٰہی ہے اس میں کسی کو شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نذر کا مصرف مساکین ہیں اور مسکین یہاں موجود ہیں۔ اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے دولت مند پر جو محتاج نہ ہو اور نہ کسی شریف منصب یعنی معزز عہدہ دار پر افسر وغیرہ پر کیونکہ منت کا مال لینا حلال نہیں ہے جب تک محتاج اور فقیر نہ ہو، اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے کسی قوم کے آدمی پر قومی ہونے کی وجہ سے مثلاً اپنی برادری یا کوئی خاص برادری جب تک غریب نہ ہو، اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے کسی علم والے پر علم کے لحاظ سے جب تک غریب نہ ہو (ہمارے ہاں لوگ منت کی چیز برادری میں بھی تقسیم کرتے ہیں، امام مسجدوں اور علماء کو بھی دیتے ہیں، منت ادا نہیں ہوتی) اور شریعت میں منت کا دولت مندوں پر خرچ کرنا ثابت نہیں۔

ناظرین:۔ مقام غور ہے۔ منت میں بزرگ کا ذکر اس طرح تو آ سکتا ہے جس طرح مسجد مدرسہ، مسافر خانہ اور گلی محلہ کا پتہ دینا ہوتا ہے لیکن منت کی چیز سے بزرگ کو خوش کرنا حرام ہے۔ پہلے زمانہ میں رواج تھا کہ بادشاہانِ اسلام کسی بزرگ کی قبر کے پاس ایصالِ ثواب کے لئے مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ بنا دیتے تھے۔ وہاں مسافر طالب علم رہتے تھے لوگ منت ماننے کے وقت پہچان کے طور پر بزرگ کی مسجد وغیرہ کہہ دیتے تھے۔ نام رکھنے میں اگر پہچان کی غرض ہو تو ہرج نہیں ہے جیسے فلاں شخص کا مکان وغیرہ۔ آج کل بھی اولیاء اللہ کی قبروں پر لوگ رہتے ہیں مگر بریلویوں کی شامتِ اعمال سے نذر عرفی کھاتے ہیں جس کی برکت سے بھنگڑ بن جاتے ہیں۔ کون سا شرعی گناہ ہے جو آج

کل مزارات پر نہیں ہوتا۔ بدمعاشی، شراب نوشی اور جرائم کے اڈے بن چکے ہیں، رات دن گانا بجانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے احکام شریعت میں اس کو حرام لکھا ہے، یہ ساری برکتیں مولوی محمد عبداللہ صاحب کی نذرِ عرفی (بزرگوں کی منت) کی ہیں۔ درخت کو پھل سے پہچانو! اور خدا کا خوف کرو۔ تمہارے اس فتویٰ نے قوم کا ایک حصہ مفلوج کر دیا ہے مشرکانہ عقیدہ کی ناپاک چیز کو بزرگوں کا تبرک کہتے ہو۔ کیا اولیاء اللہ کو شرک سے نفرت نہیں ہے؟ کیا وہ تمہاری پیش کش کے بھوکے ہیں؟ جو لوگ مزارات پر ہمیشہ رہتے ہیں اور دن رات ایسی نذریں کھاتے ہیں وہ گندگی کے ذخیرے بن چکے ہیں، بداخلاقی کے سنٹر ہیں، نشہ آور چیزوں کے ٹھیکیدار ہیں، محکمۂ آبکاری کو اسی فیصد جرائم ان کے ہاں دستیاب ہوتے ہیں۔ ہر سال قوم کے ہزاروں لاکھوں پاکیزہ فطرت بچوں کو افیم چرس، چنڈو کی لاگ لگا رہے ہیں۔ جب کسی شریف خاندان کا نونہال ان ظالم ڈاکوؤں کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو والدین اپنی امیدوں کا خون ہوتا دیکھ کر بے ساختہ پیٹتے ہیں، مگر یہ نہیں سمجھتے کہ شاید وہ پودا بے سمجھی میں ہم نے ہی لگایا ہو جس کا پھل ہمارے گھر میں آج پہنچا ہے

یہاں پہنچ کر ہم بریلوی دوستوں سے ایک بات پوری سنجیدگی سے پوچھتے ہیں کہ اولیاء اللہ جو آپ کے خیال میں کارخانۂ قدرت کے مالک ہیں، جن کے اشارے سے حکومتیں بدلتی ہیں، اولاد، رزق، مرنا جینا ان کے بس میں ہے تو کیا وہ اپنے مزارات کو ان گندگیوں سے پاک نہیں کر سکتے؟ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن یا تو یہ کہو کہ خدا کے مقبول بندے خداوند تعالیٰ کی عنایات اور انوار و برکات میں مستغرق ہیں، ہماری گندی دُنیا سے ان کو کیا غرض۔ اور اگر نذر و نیاز وصول کرتے ہیں۔ پھر رشوت پر بھی کام کرتے ہیں تو ذرا اپنا گھر بھی صاف دکھا کر

یہ چراغ کے نیچے اندھیرا کیوں ہے؟ بریلویوں کے بابائے اعظم کے سامنے یہ سوال پیش ہوا ہے۔ احکام شریعت میں ذکر آیا ہے۔ مگر جواب کیا دیتے فاک یہ باتیں درمیان میں آگئیں اب ذرا پیچھے چلیے بحرالرائق کا حوالہ بھی جاری ہے فقیراکی تبلیغ علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نذرِ مخلوق کے متعلق فرماتے ہیں:۔

للاجماع علیٰ حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمة به ولانهٗ حرامٌ بل سُحْتٌ ولا یجوز لخادم الشیخ اخذه ولا اكله ولا التصرف فیه بوجهٍ من الوجوه الا ان یكون فقیرًا او له عیال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون فلخذه ایضاً مكروه مالم یقصد به الناذر التقرب الی الله تعالیٰ۔

ترجمہ:۔ کیونکہ مخلوق کی منت حرام ہونے پر سب عُلماء متفق ہیں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور یہ منت بھی لازم نہیں ہوتی ماننے والے کے ذمہ پر کچھ نہیں آتا، اور اس لئے کہ یہ حرام ہے بلکہ سحت ہے۔

سُحت کے معنی شرمناک کام، اور جڑ سے اُکھاڑی ہوئی چیز اور رشوت لانہ منتخب و مفرداتِ راغب) یعنی شرمناک فعل ہے، موجب ننگ و عار ہے۔ شرم! شرم!! اور اس بزرگ کے مزار مسجد وغیرہ کے متولی کو اس منت کا لینا بھی جائز نہیں کھانا بھی جائز نہیں، اور اس میں کسی طرح کا تصرف یعنی لے کر کسی کو دینا بھی جائز نہیں لیکن اگر محتاج ہو، اور اس کے ذمہ پر جن مساکین کا بوجھ ہے وہ کام کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اور بھوک سے مضطر یعنی بے بس اور لاچار ہوں پھر بھی اس منت کی چیز کا لینا ناپسند ہے جب تک منت ماننے والے نے قربِ الٰہی کی نیت نہ کی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی منت میں جو شرک کی وجہ سے پلیدی اور حرمت پیدا ہوتی ہے وہ مُردار وغیرہ سے زیادہ ہے۔ اضطراری حالت میں جب کہ انسان بھوک سے جاں بلب ہو تو مُردار وغیرہ کو بقدر ضرورت کھانے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ غیر اللہ کی منت پھر بھی ناپسند اور قابلِ کراہت و نفرت ہے علمار اسلام اور فقہاء کرام کا دینی جذبہ اور اسلامی غیرت قابل غور ہے کہ بزرگوں یا نبیوں ولیوں کی منت کو مُردار سے بھی بڑھ کر یا خود انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی تعلیم بھی یہی ہے۔ اسلام کا خدا بھی عزت والا ہے اور رسول کریم بھی غیور ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آگے چلیے:۔

وصرفه للفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ

یعنی مُردار سے بھی بدتر ہے جب تک رضاء الٰہی کا حصول، اور مسکینوں پر خرچ کا جذبہ، اور بزرگ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے۔

یعنی منت کو حلال کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ خدا وند تعالیٰ سے نزدیک اور اور قریب ہونے کا جذبہ، مسکینوں اور غریبوں پر رحم وکرم کا جذبہ تیسری شرط یہ ہے یعنی نذر ماننے والے کے دل میں بزرگ کی نذر کا خیال بالکل نہ ہو، ورنہ حرام ہو جائے گی۔ آگے دیکھیے:۔

فاذا علمت هذا فما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها وينقل الى ضرائح الاولياء تقربا اليهم فحرام باجماع المسلمين مالم يقصدوا بصرفها للفقراء الاحياء قولاً واحداً۔

یعنی جب تونے اس بات کو سمجھ لیا تو جو چیزیں روپیہ پیسہ، موم بتی، تیل وغیرہ سے کر اولیاء اللہ کے مزارات پر لیجاتے ہیں بزرگوں کو خوش کرنے اور ان سے تعلق بڑھانے کے لئے، یہ تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حرام ہے جب تک کر خرچ کرنے کا مقصد زندہ مسکینوں پر رحم

کرنا نہ ہو۔ سارے علمار اسلام اس مسئلہ میں یک زبان ہیں۔

(بحر الرائق کی عبارت ختم ہوئی)

یعنی اگر یہ نیت ہو کہ وہاں کے مسکین تکلیف زدہ ہیں تو جائز ہے۔ اگر بزرگ کی منت مانی تو ماننا بھی حرام، لے جانا بھی حرام، وہاں کے لوگوں کے واسطے اسے ہاتھ لگانا یعنی تصرف بھی حرام، لے کر کسی کو دینا بھی حرام، اور بھوک سے مرتے ہوں پھر بھی ان کے واسطے مردار سمجھ کر کھانا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ ہمارے حنفی بلکہ چکڑ حنفی بھائیوں کے لئے یہ مقام قابلِ غور ہے۔ بحر الرائق فقہ حنفیہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری، در مختار، فتاویٰ شامی اور بہت سی معتبر کتابیں اس کے پیچھے چلتی ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے احکامِ شریعت اور دوسرے رسائل میں اس کتاب کا قدم قدم پہ حوالہ دیا ہے۔ اس حوالہ میں نذر کے متعلق کتنی باتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ اے بزرگ! اگر میرا کام ہو جائے تو تیرے نام کی یہ چیز دوں گا۔ علمائے کے اتفاق سے باطل ہے۔ حرام ہے، خطرناک ہے۔

مگر مولوی عبد اللہ صاحب رسالہ نذر اولیاء کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں:۔

"مثلاً یہ کہا اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو غوث کے نام کی دیگ پکاؤں گا یہ بالکل جائز ہے"

دیکھئے دین کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ حنفی بلکہ شافعی، مالکی، حنبلی، تمام علماء اسلام تو حرام کہتے ہیں مگر مولوی عبد اللہ صاحب بالکل جائز کہتے ہیں۔ حضرت کیا یہ نذر عرفی نہیں؟ یہ باطل اور حرام وغیرہ وغیرہ کس چیز کو کہا جا رہا ہے؟ ایصال ثواب کا نذر سے کیا تعلق ہے؟ اگر میرا کام ہو جائے تو ایسا کروں گا۔ یہ الفاظ کدھر جا رہے ہیں؟ کیا شریعت میں ایصال ثواب کے لئے یہ الفاظ کہیں آئے ہیں؟

معتبر کتاب کا حوالہ دیجئے۔ ایصالِ ثواب کے الفاظ کیا ہیں ؟ اور یہ بھی واضح فرمایئے کہ بزرگوں کی منت سے تقرب الٰہی کس طرح حاصل ہوتا ہے ؟ اس کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی دلیل کیا ہے ؟

۲- یا اللہ اگر تو میرا کام کر دے تو میں عام مسکینوں کو، یا کسی خاص گلی محلہ مسجد مزار کے مسکینوں کو اتنا کھانا کھلاؤں گا۔ یہاں اس بزرگ کا نام اس لئے نہیں ہے کہ اسے خوش کرنا ہے، یا نذر کے ذریعے ان سے تعلق بڑھانا کے طریقے اور ہیں نیکیاں کرو اور نیکوں کے واسطے دُعا کرو وغیرہ۔ لیکن خدائی میں شریک ہونے کے وہ خواہش مند نہیں ہیں۔ بلکہ بزرگ اور ولی کا ذکر مساکین کا ٹھکانا مقرر کرنے کے لئے ہے چونکہ اس میں شرک کی ملاوٹ نہیں اس لئے جائز ہے۔

اس سے پہلے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا حوالہ گزر چکا ہے تقریباً یہی مضمون فقہ حنفیہ کی معتبر ترین کتاب درمختار میں موجود ہے۔ فتاویٰ شامی جلد ۲ ص۱۲۸ پر بحرالرائق کی یہی عبارت تمام کی تمام موجود ہے۔ اختصار کے لئے اندراج نہیں کیا گیا۔ نیز یہی عبارت النہر الفائق میں موجود ہے (بحوالہ بحر) اب یہاں تین چیزیں ہیں :-

۱- کسی مقبولِ بارگاہ کے توسل سے دعا مانگنا۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

۲- ایصالِ ثواب :- ثواب پہنچانا۔ اس کا طریقہ نذر سے الگ ہے۔ اس کا بیان آئیگا

۳- تیسری چیز نذر ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ سے خاص ہے۔ اس میں ایصالِ ثواب کی گنجائش نہیں۔ ثواب بھیجنے کو نذر کرنا تو عُرف میں کہہ سکتے ہیں نذر ماننا نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے نذر ماننا کہا ہے۔ دیکھئے ص۵

"لوگ حضرت پیران پیر کی منت مانتے تھے، اور اگر میرا کام ہو

جائے تو میں غوث کے نام کی دیگ پکاؤں گا"

یہ ایصالِ ثواب نہیں ہے۔ یہ نذر حرام ہے قطعاً۔ ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا ؟ ذرا بتایئے تو ؟

آپ نے بلکہ آپ کی جماعت نے ان باریکیوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تینوں چیزوں کو گڈمڈ کر دیا۔ توحید کا مسئلہ سخت نازک ہے، سخت احتیاط چاہیئے۔

اب ہم آپ کو فتاویٰ عزیزی کی سیر کرائیں گے۔ فتاویٰ عزیزی ص۹۲ زندہ جانور کی منت الخ

"مٹھائی وغیرہ جو بطور منت ہوں ان کا کھانا قریب بحرام ہے۔ بشرطیکہ غیر اللہ کی نذر کی نیت ہو۔ جیسا شیخ سدو کے گلگلے اور شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سرمنی وغیرہ"

مصنف نذر اولیاء کی خدمت میں گزارش ہے کہ رسالہ نذر اولیاء کے ص۵ پر جتنی چیزیں آپ نے بیان کی ہیں، ان کو اس حکم میں کیوں نہ شامل کیا جائے۔ شیخ سدو کے گلگلے۔ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سرمنی، غوث الاعظم کی گیارھویں[1]، حضرت امام جعفر صادق کا کونڈا، حضرت سیدہ فاطمہؓ کی کھیر، میلاد شریف کی شیرینی، اصحابِ کہف کا توشہ وغیرہ وغیرہ۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے جس اُصول کے مطابق حضرت بو علی قلندرؒ کی سرمنی کو حرام کے قریب فرمایا ہے یعنی غیر اللہ کی نذر، اس اصول میں یہ سب چیزیں داخل ہیں نہیں ہیں تو کس طرح ؟ وہی ماحول ہے وہی شرک کے جذبات ہیں، بلکہ جہالت اور دین سے بے خبری کچھ زیادہ ہو رہی ہے، بھلا جس خدا کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہ ہو،

---

[1] اس لئے کہ گیارھویں جب منت کے طور پر ہو تو یقیناً حرام ہے۔ ایصالِ ثواب جائز ہے۔

جو برطانیہ کے تاج کی طرح فرضی خدا ہو، اس کی عزت کون کرے؟ اس کی نذر کون مانے؟ ایسے ماحول میں غیر اللہ کی نذر ماننے والے جب لفظوں میں خداوند تعالیٰ کا نام لینا بزرگوں کی بے ادبی سمجھتے ہیں کیا نیت اور ارادہ میں یہ شرک گوارا کریں گے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں!
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں!
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — بزرگوں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے، (حالی)

نیز فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص۱۵۔ عالمگیری، درمختار، بحر الرائق شرح کنز الدقائق اور نہر الفائق کا حوالہ دیکھئے۔

⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویوں کی قبر پر اذان بھی ہے۔ بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اس پر ایذان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جاء الحق میں اسے ثابت کرنے کے لیے ص۳۰۰ سے ص۔ تک اس پر بڑی بحث کی ہے۔ تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوامی تائید حاصل نہیں کر سکے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند امور ہمہ وقت پیش نظر رہیں:۔

① —— مسلمانوں کا فوت ہونا ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہونا یہ مسئلہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا نہیں۔ مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی قدر مشترک کسی مسلمان سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہاں کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے۔ خلافت راشدہ میں بھی لاتعداد جنازے اٹھے۔ صحابہ کرامؓ نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کبھی کسی جنازے کے موقعہ پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دور اول میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو۔ اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو ضرور وہ اس امت تک نقل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس دور میں مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو۔

② —— بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ لہٰذا ہم سے اس کا ثبوت نہ پوچھو تم منع کی دلیل لاؤ۔

اس پر علماء اہل سنت ان بریلوی علماء سے کہتے ہیں تم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں سے پہلے اذان نہ کہنے پر منع کی دلیل لاؤ۔ اگر قرآن و حدیث سے تم اس پر منع ثابت نہ کر سکو تو نماز عیدین کے

روشنی میں قبروں پر مسنون عمل بس یہی ہیں کہ ان کی زیارت ہو اور مرحومین کے لیے دعا ہو۔

قبروں کی زیارت سے قبروں کا وجود پہلے سے ہے۔ ابن ہمامؒ کے اس اصول میں اموات کو دفن کرنے ان پر مٹی ڈالنے اور اس پر پانی چھڑکنے اور قبر بنانے کی ہرگز رکاوٹ نہیں۔ ان امور کے بغیر قبر کیسے بنے گی اور اس کی زیارت کیسے ہوگی۔ قبر ہوگی تو اس کی زیارت بھی ہوگی اور مدفون کے لیے دعا بھی ہوگی۔ یہ اصول قبر بننے پر کارفرما ہوگا کہ وہاں صرف دو عمل ہوں۔ ایک زیارت اور دوسرا مرحوم کے لیے دعا۔

افسوس کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ابن ہمامؒ کے اس اصول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے:۔

> اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا ...... یہ سب ممنوع ہو۔[1]

مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ دفن کے بعد جب قبر بن جائے تو پھر وہاں اذان بھی کہی جائے۔ یہ قبر پر اذان نہیں دفن کے وقت کی اذان ہے۔ یہ عجیب فرق ہے جو مفتی صاحب کر رہے ہیں۔ ٹھیک کہتے غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔ صاحب غرض مجنون۔

یہ دفن کے وقت کی اذان کیسے ہوگئی؟ دفن کرنے کے بعد اب تو قبر بھی بنا چکے ہیں۔ اب اس قبر پہ صرف وہی عمل درست ہوگا جو سنت سے ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ امام ابن ہمامؒ کا بیان کردہ اصول ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنۃ تازہ قبروں کے بارے میں نہیں پرانی قبروں کے بارے میں ہے ایک بڑا ڈھکوسلا ہے جس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قبر قبر ہے خواہ ابھی بنی ہو اور یہاں امر معمور وہی ہے جو امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بس دو ہی عمل ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کی ابن ہمامؒ کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائز ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے

---

[1] جاء الحق صفحہ ۲۰۳

مرتفع پر بھی اذان کہا کرو وہاں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر جب کہیں منع وارد نہ تھی تو علماء نے اس کے نہ ہونے پر اجماع کیسے کر لیا۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) نے اس کے نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے:۔

> نقل ابن عبد البر اتفاق العلماء علیٰ ان لا اذان ولا اقامۃ۔[1]

> ترجمہ۔ حافظ ابن عبد البر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ نماز عید کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔

(۳) —— قبروں پہ کئے جانے والے اعمال میں فقہاء احناف کے ہاں اصل نقل ہے اباحت نہیں کہ اسے الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کے قاعدہ سے جائز کر لو۔ امام ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) علم اصول کے بڑے جلیل القدر امام ہیں جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنۃ۔[2]

> ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ عمل جو سنت سے ثابت نہ ہو مکروہ ہے۔

اس موضوع پر یہ بات نہ چلے گی کہ اس پر منع کی دلیل لاؤ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ یہاں ہر ایسے عمل پر دلیل لانا پڑے گی۔ آگے حضرت علامہ ابن الہمامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سنت سے قبر پہ کیا کیا احکام ثابت ہیں۔ ۱۔ قبروں کی زیارت۔ ۲۔ اور ان کے پاس دعا کرنا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بقیع کے قبرستان میں دعا کرتے دیکھا:۔

> فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات ثم انحرف۔[3]

> ترجمہ۔ آپ کافی عرصہ وہاں کھڑے رہے (کچھ پڑھتے رہے)، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے تین دفعہ اور پھر آپ چلے گئے۔

غور فرمائیں یہ دعا آپ نے کن کے لیے کی؟ ان اہل قبور کے لیے —— سو دعا کا مفہوم متعین ہوگیا کہ قبرستان میں دعا اہل قبور کے لیے ہے۔ وہاں ان سے اپنے لیے کچھ مانگنا احادیث کی

---

[1] الاعتصام للعلامۃ الشاطبی الغرناطی جلد ۲ صفحہ ۱۴ [2] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۲ مصر [3] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۳

6 38

(۲) قضاء حاجت کے وقت بھی شیطان آسکتا ہے. حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ
یہ وسلم نے فرمایا:

ان ھٰذہ الحشوش محتضرۃ.

ترجمہ. ان مقامات پر شیطان حاضر باش رہتے ہیں.

یہاں بھی بریلوی حضرات کو کچھ اذانوں کا انتظام کرنا چاہیے. یہ انتظام بیت الخلاء میں کریں تاکہ
یطان بھاگ جائیں. ہر بیت الخلاء میں کسی نہ کسی مؤذن کا انتظام ہو.

(۳) گھروں میں ساری ساری رات اذانوں کا انتظام کریں تاکہ وہاں شیطان کسی کو خواب میں
لودہ نہ کر سکے. والحلم من الشیطان سے بچنے کی یہی راہ ہے.

(۴) کاروبار کی منڈیوں میں شیاطین اس تیزی اور باریکی میں گھومتے ہیں کہ وہ خطوط
زمین پر شر بقاع الارض بنے ہوتے ہیں. سو بازاروں اور منڈیوں میں مؤذن
مقرر کرنے چاہئیں.

آپ غور فرمائیں کیا اس قسم کے دلائل پر شریعت کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے؟ ہمارا دین اور
ہماری فقہ کیا پہلے سے کتابوں میں مدون نہیں؟ بریلوی حضرات وہاں سے دین کو کیوں نہیں لاتے. مولانا
احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر چلنا یہ کیسے سب سے بڑا فرض ہوگیا؟ خان صاحب جیسے دو چار اور
مجتہد اس دور میں پیدا ہو جاتے تو دین کا جو تصور بہت تقۃ اب سامنے ہے یہ بھی کہیں باقی نہ رہتا.

(۱۰) قبر پر اذان کا یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

یوں تو یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ خیر القرون میں کہیں نہ تھا. اسلام کی پہلی سات
صدیوں میں یہ اذان کہیں نہ سنی گئی تھی. البتہ آٹھویں صدی کے علامہ ابن حجر مکیؒ (ھ) نے اپنے فتاویٰ
میں اسے بدعت لکھا ہے. اس سے پتہ چلتا ہے کہ   صدی میں یہ بدعت رائج ہو چکی تھی.
علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) اپنے ہاں اسے میت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت کا ایک عمل

بتاتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا. آپ امام ابن ہمامؒ کے بیان کردہ اصول (کہ قبروں پہ زیارت
کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں)، کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی الاقتصار علیٰ ماذکر من الوارد اشارۃ الیٰ انہ لایسن الاذان عند
ادخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد الاٰن وقد صرح ابن حجرؒ فی فتاواہ بانہ
بدعۃ.[1]

ترجمہ. قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ
ہے کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منقول
نہیں اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاوے میں تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے
(شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے).

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پہ جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتلاتی ہے کہ یہاں
سنت کے بعد مستحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے. ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ)
اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے. علامہ شامیؒ کا فتح القدیر کی اس عبارت پر یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ
میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رائج ہو چکا ہے ہرگز مسنون نہیں. اس کا مطلب
بھی یہی ہے کہ قبر پر اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے. مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید مستحب یا مباح
کی راہ کھلی ہو. قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نماز جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی.

لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ —— میں استحباب اور اباحت ہر ایک
کی نفی ہے. سنت کے سوا یہاں پر عمل جو بھی اس کے نیچے تصور کیا جا سکتا ہے مکروہ ہے.

سو متن درمختار کی یہ عبارت لایسن لغیرھا (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں)
فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنت میں منقول نہیں. وہاں اذان
دینا مکروہ ہے. سو اذان علی القبر کا کوئی جواز نہیں.

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۶۵۹

علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں علامہ ابن نجیمؒ (٩٦٩ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے:-

الوتر والجنازة والكسوف والاستسقاء والتراويح والسنن والروابت۔[1]

ترجمہ. وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے چاند گرہن کے موقعہ پر. بارش طلبی کی دعامیں تراویح میں اور سنن رواتب میں اذان ہرگز مسنون نہیں (مکروہ ہے)۔

نمازِ جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اُتارتے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع پر اذان دینا جائز نہیں علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ ہے ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت جتلانی پیش نظر ہو تو یہ امر دیگر ہے۔

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں:-

وفی فتح القدير يكره عند القبر كل مالم يعهد من السنة والمعهود منها ليس الا زيارتها والدعاء عندها قائمًا كما كان يفعل صلى الله عليه وسلم في الخروج الى البقيع۔[2]

ترجمہ. حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بحرام) ہے جو سنت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے دعا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں کیا کرتے تھے۔

مولویوں کے لیے ایک اور کام پیدا کرنے کی نیکی

بریلوی علماء اپنے حلقوں میں ایک یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب لوگ علماء سے تقریباً فارغ ہوتے جارہے ہیں اور سوائے نکاح اور جنازہ کے یا مسجد کی اذان اور امامت کے ان کی

۱ طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ ص ۱۸۵ ۲ ایضاً ص ۲۸۳ نقلاً عن البحر

ضرورت اور کہیں نہیں سمجھی جاتی تو اگر قبر پہ اذان دینے اور ختموں وغیرہ کو بھی اسلام میں جگہ دینے کی یہ کوشش کی جائے تو اس اذان عند القبر سے عام لوگوں کی نگاہوں میں مولویوں کے لیے ایک اور ضرورت پیدا ہوجائے گی جسے اس وقت کے صدمہ میں کوئی نظر انداز نہ کرسکے گا. سو یہ حلقہ علماء سے ایک نیکی ہے اور ان کی اس موقع پر ضرورت ثابت کرتے ہوئے ان مؤذنوں کے لیے ایک مالی امداد بھی ہے اور مسلمان ایک دوسرے کی جس طرح بھی بن پڑے مدد کریں گے اور میت سامنے ہوگی تو کوئی مسلمان اس اذان عند القبر کا انکار نہ کرسکے گا۔

اس وقت اس مسئلہ کی اور تفصیل کی گنجائش نہیں. حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے امعان النظر کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے رسالہ ایذان الاجر فی صلوٰۃ القبر کا نہایت مفصل اور مدلل جواب لکھا ہے اسے دیکھ لیا جائے. دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کی علمی حیثیت آپ کے سامنے آجائے گی اور آپ معلوم کرلیں گے کہ اعلیحضرت بس اپنے حلقے کے ہی اعلیحضرت ہیں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں: سب جانتے ہیں کہ شریعت نے نماز پنجگانہ و جمعہ کے سوا عیدین، کسوف و خسوف، استسقاء اور جنازہ کی نمازوں کے لئے بھی اذان و اقامت تجویز نہیں کی۔ اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرے کہ جیسے پانچ نمازوں کے اعلان و اطلاع کے لئے اذان کی ضرورت ہے وہی ضرورت یہاں بھی موجود ہے لہٰذا ان نمازوں میں اذان کہنی چاہیے. تو اس کا یہ اجتہاد صریح غلط ہوگا. اس لئے کہ جو مصلحت اس کی عقل شریف میں آئی ہے اگر وہ لائق اعتبار ہوتی تو شریعت ان موقعوں پر بھی ضرور اذان کا حکم دیتی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے. چونکہ مُردے کے پاس سے شیطان کو بھگانا ضروری ہے اس لئے دفن کے بعد قبر پر بھی اذان کہی جائے. تو یہ اجتہاد بھی بالکل مہمل سمجھا جائے گا. کیونکہ اوّل تو شیطان کا اغواء مرنے سے پہلے تک تھا. جو

مرگیا شیطان کو اس سے کیا کام؟ دوسرے، اگر یہ مصلحت صحیح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین کی سمجھ میں بھی آسکتی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین سے قبر پر اذان کہنا ثابت نہیں، اسی بناء پر فقہاء اہلسنت نے اس کو "بدعت" کہا ہے۔ علامہ شامیؒ "باب الاذان" میں لکھتے ہیں کہ خیر رملی نے بحرالرائق کے حاشیے میں لکھا کہ بعض شافعیہ نے اذان مولود پر قیاس کرکے دفنِ میت کے وقت اذان کہنے کو مندوب کہا ہے، مگر ابن حجر نے شرح عباب میں اس قیاس کو ردّ کیا ہے۔ (ردّالمحتار ص ۳۸۵ ج ۱ طبع جدید) اور دفن میت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ مصنف نے دفن میت کا صرف مسنون طریقہ ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے موقعہ پر اذان کہنا مسنون نہیں۔ جیسی آج کل عادت ہوگئی ہے۔ اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ "بدعت" ہے۔ (ص ۲۳۵ ج ۲)

عرس بزرگان

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ مگر بریلویوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں۔ عید میلادالنبی اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید۔ اسے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر ملی پر زائرین کا ہجوم اور پھر ان کی کھانے پینے کی ضیافتیں بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں۔ دن بھی عام طور پر چھٹی کا ہوتا ہے اور ارد گرد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پر حاضری دیتے ہیں۔

زیارتِ قبور اور عید قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہلِ قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ بھی ان عرسوں کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب سنتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی مجلسیں، اترتی دیگوں کی

...نو شبرمیں حلووں کے جلوے ہاروں سے لدے گلے اور چوغوں اور جبوں میں ملبوس پیر پاؤں میں گھنگرو پہنے رقص کرتے آنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذروں اور منتوں کے نوٹ ...ور یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ حاضری اور پھر اجتماعی حاضری کا کوئی تصور اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پہ عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں اس عید قبور کا کیا درجہ ہے. آیئے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبدِ خضریٰ کی طرف متوجہ ہوں. کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آل سعود کی حکومت ہے. وہ توحید کے پورے پابند ہیں شرک و بدعت کو اپنے ہاں راہ نہیں دیتے. چلو یونہی سہی. لیکن خدارا اس بات پر بھی تو نظر رکھیے کہ کیا خلفائے راشدینؓ کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا. کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب کے سب بد مذہب تھے؟

فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون. (پ الانعام آیت ۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:-

لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبری عیدًا وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم۔[1]

ترجمہ. تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا (کہ تمہارے گھر نمازوں سے خالی رہیں) اور نہ میری قبر کو عید بنانا (کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے) اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا) تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] رواہ النسائیؒ و رواہ ابوداؤد جلد ۱ صـ۲۷۹ والنسائی جلد صـ مشکوٰۃ صـ۸۶

محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

لا تجعلوا قبری عیدًا اقول ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاریٰ بقبور انبیائھم وجعلوھا عیدًا وموسمًا بمنزلۃ الحج۔[1]

ترجمہ. میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاؑ کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے منع کیا ہے. نہیں، آپ نے اس پر صرف ارشادِ رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے. یہود و نصاریٰ کے عمل تو آپ محض مثال کے طور پہ لائے ہیں. ورنہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی بدعت سمجھتے ہیں. اولیاء کرام کی قبروں پہ انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلائے اور دور سے ننگے پاؤں آئے وہاں حاضری دیتے ہیں

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیدًا۔[2]

ترجمہ. ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے پاس گھڑ رکھا ہے اور وہ ان کی عید قبور کی تقریبات ہیں.

ابھی ان تقریبات پہ لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا. یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت میں داخل ہوا ہے. پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جا کر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا. ہمعات کی عبارت سے یہی متبادر ہوتا ہے:-

وازیں جاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں.[3]

ترجمہ. مشائخ کے عرس اور ان کا زیارت قبور کے لیے برابر جاتے رہنا اسی لیے ہے.

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۷۷ [2] تفہیمات جلد ۲ صـ۶۴ [3] ہمعات صـ۵۸ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ

لیکن بعد میں یہ عرس زندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پر جانے کے نہ رہے، مرحومین کی قبروں پہ سالانہ اجتماع بن گئے۔

نقشبندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بھی لکھتے ہیں:۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرساً[1]

ترجمہ۔ یہ جاہل لوگ اولیاء وشہداء کی قبروں پہ جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پہ یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پہ یا ان کی مانند اور کسی قبر پہ اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو (شرک ہونے کے باعث) قتل اور زنا سے بھی بدتر ہے۔[2]

سرتاج علمائے ہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است واصل زیارت جائز وتعیین وقت در سلف نبود وایں بدعت ازاں قبیل است کہ اصل جائز است وخصوصیت وقت بدعت۔[3]

ترجمہ۔ قبروں پہ جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پہ جانے کے لیے دنوں کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ ص۶۵ [2] دیکھیے تفہیمات جلد ۲ ص۴۵ [3] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص۸۹

کی ہے کہ اس کی بنیاد تو صحیح تھی لیکن تعیین وقت اس کو بدعت بنا گیا۔

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارت قبور کی اصل شرعی ممنوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارت قبور تو رہے گی پر عرس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است۔ اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت واستغفار بروند۔ ایں قدر از روئے روایات ثابت است و در تفسیر در منثور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر مے رفتند ودعا برائے مغفرت اہل قبور مے نمودند۔[1]

ترجمہ۔ قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیہ اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پہ زیارت کے لیے جائیں اور (مرحومین کے لیے) استغفار کریں۔ اتنی بات روایات سے ثابت ہے اور تفسیر در منثور میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبروں پہ جاتے اور اہل قبور کے لیے بخشش کی دعا کرتے

سو اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ ہر سال نیا دن مقرر ہو اور یہ تعیین محض انتظامی ہو۔

اس سالانہ حاضری کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کھلا دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ غنی لوگ اسے کھائیں یا اس میں نمود و ریا پائی جائے۔ وہ خرافات بھی نہ ہوں جو آج کل عرسوں میں ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا وخلفائے راشدینؓ نبود۔ اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست۔

---

[1] فتاوٰے عزیزی جلد اول ص ... یہ دن مقرر کرنا ہر موقع پہ نیا ہوگا۔

ترجمہ۔ یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں نہ تھا: اگر کوئی اس طرح کرے تو ڈر نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پہ دعا مانگنے کا ذکر نہیں ہم کہیں گے سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔[1]

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جا سکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے معمول سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ قبیح اور ممنوع ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردماں یک روز معین نمودہ و لباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شادماں شدہ بر قبرہا جمع مے شوند و رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور و طواف گرد قبور مے نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر مے رسند ہمیں است محمل ایں دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیدا چنانچہ در مشکوۃ شریف موجود است و اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد ایں ہم در مشکوۃ است۔[2]

ترجمہ۔ تیسرا طریقہ قبروں پر جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن طے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پر جمع ہوں وہاں (ملنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی ہو رہے ہوں

۳ رواہ ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۴۹ والنسائی ۴

---

[1] الحجۃ الفاتحہ ص ۱۲ [2] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۳۸ کتاب البرزخ ص ۱۷۹ مؤلفہ نور بخش توکلی مطبوعہ ۱۳۳۹ھ

اور لوگ ان کا طواف بھی کر رہے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائجہ) حرام اور ممنوع ہے بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں۔ یہی محمل ہے ان دو احادیث کا — تم میری قبر کو عید نہ بنانا — اور — اے اللہ! میری قبر کو بتھان کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کئے جانے لگیں) یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ میں موجود ہیں۔

قبورِ شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ حضورؐ ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور ان کتابوں میں ہیں جو آخری درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان روایات کو تفسیر درمنثور سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر کسی اجتماعی صورت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پہ جانا نہیں نہ اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ اُحد لڑی گئی تھی — آج کل اگر کوئی شخص دن مقرر کرے تو چاہیئے کہ وہ تعیین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔

سوال: شادی کے لیے دن مقرر کرنا، جلسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفرِ حج کے لیے ایئر ٹریولز سے تاریخ مقرر کرنا یا کسی دکان کے افتتاح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ دنوں کی یہ تعیین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ان لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجہ میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں کو کسی کی موت و حیات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس انتظامی تعیین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی — اتفاقی یہ ہے کہ بس اپنی

مصلحت سے کوئی تاریخ طے کردی۔ یہ تعیین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی۔ اور تعیین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے۔ مثلاً ایک بیٹے کی شادی ۹۔ ذوالحجہ کو کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے اور پھر پورے خاندان میں آئندہ یہی تاریخ طے پاجائے۔ یہ انتظامی تعیین بھی اگر التزامی درجے میں آجائے تو ممنوع ہو جائے گی۔

سفر اور تعیین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا (یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آگئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کرلی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا) جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعیین اور وہ بھی التزامی درجے میں ——— یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں۔ مسئلہ سفر میں تو آپس میں الجھنا چاہیے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن دنوں کی غیر شرعی تعیین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیئے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچے رہے۔ بدعتی لوگ تو وہ خود اس کے جوابدہ ہوں گے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا ——— یہ اگلی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالخیر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعیین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیئے۔ مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ فقط۔[1]

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کرلیا جائے تو یہ جائز ہے یہ تخصیص ایام ہے نہ اس کا التزام ——— ہاں خاص عرس کے دن زیارت کے لیے جانا اہل بدعت کی

[1] فتاوے رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹

بدعات میں اور ان کی ظلمانی مجلسوں میں من وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھایا جانے کے خطرہ میں ہے۔

تعیین اعتقادی اور تعیین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعیین اعتقادی ہے اور اس پر مبنی فضیلت شریعت میں ایک درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے تیجے۔ دسویں۔ اکیسویں اور چالیسویں دونوں کی تعیین کرنا اور انہیں اہم جاننا یا گیارہ تاریخ کو افضل ٹھہرانا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو ایصال ثواب کرنا یہ ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں لانا ہے جن کے لیے شریعت میں افضلیت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ دراصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے بطور دین قائم کر دیا جائے۔

تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدوں شرع ثابت نہیں ہو سکتی۔ کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے۔ کسی ایک جگہ پڑھنے کو اعتقاداً افضل جاننا درست نہیں۔

ہاں قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میت مانوس ہوتی ہے تو یہ بنا بر اعتقاد سماعِ موتیٰ جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلتِ اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

عرسِ بزرگان

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

دوم: شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے اس میں اپنی طرف سے قیود لگالینا بدعت ہے۔

مثلاً شریعت نے زیارتِ قبور کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اب کسی بزرگ کی قبر پر جانے کے لئے ایک وقت مقرر کر لینا اور اسی کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے سوال کیا گیا کہ زیارتِ قبور کے لئے دن معین کرنا۔ یا ان کے عرس پر جانا، جو کہ ایک معین دن ہوتا ہے درست ہے یا نہیں؟ جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں،

برائے زیارتِ قبور روز معین نمودن بدعت است، و اصل زیارت جائز ـــــ و تعین وقت در سلف نبود، و این بدعت ازاں قبیل است کہ اصلش جائز است و خصوصیت وقت بدعت ـــــ مانند مصافحہ بعد عصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است ـــــ

قبروں پر جانے کے لئے دن معین کر لینا بدعت ہے، اور اصل زیارت جائز ہے ـــــ وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا اور یہ بدعت اس طرح کی ہے کہ اسکی اصل تو جائز ہے مگر خصوصیت وقت بدعت ہے۔ اسکی مثال عصر کی نماز کے بعد مصافحہ ہے جس کا ملک توران

در روز عرس برائے یاد دہانیدن وقت دعاء برائے میت اگر باشد مضائقہ ندارد لیکن التزام آں نیز بدعت است از ہماں قبیل کہ گذشت (فتاویٰ عزیزی ص۸۹ ج۱)

وغیرہ میں رواج ہے ـــــ اور اگر میت کے لئے دعا کی یاد دہانی کی خاطر عرس کا دن ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کو لازم کر لینا بھی بدعت ہے، اسی قبیل سے جو کہ ابھی گذرا۔

اور آج کل بزرگوں کے عرس پر جو خرافات ہوتی ہیں، اور جس طرح میلے لگتے ہیں اس کو تو کوئی عقلمند بھی صحیح اور جائز نہیں کہہ سکتا ـــــ

اسی طرح شریعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، بزرگانِ دین اور عام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کیلئے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کر لینا اور انہی کی پابندی کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے سوال کیا گیا کہ ربیع الاول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح کے ایصالِ ثواب کے لئے اور محرّم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

برائے این کار وقت و روز تعین نمودن و ماہے مقرر کردن بدعت است، آرے اگر وقتے بعمل آرند کہ درآں ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان کہ عمل بندۂ مومن بہ ہفتاد درجہ ثواب زیادہ دارد مضائقہ نیست۔ زیرا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم برآں ترغیب فرمود

اس کام کے لئے دن، وقت اور مہینہ مقرر کر لینا بدعت ہے۔ ہاں اگر ایسے وقت عمل کیا جائے جس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ماہِ رمضان کہ اس میں بندۂ مومن کا عمل ستر گنے بڑھ جاتا ہے۔ تو مضائقہ نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ترغیب فرمائی ہے

اند بقول حضرت امیرالمؤمنین علی مرتضیٰ رض وہر چیز کہ بر آں ترغیب صاحب شرع ولعینِ وقت نباشد آں فعل عبث است و مخالف سنت خیرالانام۔ و مخالف سنت حرام است ، ہرگز روا نباشد، واگر دلش خواہد مخفی خیرات کنند درہر روز کہ باشد تا نمود نشود۔
(فتاویٰ عزیزی ص۹۳)

بقول امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جو چیز کہ صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم)، نے اسکی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں فرمایا وہ فعل عبث ہے ، اور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف ـــــ اور جو چیز مخالف سنت ہو وہ حرام ہے ، ہرگز روا نہ ہوگی اور اگر کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر خیرات کرے ، جس دن بھی چاہے ۔ تاکہ نمود و نمائش نہ ہو۔

زیارتِ قبور کے لیے سفر

قبروں کی زیارت اور ان پر بجا لائے جانے والے اعمال کا مسئلہ بھی محلِ نزاع ہے ، اس سلسلہ میں میں اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کے لئے چند امور عرض کر دینا چاہتا ہوں

(۱) جاہلیت کی قبر پرستی سے نفرت دلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں امت کو قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا۔ اور جب اس رسم کی بخوبی اصلاح ہوگئی تو آپؐ نے زیارتِ قبور کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الآخرة۔ (مشکوٰة شریف ص۱۵۴)

میں تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیاکرتا تھا (اب وہ ممانعت منسوخ کی جاتی ہے) پس انکی زیارت کیاکرو کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبتی کرتی ہیں، اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

اس لئے قبرستان میں جانے کی اجازت ہے ، البتہ دو مسئلوں میں اختلاف ہے ایک یہ کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں سب کو ہے ، یا صرف مردوں کو؟ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو اجازت نہیں ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا ہے :

لعن اللہ زوّارات القبور۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اجازت سے پہلے کا ہے۔ اور اب مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اجازت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کو ممانعت اس بنا پر کی گئی ہے کہ یہ کم صبری اور کم علمی کی بنا پر وہاں جاکر جزع فزع نیز بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہ سکتیں، چونکہ ان کے جانے میں فتنے کا احتمال غالب تھا اس لئے ان کو خصوصیت سے منع کر دیا گیا۔ تاہم اگر کوئی عورت وہاں جاکر کسی بدعت اور کسی غیر شرعی حرکت کی مرتکب نہ ہو تو اس کو اجازت ہے۔ مگر بوڑھی عورتیں جا سکتی ہیں، جوان عورتوں کو نہیں جانا چاہیئے۔ (فتاویٰ شامی ص۲۴۲ ج۲ طبع جدید مصر)

دوم یہ کہ صرف اپنے شہر کے قبرستان کی زیارت کے لئے جانا ہی صحیح ہے۔ یا دوسرے شہروں میں اولیاء اللہ اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے جانے کی بھی اجازت ہے؟ بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ آدمی دوسرے شہر میں گیا ہوا ہو تو وہاں کی قبور کی زیارت بھی کر سکتا ہے۔ مگر صرف زیارتِ قبور کے ارادے سے جانا صحیح نہیں، لیکن امام غزالی رح اور دوسرے بہت سے اکابر فرماتے ہیں کہ اسکی بھی اجازت ہے۔ اور یہی صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں جاکر کوئی خلافِ شرع کام نہ کرے۔ (حوالۂ بالا)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ جب آدمی قبرستان جائے تو اہل قبور کو ان الفاظ میں سلام کہے:

"السلام علیکم دار قوم مؤمنین. انتم لنا سلف ونحن لکم تبع، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون. نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ." (مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴)

اس کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرے، اور کچھ پڑھ کر ان کے

ایصال ثواب کرے۔ احادیث شریفہ میں بعض خاص خاص سورتوں کے خاص فضائل بھی آئے ہیں۔ اسی طرح درود شریف کے فضائل بھی آتے ہیں۔ بہرحال درود شریف سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۂ اخلاص اور دیگر جتنی سورتیں چاہے پڑھ کر ان کا ثواب بخشے۔ قبر پر دعا، یا تو بغیر ہاتھ اٹھائے کرنی چاہیئے، یا قبر کی طرف پشت اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۳۵۰ ج۵ کتاب الکراہیۃ)

(۳) زیارتِ قبور کا اہم ترین مقصد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ قبروں کا منظر دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا یقین تازہ ہو، آدمی ان سے عبرت پکڑے، اپنی موت اور قبر کو یاد کرے اور آخرت کی تیاری کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کرے ــــ دوسرا مقصد اہل قرابت کا حق ادا کرنا اور ان کو دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب سے نفع پہنچانا ہے۔ اور اہل اللہ کی قبروں کی زیارت سے ان کے فیوض و برکات سے خود مستفید ہونا اور جس راستے پر چل کر وہ مقبول بارگاہ خداوندی ہوئے ہیں اس راستے پر چلنے کا عزم کرنا ہے۔

(۴) شریعت نے قبروں کے معاملے میں افراط و تفریط کو روا نہیں رکھا، چنانچہ ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اور ان کی تعظیم میں مبالغہ و غلو کرنے سے بھی ــــ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر قبے تعمیر کرنے اور ان پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸)

ایک حدیث میں ہے کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو ــــ ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کے بدن تک پہنچ جائے یہ اس کے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی قبر پر بیٹھے ــــ ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے،

ان پر کچھ لکھنے، اور ان کو روندنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کو قبر سے ٹیک لگاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا "قبر والے کو ایذا نہ دے"۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ١٤٩،١٤٨)

ان احادیثِ طیبہ سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبروں کی اہانت اور بے حرمتی بھی منظور نہیں۔ اور ان کی بے جا تعظیم بھی ——— البتہ اگر قبر پر کوئی خلافِ شریعت حرکت کی گئی ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس مہم پر روانہ فرمایا تھا کہ جس تصویر یا مورتی کو دیکھوں اس کو مٹا ڈالوں، اور جس قبر کو اونچا دیکھوں اسے برابر کر دوں۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ١٤٨)

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پختہ قبریں بنانا یا ان پر قبّے تعمیر کرنا جائز نہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دونوں رفقاء (حضرات ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبور شریفہ بھی پختہ نہیں۔ بلکہ کچی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ١٤٩)

(٥) اب ان اعمال کا جائزہ لیجئے جو ہمارے ناواقف عوام اولیاء اللہ کی قبروں پر بجا لاتے ہیں، مثلاً قبروں پر غلاف ڈالنا۔ ان پر چراغ جلانا۔ ان کو سجدہ کرنا۔ ان کا طواف کرنا۔ ان کو چومنا، ان پر پیشانی اور آنکھیں ملنا، ان کے سامنے دست بستہ اس طرح کھڑے ہونا جس طرح نمازی خدا کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے رکوع کی طرح جھکنا، ان پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا۔ وغیرہ وغیرہ اگر آپ کو کبھی بزرگوں کے مزارات پر جانے کا اتفاق ہوا ہوگا تو آپ نے یہ سارے منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے، حالانکہ ہمارے اہلِ سنّت اور ائمہ احناف کی کتابوں میں ان تمام امور کو ناجائز لکھا ہے۔

کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

مولانا عبدالرحیم راجپوری لکھتے ہیں

دُعا لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا

سوال:- احمد آباد سے ماہنامہ "آبِ حیات" (گجراتی) شائع ہوتا ہے اُس کے موجودہ مہینے کے شمارہ میں ایصالِ ثواب کے متعلق ایک مضمون ادارے کی طرف سے لکھا گیا ہے اور اس میں میت کے لئے ایک خاص دعا کے متعلق حسب ذیل عبارت لکھی ہے:-

"کبیری میں لکھا ہے کہ مرنے والے مرد یا عورت کو کفن پہنانے کے وقت ایک پرچہ پر ذیل کی دعا لکھ کر اُس کے سینہ پر رکھ کر دفن کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میت پر اپنی بے حساب رحم و کرم کی بارش کرتے ہیں۔ دُعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شئ قدیر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ ۔ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فاصبر ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھوداً فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

اتنا لکھ کر اخیر میں مع بسم اللہ کے پوری سورہ الم نشرح لکھ کر وہ پرچہ میت کے سینے پر

رکھ دیا جائے۔ (کبیری شرح منیہ ص۔۔۔) (مفتاح الجنان باب س۔۔)

میت کے لئے یہ طریقہ انجام دینا جائز ہے یا ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیں؟ جواب پیغام میں شائع کریں۔

جواب:- کبیری شرح منیہ میں نہ یہ آیتیں اور دعائیں ہیں نہ اس کی تشریح ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر رکھی جائیں صرف یہ ہے کہ "اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو اس کی مغفرت کی امید ہے اس کے ثبوت کے لئے کوئی حدیث پیش نہیں کی بلکہ کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ "میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دینا" مرنے کے بعد کسی نے اُن بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ حال پوچھا تو اُن بزرگ نے فرمایا کہ "عذاب کے فرشتوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب سے مامون ہے" (کبیری شرح منیہ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر روشنائی کے یونہی انگلی کے اشارے سے کفن وغیرہ پر عہدنامہ وغیرہ دعائیں لکھی جائیں تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں"۔ "فتاویٰ شامی" میں ہے کہ بعض فقہاء نے ہدایت کی ہے کہ جب میت کو غسل دیا جاچکے تو کفن میں لپیٹنے سے پہلے روشنائی کے بغیر محض شہادت کی انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ اور سینہ پر کلمۂ طیبہ لکھ دیا جائے ان ما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالأصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحيم وعلى الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذالك بعد الغسل قبل التكفين (شامی ص۔۔۔)

اور "درھم الکیس" میں ہے کہ "بنویسند بر پیشانی میت بغیر مداد بانگشت" (میت کی پیشانی پر بغیر روشنائی کے انگلی سے لکھدیں)

اور اگر کبیری کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے کہ روشنائی وغیرہ سے لکھا جائے تو یہ قول معتبر اور صحیح نہیں ہے، علامہ شامی وغیرہ محققین فقہاء اس کے سخت مخالف ہیں۔

شامی میں ہے وقد افتی ابن الصلاح بانه لا يجوز ان يكتب على الكفن يٰس

والذهب ونحوهما خوفا من صديد الميت .... وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح انه تكره كتابة القرآن واسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذاك الا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه اهانة فالمنع هنا بالاولى مالم يثبت عن المجتهد او ينقل فيه حديث ثابت (ص۔۔۔)

(ترجمہ) امام ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ سورۂ یٰس اور سورۂ کہف وغیرہ متبرک کلمات کفن پر لکھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جان بوجھکر واجب الاحترام کلمات کفن پر لکھنا مردہ کے خون وغیرہ میں آلودہ کرنا ہے ..... اور پہلے ہم فتح القدیر کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی دراہم، محراب، دیواروں اور فرش وغیرہ پر لکھنا ممنوع ہے اس ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کلمات و آیات کا احترام ضروری ہے اور یہاں بے ادبی کا خطرہ ہے جو حرام ہے جب دیوار اور محراب پر لکھنا بھی ممنوع ہے تو (کفن یا جسم میت پر لکھنا) تو ضرور ممنوع ہوگا یہاں خطرہ اور زیادہ ہے اور جب تک کسی مجتہد کا فتویٰ نہ ہو یا اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو اس کو ممنوع کہا جائے گا۔ شامی ص۔۔۔)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ قبر میں شجرہ رکھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن این را دو طریق است اول اینکہ بر سینۂ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند این طریق را فقہا منع می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلاں می کند و موجب سوء ادب باسمائے بزرگان می شود" (ترجمہ) قبر میں شجرہ رکھنا (بعض) بزرگان کا معمول ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مُردہ کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھے، اس طریق سے فقہاءؒ نے روکا ہے اور کہا ہے کہ مُردہ کے جسم میں سے خون اور پیپ جاری ہوگا اور بزرگوں کے ناموں کی بے حرمتی ہوگی (فیض عام)

اور "فوائد الفواد" میں ہے "قرآن ودعا بر تربت ہانمی باید نوشت و بر جامۂ کفن نیز" (ترجمہ) قرآن اور دعا قبروں پر نہ لکھنی چاہیئے اور کفن پر بھی۔

اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ " فرقۂ رضاخانی " کی مشہور و معروف کتاب " بہارِ شریعت " میں مذکور بیان کے اخیر میں فیصلہ کے طور پر ممانعت کے حکم کی تائید کی ہے کہ " مگر نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے کلمہ کی انگلی سے لکھے ، روشنائی سے نہ لکھے " بہارِ شریعت ص ۱۶۴ ج ۴)

الحاصل عہد نامہ وغیرہ دعا میت کے جسم یا کفن پر روشنائی وغیرہ سے لکھنا تحریر کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہے ، ہاں ! حصولِ برکت کے لئے عہد نامہ وغیرہ کوئی دعا کفن پر بسم اللہ پیشانی پر اور کلمۂ طیبہ سینہ پر بغیر روشنائی کے محض کلمہ کی انگلی کے اشارے سے اس طرح لکھے کہ حروف کے نشان نہ پڑیں تو جائز ہے ، ممنوع نہیں ہے ، مگر اس کو ضروری اور مسنون نہ سمجھ لیا جائے نیز یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ اس سے یقینی مغفرت ہو جاتی ہے ، اس لئے کہ مغفرت کے طریقے سماعی ہیں قیاسی نہیں ۔ لہٰذا حدیثِ صحیح وغیرہ مضبوط دلیل کے بغیر محض قیاس و خواب کے اعتماد پر عقیدہ یا شرعی حکم نہیں بن سکتا ، ہاں ! نزولِ رحمت اور حصولِ مغفرت کی امید رکھنا اچھا ہے

فقط واللہ اعلم بالصواب

تم الجزأ الاول من فتاوی رحیمیہ و یلیہ

الجزأ الثانی انشاء اللہ

ذکر بالجہر

شریعت نے جو عبادت جس خاص کیفیت میں مشروع کی ہے اس کو اسی طرح ادا کرنا لازم ہے ۔ اور اسکی کیفیت میں تبدیلی کرنا حرام اور بدعت ہے ۔

مثلاً دن کی نمازوں میں شریعت نے قرأت آہستہ تجویز کی ہے ۔ اور رات کی نمازوں میں نیز جمعہ اور عیدین میں جہری قرأت مقرر فرمائی ہے ۔ اگر کوئی شخص خوش الحانی کے شوق میں ظہر عصر کی نمازوں میں بھی اونچی قرارت کرنے لگے تو اس کا یہ فعل ناجائز اور بدعت ہوگا ۔

یا مثلاً جہری نمازوں میں بھی سبحانک اللھم ۔ اعوذ باللہ ——— آہستہ پڑھی جاتی ہے ۔ اگر کوئی شخص ان کی بھی جہراً قرأت کرنے لگے تو یہ جائز نہیں ۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنا کیسا ہے ؟ فرمایا : بیٹا ! یہ بدعت ہے ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے ۔

یا مثلاً نماز ختم ہونے کے بعد احادیثِ طیبہ میں مختلف اوراد و اذکار اور دعاؤں کا حکم فرمایا گیا ، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہ ذکر اور دعاء بآواز بلند نہیں کیا کرتے تھے ، بلکہ ہر شخص اپنے منہ میں پڑھا کرتا تھا ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کو ان اوراد و اذکار اور دعاؤں میں یہی کیفیت مطلوب ہے ۔ اور امت کو اسی کا حکم دیا گیا ہے ۔ اس کے برعکس بعض

مساجد میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ سُر میں سُر ملاکر اونچی آواز سے کلمہ شریف کا ورد کرتے ہیں، یہ طریقہ نبوی اور مطلوب شرعی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

چہارم: جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے۔ مثلاً فرض نماز تو اجتماعی طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اور شریعت کو ان کا اجتماعی طور پر ادا کرنا ہی مطلوب ہے۔ مگر نفلی نماز الگ الگ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے نفلی نماز اجتماعی طور پر پڑھنے کو ہمارے فقہاءؒ نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوٰۃ الرغائب التی احدثها بعض المتعبدین، لانها لم تؤثر علی هذه الکیفیة فی تلك اللیالی المخصوصة وان کانت الصلوٰۃ خیر موضوع۔
(رد المحتار ص ٢٢٥ ج ٢)

اسی بناء پر فقہائے امت نے نماز "رغائب" کے لئے جمع ہونے سے منع کیا ہے، جو کہ بعض متعبدین نے ایجاد کی ہے، کیونکہ ان مخصوص راتوں میں اس کیفیت سے نماز پڑھنا منقول نہیں، اگرچہ نماز بذاتِ خود خیر ہی خیر ہے۔

اسی سے شب برات، شب معراج اور شب قدر میں نمازوں کے لئے جمع ہونے اور ان کو اجتماعی شکل میں ادا کرنے کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

یا مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعاء اجتماعی طور پر کی جائے۔ مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہو اس کے بعد دعاء بھی انفرادی طور پر ہونی چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ و تابعینؒ سے یہ منقول نہیں ہے کہ وہ سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعاء کرتے ہوں۔ اس لئے ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لوگ سنتیں نفل پڑھنے کے بعد امام کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد امام دعاء کرتا ہے اور لوگ —— اسپرآمین آمین کہتے ہیں یہ صحیح نہیں —— اگر اتفاقاً کسی بزرگ کی دعاء میں شریک ہونے کے لئے ایسا ہوجائے تو مضائقہ نہیں مگر اسکی عادت بنالینا بدعت ہے۔

یا مثلاً نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے، اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں "محیط" سے نقل کیا ہے:

قراءۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعین۔ (ص ٢١٧)

سورۃ الکافرون سے آخر تک مجمع کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت ہے، صحابہؓ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں۔

فتاویٰ بزازیہ میں فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے نقل کیا ہے:

رفع الصوت بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قومًا اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیه علیه الصلوٰۃ والسلام جهرًا۔ فراح الیهم فقال ما عهدنا ذلك علی عهده علیه السلام، وما اراکم الا مبتدعین، فما زال یذکر ذلك حتی اخرجهم

بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے بسند صحیح منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد کرتے ہیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، ہم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں یہ چیز نہیں دیکھی، میرا خیال ہے کہ تم بدعت

عن المسجد ۔ (بزازیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص۳۷۸ ج۶)

کرتے ہو۔ آپ بار بار یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ انھیں مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا ہوگا آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے اور گا گا کر درود وسلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا یہ بدعت ہے۔ اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے۔

اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی بریلوی کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ششم ۔ ص۵۵ ا م۱۳ چوتھے وہ جانور جس نے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو وہ حرام نہیں جیسے عبداللہ کی گائے عقیقے کا بکرا ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء کو ثواب پہنچانا منظور ہو، اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیّب ہیں، اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنیٰ میں غلطی کرتے ہیں، اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے، اور خود آیت ان کے معنیٰ کو نہیں بننے دیتی کیونکہ مَا اُہِلَّ بِہٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو وہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے حلال ہوگا، غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں انتہیٰ بلفظہٖ۔

تنقید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے محض اپنے ایک باطل نظریہ کے تحت لکھا ہے، اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا ہے جو چند وجوہ سے مردود ہے، اوّلاً اس لیے کہ اہلال کے معنیٰ عربی زبان میں ذبح کے نہیں نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں مشہور لغوی علامہ ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی

الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) اہلال کا معنیٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

اھلوا الھلال واستھلوہ رفعوا اصواتھم عند رؤیتہ ۔ و استھلال الصبی ان یرفع صوتہٗ بالبکاء عند ولادتہٖ الاھلال رفع الصوت بقول لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ ومنہ قولہ تعالٰی وما اھل بہ لغیر اللہ واھل المحرم بالحج رفع صوتہ بالتلبیۃ :۔ (مغرب جلد ۲ ص ۲۷۴)	یعنی چاند دیکھنے کے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے اس کو اہلال اور استہلال کہتے ہیں اور اسی طرح جب بچہ پیدائش کے وقت آواز بلند کرے تو کہا جاتا ہے استہل الصبی اور اہلال کا معنی ہے بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اور اسی سے ہے مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ اور حاجی جب احرام باندھ کر بلند آواز سے لبیک پڑھتا ہے، تو اس کو بھی اہلال کہتے ہیں۔

اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلال کے مفہوم اور معنی میں ذبح کی قید ملحوظ نہیں ہے، اور اِس کا اصل معنی ہی آواز بلند کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ (المتوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

والاھلال رفع الصوت برؤیۃ الھلال ثم استعمل لکل صوت وبہٖ شبّہ اھلال الصبی وقولہ تعالٰی وما اھل بہ لغیر اللہ ای ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ وھو ما کان یذبح لاجل الاصنام ۔ (مفردات ص ۵۶۶ طبع مصر)	چاند دیکھتے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے، اس کو اہلال کہتے ہیں پھر یہ مطلقاً ہر آواز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اسی سے پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز کو اہلال کہتے ہیں، اور مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ کا معنی یہ ہے کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور وہ اصنام کی خاطر ذبح کیا جائے۔

اِس عبارت میں بھی اِس امر کو آشکارا کیا گیا ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے لیے شہرت دی گئی ہو اور اصنام کی خاطر جس کو ذبح کیا جائے وہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ

کہلاتا ہے یعنی اہلال کا معنیٰ نہ تو ذبح کے لیے ہے، اور نہ وقت ذبح غیر اللہ کا نام اس پر لینا شرط ہے، ہاں غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا، اور شہرت دینا اس میں ملحوظ ہے، یہ یاد رہے کہ اصنام محض اینٹ اور پتھر کے بن گھڑے ٹکڑوں کا نام نہیں، بلکہ جو انسانی شکل و صورت پر ہوں انکو اصنام و اوثان کہتے ہیں، چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ (المتوفی ۳۱۰) اور علامہ علی بن محمد الخازنؒ (المتوفی ۷۴۱ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

والاصنام جمع صنم وھو التمثال الذی یتخذ من خشب او حجارۃ اوحدید او ذھب او فضۃ علی صورۃ الانسان وھو الوثن ایضاً (تفسیر ابن جریر جلد ۷ ص ۱۵۰ و تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۲۲)	اصنام صنم کی جمع ہے اور وہ ایسا مجسمہ ہوتا ہے جو لکڑی یا پتھر، یا لوہے، یا سونے یا چاندی (وغیرہ) سے انسانی صورت پر بنایا جائے اور وثن بھی اسی کو کہتے ہیں۔ (جس کی جمع اوثان آتی ہے)۔

یعنی جن لوگوں نے بتوں کے نام پر بھی نذرانے چڑھائے ہیں تو ان کو اینٹ اور پتھر وغیرہ سمجھ کر نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ان انسانوں اور بزرگوں کے نمونے اور ان کے مجسمے ہیں جن کے ساتھ ان کی عقیدت و محبّت اور فریفتگی وابستہ ہے، تو عقیدت پتھر وغیرہ سے نہیں بلکہ انسانی ہستیوں سے ہے۔

اور علامہ ابو الفضل محمد بن عمر قرشیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللہ بہ ای نودی علیہ لغیر اسم اللہ واصلہ رفع الصوت اھ (صراح ص ۴۴۹)	وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام اس پر لیا جائے (یعنی نامزد کیا گیا ہو) اور اہلال کا اصل معنی آواز بلند کرنے کے آتا ہے۔

اور امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں :۔

وانّما قیل وما اھل بہٖ لانھم	وَمَا اُھِلَّ بِہٖ اس کو اس لیے کہا گیا

کانوا اذا ارادوا ذبح ما قربوہ	ہے کہ اہل جاہلیت جب اپنے حاجت رواؤں
لآلہتھم سمّوا اسم آلہتہم التی	کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرنے کا
تقربوا ذٰلک لہا وجہروا بذٰلک	ارادہ کرتے تو ان جانوروں پر اپنے مشکل کشاؤں
اصواتہم اھ	کے نام لیتے اور بلند آواز سے اسکی تشہیر کرتے تھے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ وہ لوگ اپنے فرضی الہوں کے نام پر جانوروں کو ذبح تو بعد کو کرتے مگر ان کی تشہیر اور اپنی خوش عقیدتی کی وجہ سے ان جانوروں کو تقرب اور تعظیم کے طور پر ان کی طرف منسوب پہلے کرتے تھے کہ مثلاً یہ فلاں بزرگ کا بکرا اور یہ فلاں ولی کی بھیڑ ہے، اور اسی نامزد کرنے کو اہلال کہتے ہیں۔ تفسیر مدارک اور بیضاوی وغیرہ میں اہلال کے معنی رفع الصوت کے کیے ہیں غرضیکہ وَمَا اُہِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقیّد کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ ہاں بعض مفسّرین کرامؒ نے عام رواج کے پیشِ نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کردی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفی محدّث دہلویؒ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ:-

اور اُہِلَّ کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت اور عرف کے ہے اہلال لغت عرب اور عرف اس ملک میں معنی ذبح کے نہیں آیا ہے، کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب میں معنی آواز اور شہرت دینے کے ہے، جیسے آواز طفل نو اور شہرت چاند اور بمعنی آواز حج اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے، اگر کوئی کہے اھللتُ للّٰہ ہرگز بمعنی ذبحت للّٰہ نہ سمجھا جاوے گا اور نیز اگر اُہِلَّ کو ذبح پر حمل کریں، پس ذبح بغیر اللہ مُراد ہوگی، ذبح باسم غیر اللہ کہاں مُراد ہوگی۔ تاکہ مدعیٰ ان آدمیوں کا حاصل ہو پس اس عبارت میں اہلال کو بمعنی ذبح لینا اور پھر بغیر اللہ کو بجائے اسم غیر اللہ کرنا قریب تحریف کلام الٰہی کے پہنچتا ہے۔

(تفسیر عزیزی پارہ سیقول جلد۲ ص۳۸ اُردو) اور یہی شاہ صاحبؒ اس کی مزید تشریح اور تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اور مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق، اس جانور میں لغیر اللہ واسطے غیر خدا کے خواہ وہ غیر بُت ہو یا روحِ خبیث جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں، اور خواہ کسی جن کے نام کہ کسی کے گھر پر مسلط ہو اور بدون لینے جانور کے دست بردار نہ ہوتا ہو اور خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کردیں کہ سب حرام ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ (تفسیر عزیزی جلد۲ ص۳۸ اُردو) اور حضرت شاہ صاحب موصوفؒ ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے کہ جب شہرت کردی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیرِ خدا ہوگیا، اور اس میں پلیدی ہوگئی اور خبث اس کا مُردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مرگیا ہے، اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے، اور جب کہ یہ خبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کرسکتا جیسے کہ کتا اور سؤر کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کیے جائیں حلال نہ ہوں گے، حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب بغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے (تفسیر عزیزی جلد ۲ ص۳۸ اُردو)

اور یہی حضرت شاہ صاحبؒ دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:-

درحدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون	صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ
من ذبح لغیر اللہ یعنی ہرکہ بذبح جانور	کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے وہ ملعون
تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ	ہے، بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ
در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیراکہ	لے کیونکہ جب اس نے اسبات کی تشہیر کر

چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلان است ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت و خبثے دراں پیدا شد کہ زیادہ از خبثِ مردار است و ہرگاہ ایں خبث دروے سرایت کرد دیگر بذکر نامِ خداوند حلال نمی شود مانند سگ وخوک کہ اگر بنامِ خداوند مذبوح شوند حلال نمی گردند۔

(فتاوٰی عزیزی جلد ا ص ۵۶)

(ن کر یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو ذبح کے وقت اس پر خدا تعالیٰ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ جب وہ جانور بطور تقرب غیر کی طرف منسوب ہوگیا تو اُس میں مردار سے بڑھ کر پلیدی ہوگئی، اور اس میں جب یہ نجاست سرایت کرگئی تو اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہ ہوگا جسطرح کتا اور خنزیر کہ اگر ان پر خدا تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کیا جائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوتے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفٰی ۱۳۲۳ھ) اسی قسم کے ایک سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

الجواب :۔ جو جانور غیر کے نام کا ہو اُس کو اُس ہی نیت سے ذبح کرنا، بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے، اور جانور حرام ہی رہتا ہے ایسے جانور کو ذبح نہ کرے، اور کسی کا بجرا کہنا بوجہ مالک ہونے کے درست ہے مگر کسی کی تعظیم و قربت کا کہنا حرام ہے۔ اگر یہ نیّت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے تو اس میں کچھ حرج نہیں تعظیم غیر پر ذبح سے حرام ہوتا ہے نہ مالک ہونے سے کسی بشر کے دونوں میں فرق ہے۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوٰی جلد ۲ ص ۱۵ طبع جید برقی پریس دہلی)

اس ساری بحث سے یہ بات بالکل روشن ہوجاتی ہے کہ اہلال کے معنی ذبح کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ شہرت دینے اور تقرب و تعظیم کے طور پر نامزد کرنے کے ہیں، یعنی جس جانور کو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے شہرت دی گئی ہو، اور

نامزد کیا گیا ہو اُس کو اگرچہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہی رہے گا، جس طرح کتا اور خنزیر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوسکتے بعینہٖ اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب و تعظیم کے لیے نامزد کیا ہوا جانور بھی اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوسکتا۔ رہے وہ جانور جن میں غیر اللہ کی طرف نسبت شرعی اور عرفی ہو تو وہ محلِ نزاع سے خارج ہیں۔ ان کو درمیان میں لانا نری جہالت ہے۔ مثلاً عبد اللہ کی گائے عقیقے کا بجرا ولیمہ کا جانور وغیرہ کیونکہ عبد اللہ کی گائے سے مُراد ہے جس کا وہ شرعی طور پر مالک ہے نہ تو اس میں عبد اللہ کا تقرّب ملحوظ ہے، اور نہ اس کی وہ تعظیم جو مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح عقیقہ اور ولیمہ کے جانور سے وہ جانور مراد ہے جو شریعت کے حکم کی پیروی میں ذبح کیا جاتا ہے نہ اپنی طرف سے اس کا التزام ہے، اور نہ اس میں نومولود اور دولہا وغیرہ کا تقرب مطلوب ہوتا ہے اور نہ بجز ثواب کے اپنے نفع و نقصان کا کوئی پہلو ہی ان سے وابستہ ہے۔

وثانیاً :۔ جن مفسرین کرامؒ نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ صرف اسی میں منحصر ہے، بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شق کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل بجا ہے، اور صنم وغیرہ کی قید محض اتفاقی ہے، احترازی نہیں، علاوہ ازیں اگر وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے مُراد صرف بت ہوں جیسا کہ دیگر اہل بدعت عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں تو سورۃ المائدہ میں اسی آیت میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے الفاظ بھی موجود ہیں جس کا معنٰی یہ ہے۔ اور وہ جانور بھی حرام ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جائیں اگر وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کا بھی یہی مطلب ہو۔ تو واؤ عطف کے ساتھ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا ذکر بیکار ہوگا اور تکرار بھی لازم آئے گا جو فصاحت کے خلاف ہے۔ چنانچہ

امام قونویؒ فرماتے ہیں کہ :-

قید الصنم لرد المشرکین والا فالمراد غیر اللہ مطلقاً سواءً کان صنماً او غیرہ -(بحوالہ تفسیر اکلیل ص۹۱)

صنم اور بت کی قید مشرکین کے رد کے لیے ہے، ورنہ مراد مطلقاً غیر اللہ ہے صنم ہو یا کوئی اور شے ہو۔

علامہ ابوحیان اثیر الدین محمد بن یوسف الاندلسیؒ (المتوفی ۷۴۵) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ :-

والذی یظهر من الآیة تحریم ماذبح لغیر اللہ فیندرج فی لفظ غیر اللہ الصنم والمسیح والفخر واللعب وسمی ذلک اهلالاً لانهم یرفعون اصواتهم باسم المذبوح له عند الذبیحة ثم توسع فیه وکثر حتی صار اسماً لکل ذبیحة جهر اولم یجهر کالاهلال بالتلبیة صار علماً لکل محرم رفع صوته اولم یرفعه (تفسیر بحر محیط ج ۱ ص۴۸۹ طبع مصر)

جو چیز اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے جو جانور بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے وہ حرام ہے پس لفظ غیر اللہ میں بت حضرت مسیح علیہ السلام، فخر اور کھیل سبھی شامل ہیں اور اس کو اس لیے اہلال کہتے ہیں کہ وہ لوگ ذبح کے وقت اس شخص کا نام بلند کرتے تھے جس کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، پھر اس میں یہ وسعت اور کثرت آگئی کہ ہر ذبیحہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا خواہ اسمیں آواز بلند ہو یا نہ ہو جیسے تلبیہ کہنے کو اہلال کہتے ہیں اور یہ ہر محرم کی علامت ہے۔ وہ آواز بلند کرے یا نہ کرے (اصل میں آواز کی بلندی اس میں ملحوظ ہے)

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کا لفظ صرف صنم وغیرہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کی بزرگ شخصیت بھی شامل ہے، اور جس جانور کو بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے گا، اس طور پر کہ اس میں غیر کا تقرب و تعظیم ملحوظ ہو تو ایسا جانور یقیناً حرام ہے، اور اس آیت کریمہ کے حکم میں وہ شامل ہے، اور علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

والمراد بغیر اللہ الصنم وغیرہ کما هو الظاهر وذهب عطاءٌ ومکحول والشعبی والحسن وسعید بن المسیب الی تخصیص الغیر بالاول واباحة ذبیحة النصرانی اذا سمی علیها باسم المسیح وهذا خلاف ما اتفق علیه الائمة من التحریم اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲ ص۴۲ طبع مصر)

غیر اللہ سے مراد صنم وغیرہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور حضرت عطاءؒ، مکحولؒ شعبیؒ، حسنؒ اور سعیدؒ بن المسیبؒ اس طرف گئے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد صنم ہے، اور انہوں نے نصرانی کے اس ذبیحہ کو مباح قرار دیا ہے جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لیا گیا ہو اور یہ ائمہ کرامؒ کے اس اتفاق کے خلاف ہے جس میں انہوں نے اس کی تحریم کا فیصلہ کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ کی اس عبارت سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ صرف صنم کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ وہم ہوا ہے بلکہ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں، اگر جانور پر بجائے صنم کے حضرت مسیح کا نام بھی لیا گیا ہو تب بھی وہ ائمہ کرامؒ کی تصریح سے حرام ہی رہے گا۔

مفسرین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور وہ جانور حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ زادہؒ فرماتے ہیں کہ :-

قال العلماء ولو ذبح مسلم ذبیحة وقصد بها التقرب الی غیر اللہ تعالیٰ صار مرتدا وذبیحته میتة (اکلیل ج ۱ ص۸۱)

علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے تو ذبح کرنے والا کافر اور ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جائے گا۔

تفسیر نیشاپوریؒ، روح البیان، کبیر اور تفسیر عزیزی میں غیر اللہ کے تقرب اور جانور کے حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اور عزیزی کا حوالہ مفصل پہلے بیان

ہو چکا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

لوذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اُھِلَّ بہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ولو ذکر اسم اللّٰہ علیہ۔

(درمختار ص۳۹۹)

اگر کسی شخص نے کسی امیر اور اسی کی مانند کسی بڑے آدمی کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ وہ اُھِلَّ بہٖ لِغَیْرِ اللّٰہ کی مد میں ہے، اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر بسم اللہ بھی پڑھی گئی ہو۔

جس طرح دورِ حاضر میں کسی ملک کے سربراہ اور حاکم کی آمد پر اس کے اعزاز واکرام کے لیے توپیں داغی جاتی ہیں، عہدِ سابق میں ایسے موقع پر بعض خوشامدیوں اور جی حضوریوں کی طرف سے جانور ذبح کئے جاتے تھے، اور آنے والے مہمان اور بادشاہ کی تعظیم و رضاجوئی میں جانور بھینٹ چڑھائے جاتے تھے، اور بوقت ذبح ان پر باقاعدہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ان کو ذبح کیا جاتا تھا، مگر علماء اسلام اور خصوصاً فقہاء احناف نے ایسے جانوروں کو مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہ کی مد میں شمار کیا اور ان کو حرام قرار دیا ہے، حالانکہ بوقت ذبح ان پر بسم اللہ پڑھی جاتی تھی، اور جس کے لیے جانور ذبح کیا جاتا تھا صنم اور بت بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ امیر و رئیس اور بڑا آدمی ہوتا تھا جیساکہ عبارت سے ظاہر ہے اور مولانا عبد الحی صاحبؒ فتاوٰی بزازیہ کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔

ولو ذبحہ لقدوم الامیر اولقدوم واحد من العظماء لایحل اکلہ وان ذکر اسم اللّٰہ علیہ لانہ ذبح لتعظیم خلق اللّٰہ ولھذا لا یضعہ بین یدیہ اھ

(فتاوٰی جلد۲ ص۹۵)

اور اگر اس نے اس جانور کو کسی امیر یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال نہیں، اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو کیونکہ وہ تعظیم خلق اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔ اور اسی واسطے وہ اس کے سامنے نہیں رکھا جاتا۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے مراد وہ جانور ہے جو بقصد تقرب الی غیر اللّٰہ ذبح کیا جائے، اور مقصود اراقۃ الدم سے تعظیم غیر خدا ہو اور جان دینا خالص غیر کے لحاظ سے ہووے، ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ اس پر کہی جائے۔ اھ (فتاوٰی جلد۲ ص۶۰ اور جلد سوم میں ایک استفتاء اور اس کا جواب یوں ہے:۔

استفتاء:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا بنام شیخ سدو پرورش کیا، بعد چندے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کیا وہ حرام ہے یا حلال، صورتِ دیگر یوں ہے کہ اس بکرے کو بنام اللہ پرورش کیا، مگر بوقت ذبح شیخ سدو کہہ کے چھری پھیری، پس یہ ذبیحہ کیسا ہے۔ بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔

الجواب ھو المصوب:۔ یہ دونوں صورتیں مَا اُھِلَّ لغیر اللّٰہ میں داخل ہیں جس صورت میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہوگا، اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ کہی جاوے۔ اھ (جلد۳ ص۳۱۷)

اور جلد۲ ص۹۴ پر ہے کہ غیر اللہ کی نذر و منّت حرام ہے، اور منذور غیر خدا کا شرینی ہو یا فیرینی کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے اھ وثالثاً قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ لغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں، اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ لغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے ہو، اور غیر کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو، اور اسی کے لیے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو، اگر قرآن کریم میں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سُنی جاسکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے۔ اور حدیث شریف میں بھی لغیر اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:۔

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ الحدیث (مسلم جلد ۲ ص ۱۶۰ و ادب المفرد ص ۵ و موارد الظمآن ص ۲۶۳ نسائی جلد ۲ ص ۱۸۴ و مستدرک جلد ۴ ص ۱۵۳)

جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان لوگوں کی سخت تردید فرمائی ہے جو جانوروں کو اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی قبروں پر لے جا کر ذبح کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :-

لا عُقر فی الاسلام قال عبد الرزاق کانوا یعقرون عند القبر بقرۃ او شیئًا (ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۳ سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۵۷)

اسلام عُقر کا قائل ہی نہیں ہے امام عبد الرزاقؒ فرماتے ہیں کہ عُقر کا معنیٰ یہ ہے کہ قبر کے پاس گائے یا کوئی اور جانور لے جا کر ذبح کیا جائے۔

غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا، اور اولیاء اللہ کے لیے جانوروں کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال دینا نہ صرف علمی جہالت اور خیانت ہے، بلکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، ورابعاً جانور ہو یا کوئی اور شے ہو جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی، تو وہ حرام ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور متداول اور مستند کتابوں میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ :-

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم کان یقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا او من الفضۃ کذا او من الطعام او الشمع او الزیت کذا باطل وحرام بوجوہٍ منھا انہ نذر و النذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ و منھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ فاعتقادہ بذلک کفر اھ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ و شامی ج ۳ ص ۱۷۵ واللفظ لہ)

تو خوب جان لے کہ وہ نذر و منت جو اکثر عوام مُردوں کے لیے مانتے ہیں، اور جو چیز از قسم روپیہ، موم بتی، تیل، اور اس قسم کی دیگر چیزیں بزرگوں کی قبروں تک ان سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پہنچائی جاتی ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اے میرے آقا فلاں اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آگیا یا میری حاجت پوری کر دی گئی تو تجھے اتنا سونا، اور اتنی چاندی یا اتنا اناج، یا اتنی موم بتیاں، یا اتنا تیل دوں گا، تو یہ نذر باطل اور حرام ہے۔ اور اس کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ کارروائی نذر ہے، اور نذر عبادت ہے جو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے نذر مانی گئی ہے وہ میّت ہے اور نذر کی چیز کو وہ اپنی ملک میں نہیں لے سکتی، اور تیسری یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوگا کہ میّت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

غور کیجیے کہ ذمہ دار فقہاء کرامؒ نے کس طرح اولیاء کرامؒ کی قبروں تک تقرب کی نیت سے اشیاء لے جانے کو حرام اور باطل کہا ہے۔ اور خود مولوی نعیم الدین صاحب بھی لکھتے ہیں کہ شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے۔ ص ۶۷ و ۵۴۲) اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر یہ ظن بھی ساتھ شامل ہو جائے کہ صاحب قبر ولی نفع اور ضرر کے امور میں متصرف بھی ہیں تو یہ کفر بھی ہے، حیرت ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے حواری کس دیدہ دلیری سے نصوص صریحہ

کی باطل تاویل کرتے ہیں اور فقہاء کرام کی واضح عبارات کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے، اور پھر غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہابی آیت کے معنی غلط کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں "۔ غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ ع

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

والنذر الذی یقع من اکثر العوام بان یأتی الی قبر بعض الصلحاءُ ویرفع ستره قائلاً یا سیدی فلان ان قضیت حاجتی فلك من الذهب مثلاً کذا باطل اجماعاً نعم لو قال یا الله انی نذرت لك ان شفیت مریضی اونحوه ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدة نفسیة اونحوها او اشتری حصیرًا لمسجدها او زیتاً لوقودها او دراهم لمن یقوم بشعائرها مما یکون فیه نفع الفقراء والنذر لله وذکر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقه یجوز لکن لا یحل صرفه الا الی الفقراء لا الی ذی علم

اور وہ نذر جو اکثر عوام سے واقع ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کسی نیک کی قبر پہ جاکر اس کی چادر اور پردہ اٹھاکر یہ کہے اے میرے سردار اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو تجھے مثلاً اتنا سونا دیا جائے گا، یہ نذر بالاجماع باطل ہے ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ بے شک میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے مثلاً اگر تو نے میرے بیمار کو شفا دی تو میں سیدہ نفیسہؒ کے دربار پر رہنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا، یا وہاں (فقراء کے) جلانے کے لیے تیل دوں گا یا جو شخص ان کی خدمت کا حق ادا کرے گا اسے دراہم دوں گا، اور ایسی ہی چیزیں جن میں فقراء کا نفع ہو، اور نذر صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ہو، اور بزرگ کا ذکر محض اس لیے ہے کہ وہ نذر صرف کرنے

بعلمه ولا لحاضر الشیخ الا ان یکون الحاضر واحد من الفقراءُ واذا عرف هذا فما یؤخذ من الدراهم ونحوها وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیهم فحرام بالاجماع مالم یقصد بصرفها الفقراء الاحیاء قولاً واحدًا وقد ابتلی الناس بذلك هکذا فی النهر الفائق والبحر الرائق انتهی (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۲۹ طبع مصر)

کی جگہ ہو تو یہ نذر جائز ہے لیکن اس نذر کو فقط فقراء پر ہی صرف کیا جا سکتا ہے، نہ تو کسی عالم پہ اس کے علم کی وجہ سے صرف کی جائے، اور نہ وہاں شیخ کے دربار میں رہنے والوں پہ، ہاں مگر یہ کہ وہاں رہنے والا کوئی شخص فقیر ہو تو بات جدا ہے، اور جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے سمجھنا چاہیے کہ جو دراہم وغیرہ اولیاء کرامؒ کی قبروں پہ ان کے تقرب کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ ان دراہم کو زندہ فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کیا جائے وہ حلال نہیں اس میں صرف ایک ہی قول ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور (افسوس ہے) کہ لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ ایسا ہی نہر الفائق اور بحر الرائق میں ہے۔

اِس عبارت سے صاف طور پہ معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرامؒ کے تقرب کے ارادہ سے جو نذر مانی جاتی ہے، وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام اس میں مُبتلا ہیں۔ ہاں اگر نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور اولیاء کرامؒ کا نام اس لیے لیا گیا ہو کہ ان کے مزارات پر فقراء رہتے ہیں، اور محل صرف ان کو سمجھ کر وہاں صرف کرتا ہے تو اس میں چنداں مضائقہ نہیں ہے، جن حضرات نے نذر اولیاء کو جائز قرار دیا ہے وہ اسی دوسری صورت کے مطابق ہے جیسا کہ شیخ احمد المدعو بملا جیون الجونپوری الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ومن ہٰہنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا وقت الذبح وان کانوا ینذرون نہا لہ۔

(التفسیرات الاحمدیة ص۲۹ طبع علی دہلی)

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جو گائے اولیاء کے (دربار پر بسنے والے فقراء کے لیے) نذر مانی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کا رواج ہے تو یہ حلال وطیّب ہے کیونکہ ذبح کے وقت اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس کو وہ اس کے لیے نذر مانتے ہیں۔

اس عبارت سے جن لوگوں نے غلط مطلب لینے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہوگیا ہے، اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بنا پہ حلت کا حکم فرمایا ہے اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے جیسا اسی قسم کی تاویل سے نوویؒ نے ابراہیم مروزیؒ کے قول کے بعد رافعیؒ کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منفی ہو اس کو کیسے حلال کہا جاوے گا اور عوام کا یہ فعل یقیناً قابلِ تاویل نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدلے اس کی دونی قیمت کی چیز ان کو دے کر کہا جاوے کہ بجائے اس جانور کے اس چیز سے ایصال ثواب کردو ہرگز وہ گوارا نہ کریں، اور استبدال میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فساد نیّت یقینی ہے اور یہی مدار تھا حرمت کا خوب سمجھ لو۔ انتہی بلفظہٖ (تفسیر بیان القرآن ج۱ ص۸۷) ہمارے پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منہیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تھانویؒ کے پیش نظر ضرور کوئی منہیہ والا نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں۔ امام نوویؒ کی جس عبارت کا انہوں نے ذکر فرمایا ہے، وہ یوں ہے:۔

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد بہ ان یذبح باسم غیر اللہ تعالیٰ کمن ذبح للصنم او الصلیب او لموسیٰ او لعیسیٰ صلی اللہ علیہما او للکعبة ونحو ذٰلک فکل ھذا حرام ولا تحل ھذہ الذبیحة سواءٌ کان الذابح مسلماً او نصرانیا او یہودیا نص علیہ الشافعی واتفق علیہ اصحابنا فان قصد مع ذٰلک تعظیم المذبوح لہ غیر اللہ تعالیٰ والعبادة لہ کان ذٰلک کفراً فان کان الذابح مسلماً قبل ذٰلک صار بالذبح مرتداً ذکر الشیخ ابراھیم المروزی من اصحابنا ان ما یذبح عند استقبال السلطان تقربا الیہ افتیٰ اھل بخارا بتحریمہ لانہ مما اھل بہ لغیر اللہ تعالیٰ قال الرافعی انما یذبحونہٗ استبشاراً بقدومہٖ فھو کذبح العقیقة لولادة المولود مثل ھذا لا یوجب التحریم واللہ اعلم

(شرح مسلم جلد۲ ص۱۶۱)

اور بہرحال ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر اس کو ذبح کیا جائے جس طرح کوئی شخص بُت یا صلیب یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام یا کعبہ وغیرہ کے لیے ذبح کرے تو سب حرام ہے اور یہ ذبیحہ حلال نہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی، حضرت امام شافعیؒ نے صراحت سے یہ بیان کیا ہے اور ہمارے (شوافع) حضرات اس پر متفق ہیں، پس اگر اس کے ساتھ غیر اللہ میں سے جس کے لیے جانور ذبح کیا ہے، اس کی تعظیم اور پرستش بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔ سو اگر ذبح کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا تو اس ذبح کے ساتھ وہ مرتد ہوگیا اور ہمارے حضرات میں سے شیخ ابراہیم المروزیؒ یہ کہتے ہیں کہ جو جانور بادشاہ کی آمد کی خوشی میں تقرب (و تعظیم) کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے تو علماء بخارا نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جانور حرام ہے، کیونکہ وہ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ میں داخل ہے۔ امام رافعیؒ (شافعی) فرماتے ہیں کہ یہ جانور تقرب وتعظیم کے طور پر نہیں بلکہ محض اُس کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جاتا ہے جیسا کہ بچّے کی ولادت کے سلسلے میں عقیقہ کیا جاتا ہے، اور اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت امام رافعی الشافعیؒ نے جو تاویل کی ہے وہ تفصیل طلب ہے باین طور کہ اگر بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر محض اس کی مہمانی اور ضیافت کے لیے بقدر ضرورت جانور ذبح کئے جائیں اور تقرب و تعظیم کی نیت بالکل نہ ہو تو بجا ہے (اور سلف صالحین جو روحِ شریعت سے واقف اور اچھے اعتقاد والے ہوتے تھے، اسی نظریہ سے جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ اِس کو حرام کہنے اور بنانے کی ضرورت بھی نہیں ہے) لیکن اگر یہ جانور اس کی تعظیم و تقرب کی نیّت سے ذبح کئے جائیں جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ نہ تو آنے والا مہمان ان کو کھاتے اور نہ ضرورت کے مطابق جانور ذبح کئے گئے ہوں بلکہ تعظیم کے طور پر زائد از ضرورت ہوں جیسے آج کل کسی بادشاہ وغیرہ کی آمد پر توپیں داغی جاتی ہیں اور بعینہٖ اِس انداز اور نظریہ سے جانور ذبح کئے جائیں تو اس صورت میں امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت کو ہرگز رفع نہیں کرتی، اور پھر امام مروزیؒ کی عبارت میں تقرب کا لفظ صراحت سے موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بات تقرب کی صورت کی ہو رہی ہے محض ضیافت مہمانی کی نہیں ہو رہی تو اس صورت میں اس بیکار تاویل کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ فقہاء بخارا اور امام مروزیؒ نے تقرب کی صورت میں حرمت کا جو فتویٰ دیا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے، بھلا غور فرمایئے کہ آنے والا تو مرغ و بٹیر کھائے، اور اس کی آمد پر بھینسا اور بیل وغیرہ ذبح کئے جائیں تو کون اس سے سمجھے گا کہ یہ اس کی ضیافت کے لیے ذبح ہوتے ہیں یا مثلاً آنے والے کے ساتھ تو دس آدمی ہوں جو مشکل سے ایک دُنبہ کھا سکتے ہوں اور اس کی آمد پر بیسیوں دُنبے ذبح کر دیے جائیں تو بظاہر یہ صورت تقرب و تعظیم اور بھینٹ ہی کی ہے، اور فقہاء بخارا کا فتویٰ روحِ شریعت کے عین مطابق اور بالکل درست ہے اور امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت کو رفع نہیں کر سکتی یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس کا عقیقہ پر قیاس بھی درست نہیں ہے کیونکہ وہاں تقرب اور تعظیم تو سرے سے مقصود نہیں کما لایخفیٰ اور نہ محض خوشی

ہوتی ہے بلکہ شریعت حقّہ کے ایک مستحب حکم کی تعمیل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بچّے کی ولادت کے وقت یا ساتویں دن سے پہلے کسی بھی وقت خوشی کرتے ہوئے جانور ذبح کر دے تو یہ عقیقہ نہ ہوگا اگر نری خوشی ہوتی تو ولادت کے وقت یہ کام زیادہ مناسب ہوتا و خامساً۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کیونکہ مَا اُھِلَّ بِہٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقیّد نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا، اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا وہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے حلال ہوگا" یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں، بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے مثلاً وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہو تو ان میں میتہ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنیٰ یہ ہوگا کہ مُردار جانور جو خود بخود بدون ذبح کے مر چکا ہو وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر وہ ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے حلال ہو سکتا ہے؟ کیونکہ بقول مولوی نعیم الدین صاحب کے استثناء ان کو بھی لاحق ہوگی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یہ ہے فریق مخالف کے مفسّر کی قرآن دانی، حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوفِ خدا سے بے نیاز ہو جائے، اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کا روائیوں پر اُتر آئے تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ و عند الناس رسوا ہوگا (عیاذاً باللہ) وسادساً ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے، لیکن آخر چُن چُن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اپنے ماں باپ اور دیگر اعزّہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں ان کو یہ کیوں راس نہیں آتا، اس کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ایصال

ثواب میں تو اپنے کسی کام اور ضرورت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور نہ تقرب لغیر اللہ کا نظریہ ملحوظ ہوتا ہے اور نہ جس کو ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے، اس سے کسی نفع کی امید رکھی جاتی ہے، بلکہ اُلٹا اس کو نفع پہنچانے کا ارادہ ہوتا ہے، اگر درمیان میں اپنی کسی حاجت کا ذکر ہو تو یہ ایصال ثواب نہ رہے گا، بلکہ نذر اور تقرب کی مد میں چلا جائے گا اور غیر اللہ کے لیے ایسی نذر اور تقرب حرام ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد، خواہ ولی، خواہ شہید، خواہ غیر ایشاں حرام است، اگر بقصدِ تقرب بنام انہا ذبح کردہ باشد ذبیحہ آں جانور ہم حرام و مُردار میشود و ذبح کنندہ مرتد میشود توبہ از یں فعل ممتنع لازم است و در تفسیر[1] کبیر و نیشا پوری و دیگر تفاسیر مرقوم است قال العلما لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃً وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد انتھیٰ و اگر ملیدہ و شیرنج بنا بر فاتحہ بزرگی بقصدِ ایصال ثواب بروح ایشاں پزندہ بخورانند مضائقہ نیست البتہ جائز است الخ

(اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور کو ذبح کرنا خواہ وہ غیر پیغمبر ہو یا ولی اور عام اس سے کہ وہ شہید ہو یا کوئی اور ہو حرام اور مُردار ہے اور اگر ان کے نام پر تقرب کے ارادہ سے جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے والا (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے گا اور اس ممنوع فعل سے اس پر توبہ لازم ہے، تفسیر کبیر، تفسیر نیشا پوری اور دیگر تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس جانور کے ذبح کرنے سے اس کی مُراد اور قصد غیر اللہ کا تقرب ہو تو ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور مرتد کا ذبیحہ قرار دیا جائے گا جس کی حرمت پر تمام فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے)

---

[1] تفسیر کبیر ج ۵ ص۱۳۰ و تفسیر نیشاپوری ج ۲ ص۱۰۲ اور یہ عبارت تفسیر اکلیل ج ۱ ص۸۱ میں بھی ہے۔

(بحوالہ زبدۃ النصائح ص۱۳۳)
(از مولانا السید جمال الدین حسن علی الہاشمی)

اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اگر ایں طور بگوید کہ حاجت من بر آید برائے فلاں ولی یا بنام فلاں ولی ایں قدر طعام یا ایں قدر نقد است پس ایں قسم نذر کردن باطل است باجماع و خوردن طعام حرام است (مأتہ مسائل ص۸۳)

اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو فلاں یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر کھانا یا اس مقدار کی نقد رقم ہو گی تو یہ صورت بالاجماع نذر باطل کی ہے۔ اور اس طعام کا کھانا حرام ہے۔

الغرض مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور نذر الگ چیز ہے، اور اس کا حکم جدا ہے، اور ایصال ثواب ایک مستقل شے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس قسم کی غلط فہمی اور مغالطہ آفرینی سے بچائے۔ آمین۔

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرّکات کی تعظیم کرنا

کسی کی تقبیل یعنی بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ ایک نفسانی شہوت کے ساتھ بوسہ دینا ہے۔ وہ باتفاق فقہاء بجز اپنی زوجہ یا زرخرید کنیز کے کسی دوسری دوسری عورت یا مرد کے لئے جائز نہیں خواہ ہاتھوں پر ہو یا سر اور چہرہ وغیرہ پر۔ دوسرا سبب اس کا بزرگانہ شفقت ہوتی ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے سر یا چہرہ وغیرہ پر بوسہ دینا۔ تیسرا سبب اس کا تعظیم و تکریم ہوتا ہے جیسا کہ علماء مشائخ یا سلطان عادل کے ہاتھوں وغیرہ پر بوسہ دینا۔ آخری دونوں صورتیں جائز ہیں اور احادیث و آثار سے ثابت ہیں۔ (ماخوذ جواہر الفقہ ج ۱ ص $\frac{۱۸۴}{۱۸۵}$)

تبرّکات کی تعظیم کرنا

یہ مسئلہ اور اوپر والا مسئلہ یہ دیوبندیوں اور بریلویوں میں اختلافی نہیں ہیں مفتی احمد یار نے جاء الحق میں ان کو ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان کو یہاں پر درج کیا ہے۔

ہم تبرّکات کی تعظیم کے قائل ہیں مگر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے۔

چنانچہ چند مواقع

حسب احادیث صحیحہ ہدیہ ناظرین ہیں لعہ صحیح بخاری پارہ اول ص۱۳۷ میں حضرت محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے (یہ دونوں تابعین ہیں) میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ہیں جو پہنچے ہیں مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تو فرمایا عبیدہ نے میرے پاس ایک بال بھی ہو جائے تو دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے سر مبارک کے بال مبارک تقسیم فرمائے۔ امام احمد کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ آپ نے فرمایا ان کو خوشبو میں رکھو۔ اور اس میں تبرک ہونا بالوں مبارک کا ثابت ہوا۔ (فتح الباری) ایضاً پارہ اول ص۱۴۱ و پارہ ۱۷ ص۱۳۵ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ میں پانی منگا کر اس میں دونوں ہاتھ اور منہ مبارک دھویا۔ اور

اس میں کلی کی پھر ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس میں سے تم دونوں پیو اور اپنے منہ اور سینوں پر چھڑک لو اور خوش رہو دونوں نے پیالہ لے کر تعمیل کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کے پیچھے سے بولیں میرے لئے بھی چھوڑ دو انہوں نے باقی ام سلمہ کو دے دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو صحابہ غسالہ وضو کو لے کر اپنے بدن پر پھیر لیتے۔ نیز پارہ اول ص۱۴۸ میں روایت ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے منہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمائی تھی۔ اور صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسالہ وضو لینے پر آپس میں لڑتے تھے۔ اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے سر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور وہ سات برس کے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ پانی پیا۔ ایضاً صحیح بخاری پارہ ۵ ص۲۲ اور پارہ ۲۵ ص۵۲۳ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر حاشیہ دار بن کر لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میں نے آپ کے لئے بنی ہے کہ میں آپ کو پہناؤں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس کا تہہ بند بنا لیا۔ پھر ایک شخص نے آپ کو پہنے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ کیا اچھی ہے یہ مجھے دے دیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا پس آپ مکان میں تشریف لے گئے۔ اور چادر اتار کر بھیج دی تو صحابہ نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اچھا نہ کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو قبول فرمایا اور آپ ضرورت مند تھے اور تو نے آپ سے سوال کیا اور تو جانتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو رد نہیں فرماتے ہیں تو اس نے جواب دیا قسم اللہ کی میں نے پہننے کے لئے نہیں سوال کیا۔ بلکہ میں اس میں برکت کی امید رکھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا ہے اس چادر میں میرا کفن کیا جاوے۔ پس اس کو اسی چادر میں کفنایا گیا۔ ایضاً صحیح بخاری پارہ ۲۳ ص۳۷ مع فتح الباری روایت ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک تھا جس میں تبرکاً پیا جاتا۔ اور عاصم الاحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا اس پیالہ مبارک کو بصرہ میں اور پیا اس سے اور وہ خریدا گیا تھا میراث نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے آٹھ ہزار کو۔ نیز صحیح بخاری پارہ ۲۴ ص۶۷ میں روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو

کا پانی لئے ہوئے تھے اور لوگ لپک لپک کر آپ کے غسالہ وضو کو لے کر منہ پر ملتے تھے۔ اور جسے نہ ملتا وہ دوسرے کے تر ہاتھ سے اپنا ہاتھ تر کر کے منہ پر ملتا۔ ایضاً پارہ ۲۴ صفحہ ۸۹۹ میں روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جب ان کے پاس کوئی بیماری یا کسی حاجت والا آتا تو ان کو پانی میں ہلا کر پانی دے دیتیں نیز صحیح بخاری پارہ ۲۶ صفحہ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھے تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کا پسینہ اور بال مبارک جو گرے ہوتے ایک شیشی میں خوشبو کے ساتھ جمع کر لئے تھے اور قریب وفات کے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو میرے کفن میں لگانا۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ علی ہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے وفات کے قریب وصیت کی کہ ان کو میری ناک میں رکھ دینا۔ اھ۔ ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل پنجم صفحہ ۱۴۳

علاوہ بریں ہزاروں واقعات متبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث صحیحہ میں وارد ہیں جن کا شمار دشوار در دشوار ہے جو محب سنت ہی کے لئے باعث محبت ہیں چنانچہ مولانا شہید مرحوم صاحب تقویۃ الایمان منصب امامت صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں۔

پس میگویم کہ مقامات انبیاء و کمالات ایشاں	"پس میں کہتا ہوں کہ مقامات و کمالات
ہر چند بسیار از بسیار ست و خارج از حد	انبیاء علیہم السلام ہر چند زیادہ سے
شمار کردہ احصائے آں از عقل بشر دم کہ از	زیادہ اور حد شمار سے باہر ہیں اور ہم جیسے
احاد امتیم متعسر ست بل متعذر محب	آدمیوں سے کہ احاد امت سے ہیں ان کا احاطہ
ایشاں محب حضرت رب الارباب	اور احصار دشوار ہے۔ ان کا محب حق تعالیٰ
است و مبغض ایشاں مبغوض آنجناب	کا محبوب ہے اور ان سے بغض رکھنے والا
محبت ایشاں باعث ترقی درجات	حق تعالیٰ کا دشمن ہے ان کی محبت باعث ترقی
ست الخ	درجات ہے"

پس جبکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی خود وضو کی مبارک فرمانا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس مار مستعمل غسالہ مبارک کو تبرکاً پینا اور جسم پر ملنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا۔ جو مولوی نعیم الدین کے مذہب میں ناپاک نجاست غلیظہ کا حکم ہے چنانچہ کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۱۴۳ میں مرقوم ہے اما الماء المستعمل تتنجس بنجاستہ غلیظۃ عند ابی حنیفۃ دیکھو

فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۲۶۴ میں مرقوم ہے۔

وہ مار مستعمل طاہر ہے مطہر نہیں اس سے وضو نہ ہوگا۔ اور پینا مکروہ۔ صحیح یہی ہے کہ اس سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اور اس سے وضو صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ صرف کراہت ہوگی"

اگر تبرک کی حد اعتدال سے بڑھ جاوے گا تو البتہ ممنوع اور شرک تک کی بھی نوبت پہنچ جاوے گی۔ چنانچہ امام بیہقی رح کی شعب الایمان میں عبد الرحمان بن قراد صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز
توضا یوما فجعل اصحابہ	وضو فرمایا تو صحابہ نے آب وضو لے کر اپنے
یتمسحون بوضوئہ فقال لہم	بدن پر ملا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما	سے فرمایا تم اس کو کس لئے کرتے ہو تو عرض
یحملکم علی ہذا قالوا حب	کیا گیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے
اللہ ورسولہ فقال النبی صلی	باعث تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اللہ علیہ وسلم من سرہ ان	نے تم میں سے جس کو خوش آوے کہ دوست
یحب اللہ ورسولہ او یحبہ اللہ	رکھے اللہ اور اس کے رسول کو یا دوست
ورسولہ فلیصدق حدیثہ	رکھے اس کو اللہ اور اس کا رسول پس سچ
اذا حدث ولیؤد امانتہ اذا	بولے جس وقت بولے اور چاہیئے کہ امانت کو ادا
ائتمن ولیحسن جوار من	کرے جو امانت رکھی جاوے اور چاہیئے کہ
جاورہ	نیکی کرے اپنے پڑوس سے جو اس کے
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۴)	پڑوس میں ہو"

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد رابع صفحہ ۱۲۸ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یعنی دعوائے محبت خدا و رسول خدا یا	یعنی دعوی محبت خدا و رسول خدا کا محض
امثال ایں امور کہ تمسح بآب وضو ست	ایسی ہی باتوں پر موقوف نہیں ہے کہ غسلہ پانی
مثلاً چنداں مؤنت ندارد و بر نفس	وضو کا مل لیا جاوے کہ چنداں نفس پر شاق
شاق نیست و ثابت نمیگردد عمدہ دراں	نہیں ہے بہتر اس کے بجا لانا اوامر کا اور

امتثال اوامر و نواہی ست خصوصاً این امور کہ صدق حدیث و اداے امانت و حسن جوار است اھ

بچنا نواہی سے ہے خصوصاً یہ امور کہ صدق حدیث اور ادائے امانت اور احسان ہمسایوں کے ساتھ کرنا ہے۔"

اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ البلاغ المبین صنا میں فرماتے ہیں۔ (نوٹ: البلاغ المبین شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہے۔

مخفی نماند کہ تعظیم اشیاء منسوبہ بزرگان دفعتہً موجب کفر و اشراک نیست اما رفتہ رفتہ این داء عضال از حد خود گذشتہ بیماری نفاق پیدا مے آرد و این نفاق آنست کہ چون علماء باللہ چنیں تعظیم کنندگاں را مانع مے آیند ایشاں حیلہ و اعتذار غلبہ محبت بہ نسبت بزرگان دین میکنند و میگویند حرکات ما از بہ سبب غلبہ حال صادر میشود پس گاہی کہ این بیماری از حد میگذارد در دام شرک جلی گرفتار میشوند اھ نیز مشابہتہ بعضے عبادات کہ در خانہ کعبہ از برائے خداے تعالیٰ کردہ میشود نسبت بقبور پیران خود با ہتمام بجامے آرند چنانچہ الخ تبرک نمودن غسالہ قبر بجائے آب زمزم۔

یعنی دو یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ تعظیم کرنا اشیاً نسبت کردہ بزرگان کا دفعتہ موجب کفر و شرک نہیں ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ داء عضال اپنی حد سے گزر کر مرض نفاق لے آتا ہے اور سبب اس نفاق کا یہ ہے کہ جو علماء ربانیین ایسی تعظیم کرنے والوں کو مانع ہوتے ہیں یہ لوگ حیلہ اور عذر غلبہ محبت نسبت بزرگان دین کے کرتے ہیں اور کہتے ہیں حرکات ہمارے بسبب غلبہ حال کے صادر ہوتے ہیں پس کبھی یہ بیماری اپنی حد سے گزر جاتی ہے تو شرک جلی میں صاف صاف گرفتار ہو جاتے ہیں "" اور نیز مشابہت بعضے عبادات میں کہ خانہ کعبہ میں حق تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے نسبت اپنے پیروں کی قبروں کے ساتھ اہتمام سے بجالاتے ہیں جس طرح تبرک جاننا غسالہ قبر کا بجائے آب زمزم کے ""

بحث عبدالنبی، عبدالرسول، حسین بخش، پیر بخش علی بخش یا عبدالحسین وغیرہ نام رکھنا

علامہ عبدالحی لکھنویؒ سے اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال ہوا تھا انھوں نے جو جواب دیا وہ سوال و جواب ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

سوال: عبدالرسول یا عبدالحسین وغیرہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب ایسا نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر خدا کی طرف ہو درست نہیں ہے گو ایسے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو اس احتمال کی وجہ سے کہ عبد سے خادم اور مطیع مراد ہے مگر پھر بھی ایسا نام رکھنا بوئے شرک سے خالی نہیں ہے قرآن اور حدیث اس قسم کے نام رکھنے کی ممانعت پر دال ہیں اور علمائے امت محمدیہ نے بھی جا بجا اسکی تصریح کی ہے تفسیر جلالین میں ہے هو الذی خلقکم من نفس واحدة آدم وجعل خلق منها زوجها حوا ليسكن اليها فلما تغشاها حملت حملا خفيفا هو النطفة فمرت به ذهبت وجاءت لخفته فلما اثقلت بكبر الولد فى بطنها واشفقا ان يكون بهيمة دعوا الله ربهما لئن آتيتنا صالحا سويا لنكونن من الشاكرين فلما آتاهما صالحا جعلا له شركاء فيما آتاهما بتسمية عبد الحارث ولا ينبغى ان يكون عبدا الا لله وليس باشراك فى العبودية لعصمة آدم وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لما ولدت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعيش لها ولد فقال لها سميه عبد الحارث فانه يعيش فسمته فعاش فكان هذا من وحى الشيطان وامره رواه الحاكم وقال صحيح والترمذى وقال حسن غريب خدا وہ ہے جس نے تم سب کو ایک ہی ذات یعنی آدم سے پیدا کیا اور اس سے اسکے جوڑے یعنی حوا کو نکالا تاکہ وہ اس کے ساتھ رہے جب وہ حاملہ ہوئیں اور لڑکے کے بڑے ہونے سے ان کو گرانی محسوس ہوئی تو دونوں ڈرے کہ کہیں جانور نہ ہو تو خدا سے انھوں نے دعا کی کہ اگر تو ہم کو اچھا نیک لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے لیکن جب خدا نے ان کو نیک لڑکا دیا تو انھوں نے شرک کیا اس طرح کہ اسکا نام عبدالحارث رکھا حالانکہ کوئی خدا کے سوا اور کسی کا بندہ نہیں ہو سکتا حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے سوا عبودیت میں کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا کیونکہ وہ معصوم تھے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت حوا علیہا السلام کے بچہ ہوا تو ان کے

پاس شیطان آیا حضرت حوا کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا شیطان نے اُنسے کہا اگر تم اس لڑکے نام عبدالحارث رکھو تو یہ لڑکا زندہ رہے گا حضرت حوا علیہا السلام نے ایسا ہی کیا تو شیطان کا حکم اور اُسکی وحی تھی اُسے حاکم نے روایت کرکے کہا ہے کہ صحیح ہے اور ترمذی نے روایت کرکے حسن غریب کرکے کہا ہے اور جمل کے حواشی جلالین میں ہے ولیس الجعل المذکور باشراك الله بل هو شرك فی التسمیة وهذا لا یقتضی الکفر یہ نام رکھنا خدا کے ساتھ شرک کرنا نہیں ہے بلکہ اس نام میں شرک ہو جو مقتضی کفر نہیں ہے۔ اور شرعۃ الاسلام میں ہو ولا یسمیه حکیما ولا حکما ولا اباعیسی ولا عبد فلان لڑکوں کا نام حکیم حکم اور ابو عیسیٰ اور خدا کے سوا کسی اور کی طرف عبد کی طرف اضافت کرکے نہ رکھے۔ اور ملا علی شرح فقہ اکبر میں ہو اما ما اشتهر من التسمیة بعبد النبی فظاهره کفر الا ان اراد بالعبد المملوك عبد النبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے مگر جب عبد سے مملوک مراد ہو۔ اور ملا علی قاری کی شرح مشکوۃ میں ہو ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا غیره بما شاع بین الناس عبد الحارث عبد النبی وغیرہ کا جو نام لوگوں میں شایع ہیں نہ رکھنا چاہئے۔ اور ابن حجر مکی کی شرح منہاج میں میں ہو ویحرم ملك الاملاك لان ذلك لیس لغیر الله وکذا عبد النبی وعبد الکعبة او الدار وعلی او الحسن لایهام التشریك اور ملک الاملاک نام رکھنا درست نہیں ہو کیونکہ یہ خدا کا خاص وصف ہو اسی طرح عبد النبی عبد الکعبہ عبد الدار عبد العلی یا عبد الحسن نام رکھنا کیونکہ اس میں ایہام شرک ہو واللہ اعلم۔

سرحد کے علاقہ میں

حیلۂ اسقاط اور دورانِ قرآن

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب کسی گھر میں میت ہو جائے تو دور دراز علاقوں سے رشتہ داروں کو بلاتے ہیں اور میت کو گھر میں ان کے انتظار میں رکھتے ہیں جب تمام اقارب آ جائیں۔ پھر جنازہ اٹھا کر مقبرہ کو لیجاتے ہیں لیکن جنازہ سے آگے گاؤں کا میراثی جاتا ہے کیونکہ اس کے سر پر تین چار چھیوں میں چاول گندم، مونگ، نمک اور اوپر کلام پاک ہوتا ہے اور جب وہاں جنازہ پہنچ جائے تو پھر صفیں برابر کرتے ہیں اور ایک شخص آکر میت کے سر کی طرف گز گز کے چار پانچ ٹکڑے کفن سے بچے ہوئے نکال کر ایک اپنے گاؤں کے پیش امام کو دیتا ہے باقی نزدیک گاؤں کے جو مُلا صاحبان تشریف لائے ہیں ان کو دیتے ہیں اور جب جنازہ پڑھیں تو عوام بڑے دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں اور پیش امام صاحب اور نزدیک گاؤں کے مُلا صاحبان چھوٹا سا دائرہ بناتے ہیں درمیان میں وہی چاول وغیرہ معہ کلام پاک اور نقد مال رکھ کر۔ پیش امام صاحب ہاتھ رکھ دیتے ہیں اور کہتا ہے۔

بکل حق من حقوق الله تعالی .... الخ یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے اس میت پر روزے ہوں یا نماز وغیرہ جو بھی یہ ادا کرنے سے عاجز ہے[1] - یہ تمام چیزیں بطور حیلہ اسقاط

---

[1] مُلا صاحب یہاں عاجز کا لفظ بولتے ہیں لیکن ہر مردہ جب دفن ہو جائے تو پھر یہ طوفان میں بنتا ہے یہاں تک چڑیا مادہ زیر بھی جانتا ہے اور گھاس وغیرہ کی حفاظت بھی کرتا ہے لیکن بصد افسوس کہ چارپائی سے دیکھتا ہے کہ مُلا صاحبان اس کے مال میں تشخص دے کر قیلت وصیت کہتے ہیں لیکن کچھ بولتا نہیں، یہ کیوں حالانکہ جب زندہ تھا تو دس روپے خدا کے نام پر نہیں دیتا تھا ابھی وہ دیکھتا ہے کہ اس کا مال تقسیم ہو رہا ہے کچھ ناراض نہیں ہوتا یہ کیوں - (بینوا توجروا)

آپ کو ہبہ کرتا ہوں ۔ (دوسرے امام صاحب کے رانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں)
پھر وہ دوسرا امام صاحب تیسرے کو ہبہ کرتا ہے ۔۔ پھر امام صاحب وہی وظیفہ
پڑھتا ہے ۔ اور ھذا المیت ۔ جب وظیفہ میں آجائے تو سر کے ساتھ میت کی طرف
اشارہ بھی کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ اسی میت سے جو ابھی تک میرے پیچھے چارپائی
پر آرام فرما ہیں یہ فدیہ دوسرے امام صاحب کو ہبہ کرتا ہوں بہرحال تین مرتبہ ایسا
کرتے ہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور اسی دوران میں گاؤں کا جو میراثی
ہے وہ عوام کے دائرے پر اپنے دامن میں مٹی لے جا کر ان سے فاتحہ پڑھوا کر
پھر مٹی کو جمع کرتا ہے اور یہ قبر میں ڈال دیتے ہیں ۔ اس کے بعد نقد مال وارث
اٹھا لیتا ہے اور چاول وغیرہ بمعہ کلام پاک بڑے دائرے پر شروع کرتے ہیں ایک
دوسرے کو ہبہ کرتا رہتا ہے ۔ اور وارث جب نقد مال لے جاتا ہے تو اس کے
لئے خاص آدمی بلا کر وہاں مجلس شوریٰ میں تقسیم کرنا پاس کرتے ہیں کہ
کس طریقہ سے تقسیم کرنا چاہئے ۔

مجلس شوریٰ میں فیصلہ کرتے ہیں کہ پیش امام کو دس روپیہ (کیونکہ پھر صدقۃ الفطر
وغیرہ بھی ختم ہوا) اور باقی ملا صاحبان کو پانچ پانچ روپیہ اور عوام کو دو دو اور بچوں کو
روپیہ یا آٹھ آنہ بہرحال اس کا دارومدار مالدار اور غریب پر ہے جتنی طاقت ہو اور جیسا
مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا (البتہ یہاں قطر میں ایک شخص علاقہ غیر سے سنا کہ ہمارے
گاؤں میں پہلے سے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ دس روپیہ سے کم نہیں دیں گے خواہ غریب ہے
یا مالدار ۔ کسی سے قرضہ لیتا ہے یا زمین میں سرنگ لگا کر نیچے سے نکال دیتا ہے ۔

بہرحال جب استقاط تقسیم ہو جائے تو اس کے بعد میت کے جنازہ کو اٹھا
لیتے ہیں اور دفن کر لیتے ہیں ۔ دفن کرنے کے بعد پیش امام صاحب اگر وعظ کر سکتا
ہو کرے گا ورنہ دوسرا کوئی کرے پھر دعا کر لیتے ہیں خصوصی پھر دوبارہ دعا عمومی

کر لیتے ہیں ۔

یہ تو ہمارے علاقہ کا رسم و رواج تھا جو میں نے بیان کیا لیکن اس
تفصیل سے بعض حضرات مجھ پر ناراض اور خفا نہ ہو جائیں ۔ کیونکہ بعض لوگوں
کو یہ طریقہ معلوم نہیں ہوتا کہ استقاط کس طریقہ سے لوگ کرتے ہیں کیونکہ بہت سے
ایسے علاقے ہوں گے جس میں یہ چیز نہیں جانتے اس لئے میں نے اسے
مفصل طور پر بیان کیا ۔ لہٰذا معذرت خواہ ہوں ۔

اور اس طریقہ اور رسم و رواج کو جو شخص نہ کرے اسے ہمارے علاقہ میں
وہابی اور پنج پیری کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بعض لوگ ان کو قادیانی
کا ہم نام جانتے ہیں لیکن تمام القاب کا معنی ایک ہی لیتے ہیں کہ یہ شخص آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے منکر ہے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں اس
کی حقیقت واضح طور پر بیان کر دوں گا ۔ کہ

اس طریقہ کا ثبوت ہے یا نہ ۔ اگر نہیں تو کرنے والوں کا کیا حکم ہے اور
فتویٰ لگانے والے کیسے ہیں ۔ (وباللہ استعاین)

703

حیلۂ اسقاط

قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [1]

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

اس آیتِ کریمہ کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حلال اور حرام اور احکام و عبادات بیان کرکے دین کو مکمل کیا ہے۔ اور جب دین کامل ہے تو اس میں زیادتی اور کمی کی گنجائش نہیں ہوگی ورنہ پھر تو کامل نہیں رہتا۔ اور اس **کامل دین** کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مالی اور جانی قربانیاں دے کر ہر گوشہ گوشہ تک پہنچایا اور کوئی ایسی عبادت اور دین کا کام نہیں ہوگا کہ انہوں نے خود نہ کیا ہو ... یا اس کو ہم سے چھپایا ہو اور جو چیز اور جو عبادات اور امورِ دینیہ جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نہ ہو تو سمجھ لیں کہ یہ دین کا کام نہیں اور نہ یہ عبادات ہیں بلکہ یہ معصیت اور بے دینی ہے۔

کیونکہ اگر یہ دین کا کام ہوتا یا یہ عبادت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا

[1] سورۂ مائدہ ۵

صحابہ کرامؓ ضرور ہی کیا کرلیتے اور جب انہوں نے نہیں کیا تو عبادت نہیں بلکہ گمراہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا سو تم پر لازم ہے میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنّت کی پیروی اور نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسا کہ مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے۔

اور دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں کہ

میری امت میں تہتّر فرقے ہونگے۔ بہتّر فرقے جہنمی ہونگے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے جو جنتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے راستہ پر چلنے میں نجات ہے اور ان کے خلاف چلنے میں جہنم ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ دین میں کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو۔ تو اب ہم یہ بات دریافت کرنے کے حق دار ہیں کہ یہ طریقہ حیلۂ اسقاط دین سے سمجھتے ہو یا نہ۔ اگر نہیں۔ تو خیر ما خیر شما۔ اگر دین سے سمجھتے ہو تو یہ ایک دین کا کام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہیں کیا ہے تو ابھی یا دین کو ناقص سمجھیں گے یا ان پر الزام لگائیں گے کہ انہوں نے ہمیں دین نہیں پہنچایا ہے یا مستقل طور پر کرنے والے حضرات نبوت کا دعویٰ کریں گے کہ ہمارا بھی یہ اختیار ہے۔ کہ کسی چیز کو دینی کام بنائیں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثبوت نہیں۔ یہ تین احتمالات تمام کفر اور ارتداد ہیں۔ لہٰذا حیلہ کرنے والوں کو ماننا پڑے گا کہ یہ حیلہ اسقاط دین کے سراسر خلاف

ہے اور ایک نئی چیز کی ایجاد ہے اور حدیث میں گذر چکا ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔ اور گمراہی کرنے والے مجرم ہوتے ہیں نہ کہ دین کے ٹھیکیدار ۔ لہٰذا اس آیت کے ماتحت یہ حیلۂ اسقاط ایک عمل مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کیا اور اس مکمل دین میں یہ چیز نہیں تھی ورنہ ضرور ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس کا ثبوت ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (دلیل دوم)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ	جو یتیم بچوں کے مال ناجائز طریقہ سے
اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا	کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع
یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا	کرتے ہیں وہ جلدی جہنم میں داخل
وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا [1]	ہوں گے ۔

اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو یتیم بچوں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہلک چیزیں بیان فرما کر ان سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے ۔

وہ یہ ہیں ۔ سحر ۔ نفس قتل کرنا (بلا جرم) سود کا مال کھانا ۔ یتیم کا مال کھانا ۔ جہاد سے بھاگنا ۔ اور مومنہ پاک دامن عورت پر الزام لگانا [2]

اور یہ حیلہ سبب اور ذریعہ ہے یتیم بچوں کے مال کھانے کا اور یتیم بچوں کا مال کھانا نص سے حرام اور جو حرام کا سبب ہو وہ بھی حرام [3] لہٰذا یہ حیلہ حرام

اور ایک روایت میں آتا ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو سعید خدریؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ معراج کی رات آپ نے کیا کیا

[1] سورۃ النساء ۱۰ [2] ابن کثیر ص ۴۵۶ / ۱ [3] ابن کثیر ص ۳۲۰ / ۱

دیکھا ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ کہ مجھے ایسی مخلوق کی طرف لے گئے ۔ کہ ان میں ہر ایک آدمی کا ہونٹ (اتنا بڑا تھا) جیساکہ اونٹ کا ہونٹ اور اس پر کچھ آدمی مقرر تھے اور ان کے منہ کو کھول کر آگ کے پتھر ان میں ڈال دیتے اور وہ نیچے سے نکلتے ۔ اور وہ زور زور سے چلاتے تھے ۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل ! یہ کون ہیں ۔ اس نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے تھے اور یہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اور جہنم کو داخل ہونگے [1]

اور اس میں شک نہیں کہ اس حیلہ میں بسا اوقات یتیموں کے مال کو تقسیم کرتے ہیں کیونکہ اس حیلہ کے وقت کوئی پوچھتا نہیں کہ یہ نقد مال وغیرہ جو ہمارے سامنے رکھا ہے اس کا وارث تو یتیم نہ ہوگا بلکہ میں نے خود اپنے وطن میں دیکھا ہے جیسے چشم دید واقعہ سے تعبیر کر رہا ہوں کہ

ایک شخص فوت ہوگیا تھا اور اس کے یتیم بچے تھے تو جب یہ پروگرام بنایا کہ ہم پانچ پانچ سے کم تقسیم نہیں کریں گے پھر میں نے ایک طریقہ اختیار کیا کہ انہوں نے جو تدبیر کی تھی وہ کامیاب نہ ہوئی ۔ تو چونکہ یہ حیلۂ اسقاط مروجہ یتیم بچوں کے مال کھانے کے لئے ذریعہ ہے اور حرام چیز کیلئے جو ذریعہ ہو وہ حرام لہٰذا یہ حیلہ مخترعہ بھی حرام

[1] ابن کثیر ص ۴۵۶ / ۱

حیلۂ اسقاط

احادیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ھبہ کرکے
العائد فی ھبتہٖ کالکلب	واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو
یعود فی قیئہٖ لیس لنا	قے کرکے چاٹ لے اور ہمارے لئے یہ
مثل السوء[1]	بُری مثال مناسب نہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ لیس لنا مثل السوء کی تشریح فرماتے ہیں۔

ای لاینبغی لنا معشر المؤمنین	ہماری مؤمن جماعت کے لئے مناسب
ان نتصف بصفۃ ذمیمۃ نشابہ فیھا	نہیں کہ ہم ایسی صفت سے موصوف ہوجائیں
باخس الحیوانات فی اخس	کہ ہم حیوانات میں ایک اخس حیوان سے
احوالہٖ[2]	اس کی اخس صفات میں سے مشابہ کرے۔

تو اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں رجوع کرنا ایک قبیح اور بدترین چیز ہے

[1] بخاری ص ۱۰۳۲/۲، جلد اول ص ۳۵۲، ص ۳۵۷ میں بھی ہے، ارشاد الساری ص ۱۱۴/۱۰ دیکھیں فتح الباری ص ۲۳۵/۵، بذل المجہود ص ۲۱۹/۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک میں علماء صاحبان عمیق نظر سے سوچ اور فکر کرکے پھر اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ موجودہ دور میں انبیاء علیہم السلام کے ورثاء کیسے اس فعل کو پسند کرتے ہیں۔ [2] ارشاد الساری شرح البخاری ص ۱۱۴/۱۰، دیکھیں فتح الباری ص ۲۳۵/۵ ص ۲۳۶۔

یہاں تک کہ کتے سے اس شخص کو مشابہ بنایا اور اس کے رجوع کرنے کو قے چاٹنے سے تشبیہ دیدی۔ گویا کہ جو شخص ہبہ دے کر پھر اس سے واپس رجوع کرنا چاہتا ہو وہ ایسے قبیح بے کر گیا کہ کتے سے مشابہ ہوا۔ چونکہ اس حیلۂ اسقاط میں ہبہ دے کر پھر واپس رجوع کرلیتے ہیں لہٰذا یہ حیلہ قبیح چیز پر مشتمل ہے اور جو قبیح پر مشتمل ہو وہ قبیح لہٰذا یہ بھی قبیح اور مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں کہ ایک رذیل اور خبیث حیوان کتے جیسے کے ساتھ ایک رذیل صفت میں مشابہ ہوجائے اب بھی جو حضرات اس فعل کو دین سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے والے بے دین سمجھتے ہیں وہ یہاں اپنا نقشہ اور چہرہ مبارک اس حدیث کے آئینہ میں اچھی طرح بغور دیکھ لیں۔ کہ وہ انسانوں کی سی صفات کے مالک ہیں یا حیوانوں میں سے ایک نہایت خبیث اور پلید حیوان کی سی صفات رکھتے ہیں۔ اور کیا کتے کا فعل جیسے قبیح اور بدترین چیز بھی دین بن سکتی ہے۔ (قاتلھم اللہ انّی یؤفکون)۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے بھی منکر ہیں اور دوسروں پر فتووں کی بوچھاڑ۔ کیا ہی عجیب تقاضائے انصاف ہے۔

۲۔ حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے فرماتے ہیں

قال اسرعوا بالجنازۃ فان تک	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازہ کے ساتھ جلدی
صالحۃ فخیر تقدمونھا الیہ وان	کرو کیونکہ اگر میت نیک ہو تو اس کے حق میں تمہاری یہی
تک غیر ذلک فشر تضعونہ عن رقابکم	بھلائی ہے کہ اس کو بھلائی کی طرف جلدی پہنچاؤ اگر

وہ میت اس کے غیر ہے (یعنی بد ہے) تو اس کو اپنی گردنوں سے جلدی رکھو

[1] بخاری ص ۱۷۹/۱، مسلم مع نووی بر حاشیہ ارشاد الساری ص ۲۷/۴، ابوداؤد مع عون المعبود ص ۱۷۹/۳۔ کتاب طرح التثریب فی شرح التقریب ص ۲۸۸/۳ تالیف الامام ولی الدین ابی زرعۃ متوفی ۸۲۶ھ۔ والترغیب للمنذری ص ۱۳۱ ج ۶، وبذل المجہود ص ۱۴۸/۱۴ للمحدث مولانا خلیل احمد

تو اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنازہ سے جلدی کرنا چاہیئے۔ دونوں صورتوں میں خواہ بیک وقت ہو یا بعد اور یہ حیلہ اس کی تاخیر کے لئے سبب اور ذریعہ ہے کیونکہ پہلے تین تین چکر تو ملا صاحبان دیں گے پھر ساٹھ ستر آدمیوں پر چکر دیں گے۔ اور پھر مجلس شوریٰ میں تقسیم کے متعلق فیصلہ ہوگا اور پھر اسقاط کی تقسیم ہوگی پھر دعا ہوگی وغیرہ۔ چونکہ حدیث میں مطلوب ہے جلدی کرنا جنازہ سے اور حیلہ میں مطلوب ہے تاخیر اور دیر کرنا لہٰذا یہ حیلہ حدیث صحیح کے مقابل اور مخالف ہے اور جو عمل اور فعل صحیح حدیث کے خلاف ہو وہ باطل اور مردود تو یہ حیلہ مروجہ باطل اور مردود۔

حیلۂ اسقاط

فقہاء کی نظر میں

امام شمس الدین السرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ فرماتے ہیں۔

والمراد بالحدیث التنبیہ فی معنی الاستقباح و الاستقذار الا تری انه شبه بعود الکلب فی قیئه و فعل الکلب یوصف بالقبح لا بالحرمة وبه نقول دا نه یستقبح [1]

حدیث سے مراد تنبیہ ہے اس بات پر کہ ہبہ میں رجوع کرنا قبیح اور گندگی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہبہ میں رجوع کرنے والے کی تشبیہ اس کتے سے دی ہے جو اپنی قے کو چاٹ رہا ہو۔ اور کتے کا فعل قبح سے موصوف ہوتا ہے نہ حرمت سے اور ہم بھی ہبہ میں رجوع کرنے کو قبیح کہتے ہیں۔

---

[1] المبسوط ص ۵۴/۱۲۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ علامہ ابن حجر ناقد الرجال متوفی ۸۵۲ھ بحوالہ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہمام حضرت قتادہ تابعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ قے نہیں ہے مگر حرام۔ فتح الباری ص ۲۳۵/۵ اور علامہ ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ ایک آیت کریمہ (ان انکر الاصوات لصوت الحمیر لقمان ۱۹) (بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے) کی تشریح

لہٰذا امام سرخسیؒ جو مجتہد فی المسائل ہیں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہم اس بات کا قول کرتے ہیں کہ ہبہ دے کر رجوع کرنا قبیح ہے اور حیلۂ اسقاط مروجہ میں بار بار ہبہ دے کر رجوع کرتے رہتے ہیں لہٰذا یہ حیلۂ اسقاط مشتمل بر قباحت ہے اور مشتمل بر قباحت قبیح لہٰذا یہ حیلۂ اسقاط بھی قبیح۔

ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں۔

والافضل ان یعجل بتجهیزه کله من حین یموت [1]

بہتر یہی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی تمام چیزوں میں جلدی کریں۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی تدفین اور تکفین اور غسل وغیرہ سب چیزوں میں جلدی چاہیئے۔ اور حیلۂ اسقاط ذریعہ اور سبب ہے مردہ کی تدفین میں تاخیر کے لیے اور اس غیر افضل کو بہ اخو نزدگان اور ملا صاحبان لازم سمجھتے ہیں اور فقہاء لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی فعل مستحب بھی ہو لیکن جب اس کو عوام لازم سمجھیں تو اس کا چھوڑنا لازمی ہے [2] لہٰذا حیلۂ اسقاط کا چھوڑنا بنا بر قول فقہاء لازمی اور ضروری ہے اور جس کا چھوڑنا لازمی ہو اس کا کرنا ناجائز لہٰذا حیلۂ اسقاط کا کرنا ناجائز۔

بقیہ حاشیہ ص ۳۵۸۔ کے بعد فرماتے ہیں وهذا التشبیه فی هذا بالحمیر یقتضی تحریمه وذمه غایة الذم لان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس لنا مثل السوء ... العائد فی هبته کالکلب یقیئ ثم یعود فی قیئه (ابن کثیر ص ۴۴۶/۳) آواز کی تشبیہ گدھے کی آواز کے ساتھ یہ مقتضی ہے اس بات کی کہ آواز کو بلند کرنا حرام ہے اور نہایت قبیح اور مذموم ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے بری مثال مناسب نہیں۔ ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے اس کو چاٹے۔ تو اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کے قائلین بھی موجود ہیں لیکن اگر حرمت نہ بھی ہو پھر بھی قبیح تو ہے اور جو قبیح ہو بھلا وہ دین کیسے بن سکتا ہے۔ [1] رد المحتار ص ۵۹۷/۱ [2] رد المحتار ص ۵۲۴/۱ ... ص ۴۷۷ عالمگیری ص ۱۲۶ ... ارشاد الساری ص ۱۴۵ ج

علامہ سرخسیؒ عید کی نماز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس شخص سے نماز عید قضا ہو جائے تو اس کو اکیلا انفرادی طریقہ سے ادا کرنا ناجائز ہے کیونکہ عید کی نماز اگر ثواب ہے تو اس صفت سے جس صفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جماعت ادا نہیں کیا۔ لہٰذا عید کی نماز انفرادی طور پر ادا کرنا ناجائز ہوگا[1]

علامہ قاضیخانؒ عید کی بحث میں فرماتے ہیں کہ عید کے دن منبر برائے عیدگاہ نہ لیا جائے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے دور میں نہیں لیا گیا تھا[2]

اور شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں ایصال ثواب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب جائز سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔ اور جو بدعت کہتے ہیں۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ سے اس کی نقل موجود نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ویسے بھی ہر ایک امتی کے نیک اعمال سے اجر ملتا ہے لہٰذا ایصال ثواب بدعت ہے[3]

علامہ ابن نجیمؒ عید کی نماز سے قبل نوافل مکروہ بتاتے ہوئے دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل قبل از نماز عید نہیں پڑھے[4]

اور بہت سے فقہاء کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم نقل دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ فلاں چیز ناجائز اور بدعت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل موجود نہیں[5]۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ فقہائے کرام کے ان اقوال سے حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ کا بدعت ہونا اظہر من الشمس ہے،

---

[1] المبسوط ص۳۹ ج۲، [2] فتاویٰ قاضیخان ص۱۸۰ ج۱ برحاشیہ عالمگیری [3] شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۵۱۸ [4] بحر الرائق ص۱۷۲ ج۲ [5] دیکھیں الاعتصام ص۲۹۴ ج۱، المقنع ص۲۵۰، ص۲۹۸ ج۴ المجموع شرح المہذب، الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ص۲۹۲ ج۷۔ اعلام الموقعین ص۳۷۱ ج۲ ہدایہ اولین ص۱۷۳ ج۱، ص۱۷۶ ج۱، رد المحتار ص۶۰۷۔

تنبیہ: دیگر حوالہ جات باب پنجم میں آرہے ہیں انتظار کیجئے گا

کیونکہ یہ طریقہ حیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے تو خود ثابت نہیں کہ ائمہ مجتہدین اور اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح کسی سے بھی ثابت نہیں لہٰذا یہ حیلہ اسقاط تصریحات ان اقوال فقہاء کے بدعت اور ضلالۃ ہے اور پھر جو اس طریقہ مخترعہ کو لازم بھی سمجھ لیں تو وہ جیسا کہ صحیح احادیث کے منکر ہیں ایسا ہی فقہائے کرام کی تصریحات کے مخالف ہیں۔

حیلہ اسقاط

نقلی و عقلی حیثیت سے

حیلہ اسقاط کا مروجہ کافی مفاسد پر مشتمل ہے۔ اور جو چیز مفاسد پر مشتمل ہو وہ باطل لہٰذا یہ حیلہ مروجہ بھی باطل۔

فساد اوّل: ہمارے علاقہ میں وصیت کی عادت نہیں اور جب وصیت نہ ہو تو تمام ورثاء کی رضامندی اور موجودگی ضروری ہے اور اس میں بسا اوقات بعض وارث غائب اور بعض نابالغ۔ لہٰذا یہ مال تقسیم کرنا ناجائز ہے۔

فساد دوم: اس حیلہ کو لوگ فرضہ کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اسقاط کے لئے سود پر پیسے لیتے ہیں اور یہ حرام اور ناجائز ہے۔

فساد سوم: یہ حیلہ بغیر کسی ضرورت اور بغیر مفلس کے ہر ایک کیلئے کرتے ہیں حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

فساد چہارم: یہ حیلہ اسقاط کو فدیہ شرعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ فدیہ شرعی نہیں کیونکہ اس میں مقدار شرعی ہوتی ہے اور نماز روزہ وغیرہ کا پورا پورا حساب کرکے دینا ہوتا ہے اور اس میں یہ چیزیں نہیں ہوتی۔

فساد پنجم: فدیہ شرعیہ کا مستحق صرف فقیر اور مسکین ہیں اور اس میں مالداروں کو بھی دیتے ہیں لہٰذا یہ فدیہ شرعیہ نہیں۔

نمبر ششم: نذرِ شرعی میں دن کی تعیین نہیں ہوتی جب حساب کریں فقراء کو دے دیں۔ اور اس حیلہ میں تعیین ہے بلکہ اس وقت میت کو دفن نہیں کرنے دیں گے جب جیبوں میں نقد مال سنبھال نہ لیا ہو۔ لہٰذا یہ طریقہ بناء بر تخصیص بدعت ہے۔

نمبر ہفتم: یہ ظاہر طور پر مکر و فریب، دغابازی ہے کیونکہ ایک آدمی دو تین ہزار روپیہ ہبہ کرتا ہے اور پھر اس کو واپس آتا ہے پھر ہبہ کرتا ہے اور دس پندرہ منٹ کے بعد یہ تین ہزار روپیہ ہبہ کرنے والا پانچ روپیہ کو ہاتھ پھیلاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دغابازی کرنا تھا جو فعل حرام ہے۔

○

اذان میں انگوٹھے چومنا

بعض لوگ غلط سلط روایات سے بعض بدعات کا جواز ثابت کیا کرتے ہیں، اس لئے وہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے جو صاحب درِ مختار نے خیر رملی سے اور ابن عابدین شامی رح نے تقریب سیوطی رح سے نقل کیا ہے کہ کمزور روایت پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ روایت بہت زیادہ کمزور نہ ہو مثلاً اس کا کوئی راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم ہو، دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔ (ردّ المحتار ص ۱۲۸ ج ۱)

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اذان و اقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنکر انگوٹھے چومتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔

اوّل تو وہ روایت ایسی مہمل ہے کہ ماہرینِ علم حدیث نے اس کو موضوع اور منگھڑت کہا ہے۔

دوسرے، یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔

تیسرے، اس کو کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار تصور کرتے ہیں، اور علامہ شامیؒ اور دیگر اکابر نے ایسا کرنے کو افتراء علی الرسول قرار دیا ہے۔

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ اذان و اقامت دن میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ دس مرتبہ

دہرائی جاتی ہے۔ اب اگر اذان و اقامت کے وقت انگوٹھے چومنا سنّت ہوتا تو جس طرح اذان و اقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے، اور مناروں پر گونجتی ہے اسی طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا، حدیث کی ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا۔ اور مشرق سے مغرب تک پوری امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

علمائے امت نے تصریح کی ہے اُمّت کے عملی تواتر کے مقابلے میں صحیح ترین حدیث بھی موجود ہو تو اس کو یا تو منسوخ سمجھا جائے گا، یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ بہرحال ایک متواتر عمل کے مقابلے میں کسی روایت پر عمل کرنا صحیح نہیں، امام ابو بکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" میں اس قاعدے کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر ہمارے ائمہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند کیلئے ایک دو آدمیوں کی شہادت کافی نہیں، بلکہ شہادت دینے والی اتنی بڑی جماعت ہونی چاہیے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اس لئے کہ اکا دکا آدمی کی شہادت پر اعتماد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس علاقے کے لاکھوں انسانوں کو گویا اندھا فرض کر رہے ہیں۔ (احکام القرآن ص)

امام سرخسیؒ کسی روایت کے انقطاع معنوی کی چار صورتیں قرار دیتے ہیں:

اوّل: وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو۔

دوم: سنّت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو۔

سوم: ایسے مسئلہ میں جس کی ضرورت ہر خاص و عام کو ہے، وہ اُمّت کے تعامل کے خلاف ہو۔

چہارم: سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا، مگر کسی نے اس کا حوالہ نہ دیا۔

(اصول السرخسی ص ۳۶۴ ج ۱)

ری صورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكذلك الغريب من اخبار الآحاد اذا خالف السنة المشهورة فهو منقطع فى حكم العمل به. لان ما يكون متواترا من السنة او مستفيضا او مجمعا عليه فهو بمنزلة الكتاب فى ثبوت علم اليقين، وما فيه شبهة فهو مردود فى مقابلة علم اليقين (ص ۳۶۷)

اسی طرح ایسی خبر واحد، جس کا راوی صرف ایک ہو، جب سنّت مشہورہ کے خلاف ہو تو وہ صحیح الاسناد ہونے کے باوجود، عمل کے حق میں منقطع تصور ہوگی کیونکہ جو سنّت کہ متواترہ، مستفیض اور مجمع علیہ ہو وہ علم الیقین کے ثبوت میں بمنزلہ کتاب اللہ کے ہے۔ اور جس چیز میں شبہ ہو وہ علم الیقین کے مقابلہ میں مردود ہے۔

اس ذیل میں امام سرخسیؒ نے پتے کی بات لکھی ہے۔ اور دراصل اسی کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں:

ففى هذا النوعين من الانتقاد للحديث علم كثير وصيانة للدين بليغة، فان اصل البدع والاهواء انما ظهر من قبل ترك عرض اخبار الآحاد على الكتاب والسنة المشهورة.

روایات کو ان دونوں طریقوں سے پرکھنا بہت بڑا علم ہے۔ اور دین کی بہترین حفاظت — کیونکہ بدعات و خواہشات کی اصل یہیں سے ظاہر ہوئی کہ ان افواہی روایات کو کتاب اللہ اور سنّت مشہورہ سے نہیں جانچا گیا۔

آپ غور کریں گے تو تمام بدعات کا سرمنشا یہی ہے کہ کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ اور امت کے عملی تواتر سے آنکھیں بند کر کے اِدھر اُدھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انھیں دین بنا لیا گیا۔ اور پھر کتاب و سنّت کو اس پر چسپاں کیا جانے لگا، امام سرخسی لکھتے ہیں:

فان قوما جعلوها اصلا مع

چنانچہ کچھ لوگوں نے ان شاذ روایات کو

الشبهة فی اتصالها برسول الله صلی الله علیه وسلم و مع انها لا توجب علم الیقین ثم تأولوا علیها الکتاب و السنة المشهورة ، فجعلوا التبع متبوعًا، وجعلوا الاساس ما هو غیر متیقن به ، فوقعوا فی الاهواء والبدع (ص٣٦٧)

اصل بنا لیا، حالانکہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مشتبہ تھی۔ اور باوجودیکہ ان سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اور پھر کتاب اللہ اور سنت مشہورہ میں تاویلیں کرکے اسپر چسپاں کرنا شروع کردیا پس انہوں نے تابع کو متبوع اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنا لیا۔ اس طرح اہواء و بدعات کے گڑھے میں جا گرے۔

ٹھیک اسی معیار پر انگوٹھے چومنے کی اس بے اصل روایت کا قصہ بالکل جعلی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو صحیح سمجھنے اور اسپر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم صحابہ و تابعین اور بعد کی ساری امت کے تعامل کو جھٹلا رہے ہیں کیونکہ اگر اسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہوتی تو ناممکن تھا کہ صحابہ و تابعین کی پوری جماعت دن میں دس مرتبہ اس پر عمل نہ کرتی۔ اور ناممکن تھا کہ تمام کتب حدیث میں اس کو جگہ نہ ملتی

جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

جنازے کیساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا

سوال (١٧٧٨) جب جنازے کو لے کر چلتے ہیں تو آگے آگے چند آدمی بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور دوسرے دعائیہ الفاظ مثلاً اغفرلی، یا غفور پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ قبرستان تک رہتا ہے، اس طرح بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح جنازہ کی نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا اور دفن کے بعد اور پھر چند قدم چل کر اور میت کے گھر واپس آکر فاتحہ پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جنازے کے ساتھ ذکر خفی کی اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ ہے لہٰذا جنازے کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے پڑھنے کا طریقہ خلاف سنت اور مکروہ تحریمی ہے عن قیس بن عبادة قال کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یکرهون الصوت عند ثلاث الجنائز والقتال والذکر (البحر الرائق ص٢٠٥ ، کتاب السیر)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے وفی منزل المیت رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وقولهم کل حی لا یموت ونحو ذلك خلف الجنازة بدعة (فتاویٰ سراجیہ ص٢٣) (هکذا فی مراقی الفلاح ص١١٨) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص٣٥٣)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے وعلی متبعی الجنازة الصمت ویکره لهم رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن کذا فی شرح الطحاوی وان اراد ان یذکر الله یذکره فی نفسه کذا فی فتاویٰ قاضی خان (ص١٠٢ ج١ عالمگیری) البحر الرائق میں ہے ویکره رفع الصوت بالذکر وقرأة القرآن وغیرهما فی الجنازة والکراهة فیهما کراهة تحریم — الی قوله — وفی الظهیریة فان اراد ان یذکر الله یذکره فی نفسه لقوله تعالیٰ انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم (البحر الرائق ص١٩٢ ج٢)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنازہ کے ساتھ دل دل میں اللہ کا ذکر کیا جائے، جہراً ذکر کرنا مکروہ ہے اور بحرالرائق کی عبارت میں تصریح ہے کہ کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے۔

جنازہ کی نماز بذاتہ اعلیٰ درجہ کی دعا ہے اس کے بعد دوسری اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے چلتے چلتے فرادیٰ فرادیٰ دعا کرنے میں مضائقہ نہیں، جنازہ روک کر اجتماعی دعا کا رواج خلاف سنت اور مکروہ ہے لا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوۃ الجنازۃ وقبلھا یعنی نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے قرآن شریف پڑھ کر میت کے لئے کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہیئے (خلاصۃ الفتاوی ص $\frac{۲۲۵}{ج۱}$) مزید تفصیل کے لئے فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول کتاب الجنائز ملاحظہ ہو۔

دفن سے فارغ ہو کر میت کے لئے کچھ دیر تک مغفرت کی دعا کرنا اور قرآن وغیرہ پڑھ کر بخشنا مسنون اور مستحب ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور عمل سے ثابت ہے، سنن ابوداؤد میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ لہ التثبت فانہ الآن یُسئَلُ وکان ابن عمر یَستحبُّ ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتھا وروی ان عمرو بن العاص قال وھو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علیّ التراب شناً ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استأنس بکم وانظر ماذا اراجع رُسُلَ ربی ــ جوھرۃ (شامی ص $\frac{۸۳۸}{ج۱}$)

تدفین کے بعد چند قدم چل کر دعا کرنے کا رواج اور میت کے گھر دعا کرنے کے لئے جمع ہونے کا دستور خلاف سنت ہے شامی میں ہے بل اذا فرغ ورجع الناسُ من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورھم وصاحب البیت بامرہ اھ (شامی ص $\frac{۸۴۲}{ج۱}$)

فقط واللہ اعلم بالصواب

ختم کلام پر اُجرت لینا

ہمارے ملک میں یہ رواج ہے، کہ جب کوئی شخص مر جائے تو ان کے گھر والے یا اسی دن یا دو تین دن بعد ملا صاحبان اور صوفیائے کرام اور گاؤں کے بعض حضرات بلاتے ہیں۔ اور ان حضرات سے ختم کلام برائے ایصال ثواب کراتے ہیں۔ اور پارے تقسیم کرکے پڑھنا شروع کرتے ہیں اور درمیان میں چائے بھی پلاتے رہتے ہیں اور بعض خصوصی حضرات کو انڈے بھی نصیب ہوتے ہیں۔ تو جب کلام پاک کی تلاوت ختم ہو جاتی ہے تو پھر گھر والے چینی یا پانی لاکر ہر ایک شخص سے چف چف کرا کر گھر والوں کو دے دیتے ہیں۔

اور ان حضرات کو نقد پانچ پانچ یا کم بخشش دیتے ہیں اور دعا کرکے چلے جاتے ہیں اور گھر والے بکری یا گائے بحسب التوفیق ذبح کرکے پلاؤ وغیرہ تیار کر لیتے ہیں پھر جنہوں نے ختم کلام پاک کیا ہوا ان کو بلا لیتے ہیں اور وہ پلاؤ اور گوشت سے اپنی قسمت حاصل کر لیتے ہیں

اور یہ طریقہ ایسا نہیں کہ شاید کوئی نہ کریں یا اس کی تردید کریں تو وہ صحیح رہ جائے گا۔ بلکہ اس پر وہابی کا دھبہ لگ جاتا ہے۔ اور اس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص ختم کلام پاک نہیں مانتا۔ اور حقیقت کو تو

---

[1] اور کبھی حلوہ شریف اور فروٹ وغیرہ بھی ملتے ہیں اور بعض حضرات اپنے بچوں کے لئے بھی جیبوں میں لیجاتے ہیں ... ناراض نہ ہو جانا یہ حقیقت آشکارا کرکے لکھ دیتا ہوں۔

ظاہر نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں شرم ہوتی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ختم قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اتنی تکلیف کرتے ہیں ہم کو کھانے اور پیسوں سے منع کرتے ہیں۔ کہ ختم کلام پاک برائے ایصال ثواب جب کرتے ہو تو اس پر کھانا اور اجرت نہ لیا کرو۔ کیونکہ یہ بات اگر واضح کریں گے تو پھر عوام سمجھیں گے۔ کہ یہ تو اپنے پیٹ کی خاطر وہابی وہابی کہہ رہے ہیں، یہی ہے حقیقت جو چھپا نہیں سکتے۔ ہم اس باب میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ آیا یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بلکہ ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت ہے یا نہ۔ اس میں تو شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے تو اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں اور نہ ائمہ مجتہدین سے اس کو ثابت کر سکتے ہیں بلکہ قرآن اور احادیث سے یہ طریقہ خلاف ہی ہے۔ لہٰذا میں دلائل تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ پھر جن حضرات کو جہاں سے غلطی لگ گئی ہے اس پر تبصرہ کروں گا۔

(وباللہ التوفیق)

کلام پاک پر اُجرت لینا

قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً۔ — میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی منفعت دنیاوی) حاصل نہ کرو

حضرت الامام المفسر محمد بن جریر طبریؒ المتوفی سنہ ۳۱۰ھ ایک تشریح یہ نقل کرتے ہیں۔

عن ابی العالیۃ لا تأخذوا علیہ اجراً [1] — ابو عالیہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ میری آیتوں پر اُجرت نہ لینا۔

اور علامہ عماد الدین ابن کثیر متوفی سنہ ۷۷۴ھ [2] اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ متوفی سنہ ھ بھی یہی قول نقل کرتے ہیں [3] اور علامہ ابن عابدین متوفی سنہ ۱۲۵۳ھ بھی اجرت کی حرمت کیلئے اسی آیت کریمہ سے شیخ رجب کا استدلال نقل کرتے ہیں [4] اور علامہ محمد بن احمد جزیؒ نے بھی لکھا ہے کہ حنفیہ اس آیت کریمہ سے اجرت کی حرمت ثابت کرتے ہیں [5] اور محمد بن احمد قرطبیؒ متوفی سنہ ۶۷۱ھ بھی احناف کے استدلال میں یہ آیت کریمہ پیش کیا ہے [6]

---

[1] تفسیر ابن جریر ص ۲۰/۱ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۸۳/۳، [3] تفسیر الدر المنثور ص ۶۴/۱ [4] مجموعہ رسائل ص ۱۸۱/۱، [5] کتاب التسہیل لعادم القرآن ص ۶/۱، [6] تفسیر القرطبی ص ۳۳۵/۱

اور یہ آیت کریمہ دوسری جگہ میں آئی ہے تو حضرت علامہ آلوسیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں۔

ذهب الحسن البصریؒ الی ان الخطاب للمسلمین وهو الذی ینبئ عنه کلام الشعبی ۱

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے (کہ اجرت نہ لیا کرو) اور امام شعبیؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال ہر ذی علم جانتا ہے کہ اگرچہ خطاب خاص بھی ہو لیکن پھر بھی حکم عام ہوتا ہے لہٰذا اس آیت کریمہ سے بنا بر تفصیل مذکور اجرت کا عدم جواز معلوم ہو گیا۔ اس لئے تو علامہ ابن عابدین شیخ رجب کا قول نقل کر کے نہایت درد دل سے بڑی حسرت کی بات فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم قال واعلم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سمی الدنیا جیفة ملعونة وهل یلیق لامته ان یستبدلوا کلام الله تعالیٰ بجیفة ملعونة وای استخفاف یزید علی هذا وبای وجه ینظر الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم القیمة ۲

پھر فرمایا ہے (شیخ رجب بن عصمہ نے) جان لو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا مردار ملعونہ سے مسمی کیا ہے۔ کیا اس امت کو یہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو اس مردار ملعونہ کے بدلہ دے دیں اور اس سے زیادہ توہین کیا ہوتی ہے اور قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس منہ سے دیکھے گا۔

---

۱ تفسیر روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۶

۲ مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۱ / ۱

ختم کلام پاک پر اُجرت لینا

احادیث کی روشنی میں

حضرت الحافظ ناقد الرجال شیخ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ بحوالہ مسند احمد بن حنبل وابی یعلیٰ فرماتے ہیں۔ کہ عبد الرحمٰن بن حنبلؓ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اقرؤوا القرآن ولا تاکلوا به (وسنده قوی) ۱

قرآن پڑھتے رہو اور اس سے دنیا نہ کماؤ (یا اس سے کھانا نہ کھایا کرو)

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی سند قوی ہے۔

اور حضرت علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسحٰق بن راہویہ اور ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اور طبرانی تمام نے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن عابدین دوسری حدیث اجرت کلام پاک کی تردید کیلئے پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں

---

۱ فتح الباری ص ۱۰۱ / ۹ اسی طرح المبسوط ص ۳۷ / ۱۶، المغنی مع الشرح الکبیر ص ۱۴۱ / ۶ میں بھی مذکور ہے اور محمد ناصر البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے تمام راوی مسلم شریف کے راوی ہیں سوائے ابو راشد کے لیکن وہ بھی ثقہ راوی ہے کیونکہ اس سے بڑے بڑے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور ابو زرعہ دمشقی نے اس کو صحابہ کرام کے قریب طبقات علیہ سے شمار کیا ہے ص ۲۶ واحادیث الصحیحۃ حصہ دوم اور اس حدیث کو بحوالہ مسند احمد ص ۴۲۸ / ۳ اور شرح معانی الآثار ص ۱ / ۲ طبرانی اوسط ص ۱۴۲ / ۱ ابن عساکر ص ۴۸۶ / ۹ ذکر کیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ البانی صاحب نے جو ابو زرعہ کا قول نقل کیا ہے وہ تہذیب التہذیب میں دیکھ لیں۔ ص ۹۲ اور وہاں لکھا ہے کہ ابو راشد ثقہ تابعی ہے دمشق میں اس سے افضل کوئی نہیں تھا۔

عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القراٰن یأکل بہ الناس جاء یوم القیٰمۃ ووجہہ لیس علیہ لحم رواہ البیہقی فی شعب الایمان[۱]

سلیمان اپنے باپ حضرت بریدہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا ہے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن کے پڑھنے پر لوگوں سے کھانا کھائے تو وہ شخص قیامت میں آئیگا جس کے منہ پر گوشت نہیں ہوگا (یعنی ہڈی کا چہرہ ہوگا)

اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے ۔

عن عمران بن حصین یرفعہ اقرؤا القراٰن وسلوا اللہ بہ فانہ من بعدکم قوم یقرؤن القراٰن یسألون الناس[۲]

عمران بن حصین مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ۔ قرآن پڑھتے رہو جو چاہو خدا سے مانگو تمہارے بعد لوگ آئیں گے کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کریں گے

اور علامہ ابن حجرؒ ناقد الرجال دوسری سند سے روایت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ سیجیٔ زمان یسأل فیہ القراٰن فاذا سألوکم فلا تعطوھم[۳]

عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں قرآن (پڑھنے) کے ذریعے لوگوں سے سوال کریں گے لیکن جب تم سے سوال کریں تو ان کو کچھ نہ دو ۔

اور حضرت امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں باب باندھتے ہیں ۔

باب من رایا بالقراءۃ القراٰن او تأکل بہ او فخر بہ[۴]

یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے کہ جس نے دکھانے یا کھانے (یا دنیا کمانے) یا فخر کے لئے قرآن پڑھا

---

۱ مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۵۴/۲۰ ۲ مشکوٰۃ ص ۱۹۳ دوسرا نسخہ محقق ص ۶۸۰/۱

پھر جو احادیث باب میں لاتے ہیں اس میں جز ثانی یعنی کھانا (یا دنیا کمانا) اس پر دلالت کرنے والی حدیث پیش نہیں کی ہے تو علامہ شہاب الدین قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ ۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۷۵ھ سے سوال جواب نقل کرتے ہیں ۔ اور فرماتے ہیں ۔

وقال الکرمانی فان قلت من این دل الحدیث علی الجزء الثانی وھو التأکل قلت لاشک ان القراءۃ اذا لم تکن للہ فھی للمراءاۃ والتأکل ونحوھما[۱]

کرمانی فرماتے ہیں کہ اگر تو اعتراض کرے کہ حدیث میں ایسا لفظ نہیں کہ جس سے تاکل (کھانے یا دنیا کمانے) کا معنی مستفاد ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ جب قرآن کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوگا تو دکھانے کیلئے ہوگا یا کھانے یا اس کی مانند دیگر کسی اور مقصد کے لئے ہوگا ۔

بہر حال اس تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کا پڑھنا جیسا دکھانے کیلئے حرام ہے تو ایسا کھانے اور دنیا کمانے کے لئے بھی حرام ہے ۔

اور حضرت لقیف بحوالہ مسند احمد بن حنبل فرماتے ہیں ۔

یقرء القراٰن ثلاثۃ و الفاجر یتأکل بہ[۲]

قرآن پڑھتے ہیں تین (آدمی) تین مقصد کے لیے) اور جو فاجر ہو وہ قرآن پر کھانا کھایا کرتا ہے (یا دنیا کماتا ہے)

---

۱ ارشاد الساری ص ۴۸۶/۷ ۲ المعجم المفہرس ص ۷۵/۱

ختم کلام پاک پر اُجرت لینا

فقہاء کی نظر میں

شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں فرماتے ہیں ۔

واما استئجار قوم يقرؤن القرآن ويهدونه للميت فهذا لم يفعله احد من السلف ولا امر به احد من ائمة الدين ولا رخص فيه والاستئجار على نفس التلاوة غير جائز بلا خلاف وانما اختلفوا في جواز الاستئجار على التعليم ونحوه مما فيه منفعة تصل الى الغير والثواب لا يصل الى الميت الا اذا كان العمل لله وهذا لم يقع عبادة خالصة فلا يكون له من ثوابه ما يهدى الى الموتى ولهذا لم يقل احد انه يكترى من يصوم ويصلي ويهدى ثواب ذلك الى الميت لكن اذا اعطى لمن يقرأ القرآن ويعلمه معونة لاهل القرآن على ذلك كان هذا من جنس الصدقة فيجوز وفي الاختيار لو اوصى لمن

ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھنے پر اُجرت لینا سلف صالحین میں سے نہ کسی نے کیا ہے اور نہ اجازت دی ہے اور نہ دین کے ائمہ میں سے کسی نے اس پر امر دیا ہے ، اور نفس تلاوۃ پر اُجرت لینا باتفاق ناجائز ہے البتہ پڑھانے وغیرہ میں اختلاف ہے جس میں کسی شخص کا ظاہری فائدہ ہو اور میت کو ثواب تب پہنچتا ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور یہ جو اجرت پر تلاوت کی ہے اس کو خود ثواب نہیں ملتا تو مُردوں کو کیا بخشے گا اسلئے تو روزہ رکھنا یا نماز پڑھنا اُجرت دے کر تاکہ میت کو ثواب بخشے اس پر کسی نے قول نہیں کیا البتہ اگر قرآن پڑھاتا ہو تو اسکو امداد کے طور پر کچھ دے دیں تو یہ صدقہ ہوگیا اور یہ جائز ہے اور الاختیار میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے وصیت کی اس شخص کو

جو

يقرأ القرآن على قبره فالوصية باطلة لانه في معنى الاجرة وذكر الزاهدي في القنية انه لو وقف على من يقرأ القرآن عند قبره فالتعيين باطل واما قراءة القرآن واهداء ثوابه له تطوعا بغير اجرة فهذا يصل اليه كما يصل ثواب الصوم والحج [1]

اس کی قبر پر قرآن پڑھے تو اس کی وصیت باطل ہے کیونکہ یہ اُجرت کا معنی رکھتی ہے اور زاہدی نے قنیہ میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے اس کی قبر پر پڑھنے والے کو کچھ وقف کیا تو یہ تعین باطل ہے اور قرآن پڑھنا بغیر اجرت کا ثواب پہنچتا ہے جیسا کہ روزہ اور حج کا ثواب پہنچتا ہے (میت کو)

علامہ ابن عابدین بحوالہ طریقۂ محمدیہ تالیف امام فقیہ الشیخ محمد برکوی فرماتے ہیں کہ اس فصل سوم میں ان تمام بدعات کا ذکر کیا ہے جو لوگ ان کو عبادات اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بدعات ہیں۔ ان میں سے بڑی بڑی کچھ بدعات میں ذکر کرتا ہوں۔

نقد رقم وقف کرنا برائے ختم کلام پاک یا تسبیح اور تہلیل اور درود پڑھ کر ثواب مردے کو بخشنا ۔

وصیت کرنا روٹی کھلانے کی اول دوسوم یا چالیس دن یا ہمیشہ قبر کے پاس رہنا یا قبر پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ کو ذکر کرکے فرماتے ہیں ۔

كل هذه بدع منكرات والوقف والوصية باطلان والمأخوذ منهما حرام للآخذ وهو عاص

یہ تمام چیزیں بدعات منکرہ ہیں اور وقف اور وصیت ان چیزوں سے باطل ہے لینے والے کو ان سے لینا حرام اور دنیا کے واسطے

---

[1] شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۵۱۷

بالتلاوۃ للقرآن والذکر لاجل حطام الدنیا	قرآن پڑھنے والا اور ذکر اذکار کرنے والے گنہگار ہیں ۔

پھر علامہ شامیؒ اس کی دوسری تصنیف ایقاظ النائمین پر حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں تحریر فرمایا ہے کہ نماز اور قرآن، تسبیح تہلیل درود شریف وغیرہ پڑھنا یا روزہ رکھنا پھر ان کو اجرت دے کر ان کا ثواب مردہ کو بخشنا ۔

لایجوز فی مذھب من المذاھب الاسلامیۃ ولا فی دین من الادیان السماویۃ ولا یحصل منھا ثواب اصلا	یہ چیزیں کسی اسلامی مذہب اور کسی آسمانی دین میں جائز نہیں اور نہ ان سے ثواب ہوتا ہے ۔
ثم قال وادلۃ ھذا المطلب عقلا ونقلا اکثر من ان تحصٰی[1]	پھر کہا کہ اس مقصد کے لئے عقلی اور نقلی اتنے دلائل ہیں کہ شمار نہیں کئے جاتے ہیں

اور پھر عینی شرح ہدایہ سے نقل کر کے نسبت واقعات کی طرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان	دنیا کے لیے جو پڑھتے ہیں ان کو منع کیا جائے لینے والا دینے والا دونوں گنہگار ہیں

اور پھر فرماتے ہیں کہ میں نے حاشیۃ المنتہی تالیف شیخ محمد الخلوتی میں دیکھا جس نے خاتمۃ المجتہدین شیخ الاسلام تقی الدین[2] سے نقل کیا جو درج ذیل ہے ۔

ولا یصح الاستئجار علی القراءۃ واھدائھا الی المیت لانہ لم ینقل عن احد من الائمۃ	ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم پڑھ کر اس پر اجرت جائز نہیں کیونکہ ائمہ میں سے کسی امام سے اس کی اجازت منقول نہیں

---

[1] مجموعہ رسائل شامی ج۲ ص۱۷۴/۱ [2] علامہ ابن عابدین اسکو شیخ الاسلام کے لفظ سے کافی جگہوں میں ذکر کیا ہے دیکھیں مجموعہ ارسائل ص۳۱۵، ص۳۲۳، ص۳۴۲، ص۳۵۵، ص۳۵۶، ص۳۶۴ کبھی عمدۃ الحنابلۃ شیخ الاسلام سے یاد کرتے ہیں جیسا کہ ص۱۳۳، ص۱۴۲ میں ہے ۔ کبھی علمائے راسخین میں سے شمار کرتے ہیں جیسا کہ ص۲۴۳ میں ذکر کیا ہے مکمل تفصیل میں نے ارشاد الناظر میں لکھی اور کچھ الصواعق المرسلۃ ص۹۴ اور البواقیت الکنفیۃ ص۲ میں کیا ہے ۔

الاذن فی ذلک وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء لاجل المال فلا ثواب لہ فای شئ یھدیہ الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستئجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل احد من الائمۃ وانما تنازعوا فی الاستئجار علی التعلیم[1]	اور علماء نے کہا ہے کہ جب پیسوں کے لئے پڑھیں تو اس کو خود ثواب نہیں ملتا تو مردہ کو کیا بخشے گا اور میت کو نیک عمل کا ثواب پہنچتا ہے اور نفس تلاوت کی اجرت کا قول کسی امام (ائمہ مجتہدین) نے نہیں کیا البتہ پڑھانے پر اجرت لینے میں اختلاف کرتے ہیں (متقدمین کے نزدیک ناجائز، متاخرین جائز بتاتے ہیں)

اور پھر علامہ ابن عابدین قرآن پر اجرت لینے کو حرام بتاتے ہوئے بحوالہ شیخ رجب فرماتے ہیں کہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ۔ یہ چار دلائل ہمارے مدعی پر دال ہیں ۔ قرآن کریم سے استدلال ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا پیش کرتے ہیں اور حدیث سے اقرءوا القرآن ولا تاکلوا بہ (قرآن پڑھتے رہو اس پر دنیا نہ کماؤ یا روٹی نہ کھایا کرو)

اور اجماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور یہاں نیت صحیح نہیں ۔ تو نہ ثواب ہے اور نہ اجرت ۔

اور قیاس کے متعلق فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت عبادت بدنی ہے جیسا کہ نماز روز[illegible] تو جیسا کہ نماز اور روزہ میں اجرت دینا صحیح نہیں تو قراءۃ قرآن پر بھی اجرت صحیح نہیں اور علاو[illegible] یہاں اجرت دینا ثواب لینا ہے اور ثواب معدوم ہے اور معدوم چیز کا (جس کا وجود ن[illegible] بیچنا ناجائز ہے ۔

---

[1] مجموعہ رسائل ابن عابدین ص۱۷۵/۱ اور مطالعہ کریں کتاب الروح ص۱۴۲ لابن قیم[illegible]

اگر بالفرض وہ ہم نے موجود تسلیم کیا کہ موجود ہے پھر وہ مال نہیں تاکہ پیسوں سے خرید کر سکے اگر مال تسلیم کیا۔ تو پھر اس کا دینا میت والوں کو اس کی طاقت میں نہیں۔ یعنی جس نے تلاوت کیا ہے اس کی یہ طاقت نہیں کہ ثواب میت کو سپرد کریں کیونکہ انہوں نے نقد رقم دی ہے۔

اگر بالفرض یہ بھی مان لیا کہ یہ سپرد کر سکتا ہے پھر یہ بیع نہیں ہے کیونکہ بیع (فروخت کرنے) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے کیونکہ اس نے نقد رقم دی۔ تو رقم کے عوض اگر فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو پھر بیع نہ ہوئی۔ اور یہاں فائدہ ثواب ہے گویا کہ گھر والوں نے رقم دی اور انہوں نے ثواب اس کے بدلے دیا۔ تو منفعت جس سے فائدہ اٹھانا ہے لینے والے کو وہ ثواب ہے اور صرف پڑھنا تو نہیں کیونکہ اگر لینے والے کو پتہ لگ جائے کہ ثواب نہیں ملتا تو اس کو قرآن پڑھنے پر ایک پیسہ بھی نہیں دیگا۔ اور ثواب تو یہ سپرد نہیں کر سکتا لہٰذا اُجرت کا مستحق نہیں۔ اور بغیر شرط اُجرت دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھتا بلکہ اُجرت کے لئے پڑھتا ہے، اگر انہوں نے اُجرت نہ دی یہ کبھی بھی نہیں پڑھے گا اور اگر یہ قرآن کریم کی تلاوت نہ کریں تو گھر والے ان کو پیسے نہیں دیں گے۔ پھر فرمایا۔

ربما ذكرنا من الادلة المنقولة عن الاجلة ظهر ان ذلك من الشرور المحدثة المردودة فكيف تكون عبادة وطاعة مقبولة عند الله تعالى وعند رسوله وقد قال عليه السلام ومن احدث في امرنا هذا ليس منه فهو رد اي مردود فيكون فاعلها

ان بڑے بڑے علماء کے دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ تمام امور بدعات مردودہ ہیں تو کس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک عبادات مقبولہ ہے ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے دین میں نئی چیز ایجاد کی وہ مردود ہوگی۔ اور کرنے والا اس کا عذاب کا مستحق ہوگا اور

مستحقا للعقاب وتاركها محفوظا عن العتاب فتامل حتى يظهر لك الخطاء من الثواب [1]

نہ کرنے والا ملامت سے محفوظ ہوگا فکر کرو حتیٰ کہ تمہیں غلط صحیح سے واضح ہو جائے۔

اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے مجموعہ رسائل میں مستقل اُجرت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام شفاء العلیل ہے اور اس کے صفحہ اول میں لکھا ہے کہ میں نے پچاس کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن جو چاہتا ہے وہاں دیکھ لے۔

اور علامہ ابن عابدین رد المحتار میں کافی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

فاذا علمت ذلك ظهر لك حقيقة ما قلنا وان خلافه خارج عن المذاهب وعما افتى به البلخيون وما اطبق عليه ائمتنا متونا وشروحا وفتاوى ولا ينكر ذلك الا غمر مكابر او جاهل لا يفهم كلام الاكابر۔

جب تو نے (دلائل) پہچان لئے تو تجھے ہماری بات کی حقیقت معلوم ہوگئی کہ جو ان سے مخالف ہو وہ تمام مذاہب سے خارج ہے اور جس پر بلخ کے علماء اور جس پر ہمارے ائمہ کے متن اور شرحیں اور فتاویٰ متفق ہیں تمام کے مخالف ہے اور ان کا منکر یا تو حاسد تکبر کرنے والا یا جاہل ہوگا کہ اکابر علماء کی بات کو نہیں سمجھتے۔

پھر ختم کلام پاک پر اجرت لینا بدعات منکرہ میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا ينكرها الا من طمست بصيرته [2]

ان سے انکار نہیں کرتا مگر وہ جس کی بصیرت کھودی گئی ہو۔

---

[1] مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۲/۱ ، [2] رد المحتار ص ۳۶/۵ باب الاجارۃ الفاسدۃ اور فتاویٰ رشیدیہ میں ص ۴۹۰ و ص ۴۱۶ میں مولانا العلامۃ المحدث رشید احمد گنگوہی نے بھی تردید فرمائی ہے۔

ازالۂ وہم

ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن اور احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اُجرت لینا ناجائز ہے اور ساتھ ہی فقہائے کرام کی تصریحات بھی بتائیں کہ اس کے جواز اور عدم جواز میں ائمہ مجتہدین سے کوئی اختلاف منقول نہیں بلکہ تمام حضرات کے نزدیک اس پر اُجرت لینا حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اجرت لینے کا مسئلہ اختلافی ہے بعض جواز کے قائل ہیں جیسا کہ صاحب البحر اور عالمگیری۔ اور بعض ناجائز سمجھتے ہیں جیسا کہ شامی وغیرہ۔۔ کہ کیا یہ کسی حقیقت پر مبنی ہے یا فضول اور لغو کلام ہے۔ لیکن قبل اس سے کہ ہم اصل حقیقت واضح کریں چند ضروری امور تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ جواب میں دقت بھی نہ ہو اور غلط الزامات لگانے والوں کے لئے اس بات کے چھیڑنے کی گنجائش تک بھی باقی نہ ہو۔ وہ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام ناقد الرجال شمس الدین الذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔

كل احد يؤخذ من قوله ويترك الا رسول الله صلى الله عليه وسلم [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر ایک شخص کا قول قبول کیا جاتا ہے اگر صحیح ہو اور چھوڑ دیا جاتا ہے (اگر غلط ہو)

۲۔ علامہ ابن القیمؒ متوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں۔

ان العالم قد يزل ولا بد اذ ليس بمعصوم فلا يجوز

یہ لازمی ہے کہ عالم سے غلطی ہوتی ہے کیونکہ معصوم تو نہیں لہٰذا یہ جائز

[1] تذکرة الحفاظ ص ۱۱۵۲ و ص ۱۴۹۷ ج ۴

قبول كل ما يقوله وينزل قوله منزلة المعصوم [1]

نہیں کہ وہ جو بھی کہیں اس کو قبول کریں اور اس کے قول کو معصوم کا قول بنائیں۔

۳۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں

قال الامام ابو عمرو فى اداب المفتى اعلم ان من يفتى بان يكون فتواه او عمله موافقا لقول او وجه فى مسئلة ويعمل بما شاء من الاقوال والوجوه من غير نظر فى الترجيح فقد جهل وخرق الاجماع [2]

ابو عمرو نے اداب المفتی میں فرمایا ہے جان لو کہ کوئی مفتی بغیر ترجیح کے فتوی دیتا ہے اس بنا پر کہ اس کا قول یا عمل کسی قول یا کسی توجیہ کے موافق ہے۔ تو اس نے خرق الاجماع (اجماع کی مخالفت) اور جہالت کا ارتکاب کیا۔

۴۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں

وقد يتفق نقل قول فى نحو عشرين كتابا من كتب المتاخرين ويكون القول خطاء اخطأ به اول واضع له فياتى من بعده وينقل عنه وهكذا ينقل بعضهم عن بعض [3]

کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ متاخرین کی بیس کتابوں میں ایک غلط قول کو نقل کرتے ہیں اور غلطی صرف اول شخص سے ہوئی ہو پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس غلط قول کو نقل کرتے رہتے ہیں۔

[1] اعلام الموقعین ص ۱۷۳ ج ۲

[2] مجموعہ رسائل ص ۱۱ ج ۱ ؛ [3] مجموعہ رسائل ص ۱۳ ج ۱

۵- علامہ عبدالحی متوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں۔

قال علي القاري: قال أئمتنا الأعظم لا يحل لأحد أن يأخذ بقولنا ما لم يعرف مأخذه من الكتاب والسنة أو اجماع الأمة أو القياس الجلي في المسئلة [1]

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ہمارے امام اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ ہمارے قول پر کسی مسئلہ میں عمل کریں جب تک اس کو قرآن و سنت اور اجماع اور قیاس جلی سے ماخذ معلوم نہ ہو۔

اور پھر مسائل کی تشریح کرکے فرماتے ہیں۔

والخامسة التي لم يدل عليها دليل شرعي لا كتاب ولا حديث ولا اجماع ولا قياس مجتهد جلي أو خفي لا بالصراحة ولا بالدلالة بل هي من مخترعات المتأخرين الذين يقلدون طرق آبائهم ومشائخهم المتقدمين وحكمه الطرح والجرح [2]

پانچواں مسئلہ وہ ہے جس پر دلیل شرعی قرآن اور حدیث سے موجود نہ ہو۔ اور نہ اس پر دلیل موجود ہو اجماع اور مجتہد کے قیاس سے ظاہر ہو یا پوشیدہ نہ صراحۃً اور نہ دلالۃً بلکہ اسے متاخرین نے ایجاد کیا ہو وہ متاخرین جو اپنے آباء اور شیوخ متقدمین کے مقلدین ہوں۔ تو اس کا حکم پھینکنا (رد) اور اس پر جرح کرنا ہے

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ختم کلام پاک پر اجرت لینا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] النافع الکبیر ص۱۸ مطالعہ کریں، مجموعہ رسائل ص۲۸/۱، ص۳۱/۱، ص۳۲/۱، ص۱۳۵/۱

[2] النافع الکبیر ص۱۹ ۔

ثابت نہیں اس بات میں تو کوئی مسلمان (جس میں ذرہ ایمان ہو) شک نہیں کرے گا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور نہ ائمہ مجتہدین سے اور نہ سلف صالحین[1] اور نہ خلف[2] سے اور نہ متقدمین اور نہ متاخرین[3] سے لیکن اس کے باوجود بعض علماء نے جو لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ متقدمین حضرات تمام عبادات پر اجرت لینا حرام سمجھتے ہیں اگرچہ قرآن پڑھانا ہو یا فقہ یا دیگر دینی کتابیں پڑھانی ہوں یا امامت ہو یا اذان وغیرہ عبادات ہوں تو متاخرین جو مجتہدین فی المسائل ہیں اور اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح ہیں انہوں نے جب اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھا کہ لوگ دین کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور بیت المال سے معلمین وغیرہ کو عطیات نہیں ملتے تو دین ضائع ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن پڑھانے پر اجرت صحیح ہے تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے۔ مندرجہ ذیل عبارات... مطالعہ کیجئے۔

امام شمس الائمہ السرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ فرماتے ہیں۔

ولا يجوز ان يستأجره ليعلم ولده القرآن او الفقه يختص بها المسلم فالاستئجار عليها باطل

ناجائز ہے اجرت دے کر کسی شخص کو تاکہ اس کے بچے کو قرآن اور فقہ یا اس کی مانند دیگر چیز جس کا تعلق مسلم سے ہو پڑھائیں سو ان چیزوں پر اجرت لینا باطل ہے۔

[1] فقہاء کی اصطلاح میں سلف از امام ابوحنیفہؒ متوفی سنہ ۱۵۰ھ تا امام محمدؒ متوفی سنہ ۱۸۹ھ

[2] فقہاء کی اصطلاح میں خلف از امام محمدؒ تا شمس الائمہ الحلوانی متوفی سنہ ۴۵۶ھ

[3] اور متاخرین از شمس الائمہ الحلوانی تا حافظ الدین محمد بن محمد البخاری متوفی سنہ ۶۲۰ھ (النافع الکبیر ص۱۵) اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سنہ ۳۰۰ھ سے قبل متقدمین اور سنہ ۳۰۰ھ کے بعد متاخرین (لسان المیزان ص۱۶/۱) اور ابن عابدینؒ نے بحوالہ ذہبیؒ بھی فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص۱۶۱/۱ مجموعہ رسائل

پھر دلائل احادیث سے بیان کرنے کے بعد میں فرماتے ہیں ۔

وبعض أئمة بلخ اختاروا قول اهل المدينة وقالوا ان المتقدمين من اصحابنا بنوا هذا الجواب على ما شاهدوا في عصرهم من رغبة الناس في التعليم ومروة المتعلمين في مجازات الاحسان بالاحسان فاما في زماننا فقد انعدم المعنيين جميعا فنقول بجواز الاستيجار لئلا يتعطل هذا الباب ـه

اور بلخ کے بعض ائمہ نے اہل مدینہ کے قول کو پسند کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے یہ جواب (عدم جواز اجرت) اپنے زمانے کے مشاہدہ پر مبنی کیا ہے کیونکہ لوگ تعلیم میں رغبت کرتے تھے اور معلمین میں بھی یہ مروت تھی کہ احسان کا بدلہ احسان سے دیتے تھے اور ہمارے زمانے میں دونوں چیزیں معدوم ہیں ۔ پس ہم (پڑھانے کی اجرت کے جواز کا قول کرتے ہیں تاکہ یہ (تعلیم کا) دروازہ معطل نہ ہو جائے

اور امام فخر الدین قاضیخان متوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں ۔

وان استاجر رجلا لتعليم القرآن لا تصح الاجارة عند المتقدمين ومشائخ بلخ جوزوا هذا ... وقال الشيخ ابوبكر محمد بن الفضل انما كره المتقدمون الاستيجار بتعليم القرآن وكرهوا اخذ الاجرة على ذلك لانه كان للمعلمين عطيات في بيت المال في ذلك

اگر قرآن پڑھانے کیلئے کسی شخص کو اجرت دے دی تو متقدمین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور بلخ کے علماء نے اس کو جائز کہا ہے اور شیخ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ قرآن پڑھانا اجرت پر متقدمین کے نزدیک مکروہ ہے اور اجرت کو مکروہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں معلمین کے لئے بیت المال سے عطیات مقرر تھے ۔

وكان لهم زيادة رغبة في امر الدين وفي زماننا انقطعت رغائب الناس في امر الاخرة فلو اشتغلوا بالتعليم مع الحاجة الى مصالح المعاش لاختل معاشهم فقلنا بصحة الاجارة ووجوب الاجارة للمعلم ..... قال شمس الائمة السرخسي مشائخ بلخ جوزوا الاجارة على تعليم القرآن واخذوا في ذلك بقول اهل المدينة وانا افتي بجواز الاستيجار ووجوب المسمى واجمعوا على ان الاستيجار على تعليم الفقه باطل ـه

اور دینی امور میں وہ زیادہ رغبت رکھتے تھے اور ہمارے زمانہ میں آخرت کے بارے لوگوں کی رغبتیں منقطع ہوگئی ہیں ۔ دنیاوی ضروریات کے باوجود اگر وہ (معلمین) تعلیم میں مشغول ہو جائیں تو دنیاوی ضروریات خراب ہو جائیں گی ۔ پس ہم اجرت دینے کو صحیح سمجھتے ہوئے پڑھانے والے کو اجرت دینا واجب کہتے ہیں ۔ اور امام سرخسی فرماتے ہیں کہ بلخ کے مشائخ نے قرآن پڑھانے پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اس بات میں اہل مدینہ کے قول پر عمل کیا ہے اور میں بھی اجرت کے جواز اور مسمی کے دینے کے وجوب پر فتوی دیتا ہوں اور ان تمام مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ فقہ پڑھانے پر اجرت لینا باطل ہے ۔

اور حافظ الدین ابن البزاز متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں ۔

ـه فتاوی قاضیخان برحاشیہ فتاوی عالمگیری ص $\frac{335}{2}$ یہ بار بار دیکھو کہ یہ حضرات پھر بھی فقہ پڑھانے پر اجرت ناجائز کہتے ہیں صرف قرآن پڑھانے پر جائز کہتے ہیں تو ختم شریف پر کہاں سے

قال محمد بن الفضل کرہ — محمد بن فضل کہتے ہیں کہ قرآن پر اجرت
المتقدمون الاستیجار — لینا متقدمین کے نزدیک مکروہ ہے
لتعلیم القرآن وکرھوا — اور اجرت کے لینے کو اس لئے مکروہ
اخذ الاجرۃ علیہ لوجود — کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں بیت المال
العطیۃ من بیت المال[1] — سے عطیات (معلّمین کو) ملتے تھے۔

بہر حال ان اکابر کی عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ متقدمین کے نزدیک تمام عبادات پر اُجرت لینا دینا حرام ہے اور متأخرین جو اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح ہیں انہوں نے ایک عذر کو دیکھتے ہوئے قرآن کریم پڑھانے پر اُجرت کو جائز قرار دیا۔ تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے اور اس کے باوجود امامت اور اذان اور فقہ پر یہ حضرات اُجرت جائز نہیں سمجھتے جیسا کہ انہوں نے مفصّل بیان کیا ہے لیکن ان کے بعض دیگر اکابر نے اذان امامت وغیرہ پر بھی بوجہ اسی مجبوری کے جواز کا قول کیا ہے۔ تو یہ ہے حقیقتِ حال کہ متأخرین حضرات نے پڑھانے پر اجرت کو نہایت مجبوری کی بنا پر جواز کا قول کیا تو محترم ابوبکر علی بن محمد الحدادی متوفی ۸۰۰ھ نے اس اختلاف کو غلط تصور دے کر فرمایا کہ

مسئلہ اُجرت میں اختلاف ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن کی تلاوت پر اُجرت لینا جائز ہے حالانکہ اکابر نے فرمایا تھا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن پڑھانے پر اجرت جائز ہے جیسا کہ میں نے مفصّل عبارات ذکر کی ہیں تو حدادی صاحب الجوہرۃ والسراج الوہاج نے پڑھانے سے پڑھنا بنا دیا۔ اصحابِ التخریج نے نہایت مجبوری کی وجہ سے قرآن کریم پڑھانے پر اجرت کو صحیح قرار دیا اور حدادی صاحب کی مہربانی دیکھئے کہ قرآن پڑھانے

---

[1] فتاوی بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ص ۳۸ ج ۵

کی اُجرت سے قرآن پڑھنے کی اجرت کو بھی صحیح قرار دیا اور جب اس کو شہرت لگ گئی تو ابن نجیمؒ متوفی سنہ ۹۷۰ھ اس کے قول پر دھوکہ ہو کر اس نے بھی فتویٰ لگا دیا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن کی تلاوت پر اُجرت لینا جائز ہے اور علامہ عبد الرؤف بن محمد متوفی سنہ ۶۸۳ھ صاحب الاختیار نے بھی صحیح بات فرمائی ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اُجرت جائز نہیں لیکن علامہ ابن نجیمؒ حدادی صاحب کے قول پر دھوکہ ہو گیا اور صاحب الاختیار کی قوی بات کو غیر مختار بنا دیا تو علامہ خیر الدین الرملیؒ متوفی سنہ ۱۰۸۱ھ صاحب بحر الرائق کی خوب تردید فرمائی کہ فتویٰ قرآن پڑھانے کی اُجرت پر ہے نہ کہ پڑھنے کی اُجرت پر۔

اور علامہ ابن عابدینؒ نے خوب فرمایا تھا کہ ایک مصنف سے غلطی ہو جاتی ہے تو اسی غلط مسئلہ کو بیس کتابوں میں نقل در نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک مسئلہ قرآن کریم پر اجرت لینے کا بھی ہے کہ صاحب السراج الوہاج اور الجوہرہ شرح القدوری والے سے غلطی ہوگئی کہ اس نے پڑھانے پر اجرت سے پڑھنے پر اُجرت بنا دیا تو ان کے بعد جو حضرات آئے ہیں انہوں نے اسی غلط مسئلہ کو نقل در نقل شروع کیا حالانکہ یہ بالکل واضح غلطی ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ تمام عبادات پر اجرت لینے کو حرام سمجھتے ہیں لیکن متأخرین جو اصحاب التخریج والترجیح ہیں انہوں نے شدید ضرورت کی بنا پر پڑھانے اور اذان اور امامت وغیرہ پر اُجرت کے جواز کا فتویٰ دیا تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے تو جس جگہ یہ ضرورت ہی نہ ہو تو پھر وہاں کس طرح فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے اور قرآن پڑھنے پر اُجرت نہ دینے میں دین کا کیا ضائع ہوتا ہے بلکہ الٹا اُجرت دینے میں نقصان ہوتا ہے کیونکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے کبھی ختم کلام پاک نہیں کریں گے جب تک ان کو اُجرت نہ دے دیں بلکہ لوگ قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنائیں گے لہٰذا اُجرت لینا قرآن کریم کے پڑھنے پر یہ قبیح ترین چیزوں میں سے ہے اور اس پر منکر [illegible]

چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔[1] پھر ابن عابدین فرماتے ہیں

فان كان ما فى الجوهرة سبق
قلم فلا كلام وان كان عن عمد
فهو مخالف عن كلامهم قاطبة
فلا يقبل وقد اطنب فى رده صاحب
تبيين المحارم مستندا الى
النقول الصريحة .....
وقد اغتر بما فى الجوهرة
صاحب البحر فى كتاب الوقف
وقد رده الشيخ خير الدين
الرملى رح فى حاشية البحر حيث
قال اقول المفتى به جواز
اخذ الاجرة استحسانا
على تعليم القرآن لا على
تلاوة المجردة كما صرح
به فى التتارخانية حيث
قال لا معنى لهذه الوصية
لان هذا بمنزلة الاجرة

اگر جوہرہ میں (مؤلف کے) قلم نے سبقت کرلیا ہو (یعنی خطأ یہ کام سرزد ہوا ہو) تو اس میں کوئی بات نہیں کیونکہ انسان سے غلطی ہوتی ہے، اگر اس نے قصداً اور ارادہ سے یہ کیا ہو تو یہ تمام (اکابر) کے اقوال سے مخالف ہے لہٰذا یہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کی تردید صاحب تبیین المحارم نے علماء کی صریح نقول سے فرمائی ہے۔ اور کتاب الوقف میں جوہرہ کی عبارت پر صاحب البحر کو دھوکہ ہوا اور بحر کے حاشیہ میں شیخ خیر الدین نے تردید فرمائی ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ از روئے استحسان دیا ہے اور فتویٰ نہیں کیا ہے، مجرد تلاوت پر جیسا کہ تتارخانیہ میں اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وصیت (بر قبر تلاوت) کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ اجرت جیسا ہے،

۱؎ مجموعہ رسائل ص۱۴۰/۱ دیکھیں تفصیل کے لئے ص۱۶۷/۱، ص۱۶۹/۱، ص۱۷۳/۱، ص۱۷۷/۱، ص۱۸۲/۱، ص۱۸۹/۱، ص۲۲۶/۱، ص۱۲۵/۲، ص۲۶۰/۲

والاجارة فى ذلك باطلة
وهى بدعة ولم يفعلها احد
من الخلفاء[1]

اور اس میں اُجرت باطل ہے اور بدعت ہے اور یہ فعل خلفاء میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔

اور دوسری جگہ میں فرماتے ہیں

والذى يغلب على ظنى ان
الحدادى صاحب الجوهرة
اشتبه عليه الاستيجار على
القراءة بالاستيجار على
التعليم فسبق قلمه و
تبعه من تبعه كصاحب البحر
والقهستانى[2] و ملا مسكين[3] و
يدل على ذلك قوله وهو المختار

میرا غالب گمان یہ ہے کہ حدادی صاحب الجوہرۃ پر پڑھنے اور پڑھانے کی اُجرت میں اشتباہ ہوگیا ہے جس کی وجہ سے اس کی قلم سے سبقت ہوگیا اور صاحب البحر اور قہستانی اور ملا مسکین بھی (ان سب) نے اس کی اتباع کی اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یہ مختار قول ہے حالانکہ مختار تو چھوڑ کر بلکہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ

۱؎ رد المحتار ص۳۶ ج۵ ۲؎ مولیٰ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی متوفی سنہ ۹۶۱ھ یا سنہ ۹۵۰ھ ہے۔ جامع الرموز کا مصنف ہے جو غیر معتبرہ کتابوں میں شمار ہے اور مصنف شیخ الاسلام الہروی کے تلامذہ میں سے نہیں تھا اور فقہی معلومات بھی اس کو زیادہ نہیں تھے اور کتابوں کا دلال تھا اسلئے مثل حاطب اللیل تھے اور اپنی کتاب میں بغیر تصحیح کے رطب یابس اور غث وسمین، صحیح وضعیف (سب کو) جمع کیا (ملاحظہ ہو النافع الکبیر ص۱۲)۔ ۳؎ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ محمد ہبۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کتب غریبہ سے شرح الکنز ملا مسکین اور قہستانی کی ہیں کیونکہ ان دو مصنفوں کے احوال معلوم نہیں اور اس طرح قنیہ ہے کہ اس میں اقوال ضعیفہ کو جمع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حوالہ کیلئے مجموعہ رسائل ص۳)

الذى اختاروه الاستيجار على التعليم وهذا ما يقال فى زلة العالم زلة العالم وبعد سماعك نصوص المذهب لا يجوز لك تقليده ولو فرضنا انه منقول عن احد من اهل المذهب المعتمدين مع مخالفته للمتون وغيرها لا يعول عليه

کہ اس کو صحیح کہا ہوا البتہ پڑھانے پر اجرت کو متاخرین نے جائز کہا ہے۔ اسی وجہ سے (مثال میں) کہتے ہیں کہ ایک عالم کی لغزش دنیا کی لغزش (کیلئے سبب) ہے (کیونکہ اس کی خطا کی وجہ سے کتنے لوگ خطا کے قول پر عمل کرتے رہیں گے) جب آپنے مذہب کے صحیح اقوال سن لئے تو آپ کو اس (صاحب بحر وغیرہ) کی تقلید جائز نہیں۔ اگر بالفرض یہ بات ایک مذہب کے معتمد آدمی سے بھی نقل ہو پھر بھی جب متون وغیرہ کے مخالف ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

اور علامہ ابن عابدینؒ صاحب بحر الرائق کی تردید اکابر کے اقوال سے کر کے پھر فرماتے ہیں۔

والحاصل ان المخالف فى ذلك بعد وضوح هذه المسالك اما مكابر منكر للعيان ولو اقام عليه الف برهان لكونه اتخذ القرآن مكتسبا واما جاهل قليل الفهم عديم العلم

حاصل یہ ہوا کہ اگر ان مسلکوں کی وضاحت کے باوجود کوئی مخالفت کر رہا ہو یا تو وہ بغرور واضح چیز سے انکار کرنے والا ہے اگرچہ اس پر ایک ہزار دلیل قائم کریں یعنی اس کی عادت انکار کرنا ہے (کیونکہ اس نے قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنایا ہے یا تو وہ کم عقل اور معدوم العلم جاہل ہوگا کہ

ا‍ے مجموعہ رسائل ص۱۹۱

يتشبث بحبال اوهام بالية وخيالات عن رائحة الصحة خالية ومستند الى عبارات خاوية كبيت عناكيب واهية وكل منهما آثم موزور لكون المكابر فى الدين والجاهل بين اظهر المسلمين غير معذور

بوسیدہ اوہام اور صحت سے خالی خیالات کی رسّی کو پکڑتا ہے۔ اور دلیل میں گری ہوئی مکڑی کے جال کی مانند کمزور عبارات پیش کرتا ہے۔ ہر ایک ان دونوں میں گناہ کو اٹھانے والا ہے۔ کیونکہ دین میں متکبر اور مسلمانوں کے درمیان جاہل کا عذر مقبول نہیں۔

(پھر ورد دلیل سے فرماتے ہیں)

ولا ينكر الا غبى احمق هو بالبهائم ملحق[1]

(قرآن کریم پڑھنے پر اجرت کی حرمت) سے انکار نہیں کرتا مگر وہ جو بیوقوف اور چوپائے کی طرح ہو۔

حضرات! یہ ہے حقیقت حال۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد نہیں ہوگا اختلاف کا مجال۔ کیونکہ اکابر علماء مثل امام سرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ، قاضیخان متوفی ۵۹۲ھ اور ابن البزاز متوفی ۸۲۷ھ نے متقدمین کا نظریہ نقل کیا ہے کہ وہ بالکل عبادات پر اجرت کو جائز نہیں کہتے۔ لیکن علامہ سرخسیؒ وغیرہ اکابر نے نہایت

ا‍ے مجموعہ رسائل ص۱۸۶۔ عجیب لطیف عبارات کو دیکھیں کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینے والے کی تشبیہ حیوانات سے دیدی … جیسا کہ حیوان کو حلال و حرام کی تمیز نہیں ایسا قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینے والوں کو حلال و حرام میں تمیز نہیں، کیا ہی سچ فرمایا ہے۔

مجبوری کی وجہ سے پڑھانے وغیرہ پر اجرت کو جائز قرار دیا اور شرح العقیدۃ الطحاویہ اور
صاحب الاختیار متوفی ۶۸۳ھ نے بھی یہ فیصلہ دیا کہ پڑھنے پر اجرت ناجائز اور
باطل ہے تو علامہ حدادی متوفی ۸۰۰ھ نے پڑھانے سے پڑھنا بنا کر غلطی کی اور
اکابر کے اقوال کو غلط تصویر دیدی تو ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ بھی اسی پر دھوکہ
کھا گئے اور بعض کچھ دیگر حضرات بھی تو علامہ خیر الدین الرملی متوفی ۱۰۸۱ھ نے
صاحب البحر کی غلطی واضح کی اور ہم نے اکابر علماء کرام کی عبارات تمہارے سامنے پیش
کیں کہ اکابر نے پڑھانے کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے نہ کہ پڑھنے کی اجرت پر لہذا حدادی
صاحب کا قول غلط اور صاحب البحر کا قول اسی غلط قول پر مبنی تھا وہ بھی غلط اور
عالمگیری نے تو السراج الوھاج کا حوالہ دیا ہے جو صاحب البحر کی تالیف ہے اور علامہ
عبدالحی بحوالہ کشف الظنون کتب غیر معتبرہ کو شمار کرکے فرماتے ہیں۔

و من ھذا القسم السراج	ان ضعیف غیر معتبر کتابوں سے
الوھاج شرح القدوری	قدوری کی شرح السراج الوھاج
کما قال فی کشف الظنون	بھی ہے جیسا کہ کشف الظنون میں کہا ہے
عدہ المولی البرکلی من	کہ اس (السراج الوہاج) کو غیر معتبر اور ضعیف
الکتب المتداولۃ الضعیفۃ	کتابوں میں شمار کیا ہے۔
الغیر المعتبرۃ [1]	

لہذا عالمگیری کا ماخذ بھی صاحب البحر کی کتاب ضعیف غیر معتبر ہے اور اس کا
ماخذ تو حدادی کا قول تھا وہ غلط لہذا السراج الوہاج اور عالمگیری کا قول بھی غلط
تو یہ ثابت ہوا کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ اجرت پر پڑھنا حرام اور پڑھانے پر اجرت

---

[1] النافع الکبیر ص۲۳

متاخرین اکابر کے نزدیک جائز اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور صرف حدادی
صاحب سے غلطی ہوگئی تھی اور ہم نے پہلے بتایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا
ہر ایک شخص کا قول کبھی قابل قبول اگر صحیح ہو اور کبھی قابل رد اگر غلط ہو لہذا حدادی صاحب
کا قول غلط اور باطل ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ عالم سے غلطی ہوتی ہے اس کے قول کو معصوم
کا قول نہیں بنانا چاہیے۔ لہذا حدادی صاحب کے قول کو معصوم کا قول نہیں بنانا چاہیے
لہذا اس کا قول غلط ہی غلط اور یہ بھی بتایا تھا کہ امام اعظمؒ کا فیصلہ ہے کہ جب قرآن و
سنت اور اجماع و قیاس سے کسی مسئلہ کا ماخذ معلوم نہ ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔
لہذا حدادی صاحب کے قول کا ماخذ قرآن و سنت اور اجماع اور قیاس ائمہ مجتہدین سے تو
خود نہیں کہ مجتہدین فی المسائل اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح سے بھی نہیں لہذا اس کا
قول قابل قبول نہیں ہوگا اور صاحب البحر اور دیگر حضرات کا قول اس پر مبنی ہے وہ بھی غلط اور
عالمگیری کا قول صاحب البحر کے قول پر مبنی ہے تو جو غلط پر مبنی ہو وہ بھی غلط۔ تو وہی ابن عابدین
کی بات ثابت ہوگئی کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہوتی ہے اور اس غلط
قول کو متاخرین اپنی کتابوں میں نقل در نقل کرتے رہتے ہیں تو یہاں مسئلہ اجرت میں بھی
ایک حدادی صاحب کی غلطی کی وجہ سے کتنے حضرات دھوکہ میں مبتلا ہوگئے۔ تو اس
قول فیصل سے یہ معلوم ہوا کہ جو حضرات لکیر کی فقیر کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کی اجرت میں
اختلاف ہے یہ فضول اور لغو بات ہے اس کی کوئی اصل حقیقت نہیں یہ صرف خیالی
پلاؤ پکانا اور ہوائی قلعہ کی تعمیر ہے بلکہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت بالاتفاق حرام ہے
متقدمین اور متاخرین اصحاب التخریج والترجیح تمام کے نزدیک اس پر اجرت حرام اور ناجائز
ہے۔ کیونکہ متاخرین نے پڑھانے پر نہایت ضرورت کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔
اور ختم کلام پر اجرت لینے دینے کے جواز پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ کیونکہ اس میں دین کا
کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس اجرت لینے میں نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے

کوئی شخص قرآن کریم نہیں پڑھے گا جب تک نقد رقم اور پلاؤ زردہ گوشت، چائے قہوہ، اور دودھ والا نہ ہو لہٰذا ختم کلام پر اجرت لینے اور دینے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف بالکل تمام اکابر دین کے خلاف ہے۔ اور بالکل یہ بدعت نعلائیہ ہے کیونکہ پہلے مفصل گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے تو خود ثابت نہیں کہ ائمہ میں سے کسی ایک امام سے اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔

اور پھر اس کے باوجود اس بدعت کو لازم بھی سمجھیں جیسا کہ اشتہار میں لکھا ہے کہ خان بادشاہ ختم کلام پر روٹی کھانے کو ناجائز کہتے ہیں[1] تو اس سے پھر یہ لوگ ثابت کرتے ہیں کہ خان بادشاہ دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس بے ایمان اور بے دین کے پاس اس کھانے کے جواز پر نہ کوئی دلیل شرعی ہے کتاب اللہ سے اور نہ سنت سید المرسلینؐ سے اور نہ قول امام ائمہ مجتہدین سے پھر اس کو نہ ماننے والا بے دین ہو تا ہے ہاں ممکن ہے کہ

ان کا کوئی دوسرا نبی غلام احمد قادیانی سا ہو تو وہ الگ بات ہے کیونکہ ایسے نبیوں کو ہم نہیں مانتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دعویدار ہیں اور جو تحلیل و تحریم اپنی جانب سے کرتے ہیں ہم ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ کیونکہ تحلیل و تحریم کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو اب دعویٰ کریں اس کو ہم کذاب اور دجال کہیں گے۔

اور اشتہار پر دستخط کرنے والے اخونزادگان کو چاہیے کہ کم از کم اپنے گھر میں جو رد المحتار (شامی) اور مجموعہ رسائل ہیں تو اس کا مطالعہ کریں

---

[1] اے حضرات! یہ حقیقت ہے کہ یہ لوگ کھانے کے عشق کی وجہ سے فتوے لگاتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ فلاں حدیث میں اس کو جائز کہا ہے اور خان بادشاہ اسے نہیں مانتا بلکہ مجنون اور لیلیٰ کے عشق جیسے کھانے کا لفظ نکال دیتے ہیں کہ ہمارے پیٹوں پر بند کرتا ہے۔ ۲. منہ

کہ اس میں کیا کیا لکھا ہے[1]۔ کیا انہوں نے پڑھنے پر اجرت لینے کو حرام نہیں کہا ہے اور کیا مجموعہ رسائل میں اجرت لینے والے کو حیوانات کے مشابہ نہیں کہا۔ اور باقی تحقیقات تو تمہاری قسمت میں ویسے نہیں لیکن کم از کم جو فقہ کی کتابیں ہیں ان کا تو مطالعہ کیا کریں۔ کیا اجرت کو حرام کہنے والے اور میت کے گھر سے روٹی کھانے والے اور گنبد کو حرام کہنے والے اور قضاء العمری کو ناجائز سمجھنے والے اور تخصیصات کو بدعت کہنے والے یہ تمام حضرات پنج پیری ہیں یا وہابی اور قادیانی ہیں۔

حضرات! ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینے کو قرآن کریم اور سنت سید المرسلین کی روشنی میں واضح کیا اور فقہاء احناف کے اقوال سے تشریح کر دی اور ان لوگوں کی (جو اس مسئلہ کو اختلافی بناتے ہیں) غلطی کا منشأ بتا دیا کہ یہ غلطی کہاں سے ہوئی اور کس طرح ہوئی ہے۔ اور وہ کون تھے۔ یعنی مقلد تھے اور مجتہد بھی نہیں تھے بلکہ مقلدین میں اصحاب التخریج والترجیح بھی نہیں تھے۔ تو ان ٹھوس دلائل کے باوجود اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کی بدقسمتی ہو گی۔

اور بعض لوگ تو اس لئے انکار کرتے ہیں کہ منافع دنیوی میں نقصان نظر آتا ہے۔ جیسا کہ پہلے زمانہ میں یہودیوں کے بڑے بڑے رئیس تھے وہ جاہل لوگوں سے سالانہ مقرر حصہ لیا کرتے تھے نقد مالوں میں بھی ان کے مقرر حصے تھے اور فصلوں میں بھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے اس لیے اعراض کیا

---

[1] مجموعہ رسائل میں ایک رسالہ مستقل اس کی تردید میں تحریر فرمایا ہے اور پچاس کتابوں کے نام لے کر کہ ان سے میں نے اس رسالہ کے لئے استفادہ کیا ہے۔ ۲

کرتے تھے۔ کہ یہ سارا کچھ ختم ہو جائے گا دیکھ لیں حاشیہ[1]۔ تو موجودہ دور میں ان کے نقشِ قدم پر بعض حضرات چلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے خلاف کرتے ہیں۔ اور کامل دین میں اپنی طرف سے جعلی اور بناوٹی عبادتیں داخل کی ہیں اور ضعیف اور صحیح، رطب و یابس اور موضوع وغیرہ میں فرق نہیں سمجھتے بلکہ حاطب اللیل جیسے لکیر کے فقیر ہیں اور اپنے باپ دادا کے طریقے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل کی مانند سمجھتے ہیں اور عوام پر لازم قرار دیتے ہیں۔

(فصبر جمیل وافوّض امری الی اللہ)

---

[1] تفسیر کبیر ص ۴۲/۲، المدارک ص ۴۵/۱، ابو السعود ص ۷۴/۱۔ مراج اللبید ص ۱۲/۱، الفتوحات الالٰہیۃ ص ۴۴/۱، کتاب التسہیل لعلوم القرآن ص ۴۶/۱۔ الخازن ص ۴۵/۱، البغوی ص ۴۵/۱، الکشاف ص ۲۷۶/۱، فتح القدیر شوکانیؒ ص ۴۵/۱

صلوٰۃ وسلام

شریعت نے ایک چیز ایک موقعہ پر تجویز کی ہے۔ جب ہم محض اپنی رائے اور خواہش سے اس کو دوسرے موقعہ پر تجویز کریں گے تو وہ بدعت بن جائے گی۔ مثلاً درود شریف نماز کی آخری التحیات میں پڑھا جاتا ہے، اگر ہم اجتہاد لڑائیں کہ درود شریف کوئی بُری چیز تو نہیں اگر اس کو پہلی "التحیات" میں پڑھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ تو ہمارا یہ اجتہاد غلط ہوگا۔ اور پہلی التحیات میں درود شریف پڑھنا بدعت کہلائے گا، فقہاء امت نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی التحیات میں درود شریف شروع کرے تو اگر صرف "اللّٰھم صلّ علیٰ" تک پڑھا تھا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ فقرہ مکمل نہیں ہوا۔ لیکن اگر "علیٰ محمد" تک پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔ اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ لوٹانی ہوگی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" روضۂ اقدس پر پڑھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنے وطن میں بیٹھا یہی پڑھتا رہے تو کیا حرج ہے؟ اس کا یہ اجتہاد بھی "بدعت" کہلائے گا۔ اس لئے کہ فقہائے امت نے ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجنے کا ایک خاص موقعہ مقرر کر دیا ہے، اگر اس موقعہ کے علاوہ بھی یہ صحیح ہوتا تو شریعت اسکی اجازت دیتی اور سلف صالحین اسپر عمل کرتے۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت سالم بن عبید صحابی رضؓ کی مجلس میں ایک صاحب کو چھینک آئی تو اس نے کہا "السلام علیکم" آپ نے فرمایا "تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی"، وہ صاحب اس سے ذرا بگڑے، تو آپ

نے فرمایا کہ میں نے تو وہی بات کہی ہے جو ایسے موقعہ پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کی مجلس میں کسی کو چھینک آتی اور وہ ــــ "السلام علیکم" کہتا تو آپ فرماتے "تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی" ــــ اور پھر ارشاد فرماتے کہ جب کسی کو چھینک آئے اسے "الحمد للہ" کہنا چاہیے۔ سننے والوں کو "یرحمک اللہ" کہنا چاہیے۔ اور اسے جواب میں پھر "یغفر اللہ لی ولکم" کہنا چاہیے ـــــــــــــ (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۶)

مطلب یہ کہ "السلام علیکم" کا جو موقعہ شریعت نے تجویز کیا ہے۔ اس سے ہٹ کر دوسرے موقعہ پہ سلام کہنا "بدعت" ہے۔

نماز کے بعد مصافحہ

بعض مساجد میں نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج ہے۔ شریعت نے باہر سے آنے والے کے لئے سلام اور مصافحہ کو مسنون ٹھہرایا ہے۔ مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ ومعانقہ کرنے لگیں سلف صالحین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا۔ بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر، عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا، جس پر علمائے اہل سنّت کو اس کے "بدعت" ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ میں لکھتے ہیں:

"آنکہ بعضے مردم مصافحہ می کنند بعد از نماز یا بعد از جمعہ چیزے نیست، بدعت است از جہت تخصیص وقت۔"

یہ جو بعض لوگ عام نمازوں کے بعد یا نماز جمعہ کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی سنّت نہیں، بدعت ہے (اشعۃ اللمعات ج۴ ص۲۲)

علاّمہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة، وحينئذٍ انها من البدع المذمومة (حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۰۱)

اسی بناء پر ہمارے بعض علماء نے صراحت کی کہ یہ مکروہ ہے، اس صورت میں یہ مذموم بدعتوں میں سے ہے۔

علاّمہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وقد صرّح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقيب الصّلوٰت، مع ان المصافحة سنّة

اور ہمارے بعض علماء (احناف) اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ نمازوں کے بعد جو مصافحہ کرنے کی عادت ہو گئی

وما ذالك الا لكونها لم توثر فی خصوص هذا الموضع.

(ردّ المحتار، ص۲۳۵/ج۲)

ہے یہ مکروہ ہے باوجودیکہ اصل مصافحہ سنّت ہے اس کے مکروہ و بدعت ہونے کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ اس خاص موقعہ پر مصافحہ سلف صالحین سے منقول نہیں۔

کونڈے کرنا

اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں سے جس قدر غیر شرعی رسومات ہمارے ملک کے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوتی ہیں اُن میں سے ایک لایعنی رسم "کونڈوں" کی بھی ہے جس کے لیے ۲۲ رجب کی تاریخ کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ اسلامی فرائض کی بجا آوری کے لیے اس کے دسویں حصّے پر بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ اس لغو رسم کے لیے عجیب قسم کے افسانے گھڑ کر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور "کونڈوں" کی ادائیگی کو "حاجت روائی" اور "مشکل کشائی" سمجھا جاتا ہے۔

افسانہ تراش کہتے ہیں:

امام جعفر صادقؒ نے خود فرمایا ہے جو شخص ۲۲۔ رجب کو میرے نام کی نیاز کے طور پر کونڈے کرے اور میرے ذریعے اپنی حاجت مانگے تو ضرور۔ پوری ہوگی، اگر پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اور اُس کا ہاتھ ہوگا" خدا کی پناہ۔

حضرت جعفر صادق کی شان تو بہت بلند ہے۔ ادنیٰ مسلمان بھی ایسی لایعنی بات نہیں کہ سکتا جو شرک و بدعت کو مستلزم ہو۔ کیوں کہ ——

نذر و نیاز عبادت ہے جو صرف خدا کا حق ہے غیر اللہ کی نیاز شرک و کفر ہے اور اس کا کھانا حرام ہے

فقہ اسلامی کی تقریباً سب کتابوں میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا ہوا ہے، دیکھیئے

بحرالرائق ص۳۲۲/ج۲، فتاویٰ عالمگیری ص۱۱۱/ج۱، دُرِّ مختار ص۱۵۵/ج۱، فتاویٰ شامی ص۱۳۹/ج۲ مکتوبات امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ ج۳ مکتوب ۴۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۷۹/ج۴ وغیرہ۔

حضرت جعفر صادقؒ سے کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کفر شرک کی تلقین کریں گے یہ سب بہتان ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے افسانہ گھڑا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے خواہ کوئی ہو امامِ وقت یا مجدد اور ولیِ کامل کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا اور اس نیت سے اُن کی فاتحہ دینا، کونڈے دینا، اُن سے مرادیں مانگنا یہ کھلا ہوا شرک ہے، کیونکہ نفع ہو یا نقصان۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہر حالت میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ط وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ انعام - ۱۷	اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمھیں کوئی فائدہ دینا چاہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جب تو سوال کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ سے کر اور جب مدد چاہے تو خُدا سے مدد مانگ۔ یاد رکھو کہ ساری مخلوق اگر جمع ہو کر تجھ کو کچھ نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھ کو نفع نہ پہنچا سکے گی مگر جس قدر کہ اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا۔ اِس طرح اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھے نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں اللہ ہی نے تیرے مقدر میں جتنا لکھ دیا۔ وہ پہنچ کر رہے گا۔ (مشکوٰۃ۔ باب التوکل والصبر ص۴۵۳)

اُوپر آیت کریمہ اور حدیثِ مبارکہ کا حاصل یہ نکلا کہ نفع ہو یا نقصان، وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے مخلوق کے اختیار میں کچھ نہیں۔ جب مخلوق کا اختیار ہی نہیں تو اس کے نام کی نذر و نیاز بھی ناجائز ہے اور اس سے مراد مانگنا بھی حرام ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم، احادیثِ طیبہ اور فقہاء کرام کے فیصلوں سے یہ بات ثابت ہے۔ غرض حضرت جعفر صادقؒ کے نام پر "کونڈوں" کی نیاز دینے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اُن پر بہتان ہے۔ البتہ اگر اس (۲۲ رجب کی) تاریخ کو ان کی ولادت یا وفات ہوتی تو اُن کے ایصال ثواب کا بہانہ بن سکتا تھا۔ ویسے بھی ایصالِ ثواب کی غرض سے اللہ کے نام کی نیاز دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۲۲۔ رجب نہ تو حضرت جعفر صادقؒ کی ولادت کی تاریخ ہے نہ وفات کی۔ بلکہ صحیح روایات کے مطابق ان کی ولادت ۸۔ رمضان المبارک ۸۰ھ یا ۸۲ھ میں ہُوئی اور وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ میں واقع ہُوئی۔ ۲۲۔ رجب کی تاریخ کو حضرۃ جعفر صادقؒ سے کوئی مناسبت نہیں۔

کاتبِ وحی حضرۃ امیر معاویہؓ کی وفات پر جشنِ مسرت

اصل بات یہ ہے کہ ۲۲۔ رجب کے "کونڈوں" کی رسم مخالفین و دشمنان صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایجاد ہے جو درحقیقت کاتبِ وحی امیر المؤمنین سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ کیونکہ ۲۲۔ رجب حضرت امیر معاویہؓ کی تاریخ وفات ہے

(دیکھو تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ ص۱۴۳ ج۸ وغیرہ)

دشمنانِ صحابہؓ (شیعوں) نے اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔

کونڈوں کا تاریخی پس منظر ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور (یوپی) میں امیر مینائی لکھنوی شیعہ کے فرزند خورشید احمد مینائی نے رام پور سے "داستانِ عجیب" (جو حضرت جعفر صادقؒ کے نام پر گھڑ کر لکھی تھی) چھپوا کر تقسیم کی۔ نواب رام پور (شیعہ) نے اس من گھڑت افسانے کی اشاعت اور کونڈوں کی ترویج میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ چنانچہ نواب رام پور کی خوشنودی کی خاطر وہاں کے سُنی مسلمانوں نے بھی اس رسم کو اپنانا شروع کیا۔ پھر یہ رسم رام پور سے لکھنؤ پہنچی اور ۱۹۱۱ء تک بڑی تیزی کے ساتھ دوسرے علاقوں میں اس کا پھیلاؤ شروع ہو گیا۔ شروع شروع میں اہلِ سنت کا غلبہ تھا اس لیے شیعہ چھُپ چھُپ کر شیرینی تقسیم کرتے اور ایک دُوسرے کے گھر جا کر کھاتے اور جشنِ مسرت مناتے لیکن جب اس کا چرچا ہُوا تو اس لغو رسم کو حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسُوب کر کے افسانہ گھڑ لیا اور ان کے ذمے یہ تہمت لگائی کہ ۲۲۔ رجب انھوں نے اپنی فاتحہ و نیاز دینے کا حکم دیا ہے، العیاذ باللہ۔ یہ سب من گھڑت افسانہ، بے بنیاد و خلافِ شرع رسم اور بدعتِ ممنوعہ ہے اور سُنی مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان میں صحابہؓ دشمنی کے جراثیم داخل کرنے کی شاطرانہ چال ہے۔ جو سُنی مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

خلاصۂ کلام: کونڈوں کی رسم ایک نو ایجاد رسم ہے جس کا قطعاً حضرت جعفر صادقؒ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ۲۲ رجب کا آپ سے کوئی تعلق ہے۔ البتہ ۲۲۔ رجب کو تو کاتبِ وحی جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی۔ جن کے ساتھ شیعہ حضرات کو ہمیشہ سے گہرا بغض و عناد رہا ہے تو حقیقت میں شیعہ صاحبان کونڈوں کا نام دے کر ۲۲۔ رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں جشن منایا کرتے ہیں۔ انہوں نے اس تاریخ کو حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسُوب کر کے اپنے اس جشنِ مسرت پر حضرۃ جعفر صادقؒ کے کونڈے بھرنے کا پردہ محض اس لیے ڈال رکھا ہے تاکہ سُنی مسلمان بھی دھوکے میں آکر غیر شعوری طور پر اس خوشی میں شریک ہو کر اُن کا ساتھ دیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ وُہ شیعوں کے جھانسے میں آکر حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی تاریخ کو اِن شیعوں کی تقلید میں اپنے یہاں عید جیسی خوشی منائیں۔ بلکہ اس بدعت اور گمراہی کا مٹانا اور دوسرے مسلمانوں کو اِس سے باز رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

آخری چہار شنبہ

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرضِ الوفات کے آغاز کا دن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

شیطان مُسلمانوں کا ازلی دُشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم کھا کر آیا ہے کہ میں ضرور مُسلمانوں کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مُسلمانوں کو ایسے افعال و اعمال میں مُبتلا کر دے جن کا دین و شریعت سے دُور کا بھی واسطہ اور تعلّق نہ ہو اور مُسلمان اُسے دین و عبادت سمجھ کر کرتے رہیں اور اُنہیں توبہ کی بھی توفیق نہ ہو، اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھیں اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے خسر الدنیا والآخرۃ،

ع خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

چنانچہ شیطان اور اس کے انسانی چیلوں چانٹوں نے مُسلمانوں میں بہت سی ایسی بے سروپا باتیں مشہور کر رکھی ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اُنہیں میں سے ایک آخری چہار شنبہ (ماہِ صفر کا آخری بدھ جو عوام میں سیر بُدھ کے نام سے مشہور ہے۔) بھی ہے اس کے متعلق عوام میں یہ مشہور ہے کہ اس دن رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غُسلِ صحت فرمایا تھا اور سیر و تفریح فرمائی تھی اس لیے اس دن کو ناواقف اور سادہ لوح مُسلمان مرد اور عورتیں خوشی کا دن سمجھ کر باغات میں سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ کاروبار بند رکھتے ہیں۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، شیرینی تقسیم کرتے اور عمدہ قسم کے کھانے پکانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

مُسلمان بھائیو! مُسلمانوں کے تینوں بڑے فرقے دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اس پر متفق ہیں کہ آخری چہار شنبہ (آخری بدھ) کے روز رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض الوفات کا آغاز ہُوا تھا

اور اسی مرض میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔

مشہور مؤرخ ابن سعد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

"چہار شنبہ ۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض کا آغاز ہُوا۔"

(طبقات ابن سعد ص ۲۰۶ ج ۲ طبع بیروت)

(نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون صفحہ ۸۴۸ ج ۲ طبع بیروت)

(دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۱۸ ج ۱)

حضرت مولانا محمّد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپؐ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو حکم ہُوا ہے کہ اہلِ بقیع (قبرستان مدینہ منوّرہ) کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتًہ مزاج ناساز ہوگیا۔ سر میں درد اور بُخار کی شکایت پیدا ہوگئی، یہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن اور بدھ (چہار شنبہ) کا روز تھا۔"

(سیرت المُصطفٰی جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محُمّد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"۲۸ صفر ۱۱ھ چہار شنبہ (بُدھ) کی رات میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لیے دُعاء مغفرت کی... وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بُخار ہوگیا اور یہ بُخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی۔" (سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۱۴۱)

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شدّتِ مرض واقع ہُوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی۔ وہ اَب جاہل ہندیوں میں رائج ہوگئی۔" نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ کراچی)

بریلوی مکتبۂ فکر کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات ہُوئی اُس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔"
(احکامِ شریعت ص ۱۸۳ ج ۳)

بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک دوسرے عالمِ دین امجد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی ہوئی ہیں سب خلافِ واقع ہیں۔"

(بہارِ شریعت ص ۲۴۲ ج ۱۶ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور)

قطع نظر ان تمام باتوں کے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کل تیرہ دن بیمار رہے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ آپؐ نے سوموار کو وصال فرمایا ہے اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپؐ کے مرضِ وفات کے آغاز کا دن بدھ ہی بنتا ہے۔ اس طرح کہ بدھ سے دوسری بدھ تک ۸ یوم اور جمعرات سے سوموار تک ۵ یوم ۸ + ۵ = ۱۳ لہٰذا مرضِ وفات کا آغاز بدھ ہی سے ہوا۔

مذکورہ بالا حوالجات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ماہ صفر کا آخری بدھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا، در حقیقت بات یہ ہے کہ آخری چہار شنبہ یہودیوں اور ایرانی مجوسیوں کی رسم ہے جو ایران سے منتقل ہو کر ہندوستان میں آئی ہے اور یہاں کے بے دین بادشاہوں نے اسے پروان چڑھایا، حوالہ کے لیے دیکھیے (دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ص ۱۸، ۱۹ ج ۱)

لہٰذا یہ یہود و ہنود کی خوشی کا دن تو ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کا نہیں۔

مسلمانوں کا اسے بطورِ تہوار و خوشی منانا ناجائز و حرام ہے۔

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس یہودیانہ رسم کو اپنا کر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کا جشن تو نہیں منا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں
مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے

قبروں پہ مجاور بننا

اس بارے میں قرآن، سنت، صحابہ کرامؓ تابعین تبع تابعین۔ سلفِ صالحین آئمہ مجتہدین اور خصوصاً فقہائے احناف سے اس کے متعلق کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صوفیائے کرام سے اس کے متعلق کچھ ملتا ہے۔

مرنے کے بعد گلی میں تین دن تک دری بچھانا

مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

رسم نمبر ۶ میت کے مکان پر اُس کے مرنے کے بعد کچھ دنوں تک بھاری جلسہ رہتا ہے۔ لوگ آتے بیٹھتے۔ کھاتے پیتے ہیں جُرٹ جانے پان کا شغل رہتا ہے۔ سات آٹھ روز تو اس طرح گزرتے ہیں اُس کے بعد ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے جس کو ختم کا جلسہ کہتے ہیں اس میں کچھ لوگ تو ختم پڑھتے ہیں مگر امیر غریب سب قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں مٹھائی تقسیم ہوتی ہے گویا ایک شادی کا مجمع ہے۔ بسا اوقات یہ تمام مصارف ترکہ میں سے ادا کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض وارث چھوٹے بچے یا غیر حاضر بھی ہوتے ہیں نیز کھانیوالے اور مٹھائی لینے والے امراء بھی ہوتے ہیں۔

حکم شرعی اس رسم میں کئی باتیں ہیں۔ اول اہلِ میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں دوسرے لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا تیسرے اہل میت کا آنیوالوں کو پان چائے جُرٹ کھانا وغیرہ کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا۔ چوتھے سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا۔ اور اس میں امیروں اور غریبوں سب کو کھانا کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا۔ پانچویں ترکہ میں سے یہ سب مصارف کرنا۔ ان سب کا حکم جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ اہل میت کی تعزیت کرنا مستحسن ہے جس کا بہتر وقت دفن کے بعد وہی روز دفن یا اگر رات کو دفن کیا جائے تو اس کے بعد کا دن ہے اور اس کے بعد تین دن تک کی اجازت ہے اور اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں۔ یہ بھی صرف تین دن تک جائز ہے مگر بہتر یہی ہے کہ نہ بیٹھے اور اکثر متاخرین اس سے بھی منع کرتے ہیں اور تین دن سے زیادہ بیٹھنا باتفاق فقہاء مکروہ ہے مگر جو شخص سفر سے آیا ہو وہ اس کراہت سے مستثنےٰ ہے کہ اُسے تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے اور گھر کے باہر دروازے پر بیٹھ کر بیٹھنا باتفاق مکروہ ہے اور جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر آئے اس کو دوبارہ جانا مکروہ ہے +

لا بأس بتعزية اهله وترغيبهم في الصبر وباتخاذ طعام لهم وبالجلوس لها في غير مسجد ثلاثة ايام واولها افضل وتكره بعدها الا لغائب وتكره التعزية ثانيا وعند القبر وعند باب الدار ويقول اعظم الله اجرك واحسن عزاءك وغفر لميتك اهـ (در مختار)

یعنی اہلِ میت کی تعزیت کرنے میں مضائقہ نہیں اور اُن کو صبر کی ترغیب دینے میں اور اُن کے لئے کھانا بھیجنے میں اور بغرض تعزیت مسجد کے علاوہ کسی مکان میں بیٹھنے میں تین دن تک مضائقہ نہیں۔ تعزیت کیلئے پہلا دن افضل ہے اور تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے مگر اس کے لئے جو سفر سے آیا ہو اور دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے باہر دروازہ پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔ تعزیت میں یہ الفاظ کہے خدا تمہیں اجر عظیم دے اور صبر حسن کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری میت کو بخشدے۔

وفی خزانة المفتاوی مِنْ الجلوس

خزانة الفتاوی میں ہے کہ بوقت مصیبت

للمصیبۃ ثلاثۃ ایام رخصۃ وترکہ حسن کذا فی معراج الدرایۃ (عالمگیری)	تین دن تک بیٹھنے کی رخصت تو ہے مگر اُس کا ترک بہت بہتر ہے۔

(۲ و ۳) یعنی لوگوں کا اہلِ میت کے مکان پر جمع ہونا۔ اور اہلِ میت کا انہیں پان ۔چائے ۔چُرٹ ۔مٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا۔ یہ باتیں بھی مکروہ ہیں۔ اگرچہ تعزیت کے لئے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقی طور پر وہاں دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے۔

فی الامداد وقال کثیر من متاخری ائمتنا یکرہ الاجتماع عند صاحب المیت۔

امداد میں ہے کہ ہمارے آئمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہلِ میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے۔

ویکرہ لہ الجلوس فی بیتہ حتی یاتی الیہ من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا و یشتغل الناس بامورھم وصاحب البیت بامرہ انتھی (رد المحتار شامی)	اور اہلِ میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں یہ بھی مکروہ ہے بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو چاہئے کہ سب متفرق ہو جائیں لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہلِ میت اپنے کام میں

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ [ص]۔ یعنی اہلِ میت کا لوگوں کے لئے کھانے کی دعوت تیار کرنا (جس میں پان چائے مٹھائی بھی داخل ہے) مکروہ ہے کیونکہ دعوت خوشی

[ص] (رد المحتار نقلاً عن فتح القدیر)

میں مشروع ہے نہ غمی میں۔ اور یہ قبیح بدعت ہے۔ امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے بسندِ صحیح جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (یعنی صحابۂ کرام) اہلِ میت کے یہاں جمع ہونے اور اہلِ میت کے کھانا کرنے کو نیاحۃ میں داخل سمجھتے تھے۔

نیاحۃ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جاہلیت میں میت کا ماتم کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو کر روتی تھیں اور میت کے اوصاف بیان کرتی تھیں۔ شریعت نے نیاحۃ سے منع فرمایا۔ اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس اجتماع اور میت کی طرف سے کھانا کرنے کو بھی نیاحۃ ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے یعنی جیسے نیاحۃ ممنوع ہے یہ بھی ممنوع ہے۔

(۴ و ۵) یعنی سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا۔ اور ترکہ میں سے یہ مصارف کرنا۔ رسم نمبر ۳ کے بیان میں ہم فتاویٰ بزازیہ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کے لئے دعوت تیار کرنا اور قرّاء و صلحاء کو جمع کرنا اور ان سے ختم پڑھوا کر انہیں کھانا کھلانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ قرأت قرآن ختم پر کھانا کھلانا گویا قرأت کی اُجرت ہے۔

دون ما ابتدع فی زماننا من مھللین وقراء ومغنین وطعام ثلثۃ ایام و نحو ذلک ومن فعل ذلک بدون رضا بقیۃ الورثۃ البالغین یضمنہ فی مالہ (رد المحتار) یعنی تجہیز و تکفین کے مصارف میں یہ داخل نہیں ہے جو ہمارے زمانے میں بطور بدعت اختیار کیا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ یا قرآن پڑھنے والے یا نعت گانے والے جمع کئے جاتے ہیں یا تین دن تک کھانا کیا جاتا ہے اور اسی جیسے اور افعال بھی تجہیز کاموں میں بغیر رضامندی باقی ورثہ بالغین کے خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا۔

وبه ظهر حال وصايا اهل زماننا فان الواحد منهم يكون في ذمته صلوات كثيرة وغيرها من زكوٰة واضاح وايمان ويوصي لذلك بدراهم يسيرة ويجعل معظم وصيته لقرأة الختمات والتهاليل التي نص علماءنا على عدم صحة الوصية بها وان القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز وان الاخذ والمعطي اثمان لان ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لا يجوز فكذا ما اشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب (رد المحتار)

اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کی وصیتوں کا حال کہ بعض لوگ باوجودیکہ اُن کے ذمے بہت سی نمازیں اور زکوٰۃ اور قربانیاں اور قسمیں ہوتی ہیں مگر وہ تھوڑے سے دراہم کی (فدیہ کے لئے) وصیت کر دیتے ہیں اور اپنی وصیت کا بڑا حصہ کلمہ طیبہ اور قرآن مجید کے ختموں کے لئے خاص کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ ان ختموں کی وصیت صحیح نہیں۔ اور یہ کہ کسی دنیاوی غرض سے قرأت جائز نہیں اور دینے والے اور لینے والے دونوں گناہگار ہیں۔ کیونکہ دینا اور کھانا کھلانا اجرت کے مشابہ ہے اور قرأت کی اجرت لینا دینا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ چیز جو اجرت سے مشابہت رکھتی ہو۔ اور ہمارے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے بہت سی کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (رد المحتار)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ یا قرآن مجید کا ختم کرانے کے لئے اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ اور بدعت ہے۔ نیز چونکہ اس قسم کے کھانے میں غریب امیر سب شامل ہوتے ہیں اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس کھانے سے مقصود صدقہ اور خیرات نہیں ہے۔ ورنہ امراء کو صدقہ کھلانے کے کیا معنی اور جب صدقہ مقصود نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا

کھلانا اور جلسے کرنا محض ناموری اور شہرت وریا کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کا مکروہ اور بدعت ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امراء کی دعوت بطور ہدیہ کی ہوتی ہے اور فقراء کی بطور صدقے کے صحیح نہیں کیونکہ کھانا کرنے والوں کو اس تفریق کا خیال نہیں ہوتا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم بقول علامہ ابن ہمام کے چونکہ یہ دعوت غمی کی ہے اس لئے غیر مشروع اور بدعت ہے۔

اور رد المحتار شامی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ترکہ مشترکہ میں سے بغیر رضاء جمیع ورثہ یہ مصارف ادا کرنا بالخصوص جبکہ کوئی وارث نابالغ یا غائب ہو ناجائز ہے۔ اور جو کریگا وہ خود ضامن ہوگا۔

خاتمۃ الکتاب

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شُکر ہے کہ کتاب کے تینوں حصے مکمل ہوئے۔ اور اکثر مسائل جن میں بریلوی اختلاف کرتے ہیں اس میں یکجا کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب جاء الحق کا جواب نہیں بلکہ جس قدر جاء الحق میں مسائل بیان کئے گئے تھے وہ سب اور کچھ ان کے علاوہ بھی ہم نے اپنے مسلک کے مطابق اس میں جمع کئے ہیں۔ جاء الحق کے پہلے حصہ کا جواب محدث اعظم پاکستان مفسرِ قرآن شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی مختلف تصانیف میں دے دیا ہے۔ مثلاً بحث علم غیب کا جواب ازالۃ الریب و اظہار الغیب میں بحث حاضر و ناظر کا جواب تبرید النواظر و تفریح الخواطر میں حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث کا جواب تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین و اتمام البرھان حصہ سوم اور عبارات اکابر میں۔

بحث نداء یا رسول اللہ کا جواب تبرید النواظر و گلدستہ توحید، تنقید متین میں۔ اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا کا جواب گلدستہ توحید و اتمام البرھان حصہ اوّل۔ تنقید متین۔

بحث بدعت۔ کا جواب راہ سنت و باب جنت میں اعتراضات کے جوابات۔

عبارات اکابر میں۔ اس طرح تمام حصہ کا مدلل جواب لکھا ہے۔

ہر شخص یہ کتابیں دیکھ سکتا ہے۔ ہم بھی آخر میں بریلویوں کے کچھ عقائد نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

رضاخانیوں کے عقائد باطلہ

(۱) مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ایک پیر بھائی "مولوی برکات احمد صاحب"

کی قبر میں وہ خوشبو آتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے (معاذ اللہ منہ) خانصاحب بالقابہم کے ملفوظات حصہ دوم مطبوعہ حسنی پریس بریلی کے صـ۲۵ پر ہے۔

("اعلیحضرت نے ایک طویل کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا) جب انکا (یعنی خاں صاحب کے پیر بھائی برکات احمد صاحب کا) انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اُترا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضۂ انور کے قریب آئی تھی۔ انتہی مسلمان ایمانی کلیجہ پہ ہاتھ رکھ کر اپنے قلوب سے فیصلہ لیں کیا یہ الفاظ کسی سچے مسلمان کے زبان و قلم سے نکل سکتے ہیں؟ کیوں مسلمانو۔ کیا مدینہ طیبہ کا وہ بقعہ نور جو آخر الانبیاء خاتم الاصفیاء حضور رسالت پناہ حبیب الرد دو عالم کے شاہ میرے سردار مدینہ کے تاجدار کو آغوش میں لئے فلک الافلاک کو بھی شرما رہا ہے اور حسب تصریح علماء امت عرش الٰہی پر بھی فوقیت رکھتا ہے اسی قابل ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ایک پیر بھائی کی قبر کو طیب رائحہ (خوشبو) میں اُس کے ہمسر کہا جائے کیا وہ روضہ پاک جو نہ صرف عالم انسانی کا قبلہ ہے بلکہ آسمانی مخلوق کی بھی زیارت گاہ ہے اسی لائق ہے کہ چودھویں صدی کے ایک ہندی النسل انسان کے مدفن کو اس کے ہم پلہ بتلایا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آہ خان صاحب نے خوش عقیدہ لوگوں کے لئے اس تاویل کی بھی گنجائش نہ چھوڑی کہ یہ صرف ایک مادحانہ مبالغہ ہے جس کی حقیقت کچھ اور ہے بلکہ صاف فرما دیا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی الخ

کیوں نہیں آخر تو آپ اسی چودہویں صدی کے مجدد ہیں جس کی مجددیت کا دوسرا دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی ہے آخر اس اشتراک کا کچھ اثر تو ہونا چاہیئے خدانہ کردہ اگر ایسے ہی دو چار مجدد اور پیدا ہو گئے تو پھر قیامت بھی کچھ دور نہیں ہے کیا یہی آپ کے اعلیٰ حضرت عاشق رسول اور چناں و چنیں ہیں۔

؎ کار شیطاں میکند نامش ولی　　　گر ولی ایں است لعنت بر ولی

۲۔ رضاخانیوں کے اعلیٰ حضرت مجدد البدعات فاضل بریلوی نے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی امامت کی وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ کی نماز (جس میں بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے) میں نے پڑھائی فاضل موصوف کے ملفوظات حصہ دوم پر ہے:۔

ان کے (یعنی خان صاحب کے ایک پیر بھائی مولوی برکات احمد صاحب کے) انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ حضور کہاں تشریف لئے جاتے ہیں. فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے الحمد للہ یہ جنازہ مبارکہ میں نے پڑھایا انتہی،۔

مسلمانو تمہیں حضور سرور عالم حبیب اعظم شفیع اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا واسطہ خدا را تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس دل میں جو خدا اور اس کے رسول (جل ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت ہی کے لئے بنایا گیا ہے انصاف کو جگہ دے کر غور کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان مدعیان عشق کے دعویٰ عشق و محبت کی کیا حقیقت ہے.

آہ عالم قدس کے جس شہنشاہ نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں از آدم تا عیسےٰ تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی قدرت نے جس کے سر پر امامت انبیاء کا تاج رکھا فرشتوں نے جس کو امام المرسلین کہہ کے سلامی دی آج بریلی والے خان صاحب اس امام الانبیاء کی امامت کے مدعی ہیں نہ ہوا زمانہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ورنہ اس چلے ہوئے دماغ کا یہیں علاج ہو جاتا.

آج ایک مسلمان اس دار الکفر میں بجز اس کے اور کیا کہہ سکتا ہے خان صاحب نیچے کی چگ کے کھاؤ یہ منہ اور مسور کی دال،

۱۳۔ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ناپاک گالیاں دے جن کی نظیر پادریوں پنڈتوں کھلے کافروں مشرکوں کی کتابوں میں بھی نہ پائی جائے. پھر ان سڑی گالیوں میں کسی تاویل و توجیہ کی بھی گنجائش نہ ہو اور مزید براں یہ کہ اُن ناپاک گالیوں سے سرکار دو عالم حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت اور دکھ پہنچے دیکھنے سننے والوں کے کلیجہ بھی ٹکڑے ٹکڑے اور دل پاش پاش ہوں تو ان رضا خانی صاحبان اور ان کے خان والاشان کے نزدیک. ایسا شخص مسلمان ہے اُسے ہرگز

کافر نہ کہا جائے اُس کو کافر کہنے والا بے احتیاط سلامتی سے دور اور راہ استقامت سے بھٹکا ہوا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔

توضیح

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی کتاب "الکوکبۃ الشہابیہ" میں شہید مرحوم مظلوم اہل بدعت پر تبرا بھیجتے ہوئے اپنے نامہ اعمال کو اس طرح سیاہ فرماتے ہیں.

مسلمانو: مسلمانو!! خدارا ان ناپاک شیطانی ملعون کلموں کو غور کرو...... پادریوں پنڈتوں وغیرہم کھلے کافروں مشرکوں کی کتابیں دیکھو.... ان میں بھی اس کی نظیر نہ پاؤ گے ...... مگر اس مدعی اسلام بلکہ مدعی امامت کا کلیجہ چیر کر دیکھئے کہ کس جگر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بے دھڑک یہ صریح سب و دشنام کے لفظ لکھ دیئے.

...... مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انہیں ایذاء نہ پہنچی. ہاں ہاں واللہ واللہ انہیں اطلاع ہوئی واللہ انہیں ایذا پہنچی ...... اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں ...... اس خبیث بد دین نے جو ہمارے عزت والے رسول دوجہاں کے بادشاہ بارگاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ لعنتی کلمات لکھے انہوں نے ہمارے اسلامی دلوں پر تیر و خنجر سے زیادہ کام کیا۔ انتہی بلفظ از کوکبہ شہابیہ ص ۳۰ و ۳۱ و ۳۳ و ۳۴۔

یہ تو خدا خوب جانتا ہے کہ شہید مرحوم کا دامن ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے بلکہ یہ سب یاروں کی کارسازی کے کرشمے ہیں لیکن یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں اس جگہ ہمارا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ خان صاحب کے نزدیک شہید مرحوم تمام ان سنگین جرموں کے مرتکب ہیں. جن کا ذکر ہم نے عقیدہ کے ذیل میں کیا ہے سو الحمد للہ وہ بتمامہ "کوکبہ شہابیہ" کی مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا.

اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود ان سنگین جرموں کے خان صاحب. شہید مرحوم کو کافر نہیں کہتے بلکہ تکفیر کو خلاف احتیاط مخالف حکم نبوی بتلاتے ہیں اور عدم تکفیر کو مذہب مفتیٰ بہ

قرار دیتے ہیں اسی میں سلامتی بتلاتے ہیں وہی ان کے نزدیک راہ استقامت ہے ملاحظہ ہو خان صاحب بالقابہم "تمہید ایمان ص ۴۳" پر ارقام فرماتے ہیں۔

اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔

نیز اسی تمہید ایمان ص ۴۲ پر ہے۔

"علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی جواب ہے وہوا الجواب وبہ یفتی وعلیہ الفتوی وہو المذہب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ وفیہ السداد یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتویٰ ہوا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں استقامت۔

خان صاحب کی کل عبارتیں حاضر ہیں نتیجہ صاف ہے کہ خانصاحب کے نزدیک ایسے سنگین جرموں کا مرتکب بھی مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے سخت بے احتیاط اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے۔

حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو بدبخت ایسے مجرم کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

(شفا شریف و بزازیہ)

وفتاویٰ خیریہ وغیرہ میں ہے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے تمہید ص ۲۷؛

نیز اس کے ص ۲۸ پر ہے۔

مجمع الانہر و درمختار میں ہے جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

پھر اس کے ص ۳۵ پر ہے۔

"نہ کہ ایک کلام تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیاء علیہم السلام والثنا میں صاف صریح

ناقابل تاویل و توجیہ ہوا اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو اب تو اُسے کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔ اور جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے ابھی شفا و بزازیہ و درر و غرر و فتاویٰ خیریہ و مجمع الانہر و درمختار وغیرہ کتب معتمدہ سے سن چکے ہو کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

اب خان صاحب کی پہلی عبارت کو ان تینوں عبارتوں کے ساتھ ملایئے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب خود اپنے اقرار سے کافر ہیں ان کے کفر پر ساری امت محمدیہ کا اجماع ہے اب جو ان کے کافر یا معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی انہی کے فتوے سے ایسا ہی کافر ہے وہلم جرا؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۱۵۔ جو شخص قرآن عظیم میں جا بجا شرک ملتے وہ مسلمان ہے اُسے کافر کہنا بے احتیاطی اور ہلاکت میں پڑنا ہے۔

۱۶۔ جو بدبخت کہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بکثرت شرک ہوئے وہ مسلمان ہے الخ۔

۱۷۔ علیٰ ہذا جو ملائکہ کو مشرک بتلائے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے۔ الخ

۱۸۔ جس شخص کے کلام میں شرک کے انبار ہوں وہ بھی ان کے نزدیک معاذ اللہ مسلمان ہے۔

توضیح حضرت شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص ۴۰ پر یوں گہر افشانی فرماتے ہیں۔

ل مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں خان صاحب کے اس فقرہ نے فیصلہ کر دیا کہ کسی کو کافر نہ کہنا اس کے مسلمان سمجھنے کو مستلزم ہے کہیئے اب بھی یہ مطالبہ درست ہے کہ کہاں اعلیٰ حضرت نے مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کو مسلمان لکھا ہے اگرچہ خان صاحب کا کفر ثابت ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شہید مرحوم کو کافر نہ کہیں جیسا کہ ان عبارات سے ظاہر ہے لیکن ہم نے بحمد اللہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ خان صاحب حضرت شہید مرحوم کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ منہ غفرلہ

۱:۔ جا بجا قرآن عظیم ایک بات فرمائے اور یہ صاف اُسے غلط باطل کہہ جائے۔۔۔۔

۲:۔ اس کے طور پر قرآن عظیم میں جا بجا شرک موجود۔

۳:۔ اس کے نزدیک انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شرک صادر ہوئے۔

۵:۔ کھلے شرکوں کے بھاری طور سے خود اس کے کلام میں برساتی حشرات الارض کی طرح پھیلے ہیں انتہی:

لیکن باوجود ان تمام خرافات کے وہ خانصاحب کے نزدیک مسلمان ہی ہیں انہیں کافر کہنا گناہ ہے (دیکھو عبارات مذکورۃ الصدر)

۹:۔ جو بے دین اللہ سبحانہ کے علم کو ضروری نہ جانے بلکہ اس کا جاہل رہنا بھی (معاذ اللہ منہ) ممکن سمجھے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اُسے کافر نہیں کہا جا سکتا (استغفر اللہ منہ)

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۱ پر فرماتے ہیں:

(اس نے) یہاں اللہ سبحانہ کے علم کو لازم و ضروری نہ جانا اور معاذ اللہ اس کا جہل ممکن مانا؛

لیکن ہیں پھر بھی مسلمان لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔

۱۰:۔ جو شیطان تمام امت محمدیہ کو کافر مانے وہ علماء امت کے نزدیک تو یقیناً و قطعاً کافر ہے لیکن رضا خانی صاحبان کے نزدیک مسلمان ہی ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔

توضیح موجد رضا خانیت جناب مولوی احمد رضا خان صاحب حضرت شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ کے ص۱۲ پر فرماتے ہیں۔

(اُس نے) "اسی قول میں تمام اُمت کو کافر مانا"، لیکن رہے پھر بھی مسلمان (دیکھو عبارات مذکورۃ الصدر)

۱۱:۔ جو ملعون علم الٰہی کو قدیم نہ مانے وہ مسلمان ہے ان کے نزدیک اُسے ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا۔

توضیح خان صاحب موصوف حضرت شہید مرحوم کے متعلق "کوکبہ شہابیہ" ص۱۲ پر فرماتے ہیں۔

تو (اس کے نزدیک) علم الٰہی قدیم قدیم نہ ہوا"۔ لیکن باوجود اس کے خان صاحب کے آخری

فیصلہ کے مطابق وہ مسلمان ہی ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا۔

۱۲:۔ جو مردود صاف اقرار کرے کہ خدائے تعالیٰ کی بات واقع میں جھوٹ ہو جانے میں کوئی حرج نہیں وہ مسلمان ہے الخ

توضیح خانصاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ ص۱۴ پر فرماتے ہیں:

یہاں صاف اقرار کر دیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹ ہو جانے میں تو حرج نہیں لیکن فتویٰ اسی پر ہے کہ علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں ان کو کافر کہنا ہلاکت میں پڑنا ہے (کما سبق آنفاً)

۱۳:۔ جو جہنمی کہے کہ صفات انسانی کھانا پینا سونا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا جلنا ڈوبنا مرنا غرض سب کچھ خدا کے لئے روا ہے وہ بھی رضا خانی مذہب میں مسلمان ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۵ پر فرماتے ہیں۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدائے پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا سونا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا جلنا ڈوبنا مرنا سب کچھ داخل ہے"

لیکن واہ رے رضا خانیوں کے اسلام تیری وسعت کہ پھر بھی وہ مسلمان ہی ہیں۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا)

۱۴:۔ جو ملعون اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کو ممتنع بالغیر اور محال عادی بھی نہ مانے بلکہ صاف اقرار کرے کہ (معاذ اللہ) خدا جھوٹ بولتا رہتا ہے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اُسے کافر کہنا خلاف احتیاط۔

توضیح۔ خانصاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق اسی کوکبہ شہابیہ ص۱۵ پر فرماتے ہیں

اس میں صاف اقرار ہے کہ اللہ عزوجل کا جھوٹ بولنا ممتنع بالغیر بلکہ محال عادی بھی نہ ہو۔

لیکن فتویٰ وہی ہے "علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں" اللہ رے احتیاط:

۱۵:۔ جو مردود صراحتہً کہے کہ اللہ عزوجل میں ہر عیب و آلایش کا آنا جائز ہے مگر وہ اپنی نبی رکھنے کے لئے مصلحتہً اس سے بچتا ہے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اس کے کفر پر حکم نہیں کیا جا سکتا۔

توضیح خان صاحب موصوف حضرت شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۶ پر فرماتے ہیں۔ اسی قول میں صراحتہً مان لیا کہ اللہ تعالےٰ میں عیب و آلایش کا آنا جائز ہے مگر مصلحتہً ترفع کے لئے اس سے بچتا ہے۔

لیکن فیصلہ وہی ہے کہ میں اسمٰعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا الخ (عبارت پہلے گذر چکی ہے)

۱۶:۔ جو شقی ازلی صاف طور پر کہے کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے وہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ میں ہو سکتی ہیں مثلاً سونا اونگھنا بھکنا جورو بیٹا بیٹی والا ہونا بندوں سے ڈرنا کسی کو اپنی بادشاہت میں شریک کر لینا ذلت وخواری کے باعث کسی دوسرے کو اپنا بازو بنا لینا وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ خدا میں پایا جا سکتا ہے وہ مردود بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے۔

توضیح، خانصاحب موصوف کوکبہ شہابیہ ص۱۶ پر شہید مرحوم ومظلوم کے متعلق لکھتے ہیں

"اس قول میں صاف بتایا کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالیٰ کی مدح کی جاتی ہے وہ سب باتیں اللہ عزوجل کے لئے ہو سکتی ہیں ورنہ تعریف نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے سونا اونگھنا بھکنا جورو بیٹا بندوں سے ڈرنا کسی کو اپنی بادشاہی کا شریک کر لینا ذلت وخواری کے باعث دوسرے کو اپنا بازو بنانا وغیرہ وغیرہ سب کچھ روا ہے۔"

لیکن واہ رے رضاخانیوں کے اسلام تیری وسعت کہ پھر بھی وہ تیرے آغوش میں ہیں۔

۱۷:۔ جو مردود حضرات انبیاء علیہم السلام و ملائکہ عظام اور قیامت جنت دوزخ غرض تمام ایمانیات کے ماننے سے انکار کرے وہ بھی ان کے مذہب میں مسلمان ہے نہ معلوم ان بزرگوں

کے خیال میں اسلام کس چیز کا نام ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۹ پر فرماتے ہیں:

یہاں انبیاء و ملائکہ و قیامت وجنت ونار وغیرہ تمام ایمانیات کے ماننے سے صاف انکار کیا" لیکن رہے پھر بھی مسلمان (جیسا کہ خانصاحب کی کئی عبارتوں سے معلوم ہو چکا ہے) حالانکہ یہ تمام چیزیں ضروریات دین میں سے ہیں اور جس طرح ضروریات دین کا منکر کافر ہے اسی طرح منکر کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر و مرتد ہے۔ خان صاحب موصوف "ازالۃ العار" ص۶ پر فرماتے ہیں۔

"جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے"

ہمارے ناظرین خود نتیجہ نکال لیں کہ اب خانصاحب اپنے اقرار سے کون ہوئے ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔

۱۸:۔ جو شخص بہ تصریح کہے کہ بعض لوگ علم میں انبیاء کے برابر وہمسر ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انہیں باطنی۔ وہ بھی مسلمان ہے اس کو کافر کہنا نہ چاہیئے۔

۱۹:۔ جو شخص غیر نبی کو نبی بتلائے وہ بھی مسلمان ہے۔

توضیح خانصاحب بالقابہم شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ ص۲۲ پر فرماتے ہیں۔

اس قول ناپاک میں اس قول بیباک نے بے پردہ وحجاب صاف صاف تصریحیں کیں بعض لوگ علم میں انبیاء کے برابر وہمسر ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انہیں باطنی وہ انبیاء کے مانند معصوم ہوتے ہیں اسی مرتبہ کا نام حکمت ہے یہ کھلم کھلا غیر نبی کو نبی بتلانا ہے۔"

لیکن فیصلہ وہی ہے جو ہمارے ناظرین پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں "علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں الخ"

۲۰:- جو خبیث ایسی بات کہے جو بہت سی وجہ سے باجماع اہلسنت یقیناً کفر ہو حتیٰ کہ اس میں نبوّت کا دعویٰ ہو وہ بھی مسلمان ہے۔

توضیح. خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبۃ الشہابیہ صـ۲۳ کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں:-

(اس کا) یہ "قول باجماع اہلسنت بہت سی وجہ سے کفر ہے ازاں جملہ یہ کہ اس میں اللہ تعالےٰ سے بے وساطت نبی احکام شرعیہ ملنے کا ادعا ہے اور یہ نبوّت کا دعویٰ ہے"۔

لیکن واہ رے رضاخانیوں کے اسلام کہ تجھ میں دعوئ نبوت بھی کفر نہیں باوجود اس سنگین جرم کے شہید مرحوم مسلمان کے مسلمان ہیں حضرت شہید تو فی الحقیقت بھی مسلمان ہیں لیکن وائے قسمت کہ خان صاحب کسی گھاٹ کے نہ رہے۔ کیا ہے؟ کوئی بدعتی کہ خان صاحب کو ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی ثابت کر سکے واہ رے شہید تیری کرامت!!:

مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کی ذریت کے نزدیک مندرجہ ذیل تیس عقیدے اسلامی عقیدے ہیں۔ ان عقیدوں کا رکھنے والا کافر نہیں مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والا بے احتیاط سلامتی سے دور اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے وہ عقائد ملعونہ یہ ہیں نقل کفر کفر نباشد:

(۲۱):- خدا وہ ہے جسے مکان زمان جہت ماہیت ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے ہے اور صریح کفروں کے ساتھ شمار کرنے کے قابل ہے۔

(۲۲):- خدا کی بات کا اعتبار نہیں۔ (۲۳) خدا کی بات قابلِ استناد نہیں

(۲۴):- اس کا دین لائق اعتماد نہیں (۲۵) خدا وہ ہے جس کا بھکنا غافل ہونا

(۲۶):- ظالم ہونا (۲۷) حتیٰ کہ مرجانا

(۲۸) ناچنا (۲۹) تھرکنا (۳۰) نٹ کی طرح کلا کھیلنا (۳۱) عورتوں سے جماع کرنا

(۳۲) لواطت جیسی بیحیائی کا مرتکب ہونا (۳۳) حتیٰ کہ خود مخنث کی طرح مفعول بننا۔

سب ممکن ہے (۳۴) کوئی خباثت کوئی فضیحت خدا کی شان کے خلاف نہیں (۳۵) خدا کھانے کا منہ

(۳۶) بھرنے کا پیٹ (۳۷) مردی زنی کی علامت رکھتا ہے اور بالفعل موجود ہیں (۳۸) خدا صمد نہیں جوف دار کھکل ہے (۳۹) سبوح قدوس نہیں (۴۰) خنثیٰ مشکل ہے (۴۱) خدا وہ ہے جو اپنے آپ کو جلا سکتا ہے (۴۲) خدا وہ ہے جو اپنے آپ کو ڈبو سکتا ہے (۴۳) خدا وہ ہے جو زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر یا بندوق مار کر خودکشی کر سکتا ہے (۴۴) خدا کے ماں باپ جورو بیٹا سب ممکن ہے (۴۵) خدا ماں باپ سے پیدا ہوا ہے (۴۶) خدا ربڑ کی طرح پھیلتا پھٹتا ہے (۴۷) خدا برہما کی طرح جو لکھا ہے (۴۸) خدا ایسا ہے جس کا کلام فنا ہو سکتا ہے (۴۹) خدا بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ بولنے سے بچتا ہے کہ کہیں جھوٹا نہ سمجھیں (۵۰) خدا بندوں سے چرا چھپا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بک سکتا ہے۔

توضیح فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب بالقابہم نے اپنے فتاوے کے صـ۴۵، ۴۶ پر ان عقائد ملعونہ کو حضرت شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا لیکن بایں ہمہ فیصلہ یہ فرماتے ہیں۔

اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ تمہید ایمان صـ۴۳

دوسروں کے لئے ارشاد ہے۔

علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی جواب ہے یہی مذہب مفتی بہ ہے اسی میں سلامتی اور استقامت ہے"۔ تمہید ایمان صـ۴۲ (ملخصاً)

مسلمانو! خدارا انصاف جس ظالم مردود کے ایسے خبیث عقیدے ہوں کیا وہ بھی اہل لا اِلٰہ اِلَّا اللہ میں سے ہے کیا ایسے ہی شخص کی تکفیر سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے علیٰ ہذا جو شقی ازلی ان ناپاک ملعون عقیدوں کو اسلامی عقیدے بتلائے ان کے معتقد کو کافر نہ کہے کیا اس کے کفر میں کوئی کلام ہو سکتا ہے۔

اے مالک عرش تو شاہد ہے کہ ہمارے نزدیک ایسے ملعون عقیدوں کا رکھنے والا کافر

اکفر ہے ہمارا ایمان ہے کہ اُس کا کفر ابوجہل اور ابولہب سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اے سمیع و بصیر اے علیم و خبیر دیکھئے یہ بھی علم ہے کہ شہید مظلوم اور جملہ اکابر کا دامن ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے (سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ) وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

ملحوظ رہے کہ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سب خان صاحب کا مسلّمہ ہے جس میں کسی بدعتی کو مجال انکار نہیں۔

ردّ بریلویت پر مشہور کُتب

(۱) ازالۃ الریب	(۱۴) مُلّا علی قاریؒ اور مسئلہ علم غیب و حاضر ناظر	(۲۷) تقدس حرمین
(۲) اظہار العیب	(۱۵) راہ سنت	(۲۸) بریلوی فتوے
(۳) تبرید النواظر	(۱۶) بابِ جنت	(۲۹) ابراھین القاطعہ
(۴) تفریح الخواطر	(۱۷) عبادات اکابر	(۳۰) مجموعہ رسائل چاندپوری
(۵) دل کا سرور	(۱۸) فیصلہ کن مناظرہ	(۳۱) سیف یمانی برمقائد فرقہ رضاخانی
(۶) راہ ہدایت	(۱۹) حفظ الایمان۔ انجمن ارشاد المسلمین والی	(۳۲) سیف علی
(۷) نور و بشر	(۲۰) الشہابت الثاقب	(۳۳) فیصلہ خصومات از محکمہ دار القضاۃ
(۸) گلدستہ توحید	(۲۱) مطالعہ بریلویت ۳ جلد	(۳۴) المہند علی المفند
(۹) تنقید متین	(۲۲) شاہ اسمٰعیل شہید پر اعتراضات کے جوابات	(۳۵) الحسنیہ لاہل السنۃ
(۱۰) اتمام برھان	(۲۳) شاہ اسمٰعیل شہید	(۳۶) مقامع الحدید
(۱۱) حکم الذکر بالبر	(۲۴) نماز کا مقام توحید	(۳۷) فتح بریلی کا دلکش نظارہ
(۱۲) اخفاء الذکر	(۲۵) عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے	(۳۸) دلیل الخیرات
(۱۳) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	(۲۶) علم جنات و ملائکہ	(۳۹) چراغ سنت

429

سَیفِ نعمان

اس رسالہ میں غیر مقلدین کے اشتہار کا
جواب دیا گیا ہے

جمع و ترتیب
سیّد مُشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

تائید الحنفیہ

یعنی

فقہ حنفی

پر

اعتراضات کے جوابات

محترم ناظرین کرام: ہمارے ایک ساتھی نے غیر مقلدین کا ایک اشتہار لا کر دیا۔ یہ اشتہار فوٹو سٹیٹ کروا کر تقسیم کیے گئے ہیں اس میں فقہ حنفی پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ اعتراض اصل میں مولانا یوسف جے پوری غیر مقلد کی کتاب حقیقۃ الفقہ سے سرقہ کیے گئے ہیں۔ اسلیے ہم نے اعتراض نقل کرتے ہوئے حقیقۃ الفقہ کا حوالہ دیدیا ہے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

جمع و ترتیب: سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

فقہ حنفی

حصہ اول

جمع و ترتیب

سید مشتاق علی شاہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

سیّد مشتاق علی شاہ کی مرتب کردہ کتب کی فہرست

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تعارف فقہ پانچ حصے	۱۰۰—۰۰
۲	احادیث نبویؐ اور فقہ حنفی حصہ اوّل	۶—۰۰
۳	احادیث نبویؐ اور فقہ حنفی حصہ دوم	۶—۰۰
۴	بیس رکعات تراویح کا ثبوت	۳—۰۰
۵	سیفِ نعمان	۳—۰۰
۶	تائید الحنفیہ	۱—۵۰
۷	حضرت امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کے جوابات	
۸	امام ابوحنیفہؒ کا مقام محدثین کی نظر میں	۶—۰۰
۹	تقلید جائز اور ناجائز	۱۵—۰۰
۱۰	معین الفقہ یعنی فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات مع	۱۵—۰۰
۱۱	ابحاث غیر مقلدین	۱۸—۰۰
۱۲	مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۵۰—۰۰
۱۳	مجموعہ رسائل مولانا محمد امین اوکاڑی	۷۵—۰۰